تاریخِ اسلام

حصّہ اوّل و دوم



تالیف

شاہ معین الدین احمد ندوی

مکتبہ اسلامیہ

تاریخِ اسلام



حصّہ اوّل

تالیف

شاہ معین الدین احمد ندوی

مکتبہ اسلامیہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر ..... محمد سرور عاصم

اشاعت ..... جون 2013ء

قیمت .....

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973 فیکس: 042-37232369

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

E-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
دیباچہ طبع دوم	13
عرب قبل از اسلام	15
وجہ تسمیہ	15
جغرافیہ	15
قدیم تاریخ	16
بعثت ابراہیمی	16
تعمیر کعبہ	17
آل اسماعیل	17
خاندان قریش کی بنیاد اور ان کا نظام	18
فوجی شعبہ	18
عدالتی شعبہ	19
ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی حالت	20
دعوت توحید کے لیے عرب کا انتخاب	23
ہاشم کی خدمات اور کارنامے	24
عبدالمطلب	25
عبداللہ	25
ولادت باسعادت	
ولادت نبوی ﷺ	25
حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی پرورش اور حضرت آمنہ کا انتقال	25
ابوطالب کی پرورش اور شام کا سفر	26
ایک جنگ میں شرکت	26
تجارت کا شغل	27
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی	27
حلف الفضول میں شرکت	28
تعمیر کعبہ	28
نبوت کی تمہید	28
بعثت (ظہور اسلام)	29
دعوت اسلام کا مخفی آغاز	30
علانیہ تبلیغ	30
مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز	31
ابوطالب سے شکایت، ان کا جواب اور رسول اللہ ﷺ کا استقلال	31
قریش کی ایذا رسانی	32
دنیاوی ترغیبات اور آنحضرت ﷺ کا جواب	32
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	33
مسلمانوں پر مشرکین کا جور و ستم	33
حبشہ کی ہجرت	34

مضامین	صفحہ نمبر
مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش اور اس میں ناکامی	34
حبشہ کی دوسری ہجرت	35
بنی ہاشم کا مقاطعہ، شعب ابی طالب میں نظر بندی اور رہائی	35
معراج اور فریضۂ نماز	36
ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال	36
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی	36
تبلیغ کیلئے طائف کا سفر اور واپسی	37
مطعم بن عدی کی زیر حمایت فریضۂ تبلیغ میں وسعت	37
انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت	37
ہجرت	
ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد و پیمان	38
صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجرت مدینہ	39
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش	40
ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	40
تعاقب اور مشرکین کی ناکامی	40
اہل مدینہ کا انتظار	41
قبا میں ورود اور مسجد قبا کی تاسیس	41
مدینہ میں داخلہ، انصار کا جوش اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام	42
تعمیر مسجد اور نماز باجماعت کا اہتمام	42
مہاجرین اور انصار میں رشتہ اخوت اور انصار کا بے نظیر ایثار	43
یہود مدینہ سے معاہدہ	43
کعبہ کا قبلہ قرار پانا	44
یہودیوں کی مخالفت کا آغاز	44
مسلمانوں کی عام مخالفت اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ	44
غزوات	
حفاظت اور مدافعت کی تدبیریں	45
مدینہ کی چراگاہ پر حملہ	46
سریہ عبداللہ بن جحش	46
غزوۂ بدر	46
اسیران جنگ سے حسن سلوک	48
قریش کا جوش انتقام اور غزوۂ سویق	48
متفرق واقعات	49
غزوۂ احد	49
متفرق واقعات	53
مختلف سرایا ۴ھ	53
متفرق واقعات	54
یہودیوں کی مخالفت اور اس کے اسباب	54
غزوۂ بنی قینقاع	55
کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیاں اور اس کا قتل	56
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش	56
غزوۂ بنی نضیر	57
غزوۂ بنی المصطلق	57
واقعہ افک	58

مضامین	صفحہ نمبر
غزوۂ احزاب	58
بنی قریظہ کا خاتمہ	59
حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح	60
پردہ کا حکم	60
عمرہ	61
صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان	61
بیعت رضوان	62
سلاطین کو دعوت اسلام کے خطوط اور ان کے جوابات اور اس کے نتائج	64
غزوۂ خیبر ۷ھ	65
وادی القریٰ	67
ادائے عمرہ	67
غزوۂ موتہ ۸ھ	67
فتح مکہ ۸ھ	68
غزوۂ حنین	72
اوطاس	73
طائف کا محاصرہ	73
تقسیم غنائم	73
غزوۂ تبوک ۹ھ	75
حج اور اعلان برأت	75
مختلف اغراض کے لئے چھوٹے چھوٹے سریے	76
جنگ میں اسلام کی اصلاحات	80
مذہبی انتظامات	82
تبلیغ و دعوت اسلام	82
وفود	86
دعاۃ اور معلمین کی تعلیم	87
تعمیر مساجد	89
ائمہ نماز	90
مؤذنین	91
تاسیس حکومت الٰہی	91
فوج اور امیر العسکری	92
افتا	92
مقدمات کا فیصلہ	92
کاتب	92
احتساب	93
عمال کا جائزہ	93
حکام اور ولاۃ	93
محصلین صدقات	94
محاصل کے اقسام اور اس کے مصارف	95
غنیمت	95
زکوٰۃ	95
جزیہ	96
خراج	96
شریعت کی تاسیس و تکمیل	96
حجۃ الوداع	97
خطبۃ الوداع	98
وفات	104
واقعہ قرطاس	105
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استقلال	109
تجہیز و تکفین	110
متروکات	111

مضامین	صفحہ نمبر
ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن	112
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	112
حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا	113
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	113
حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	113
ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا	113
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	114
حضرت زینب رضی اللہ عنہا	114
حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	114
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	115
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	115
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	115
اولاد امجاد	116
اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	117
اسلام کی تعلیمات کا اثر	118
خلافت راشدہ	119
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	119
۱۲ھ مطابق ۶۳۳ء تا ۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء	
مختصر حالات	119
سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت	121
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں	
تاخیر کا سبب	122
قبائل میں شورش وانقلاب کا آغاز	123
اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مہم	124
مدعیان نبوت کا استیصال	124
خودسر مرتدامرا کا استیصال	125

مضامین	صفحہ نمبر
منکرین زکوۃ کی تادیب	126
فتوحات	127
ایران وروم کی مخالف حکومتیں	127
ایران کی سیاسی حالت	128
عراق پر عرب قبائل کا حملہ	128
عراق پر فوج کشی اور فتوحات	128
عرب اور رومیوں کے تعلقات	132
شام پر فوج کشی اور فتوحات	133
علالت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف	134
آخری وصیتیں اور وفات	135
عہد صدیقی پر مختصر تبصرہ	135
نظام خلافت	
ملکی انتظام	136
حکام کے انتخاب میں احتیاط اور ان کو مفید نصیحتیں	136
مالی انتظام	137
فوجی نظام	138
ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت	138
تحفظ دین	139
تدوین قرآن	139
علمی کمالات	141
سیرۃ الصدیق رضی اللہ عنہ	141
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	143
۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء تا ۲۴ھ مطابق ۶۴۵ء	
تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ	143

مضامین	صفحہ نمبر
خلافت وفتوحات	144
عراق کی مہم اور فتوحات	145
واقعہ بویب ۱۴ھ اور ایرانیوں کی شکست	146
ایرانیوں کا جوش	147
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تیاریاں	147
اسلامی سفارت	148
قادسیہ کی جنگ	148
ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ	150
جلولاء کا معرکہ	151
حلوان پر قبضہ	151
جزیرہ	152
تکریت پر قبضہ	152
خوزستان	153
عراق عجم پر فوج کشی اور نہاوند کا معرکہ	154
ایران پر عام لشکر کشی	155
اصفہان	156
ہمدان کی بغاوت	156
رے وغیرہ کی فتح	157
طبرستان	157
آذربائیجان	157
آرمینیہ	158
فارس	158
کرمان	159
سیستان	160
مکران	160
خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ	160

مضامین	صفحہ نمبر
شام کی فتوحات	162
اردن کی فتح	162
حمص وغیرہ کی فتح	163
ہرقل کے دربار میں رومیوں کی فریاد اور ان کا جوش وخروش	163
مسلمانوں کی تیاریاں	164
یرموک کا فیصلہ کن معرکہ	164
بیت المقدس کی فتح	165
حمص کی بغاوت	167
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی	167
طاعون عمواس	169
قیساریہ کی فتح	170
مصر کی فتوحات	170
فسطاط کا محاصرہ اور فتح	171
اسکندریہ کی تسخیر	172
متفرق فتوحات	172
طرابلس الغرب کی تسخیر	173
حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ اور شہادت	173
جانشین	174
آخری وصیتیں	174
وفات	175
اولاد	175
فاروقی کارنامے	175
فتوحات پر تبصرہ	175
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حقیقی کارنامہ	176
شوریٰ	177

مضامین	صفحہ نمبر
عہدہ داروں کا انتخاب	178
عمال کے اختیارات، فرائض اور ان کا محاسبہ	178
صیغۂ عدالت	179
پولیس	181
جیل خانے	181
صیغۂ محاصل	181
محکمہ آبپاشی	183
اور مختلف قسم کی آمدنیاں	183
بیت المال	184
صیغۂ فوج	185
فوج کا اسٹاف	186
شعبہ تعلیم	187
حدیث کی خدمت	187
فقہ کی خدمت	189
تعمیر مساجد	189
تبلیغ اسلام	189
حرم کی توسیع	191
مسجد نبوی کی توسیع	191
رفاہ عام کے احکام	191
نہر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ	191
نہر معقل رضی اللہ عنہ	191
نہر سعد رضی اللہ عنہ	191
نہر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ	192
عدل و مساوات	192
غیر قوموں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل	193
جزیہ کی بحث	194
رعایا کی خبر گیری	196
مساوات	198
بیت المال کی حفاظت	199
فضل و کمال	201
سیرۃ الفاروق رضی اللہ عنہ	203
خشیت الٰہی	203
آیات قرآنی سے تاثر	204
حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم	204
متعلقین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ	204
زہد و قناعت	205
سادگی	206
احتساب نفس	206
مزاج	206
ذریعہ معاش	207
غذا و لباس	207
اولیات	208
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان	210
۲۴ھ مطابق ۶۴۵ء تا ۳۵ھ مطابق ۶۵۶ء	
ترجمہ عثمان رضی اللہ عنہ	210
بیر رومہ کی خریداری	211
خلافت اور فتوحات	211
پہلا مقدمہ	212
اسکندریہ کی بغاوت	213

مضامین	صفحہ نمبر
آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوت	
اور بعض فتوحات	213
عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی	214
طرابلس کی فتح	214
اسپین پر حملہ	215
قبرص کی فتح	215
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی	216
ایران کی بغاوت اور فارس پر مکمل قبضہ	216
ولید بن عقبہ کی معزولی	217
طبرستان کی فتح	217
خراسان	217
طخارستان کی فتح	217
کرمان اور سجستان پر قبضہ	218
کش اور دوار کی فتوحات	218
غزنہ کی فتح	219
سواحل شام پر رومیوں کا حملہ	219
متفرق فتوحات	219
انقلاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت	219
عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی	221
ابن سبا کی کامیابی کے اسباب	222
کوفہ میں مخالفت	223
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پہلا عملی	
اقدام	223
عمال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مشورہ	224
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ	224
تحقیقاتی کمیشن	225

مضامین	صفحہ نمبر
اعلان عام	225
عمال کی طلبی	226
مخالفین کے اعتراضات اور اس کی	
حقیقت	227
اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور جوار	
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے سے انکار	233
مدینہ پر باغیوں کی یورش	234
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ	234
مصریوں کی یورش	234
دوسری یورش اور خلافت سے	
دستبرداری کا مطالبہ	235
محاصرہ	236
اتمام حجت کے لیے تقریریں	236
جانثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے	
لیے اجازت طلبی	238
شہادت کی تیاری	239
شہادت	240
تجہیز و تکفین	240
صحابہ رضی اللہ عنہم پر اثر	240
شہادت کے نتائج	241
ازواج و اولاد	241
عہد عثمانی رضی اللہ عنہ پر تبصرہ	242
بغاوتوں کا استیصال	242
فتوحات	242
نظام خلافت	242
مجلس شوریٰ	242

مضامین	صفحہ نمبر
بعض تبدیلیاں	243
عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی	243
بیت المال کے محاصل و مصارف	244
صیغۂ فوج	244
بحری فوج اور اسلامی بیڑہ	244
رفاہ عام کے کام	245
بند مہروز	245
مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر	246
مصحف صدیقی کی اشاعت	246
مؤذنوں کی تنخواہ	247
متفرق واقعات	247
فضل و کمال	247
اخلاق و سیرت	248
خشیت الٰہی اور رقت قلب	248
مؤاخذہ قیامت کا خوف	249
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت	
نبوی ﷺ	249
محبت رسول	249
احترام رسول ﷺ	250
اتباع سنت و پاس فرمان رسول ﷺ	250
انفاق فی سبیل اللہ	250
فیاضی	250
حیا	250
صبر و تحمل	250
تواضع	250
ذریعہ معاش	250
غذا و لباس	251
حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب	253
۳۵ھ مطابق ۶۵۶ء تا ۴۰ھ مطابق ۶۶۱ء	
ترجمہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب	253
خلافت	254
بیعت خلافت	254
قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی تلاش میں ناکامی اور اس کے نتائج	255
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی اور ان کی مخالفت	255
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں	257
اصلاح و قصاص کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آمادگی	257
بصرہ کی روانگی	259
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیاریاں	261
محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم کی روش	262
مدینہ سے روانگی	262
کوفہ اور بصرہ کی مدد	262
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مصالحت کی کوشش	263
سبائیوں کی فتنہ انگیزیاں	264
مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کی مصالحانہ روش	265
صلح کا انعقاد	266
سبائیوں کی فتنہ انگیزی	266

مضامین	صفحہ نمبر
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی علیحدگی اور شہادت	267
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	268
ام المؤمنین کے اونٹ کے گرد جانثاروں کی جانبازی	268
جنگ کا خاتمہ	268
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں	
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حاضری	269
کوفہ کا دارالخلافہ قرار پانا	270
عمال کا تقرر	270
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت	271
شام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈہ	272
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حالات کی اطلاع	273
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیاریاں اور مصالحت کی کوششیں	273
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روانگی	275
عراقی اور شامی مقدمۃ الجیش کا سامنا	275
صفین میں شامیوں کی مورچہ بندی	275
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ورود اور پانی کے لیے کش مکش	275
میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش	276
جنگ کا آغاز	276
مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی	276
خونریز لڑائیوں کا سلسلہ	277
لیلۃ الہریر کی فیصلہ کن جنگ	277
علوی فوج میں اختلاف	278
تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب	279
تحکیم کا عہد نامہ	279
حکمین کی گفتگو	281
فیصلہ کا اعلان	282
خوارج کی سرکشی	284
نہروان میں اجتماع	285
خوارج کو دعوت اتحاد	285
اتمام حجت	286
خوارج کی شکست	288
علوی فوج کی کمزوری	288
مصر پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبضہ	288
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی اور اس کے نتائج	291
مصالحت	294
فتوحات	294
بغاوتوں کا استیصال	294
حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ	294
ازواج واولاد	296
عہد مرتضوی رضی اللہ عنہ پر ایک نظر	296
نظام خلافت کی اصلاح	299
فوج	300
صیغۂ مال	300
عمال کی اخلاقی نگرانی	300
خراج کی آمدنی کا احتساب	301
بیت المال کی حفاظت	302

مضامین	صفحہ نمبر
ذمیوں کے ساتھ نرمی	303
عدل ومساوات	303
بازار کی نگرانی	304
فضل وکمال	304
سیرۃ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	307
زہد	307
عبادت وریاضت	308
انفاق فی سبیل اللہ	308
امانت ودیانت	308
شجاعت	309
سادگی	309
لباس وغذا	309
سیرت مرتضوی رضی اللہ عنہ پر ایک جامع تبصرہ	310
حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۴۱ھ مطابق ۶۶۲ء	311
ترجمہ حسن رضی اللہ عنہ	311
خلافت	311
پہلی تقریر	312
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جارحانہ اقدام	312
مقابلہ کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کی روانگی اور عراقی فوج کی غداری	312
مصالحت اور دستبرداری	314
شرائط صلح	314
شرائط کی زبانی تصدیق	316
دستبرداری کا اعلان	316
مدینہ کا قیام	317
قیس بن سعد اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی مصالحت	317
مصالحت کے اثرات ونتائج	318
وفات	318
جنازہ پر جھگڑا	319
ماتم	320
حلیہ	320
ازواج واولاد	320
حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عظیم الشان کارنامہ	320
فضل وکمال	322
فضائل واخلاق	323
استغناو بے نیازی	323
حلم	323
عبادت	323
اصلاح عقائد	324
فیاضی وسیر چشمی	324
اہل حاجت کی حاجت برآری	324

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

الحمدللہ کہ سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا احسن قبول حاصل ہوا' علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قدر افزائی کی۔ جن یونیورسٹیوں کے نصاب میں تاریخ اسلام ہے ان میں سے بعض نے اس سلسلہ کو نصاب میں داخل کرلیا' اور جن میں انگریزی کی کوئی کتاب پڑھائی جاتی ہے اس کے طلبہ بھی سہولت کے خیال سے اسی سلسلہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس لیے چند سال کے اندر اس کے کئی حصے ختم ہوگئے' پہلا حصہ چند مہینے ہوئے دوبارہ شائع ہو چکا ہے' زیر نظر حصہ دوم کا دوسرا ایڈیشن بھی بالکل تیار ہے' تیسرے حصہ کی کتابت ہورہی ہے اور امید ہے کہ ۱۹۴۹ء کے وسط تک شائع ہو جائے گا۔ ان کے پہلے ایڈیشنوں میں جو خامیاں اور فروگزاشتیں رہ گئی تھیں طبع دوم میں ان کی اصلاح' ضروری ترمیمیں اور نئے اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ اس حصہ میں عہد جاہلی سے لے کر اموی حکومت کے خاتمہ تک کی علمی حالت پر تبصرہ نیا اضافہ ہے۔ اس سے اسلام کی ابتدائی سو اصدی کی علمی و تعلیمی تاریخ کا اندازہ ہو جاتا ہے' اس لیے اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع و مکمل ہوگیا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۲۳ صفر ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۴۸ء

دارالمصنفین' اعظم گڑھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن ط

تاریخ اسلام

حصہ اول

عرب قبل از اسلام

وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو بیانات ہیں' ایک یہ کہ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں' چونکہ عرب اپنی فصاحت اور زبان آوری کے مقابلہ میں ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لیے اپنا نام عرب یعنی فصیح اللسان' اور دوسری قوموں کا عجم یعنی ژولیدہ بیان رکھا تھا۔ دوسرا یہ کہ عرب مشتق ہے ''عربہ'' سے' جس کے معنی دشت وصحرا کے ہیں' چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت وصحرا پر مشتمل تھا' اس لیے سارے ملک کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ

جغرافیائی شکل کے اعتبار سے عرب جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف پانی اور ایک سمت خشکی ہے' مغرب میں بحیرۂ قلزم' آبنائے سویز اور بحیرۂ روم ہے' مشرق میں بحر ہند' خلیج فارس اور بحر عمان' جنوب میں بحر ہند' شمال کی حدود بہت مختلف ہیں' بعض جغرافیہ دان شام تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔ عرب کی اب تک باقاعدہ پیائش اور مردم شماری نہیں ہوئی ہے لیکن تخمینی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے جو جرمنی اور فرانس سے چار گنا ہے اور آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے' ملک کا بڑا حصہ ریگستان وصحرا پر مشتمل ہے' ملک بھر میں پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے' عراق' یمن اور شام کے خطے شاداب و زرخیز ہیں' محل وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب وہوا جدا جدا ہے لیکن عموماً گرم خشک ہے۔

قدیم تاریخ

عرب لسانی تقسیم کے اعتبار سے سامی ہیں' مؤرخین نے انہیں تین طبقات پر تقسیم کیا ہے۔ عرب بائدہ' عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔ عرب بائدہ وہ قدیم طبقہ ہے جو تاریخی دور سے ہزاروں سال پہلے مٹ چکا تھا' عاد وثمود کی قومیں اسی طبقہ سے تھیں' اشعار عرب اور بعض الہامی صحیفوں کے علاوہ کسی تاریخ سے ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا' عرب عاربہ کی (جو قحطانی کہلاتے ہیں) تاریخ موجود ہے۔ یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد تھے' یہی لوگ عرب کے اصل باشندے ہیں اور عرب کی قدیم تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے' عرب میں ان کی بڑی بڑی اور ترقی یافتہ حکومتیں تھیں۔ ان کے عظیم الشان محلات کے کھنڈرات اب تک عرب میں پائے جاتے ہیں' جو ان کے دنیاوی جاہ وجلال کے شاہد ہیں۔

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے' یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ظاہر ہوا' ظہور اسلام کے وقت یہی دو طبقے عرب میں تھے اور اسلام کی ابتدائی تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے۔

بعثت ابراہیم علیہ السلام

عرب کی دینی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے سارے عالم میں گمراہی اور ضلالت چھائی ہوئی تھی' روئے زمین پر ایک قوم بھی خالص اللہ واحد کی پرستش کرنے والی نہ تھی' انسانوں کو معبودی کا دعویٰ تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن بابل میں نمرود اپنا مجسمہ پجواتا تھا اور قوت کے زور سے اپنی معبودی منواتا تھا۔ اس تیرہ وتار دور میں اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نور ہدایت دے کر بھیجا' مگر اس عام تاریکی میں کوئی نگاہ اس نور کو نہ پہچان سکی اور ہر طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مخالفت ہوئی' نمرود نے آپ کو آگ میں ڈلوایا' اعزہ خاص نے مخالفت کی' باپ دشمن بن گیا۔ اس لئے آپ ترک وطن کر کے مصر چلے گئے۔ رقیون فرمانروائے مصر نے ناموس پر حملہ کرنا چاہا' لیکن پھر اس کی نگاہوں سے باطل کا حجاب اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا اور رخصت کرتے وقت اپنی لڑکی ہاجرہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ بیاہ دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پہلی بیوی تھیں' اس لیے وہ ہاجرہ اور ان کی اولاد کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں اور ماں بیٹے دونوں ان کی نگاہ میں کھٹکتے تھے' چنانچہ ابھی حضرت اسماعیل علیہ السلام بچہ ہی تھے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ وہ دونوں کو ان کی نگاہ سے دور کر دیں' اس لیے آپ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے جا کر عرب میں آباد کیا۔

تعمیر کعبہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے پہلا اور مقدم فرض گمراہ دنیا کو توحید سے آشنا کرنا تھا لیکن عراق و مصر و شام کی متمدن دنیا میں گھوم کر دیکھ چکے تھے کہ یہاں کوئی اللہ کا پیغام سننے والا نہ تھا' اس لیے توحید کی اشاعت و تبلیغ کے لیے ریگستان عرب کا سادہ صفحہ جو اپنی اصلی فطرت پر اور تمدن کی نقش آرائیوں سے پاک تھا' انتخاب کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مستقر مکہ میں اللہ واحد کی پرستش کے لیے بے چھت کا ایک چھوٹا سا گھر بنایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس کا متولی بنا کر اس گھر کی آبادی و مرکزیت اور نسل اسماعیل علیہ السلام کی برومندی کے لیے اللہ سے دعا کی' روئے زمین پر یہ پہلا گھر تھا جو خالص اللہ واحد کی عبادت کے لیے بنایا گیا۔ کعبہ کی تعمیر سے پہلے اس مقام (یعنی مکہ) پر کوئی آبادی نہ تھی' لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مستجاب کے اثر اور کعبہ کی کشش سے لوگ رفتہ رفتہ یہاں آ کر آباد ہونے لگے اور سب سے پہلے جرہم کا قبیلہ حوالی مکہ میں آ کر آباد ہوا۔

آل اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے سردار مضماض جرہمی کی لڑکی سے شادی کی' اس سے بارہ اولادیں ہوئیں' ان میں سے نابت و قیدار کی نسل نے بڑا دنیاوی جاہ و جلال حاصل کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں کعبہ کو عرب میں مرکزیت حاصل ہو گئی تھی اور یہ سلسلہ چل نکلا تھا' چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کعبہ کی تولیت کا منصب ان کے لڑکے نابت کے حصہ میں آیا' اور دو ہی پشتوں کے بعد آل اسماعیل علیہ السلام میں اتنی کثرت ہو گئی کہ حصول معیشت کے لیے انہیں مکہ سے باہر نکلنا پڑا' ان کے نکلنے کے بعد بنی جرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ آل اسماعیل علیہ السلام نے ننھیالی رشتہ کی وجہ سے ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی اور وہ مدتوں کعبہ کے متولی رہے' کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہی کے مترادف تھی' آل جرہم اس کے متحمل نہ ہو سکے اور انہوں نے تولیت کے گھمنڈ میں بڑی بدعنوانیاں شروع کر دیں۔ خانہ کعبہ کا چڑھاوا کھا جاتے' حجاج کو ستاتے' طرح طرح کے مظالم کرتے' جب ان کی یہ بدعنوانیاں حد سے سوا ہو گئیں تو آل اسماعیل علیہ السلام نے انہیں مکہ سے نکال کر پھر کعبہ کی تولیت واپس لے لی [1] اور یہ منصب نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا عدنان تک پہنچا' یہ بڑا

[1] سیرت ابن ہشام جلد اول ۶۴' ۶۵۔

تاریخی شخص ہے۔ آنحضرت ﷺ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا سلسلہ نسب اسی پر منتہی ہوتا ہے اس کے زمانہ میں عرب پر بخت نصر کا حملہ ہوا جس سے عربوں کو سخت نقصان پہنچا' اس حملہ سے سنبھلنے کے بعد عدنان کی اولاد بہت پھلی پھولی' ربیعہ' مضر اور قضاعہ کے نامور قبائل اسی کی نسل سے تھے جنہوں نے عرب کی پرانی تاریخ میں بڑی عظمت وشان حاصل کی۔ حجاز' نجد' عراق اور شام وغیرہ عرب کے تمام حصوں میں ان کی حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں' ان کا خاص پیشہ تجارت تھا۔

خاندان قریش کی بنیاد اور ان کا نظام

آگے چل کر عدنان کی نسل سے خاندان قریش کے مورث اعلیٰ فہر کا جس سے اس خاندان کی بنیاد پڑی ہے' ظہور ہوا' اس کا لقب قریش تھا' اس نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے' قریش کے کل خانوادے اسی کی نسل سے تھے، اس کی پانچویں پشت میں قریش کا تاریخی شخص قصی پیدا ہوا' قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوتا ہے۔ قصی کا باپ اس کے بچپن میں مرگیا تھا۔ ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں دوسری شادی کر لی تھی، اس لیے قصی کا بچپن بنی عذرہ میں گزرا۔ جوان ہوا تو اپنے اصلی خاندان اور اس کی عظمت کا پتہ چلا' غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارہ نہ کیا' اس لیے وہ بنی عذرہ کو چھوڑ کر حجاز پہنچا' ناصیہ اقبال پر آثار بلندی دیکھ کر دادھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس زمانہ میں قریش کی حالت نہایت خراب ہورہی تھی' ان کا کوئی نظام نہ تھا' وہ حجاز کے مختلف گوشوں میں منتشر تھے۔ حرم کی تولیت پر بنی خزاعہ قابض ہوگئے تھے اور قصی کے ورود مکہ کے وقت حرم کی تولیت خلیل خزاعی کے ہاتھوں میں تھی۔ قصی بچپن سے نہایت حوصلہ مند عاقل وفرزانہ اور امارت پسند تھا' اسے یہ منصب جلیل غیروں کے ہاتھوں میں گوارہ نہ ہوا' چنانچہ اس نے پہلے بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ کو حرم سے نکالا' اس کے بعد قریش کو جو مختلف مقامات پر منتشر تھے سمیٹ کر مکہ لایا اور ان کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی' اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی اور ان کا تاریخی دور شروع ہوا۔ [1] قصی نے یہ چھوٹی سی ریاست جمہوری اصول پر قائم کی، اس کے کئی شعبے تھے' جو مختلف قبائل میں تقسیم تھے' بڑے شعبے تین تھے' فوجی' عدالتی اور مذہبی' اور پھر یہ تینوں کئی شعبوں میں تقسیم تھے۔

فوجی شعبہ

① عقاب' یعنی قومی نشان کی علمبرداری۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو طبری ص۔ ۱۰۹۷ و سیرت ابن ہشام ج اول' ص ۶۹۔

② قبہ فوجی کیمپ کا انتظام۔
③ آعنہ سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری۔
④ سفارہ، دوسری حکومتوں اور قبائل کے درمیان خط و کتابت اور گفتگو وغیرہ۔

عدالتی شعبہ

① ندوہ اور قومی جلسہ گاہ کا انتظام۔ ② مشورہ امور مہمہ میں صلاح و مشورت۔
③ مشدق جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت۔ ④ حکومت مقدمات کا فیصلہ۔

مذہبی شعبہ

(۱) سقایہ حاجیوں کے خورد و نوش کا انتظام۔ (۲) عمارہ خانہ کعبہ کا انتظام۔ (۳) رفادہ حاجیوں کی مالی اعانت۔ (۴) سدانہ خانہ کعبہ کی کلید برداری۔ (۵) ایسار بتوں سے استخارہ کی خدمت (۶) اموال الحجرہ بتوں کے چڑھاوے کا انتظام یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے۔ ظہور اسلام کے وقت ان کی تقسیم تھی۔ عقاب بنی امیہ قبہ اور آعنہ بنی مخزوم سفارت بنی عدی ندوہ بنی عبدالدار مشورہ بنی اسد اشناق بنی تیم حکومت بنی سہم سقایہ اور عمارہ بنی ہاشم رفادہ بنی نوفل سدانہ بنی عبدالدار ایسار بنی جمح اور اموال الحجرہ بنی سہم۔ [1] خانہ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا۔ حج کے موقع پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے تھے۔ قصی سے پہلے ان کی آرام و آسائش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ سب سے پہلے قصی نے اس طرف توجہ کی اور قریش سے کہا کہ ''حجاج صدہا کوس کی مسافت طے کر کے حرم کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے'' [2] اس تحریک پر قریش نے اس کام کے لیے سالانہ ایک رقم مقرر کر دی جس سے منیٰ میں حجاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا' مکہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ مقام ہے' قصی نے چرمی حوض بنوا کر پانی کا معقول انتظام کیا۔ [3] قصی کی چھ اولادیں تھیں۔ عبدالدار' عبدمناف' عبدالعزیٰ' عبد' تخم اور مرہ۔ مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام مناصب عبدالدار کو دیئے اور قریش کی سیادت عبدمناف نے حاصل کر لی۔ عبدمناف کے چھ لڑکے تھے۔ ان میں ہاشم رسول اللہ ﷺ کے دادا سب سے زیادہ با اثر تھے۔ بنی عبدالدار کی نااہلی کی وجہ سے انہوں نے سقایہ اور رفادہ کے عہدے عبدالدار سے لے لیے۔

---

[1] عقد الفرید ج۔۲' ص۔۳۱ میں ان مناصب کی تفصیل ہے۔
[2] طبری' ص ۱۹۶۔ [3] طبری' ص ۱۹۶۔

ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی، اخلاقی اور سیاسی حالت

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ عرب اور قریش کی سیاسی تاریخ تھی، ان کی مذہبی تاریخ اسلام سے وابستہ ہے۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں سب سے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور اللہ واحد کی پرستش کے لیے مکہ میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا گھر بنایا، لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں سے صدائے توحید کا اثر زائل ہو گیا تھا اور نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم میں خاص اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوئے، بڑے بڑے مصلحین نے اخلاق کی صدائیں بلند کیں۔ ان کا وقتی اثر بھی ہوا، لیکن زود فراموش انسان نے توحید و اخلاق کے یہ سبق بہت جلد فراموش کر دیئے اور پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ زمین کے کسی حصے میں کوئی حقیقی اللہ شناس قوم باقی نہ رہ گئی۔ جن قوموں میں نور الٰہی کی کوئی کرن تھی تو اس پر جہل کے اتنے تو برتو حجاب پڑ گئے تھے کہ اس کی اصلی صورت نہ پہچانی جاتی تھی۔ ایران، روم اور ہندوستان تمام روحانی مرکزوں کی مذہبی حرارت سرد ہو چکی تھی۔ ایرانی قوم توحید خالص سے کبھی آشنا ہی نہ ہوئی تھی۔ زرتشت اور مانی نے جو اخلاقی آگ روشن کی تھی وہ یزدان اور اہرمن کا گورکھ دھندا بن گئی تھی۔ ان کی کتاب اخلاق میں باپ بیٹی اور بھائی بہن کی کوئی تمیز نہ تھی۔ حکومت البتہ ان میں تھی، لیکن حکمرانوں کو راہب کا درجہ حاصل تھا۔ رعایا ان کی پرستش کرتی تھی، ملک کے لیے کوئی اخلاقی قانون نہ تھا۔ ظلم و جور کی حکومت تھی، طاقت ور کے مقابلہ میں ناتوانوں کی ہستی نہ تھی۔ ادنیٰ اعلیٰ کا غلام تھا، آئے دن کے سیاسی انقلابات نے ملک کو امن و امان سے محروم کر دیا تھا۔ روم و فرنگ کی حالت جو دین و دنیا اور مذہب و حکومت دونوں کے تاجدار تھے، کچھ ایران سے بھی زیادہ زبوں تھی۔ پاک اور اصلی عیسائیت مدتوں پہلے پال کے ہاتھوں مسخ ہو چکی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، مریم علیہا السلام اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبے کی تعیین نے بیسیوں فرقے پیدا کر دیئے تھے۔ جن میں ہمیشہ کشت و خون بپا اور پاک روحانیت کا دامن ان کے خون سے رنگین رہتا تھا۔ توحید کی جگہ تثلیث اور مشرکانہ رسوم نے لے لی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ دین کی باگ گمراہ اور دنیا پرست پادریوں کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ ہر پادری ایک بااختیار اللہ اور مسجود خلائق تھا اور اس کی قبر عبادت خانہ تھی۔ ان کی جنبش لب پر نظام حکومت الٹ پلٹ جاتا تھا، حکومت اور کلیسا کی کشمکش عیسائیت کی نہایت سیاہ تاریخ ہے۔ مذہبی اجارہ داری نے پادریوں میں طرح طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں، وہ عیسائیت جو دنیا کو امن و آشتی اور تجرد اور لذائذ

دنیوی سے اجتناب کا سبق دینے کے لیے آئی تھی۔ جنگ وجدل' سفاکی وخونریزی اور عیش وہوس پرستی کا گہوارہ بن گئی تھی۔ مذہبی پیشواؤں کی خانقاہیں عیش ونشاط کے چکلے تھیں' جن میں اگر مذہبی جذبہ باقی بھی تھا تو ایسی کریہہ اور تکلیف دہ شکل میں کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سیاسی حالت بھی اس سے کم ابتر نہ تھی۔ آئے دن کی خانہ جنگیوں اور صوبوں کی خودمختاری نے مشرقی اور مغربی روم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور چھٹی صدی کے آخر میں روم انتہائی تنزل وانحطاط کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔

تیسرا روحانی مرکز ہندوستان تھا۔ اگرچہ یہ بھی ایران کی طرح ہمیشہ توحید خالص سے ناآشنا رہا' لیکن یہاں کے مصلحین کرشن اور گوتم وغیرہ اپنے زمانوں میں فلسفیانہ روحانیت اور اخلاق کا درس دیتے رہے' لیکن یہ اسباق مدت ہوئی' فراموش ہو چکے تھے اور پرانوں کی تعلیم کا دور دورہ تھا' جو قدیم ہندوستان کا سب سے زیادہ تاریک عہد شمار کیا جاتا ہے۔ شرک ہمیشہ سے ہندوستان کے خمیر میں تھا۔ پرانے دور میں یہ شرک انتہا کو پہنچ چکا تھا' اوہام پرستی نے کروڑوں اللہ بنا دیئے تھے۔ زمین سے لے کر آسمان تک ہر شے اللہ تھی۔ بقول ایک ہندو مؤرخ کے' معبودوں کی تعداد ہندوستان کی آبادی سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی معبودوں کا اوسط پڑتا تھا۔ پران کی تعلیم نے شرافت انسانی کو بالکل مسخ کر دیا تھا۔ ہر نیچا طبقہ اپنے سے بلند طبقہ کا غلام بلکہ کچھ اس سے بھی پست تھا' اس کو جانوروں کے برابر بھی حقوق حاصل نہ تھے۔ برہمن کے لیے کسی حالت میں کوئی سزا نہ تھی۔ اگر اچھوت اونچی ذات والے کو چھو بھی لیتے تو اس کی سزا موت تھی۔ نچلے طبقے مذہبی تعلیم سے قانوناً محروم کر دیے گئے تھے۔

اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی، ایک ایک عورت کئی کئی شوہر کر سکتی تھی۔ شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بدمستی میں ہر گناہ ثواب بن جاتا تھا۔ محرمات تک سے تمتع بھی کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا۔ عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی' بڑے بڑے ذی وجاہت امرا کی عورتیں جامہ عصمت اتار پھینکتی تھیں۔ مذہب بھی بداخلاقیوں سے محفوظ نہ تھا' بلکہ ان کا معلم بن گیا تھا' بعض فرقوں میں اعضائے تناسل کی پرستش ہوتی تھی۔ مندر کے پجاری بداخلاقیوں کا پیکر تھے' دیوداسیوں کی اخلاقی حالت شرمناک حد تک گری ہوئی تھی' عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ بعض طبقوں میں لڑکیاں قتل کر دی جاتی تھیں' عورت شوہر کی موت کے بعد تمام دنیاوی لذائذ سے محروم کر دی جاتی تھی' اس لیے وہ شوہر کے ساتھ جل کر مر جانے کو زندگی پر ترجیح دیتی تھی۔ اس تاریک دور میں اگر کسی انسان میں حق کی تلاش کا جذبہ پیدا بھی ہوتا تھا تو وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر اللہ کی تلاش کرتا تھا اور تزکیہ روح کے لیے جسم کو ایسی

دردانگیز سزائیں دیتا تھا جو طاقت بشری کی برداشت سے باہر ہیں۔ اس عالمگیر تاریکی میں اگر کسی قوم یا جماعت سے اصلاح کی امید ہو سکتی تھی تو وہ بنی اسرائیل تھے' لیکن انہیں غرور اور گھمنڈ نے برباد کر دیا تھا' ساری مخلوق میں وہ صرف اپنی قوم کو اللہ کا محبوب اور اس کا کنبہ سمجھتے تھے' ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی محبوبیت کی وجہ سے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ تمرد اور سرکش ایسے تھے کہ پیغمبروں کی بات تک نہ سنتے تھے اور انہیں قتل کر ڈالتے تھے۔ ان کا مذہب اگرچہ الہامی تھا' لیکن وہ بھی ان کے دست برد سے محفوظ نہ رہ گیا تھا۔ احکام الٰہی کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے مطابق بنا لیتے تھے اور صرف ان ہی احکام پر عمل کرتے' جو ان کے مقصد کے معارض نہ ہوتے۔ ظاہری دینداری اور لفظی موشگافیوں کے علاوہ مذہب کی روح ان سے رخصت ہو چکی تھی اور سینکڑوں قسم کے اوہام وخرافات نے مذہب کی جگہ لے لی تھی۔ انتہا درجہ کے طماع اور لالچی تھے' سود خوری ان کی فطرت میں داخل تھی' جس نے ان میں بڑی شقاوت اور سنگدلی پیدا کر دی تھی' معمولی زیور کی طمع میں چھوٹے بچوں کو قتل کر ڈالتے تھے' اگرچہ وہ مذہب کے اعتبار سے نہایت قدیم التاریخ تھے' لیکن ان کی ذلت کی وجہ سے ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی۔ ان کا مذہبی مرکز بیت المقدس ان کے ہاتھوں میں نہ تھا اور دوسرے ملکوں میں آوارہ پھرتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ نہایت ذلت وتحقیر کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور ان کی یہ حالت اب تک قائم ہے' غرض عقیدہ' مذہب' اخلاق اور سیاست ہر اعتبار سے بنی اسرائیل ایک مسخ شدہ قوم تھے۔ [1]

خود عرب کی حالت جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور اللہ کی بے آمیزش پرستش کے لیے سب سے پہلے اللہ کا گھر بنایا' دوسری اقوام سے کچھ بہتر نہ تھی۔ گو وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے' لیکن اس کی صورت بالکل مسخ ہو چکی تھی اور توحید کا رخ زیبا شرک اور بت پرستی کے اوہام میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ معبود واحد کے ساتھ اور بہت سے کارساز شریک ہو گئے تھے۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اجنہ کو الوہیت کا درجہ دیتے تھے۔ بتوں کو مظہر خدا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے۔ سینکڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ ان میں (۱) لات' (۲) منات' (۳) ہبل اور (۴) عزیٰ زیادہ باعظمت تھے۔ ہبل خاص خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا۔ تمام عرب اس کی پرستش کرتا تھا۔ قبائل کے بت علیحدہ علیحدہ تھے۔ منات اوس وخزرج کا تھا۔ لات ثقیف کا اور عزیٰ غطفان کا۔ عزیٰ کی پرستش ارکان حج میں داخل تھی۔ ان بتوں کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے تھے۔ ان پر انسانوں کی قربانیاں ہوتی تھیں۔ بتوں کے نام کے تیروں کے ذریعہ سے قرعہ اندازی ہوتی تھی' ان

---

[1] دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا پورا بیان سیرۃ النبی ﷺ ج۔۱' ص۔۱۶۲ تا ۱۶۹ سے ملخصاً ماخوذ ہے۔

کے علاوہ سینکڑوں لکڑی اور مسالے کے خانہ ساز اور خانگی خدا تھے۔ [1] بت پرستی کے علاوہ مختلف قبائل میں مختلف مذاہب رائج تھے' ربیعہ وغسان عیسائی تھے۔ قضاعہ میں عیسائیت کا اثر تھا۔ حمیر' کنانہ' بنو حارث اور کندہ یہودی تھے۔ بنی تمیم کا قبیلہ مجوسی تھا' بعض قبائل میں ستارہ پرستی رائج تھی۔ [2] ان مذاہب کے علاوہ مختلف قسم کے خیالات وعقائد پائے جاتے تھے۔ کچھ ملحد تھے' جو سرے سے اللہ کے وجود کے منکر تھے' بعض اللہ کے قائل تھے لیکن حشر ونشر اور سزا وجزا کو نہ مانتے تھے' بعض انبیا کے منکر تھے۔ غرض کوئی ایسا عقیدہ وخیال نہ تھا جو عربوں میں رائج نہ رہا ہو۔ [3]

ضعیف الاعتقادی نے صدہا قسم کے اوہام وخرافات وبا کی طرح پھیلا دیئے تھے۔ اخلاقی حالت مذہبی حالت سے بھی زیادہ خراب تھی۔ جنگجوئی' انتقام پسندی' سفاکی اور خونریزی فطرت میں داخل تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی چھڑ جاتی تھی' جس کا سلسلہ پشت ہا پشت تک جاری رہتا تھا۔ عربوں کی خانہ جنگیاں ''ایام عرب'' کے عنوان سے عربوں کی تاریخ کا مستقل باب ہیں۔ اپنی بہیمیت اور درندگی سے مجرموں کو نہایت دردانگیز سزائیں دیتے تھے۔ شراب نوشی گھٹی میں پڑی تھی' عرب کا ہر گھر مے خانہ تھا' بدمستی میں مال ودولت' ننگ وناموس سب قربان کر دیتے تھے۔ قمار بازی بڑے فخر ومباہات کی چیز تھی۔ گھر کی کل دولت حتیٰ کہ عورتیں تک بازی میں لگا دیتے تھے۔ سودخوری بھی یہودیوں کے فیض سے داخل ہوگئی تھی اور سود در سود سے مقروض کو تباہ کر ڈالتے تھے۔ چوری اور ڈاکہ بعض قبائل کا مستقل پیشہ تھا' فسق وفجور اور بے حیائی وبے شرمی ہنر بن گئی تھی۔ بڑے بڑے شرفا اپنی عزیز عورتوں اور شریف خواتین کے عشق ومحبت کی داستان فخریہ عام مجمع میں مزے لے کر سناتے تھے۔ زنا کوئی عیب نہ تھا' عورتوں کی کوئی قیمت نہ تھی' لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ نکاح کی کوئی تعداد متعین نہ تھی۔ بھیڑ بکری کی طرح جتنی عورتیں چاہتے تھے' رکھ لیتے تھے۔ اس عالمگیر ظلمت میں جب کہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کہیں نور حق کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی اور اللہ کی مخلوق' الٰہی تعلیمات کے ساتھ انسانی اخلاق وشرافت کو بھی فراموش کر چکی تھی اور انسان کی بے قید آزادی اور خودغرضی سے نظام عالم درہم برہم ہو رہا تھا۔ ایک ایسے ہادی برحق کی ضرورت تھی جو بھٹکی ہوئی مخلوق کو راہ راست پر لگائے اور ایک قوم کو نمونہ عمل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دے۔

دعوت توحید کے لیے عرب کا انتخاب

[1] سیرۃ ابن ہشام ج۔اول اور کتاب الاصنام کلبی وغیرہ میں ان بتوں کی پوری تفصیل ہے۔

[2] انقلاب الامم ابن صاعد اندلسی۔ [3] کلام مجید کی آیات میں ان عقائد کی تفصیل موجود ہے۔

دنیا کے ہر اصلاحی اور مفید انقلاب کی زد خواہ وہ اخلاقی و روحانی ہو یا مادی' سب سے زیادہ اونچے اور متمدن طبقے پر پڑتی ہے۔ اس سے اس کے وقار و امتیاز کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس لیے دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں ہر مفید تحریک اور دعوت اصلاح کی مخالفت خواہ وہ پیغمبر کی آواز حق ہو یا دنیاوی مصلح کی دعوت' اسی طبقہ نے کی اور تجدید و اصلاح اور اس کو قبول کرنے اور اس کو پھیلانے والے وہی طبقات رہے ہیں' جنہیں غریب' نیچا اور غیر متمدن سمجھا جاتا ہے۔ اسلام کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا' ظہور اسلام کے زمانہ میں ایران و روم اور فرنگ کے خطے تعلیم و تہذیب' دولت و ثروت اور دوسرے تمدنی اثرات سے بالکل مسخ ہو چکے تھے۔ ان میں جدید طغرائے حق کو قبول کرنے اور صدائے حق کو سننے کی صلاحیت باقی نہ تھی۔ عرب کا خطہ اب تک ان تمام تمدنی اثرات سے بالکل محفوظ اور فطری سادگی پر قائم تھا۔ عرب کتابی تعلیم سے نا آشنا اور تمدنی اثرات سے پاک تھے اور ہر طرح کی برائیوں کے باوجود ان میں آزادی' حریت' حق گوئی' جرأت و بیباکی' شجاعت اور بہادری کے بدویانہ اخلاق موجود تھے۔ اس لیے متمدن اقوام کے مقابلہ میں ان میں قبول حق کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی۔ اس لیے امانت الٰہی کی تفویض اور مخلوق کی رہنمائی کے لیے اسی سادہ مگر پرجوش قوم کا انتخاب ہوا اور دنیا کے موحد اعظم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ منصب جلیل تفویض ہوا۔

ہاشم کی خدمات و کارنامے

اوپر ہاشم کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ کعبہ کے متولیوں میں قصیٰ کے بعد ہاشم بڑے رتبہ کے آدمی تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں خاندان قریش کی بڑی عظمت قائم کی۔ قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ وہ ملکوں ملکوں پھر کر تجارت کرتے تھے۔ ہاشم نے کوشش کر کے قیصر و نجاشی کے حدود سلطنت میں قریش کے تجارتی مال کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرایا۔ عرب کے راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے دورہ کر کے قبائل سے معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ [1] حرم کے متعلق اپنی مفوضہ خدمات نہایت خوبی سے ادا کرتے تھے۔ ان کی خدمات کی وجہ سے قریش میں ان کی عزت و وقعت تھی۔ انہوں نے مدینہ کے خاندان بنی نجار میں شادی کی لیکن شادی کے بعد ہی شام جاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ بیوہ بیوی سے ایک فرزند تولد ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ ان کے بھائی مطلب کو خبر ہوئی تو وہ مدینہ جا کر یتیم بچے کو لے آئے اور اپنے آغوش شفقت میں ان کی پرورش کی۔ ان کی پرورش کی وجہ سے شیبہ کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا۔ [2]

---

[1] امالی ابوعلی قالی۔ [2] زرقانی ج۔۱ ص ۸۵۔

عبدالمطلب

سن شعور کو پہنچنے کے بعد عبدالمطلب باپ کی جگہ کعبہ کے متولی ہوئے۔ اپنے زمانہ تولیت میں انہوں نے چاہ زمزم کو جو اٹ کر گم ہو گیا تھا۔ پتہ چلا کر اس کو صاف کرایا۔ عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں اپنے دس لڑکوں کو جوان دیکھ لیں گے' تو ان میں سے ایک لڑکا اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ جب ان کی یہ آرزو پوری ہوئی تو منت اتارنے کے لیے دسوں لڑکوں کو لے کر کعبہ گئے۔ عبداللہ کے نام جو تمام اولاد میں سب سے زیادہ محبوب تھے' قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے۔ آخر میں رؤسائے قریش کے مشورے سے عبداللہ کے بجائے سو اونٹ قربان کر کے منت پوری کی۔ [1]

عبداللہ

اس کے بعد عبدالمطلب نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ کے ساتھ عبداللہ کی شادی کر دی۔ شادی کے تھوڑے ہی دنوں بعد عبداللہ کا مدینہ میں انتقال ہو گیا۔ عبداللہ محبوب خاندان تھے ان کی جوانمرگی کا سارے خاندان کو صدمہ ہوا۔

ولادت نبوی ﷺ

عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل ۵۷۱ء میں ۹ ربیع الاول کو عبداللہ کے گھر میں فرزند تولد ہوا۔ بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کے تولد کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود بچہ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اس کے لیے دعا مانگی۔ ساتویں دن عقیقہ کر کے محمد (ﷺ) نام رکھا۔ [2] اور کل قریش کی دعوت کی۔ قریش نے اس نامانوس نام رکھنے کا' جواب تک رائج نہ تھا سبب پوچھا۔ عبدالمطلب نے کہا میرا فرزند ساری دنیا میں مدح وستائش کا سزاوار قرار پائے۔ [3]

حضرت حلیمہ کی پرورش اور حضرت آمنہ کا انتقال

شرفائے مکہ میں دستور تھا کہ وہ عربی خصوصیات کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے بچوں کو ایام رضاعت ہی میں دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے۔ اس دستور کے مطابق چھ مہینے بعد عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو ایک دایہ حلیمہ کے جو بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھی' حوالہ کر دیا۔ دو برس تک اس بچہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ج۔ اول' ص۔ ۸۲' ۸۳۔ [2] سیرت ابن ہشام ج۔ ۱' ص ۸۷۔

[3] ابوالصاج اول ص ۱۱۰۔

نے حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پائی۔ تیسرے برس حلیمہ نے یہ امانت آ کر آمنہ کو واپس کر دی۔ ابھی اس یتیم کا سن چھ سال تھا کہ آمنہ اسے لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئیں۔ راستہ میں مقام ابواء میں ان کا انتقال ہو گیا اور یتیم بچہ چھ ہی برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا۔ عبدالمطلب کو شروع سے یتیم پوتے کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی۔ بہو کے انتقال کے بعد یہ محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی۔ ہر وقت پوتے کو ساتھ رکھتے' ایک پل کے لیے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ لیکن یہ سایہ شفقت بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا اور ماں کے انتقال کے دو سال بعد دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

ابوطالب کی پرورش اور شام کا سفر

عبدالمطلب دنیا چھوڑتے وقت پوتے کو اپنے لڑکے ابوطالب کے سپرد کرتے گئے۔ ان کو بھی یتیم بھتیجے کے ساتھ محبت تھی۔ اس کے مقابلہ میں اپنے بیٹوں کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے' ابوطالب کا شغل تجارت تھا' اس سلسلہ میں وہ اکثر شام آیا جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے بارہویں سال ان کو شام کا سفر پیش آیا' گو ابوطالب آپ کو ایک لمحہ کے لیے جدا نہیں کرتے تھے' لیکن سفر کی تکالیف کے خیال سے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے' لیکن چلتے وقت آپ ﷺ چچا سے لپٹ گئے۔ اس لیے وہ ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے۔ عام روایتوں کے مطابق بحیراء راہب کا واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ [1]

ایک جنگ میں شرکت

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل روایتوں میں یہ ہے کہ جب ابوطالب بصرہ پہنچے تو ایک عیسائی راہب بحیراء کی خانقاہ میں اترے۔ اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر کہا' یہ سید المرسلین ہیں' لوگوں نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ بحیراء نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو تمام درخت اور پتھر سب سجدے کے لیے جھک گئے۔ یہ روایت ترمذی میں ہے' لیکن اصول روایت اور درایت دونوں حیثیتوں سے ناقابل اعتماد ہے۔ اولاً اس کے راوی ضعیف ہیں اور دوسرے اس میں ہے کہ ابوطالب نے اس واقعہ کے بعد بصرہ ہی سے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابوبکر و بلال رضی اللہ عنہما کے ساتھ واپس کر دیا۔ حالانکہ اس زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صغیر السن اپنے گھر میں رہے ہوں گے' لیکن اس ضعیف روایت کے باوجود عیسائی مصنفین نے اس روایت کو بہت اچھالا ہے اور اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مذہب کے اسرار و حقائق بحیراء راہب سے سیکھے تھے' جس کو انہوں نے آگے چل کر اسلام کی شکل میں پیش کیا۔ حالانکہ اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جاتا تو اس میں بحیراء راہب سے استفادہ کا کوئی ذکر نہیں ہے' پھر آنحضرت ﷺ کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی۔ اس عمر کا بچہ مذہب کے اسرار و حقائق کو کیا سیکھتا۔ علامہ شبلی نے سیرت جلد اول میں اس کی مفصل تردید کی ہے۔

عربوں میں ہمیشہ لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد قریش اور بنی قیس میں جنگ ہوئی' قریش اس جنگ میں برسرحق تھے' اس لیے آپ ﷺ نے ان کا ساتھ دیا لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی۔ [1]

تجارت کا شغل

سن شعور کو پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو کسب معاش کی فکر ہوئی۔ اس وقت آپ نے تجارت کا خاندانی اور پاک شغل اختیار کیا۔ لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے مستقل کاروبار نہیں کر سکتے تھے۔ خاندانی شغل کی وجہ سے آپ کو تجارت کا کافی تجربہ تھا۔ آپ ﷺ کے تجارتی تجربے اور دیانت کی شہرت کافی ہو چکی تھی۔ اس لیے سرمایہ دار منافع کی شرکت پر آپ کو سرمایہ دے دیتے تھے۔ آپ نہایت محنت اور دیانتداری کے ساتھ ان کا کام کرتے' رفتہ رفتہ آپ کی دیانت اور امانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ [2]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی ایک معزز پاکیزہ اخلاق اور دولت مند بیوہ تھیں۔ ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا۔ آنحضرت ﷺ کے تجارتی تجربات اور دیانتداری کا شہرہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لیے شام لے جائیے' جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس کا دوگنا آپ (ﷺ) کو دوں گی۔ آپ ﷺ نے منظور کر لیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان لے کر بصرہ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات مشاہدہ کئے اور واپس ہو کر اپنی مالکہ سے بیان کیے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے ہی سے واقف تھیں۔ میسرہ کے بیان سے مزید تصدیق ہوگئی۔ ان کو اپنا کاروبار چلانے کے لیے ایک پاکیزہ اخلاق اور امین شوہر کی ضرورت تھی۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شادی کی درخواست کی' آپ نے منظور فرمالیا اور ابوطالب نے پانچ سو طلائی درہم پر نکاح پڑھا دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ۴۰ سال تھی' پانچویں پشت پر دونوں کا نسب نامہ مل جاتا ہے۔ [3]

---

[1] روض الانف ج۔۱ ص۔۱۲۰۔ [2] زرقانی ج۔۱ تزویج خدیجہ رضی اللہ عنہا میں اس کی تفصیل ہے۔
[3] تفصیل کے لیے دیکھو زرقانی ج۔۱ ص۔۲۳۲ و مابعد۔

حلف الفضول میں شرکت

قبائل کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے سینکڑوں گھرانے برباد ہو چکے تھے اور حجاز کا امن وامان خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ جنگ فجار کے بعد لوگوں کو ان تباہ کن نتائج کا احساس ہوا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنی زہرہ اور بنی تیم نے آپس میں معاہدہ کیا کہ وہ ملک میں امن وامان قائم کرنے کی کوشش اور مسافروں کی حفاظت اور غریبوں کی امداد کریں گے۔ مظلوموں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑائیں گے۔ [1] آنحضرت ﷺ بھی اس معاہدہ میں شریک تھے اور اس کو اس قدر پسند فرمایا تھا کہ زمانہ اسلام میں آپ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی میں نہ لیتا اور آج اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو میں شرکت کے لیے تیار ہوں۔ [2]

تعمیر کعبہ

خانہ کعبہ کی عمارت نشیب میں تھی۔ بارش کے زمانہ میں پانی سے بچاؤ کے لیے بند بندھوایا گیا تھا' لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ خانہ کعبہ کی عمارت بھی امتداد زمانہ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی اس لیے قریش نے اس کو تڑوا کر از سر نو تعمیر کرایا۔ جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو اس شرف کے حصول کے لیے قبائل میں تلواریں نکل پڑیں۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ دوسرے دن سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے، وہی حکم قرار پائے۔ اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی ایمانداری اور دیانت پر سب کو اعتماد تھا۔ اس لیے سب نے بالاتفاق آپ کو حکم مان لیا۔ آپ نے رفع شر کی یہ صورت نکالی کہ چادر بچھا کر اس میں حجر اسود رکھ دیا اور فرمایا' ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی چادر پکڑ کے اٹھائے اور جب چادر موقع کے برابر آ گئی تو آپ ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرمایا۔ [3] اس حسن تدبیر سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رک گئی۔

چونکہ آئندہ چل کر آنحضرت ﷺ کو ایک منصب جلیل ملنے والا تھا' اس لیے اللہ نے ابتدا ہی سے آپ کو فطرت سلیم عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ بچپن ہی سے آپ کا دامن اخلاق ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رہا اور آپ نے رسوم جاہلیت میں سے کسی میں حصہ نہ لیا۔

نبوت کی تمہید

---

[1] طبقات ابن سعد ج۔۱' ص ۱۳۸۲۔ [2] مستدرک حاکم ج۔۲' ص ۲۲۰۔
[3] مستدرک حاکم جلد اول ص ۴۵۸۔

یہ قانون قدرت ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل سپیدۂ سحر نمودار ہو جاتا ہے۔ باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں موسم برشگال کا پتہ دیتی ہیں۔ موسم بہار کے آغاز میں فضا کا تغیر بہار کی آمد آمد کا اعلان کرتا ہے۔ اس لیے جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی جاتی تھی اور نبوت کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔ آپ ﷺ میں غیر معمولی تغیرات پیدا ہوتے جاتے تھے اور عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ طبیعت دنیا سے ہٹتی جاتی تھی اور روح ایک نامعلوم شے کے لیے بے قرار تھی، لیکن مطلوب کا پتہ نہ چلتا تھا۔ رفتہ رفتہ آپ ﷺ کی طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل ہونے لگی۔ آپ ﷺ سامان خورد و نوش لے کر مکہ کے باہر غار حرا چلے جاتے اور دنیا کی نگاہوں سے الگ مجاہدہ و ریاضت اور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے۔ [1] جب مجاہدہ و ریاضت سے قلب فیضان الٰہی کے قبول کرنے کے لیے تیار ہو گیا' اس وقت نبوت کے آثار و علامات شروع ہو گئے۔ خواب میں اسرار منکشف ہونے لگے' جو خواب دیکھتے وہ واقعہ کی شکل میں نظر آتا۔ [2] جوں جوں یہ مدارج بڑھتے جاتے تھے' فیضان الٰہی کی لہریں زیادہ تیز ہوتی جاتی تھیں' تا آنکہ جب آپ ﷺ کا سن شریف چالیس سال کو پہنچا' تو ایک دن جبکہ آپ حسب معمول غار حرا میں تشریف رکھتے تھے۔ فرشتہ غیب نظر آیا اور آپ ﷺ سے کہا ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ [۹۶/العلق:۱] پڑھ اپنے رب کا نام جس نے پیدا کیا۔ [3]

بعثت

ظہور اسلام

یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا' گھر واپس تشریف لائے تو سینہ جلال الٰہی سے لبریز تھا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں' اللہ کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اور آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس جو توریت و انجیل کے عالم تھے' لے گئیں۔ انہوں نے یہ ماجرا سن کر کہا ''یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ (ﷺ) کو نکال دے گی' اس وقت آپ (ﷺ) کی مدد کرتا'' [4] اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ پر اصل حقیقت منکشف ہو گئی اور آپ ﷺ نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا۔

---

[1] فتح الباری۔ [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۳۔
[3] بخاری باب بدء الوحی۔ [4] بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر۔

دعوت اسلام کا مخفی آغاز

لیکن ایک ایسی قوم کو جو صدیوں سے شرک اور بت پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی۔ توحید کی دعوت دینا خصوصاً اس حالت میں کہ رؤسائے قوم کے سالہا سال کے اقتدار کا خاتمہ ہوا جاتا تھا' آسان نہ تھا' اس لیے اول اول اپنے ان مقربان خاص کو اسلام کی دعوت دی' جو لوگ آپ کے عادات و خصائل سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا۔ چنانچہ عورتوں میں سب سے اول آپ ﷺ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، مردوں میں آپ ﷺ کے قدیم رفیق و محرم راز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' غلاموں میں آپ کے محبوب غلام زید رضی اللہ عنہ' نوعمروں میں آپ کے چچیرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے اور آپ تین سال تک خاموشی سے اس فرض کو انجام دیتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے بااثر تھے۔ ان کے اثر سے حضرت عثمان بن عفان' زبیر بن عوام' عبدالرحمٰن بن عوف' سعد بن ابی وقاص' طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے' ان کے قبول اسلام کے اثر سے اس کا دائرہ بڑھنے لگا' چنانچہ حضرت خباب بن ارت' عمار بن یاسر' سعید بن زید' عبداللہ بن مسعود' عثمان بن مظعون' ابوعبیدہ' صہیب اور ارقم رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اسلام قبول کیا اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ یہ تمام کام خفیہ ہوا۔ [1]

اعلانیہ تبلیغ

لیکن آپ کا فرض تنہا خفیہ تبلیغ اور چند آدمیوں کے ہدایت یاب ہونے پر ختم نہ ہو جاتا تھا بلکہ سارے عالم کو اعلانیہ دعوت دینا تھا۔ اس لیے تین سال کے بعد اعلانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے۔ ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ [۷۴/المدثر:۱-۲] اور ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ [۱۵/الحجر:۹۴] اور ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [۲۶/الشعراء:۲۱۴] اس حکم پر آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی ﴿يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ﴾ اے قریشیو! آپ کی آواز پر لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے سوال کیا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر جرار آ رہا ہے' تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ ہی بولتے پایا ہے۔ فرمایا تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ [2] یہ غیر متوقع اور اپنے معتقدات کے

---

[1] ان بزرگوں کے قبول اسلام کے واقعات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

[2] بخاری ج۔۲' ص۷۱۰۔

خلاف بات سن کر سب بگڑ گئے۔ اس واقعہ کے چند دنوں بعد آپ ﷺ نے ایک دعوت کا انتظام کیا اور عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کر کے ان سے فرمایا میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے' اس بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ سب خاموش رہے' صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے آشوب چشم کی تکلیف ہے' میری ٹانگیں پتلی ہیں اور نوعمر ہوں' لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ ان کے علاوہ سب خاموشی کے ساتھ لوٹ گئے۔ [1]

مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز

اب مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تھی' اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک دن حرم میں جا کر توحید کا اعلان کیا' اس جرم پر مشرکین ٹوٹ پڑے۔ حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی' اس میں وہ مقتول ہوئے' یہ راہ للہ میں پہلا خون تھا۔ [2] اب تک مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی' لیکن جوں جوں اسلام کے پرستاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا' مشرکین کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی' ان کی مخالفت کے بہت سے اسباب تھے۔ اسلام ان کے صدیوں کے عقائد و رسوم کو باطل کر رہا تھا۔ ان کے معبودوں کو جن کی وہ پرستش کرتے تھے' آگ کا ایندھن بتاتا تھا۔ قرآن علانیہ قریش کی بداخلاقیوں کی پردہ دری کرتا تھا اور متولی کعبہ کی حیثیت سے عرب پر ان کا جو اقتدار قائم تھا' اسلام اس کا خاتمہ کیے دیتا تھا۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ باہم پرانے رقیب تھے اس لیے' بنی امیہ آل ہاشم میں نبوت کے اعزاز کو برداشت نہیں کر سکتے تھے' اس لیے یہ سب سے زیادہ مخالفت میں پیش پیش تھے۔

ابوطالب سے شکایت' ان کا جواب اور رسول اللہ ﷺ کا استقلال

ان اسباب کی بنا پر سارا قریش اسلام اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ تاہم شروع میں انہوں نے سختی کی بجائے صلح اور آشتی سے آنحضرت ﷺ کو باز رکھنے کی کوشش کی' جب اس میں مایوسی ہوئی تو معززین قریش کا ایک وفد آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس گیا۔ انہوں نے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا' لیکن آنحضرت ﷺ اپنے فریضہ سے دست کش نہیں ہو سکتے تھے۔ قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے' ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے' ہمارے

---

[1] طبری ج۔۳' ص۔۱۱۷۱۔ [2] اصابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ۔

معززین کو نا سمجھ بتاتا ہے' اس لیے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ' ورنہ پھر میدان میں آؤ کہ ہم تم فیصلہ کر لیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر سمجھایا کہ بیٹا! چچا پر نا قابل برداشت بار نہ ڈال اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دے۔ آپ ﷺ کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے' ابوطالب تھے' ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا" چچا جان اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب لا کر رکھ دیں تو بھی میں اس فریضہ سے دست کش نہیں ہو سکتا' تا آنکہ میں کامیاب ہوں یا اسی راہ میں میرا خاتمہ ہو جائے" ابوطالب یہ جواب سن کر سخت متاثر ہوئے اور کہا کہ جاؤ جو دل آئے کرو' میں کسی بھی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ [1]

قریش کی ایذا رسانی

ابوطالب سے مایوس ہونے کے بعد قریش نے رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں۔ آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے' نماز پڑھتے میں پشت مبارک پر نجاست کا بار لا کر لاد دیتے' بدزبانیاں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے' عقبہ بن ابی معیط نے گردن مبارک میں اپنی چادر رسی کی طرح ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ [2] آپ ﷺ ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور اپنا فرض برابر ادا کیے جاتے تھے۔

دنیاوی ترغیبات اور آنحضرت ﷺ کا جواب

قریش سخت متحیر تھے کہ آپ ﷺ یہ تمام سختیاں کیوں جھیلتے ہیں۔ انہوں نے اپنی محدود پرواز خیال کے مطابق خیال کیا کہ آپ کا مقصد صرف دنیاوی جاہ و دولت اور نام و نمود کا حصول ہے' اس لیے انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس نے آپ ﷺ سے کہا محمد (ﷺ)! کیا چاہتے ہو؟ مکہ کی ریاست؟ کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ دولت کا ذخیرہ؟ ان میں سے ہر شے تمہارے لیے مہیا کر سکتے ہیں' بشرطیکہ تم ان باتوں سے باز آ جاؤ۔ ان ترغیبات کے جواب میں آپ ﷺ نے سورۂ حم کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں' عتبہ نہایت غور اور تاثر کے ساتھ ان کو سنتا رہا۔ یہاں سے واپس ہوا تو اس کا رنگ بدل چکا تھا۔ قریش سے جا کر کہا محمد (ﷺ) جو کلام پیش کرتے ہیں وہ نہ سحر ہے نہ کہانی نہ شاعری' وہ کچھ اور ہی شے ہے' اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے

---

[1] سیرت ابن ہشام ج۔۱ ص ۸۹۔ [2] بخاری باب ما لقی النبی ﷺ من المشرکین۔

نہیں سنا' میری رائے میں تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے اور اگر عرب کامیاب ہوئے تو بھی تمہاری عزت ہے۔ [1] لیکن قریش نے ان کی رائے منظور نہ کی۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام

چند دنوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور قبیلہ عدی کے منصب دار عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دوسرے رؤسائے قریش کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور اپنے بہن بہنوئی کو جو مسلمان ہو چکے تھے' اسلام کے جرم میں سزا دینے کے لیے گئے تھے' لیکن قرآن کی سحر آفریں آیتیں سن کر مسحور ہو گئے۔ اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد خاصی ہو چکی تھی لیکن وہ بڑی بے کسی کی حالت میں تھے۔ ان کے لیے علانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے جری اور دبدبہ و شکوہ کے شخص تھے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی دفعۃً حالت بدل گئی۔ انہوں نے بھرے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ مشرکین نے اول اول ان پر بھی بڑی سختی کی' لیکن ان کی ثابت قدمی نے انہیں شکست دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو لے کر علانیہ حرم میں نماز ادا کی اور اس وقت سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ [2]

مسلمانوں پر مشرکین کا جور و ستم

جب اسلام غربا اور کمزوروں سے بڑھ کر ارکان و عمائد میں پھیلنے لگا اور مشرکین ان کے مقابلہ میں مجبور ہو گئے۔ اس وقت ان کا غصہ غریب اور بے حامی و مددگار مسلمانوں پر ٹوٹنے لگا۔ چنانچہ انہیں ستانے کے لیے نئے نئے انداز ستم ایجاد کیے۔ ٹھیک نصف النہار کے وقت تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ غریب ہلنے نہ پائیں۔ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹاتے اور اس وقت تک جنبش نہ کرنے دیتے جب تک زخموں کی رطوبت سے آگ بجھ نہ جاتی۔ پانی میں غوطہ دیتے' رسی باندھ کر گھسیٹتے۔ حضرت بلال' خباب' عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہ اس ستم رسیدہ جماعت کے سرگروہ تھے۔ مرد تو مرد، مسلمان عورتیں تک ان ظالموں کے ظلم سے محفوظ نہ تھیں۔ حضرت بلال وغیرہ کی طرح حضرت سمیہ' زنیرہ اور لبینہ رضی اللہ عنہن بھی مشق ستم تھیں۔ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے نیزے سے چھید چھید کر ہلاک کر دیا۔ [3] لیکن یہ تمام سفاکیاں کسی ایک مسلمان کو بھی جادۂ اسلام سے نہ ہٹا سکیں۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج۔۱' ص۔۱۵۴' ۱۵۵۔ [2] اسلام کی تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے' اس لیے سیرت و طبقات کی تمام کتابوں میں اس کا ذکر ہے۔ دیکھو ابن ہشام جلد اول' ص۔۱۸۶ و مابعد۔ [3] ان بزرگوں کے اس ابتلا کے حالات ابن سعد وغیرہ میں ان کے ترجموں میں مذکور ہیں۔

حبشہ کی ہجرت

جب مشرکین کی ستم رانیاں حد سے سوا ہو گئیں اور ارض حرم میں جہاں جانوروں تک کو ستانے کی ممانعت ہے' مسلمانوں کے لیے سانس لینے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کو ارض حبشہ جو ان کے لیے مانوس مقام تھا' چلے جانے کا حکم دیا۔ اس حکم پر ۵ نبوی بعثت میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا مختصر قافلہ حبشہ روانہ ہو گیا۔ قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے بندرگاہ تک تعاقب کیا' لیکن مسلمان روانہ ہو چکے تھے۔ [1]

مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش اور اس میں ناکامی

حبشہ کا بادشاہ نجاشی نہایت رحم دل اور منصف مزاج تھا۔ اس کی عدالت کی دور دور تک شہرت تھی۔ اس لیے حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کو اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملا' لیکن قریش اسے بھی گوارہ نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ ہدایا و تحائف لے کر حبشہ پہنچے اور نجاشی کے درباریوں کو ہموار کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے چند سادہ لوح نوجوانوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین جو ہمارے اور آپ کے دونوں کے مذہب کے خلاف ہے' اختیار کیا ہے اور آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں۔ اس لیے ان کو ہمارے حوالہ کیا جائے۔ امرائے دربار نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے نو وارد مسلمانوں کو بلا کر ان سے پوچھا ''تم نے وہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو بت پرستی اور نصرانیت دونوں کے خلاف ہے؟'' اس کے استفسار پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل تقریر کی!

> ''اَیُّھَا الْمَلِکُ! ہم لوگ جاہل تھے' بتوں کو پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے' بدکاری اور قطع رحم کرتے تھے' ہمسایوں کے ساتھ زیادتی سے پیش آتے تھے۔ ہم میں طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ان حالات میں ہم میں اللہ نے ایک پیغمبر بھیجا جس کی صداقت' پاکبازی' امانت داری اور حسب و نسب سے ہم سب واقف ہیں۔ اس نے ہم کو معبود واحد کی طرف بلایا اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم بتوں کی پرستش چھوڑ دیں۔ صرف معبود واحد کی پرستش کریں' سچ بولیں' امانتداری اور صلہ رحمی کریں' انسانوں کا حق ادا کریں' خونریزی اور حرام باتوں کو چھوڑ دیں' عفیفہ عورتوں پر تہمت نہ لگائیں' نماز پڑھیں' روزے رکھیں' زکوٰۃ دیں۔ ہم اس پیغمبر پر ایمان لائے' اس کی تعلیمات کو قبول کیا'

[1] اس کی پوری تفصیل طبری ج ۳ ذکر ہجرت حبشہ میں ہے۔

شرک چھوڑ کر اللہ کی عبادت اختیار کی' حلال وحرام کو پہچانا اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔ اس جرم میں ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی اور ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتی ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پھر گمراہی اختیار کر لیں''۔

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا اگر تم کو کچھ کلام الٰہی یاد ہو تو سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا' اسے سن کر نجاشی اور اس کے بطریقوں پر بے اختیار رقت طاری ہوگئی اور اس نے کہا'' اللہ کی قسم! یہ کلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں'' اور قریش کے سفیروں کو صاف جواب دے دیا کہ یہ مظلوم تمہارے حوالے نہیں کیے جا سکتے۔ اس ناکامی کے بعد عمرو بن العاص دوسری چال چلے اور دوسرے دن دربار میں جا کر کہا' ان لوگوں سے ذرا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو پوچھیے' کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟ اس نے پھر مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ یہ بڑا آزمائش کا موقع تھا۔ قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کے گمراہ کن عقائد کا سخت مخالف تھا' لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ خواہ نتیجہ کچھ ہی ہو، وہ صحیح اسلامی عقائد بیان کریں گے۔ چنانچہ نجاشی نے جب ان سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تم لوگوں کا کیا عقیدہ ہے؟ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ قرآن کی رو سے وہ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہیں۔ نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ ''تم نے جو کچھ بیان کیا' عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں''۔ نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اس کے بطارقہ برہم ہو گئے' لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور قریش کی سفارت ناکام لوٹ آئی۔ [1]

حبشہ کی دوسری ہجرت

چند دنوں حبشہ میں قیام کے بعد مسلمان اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبریں سن کر مکہ لوٹ آئے' قریب پہنچ کر حقیقت معلوم ہوئی' کچھ لوگ تو پھر حبشہ لوٹ گئے' لیکن اکثر چھپ کر مکہ چلے آئے اور کسی نہ کسی کی امان میں آ گئے۔ قریش اپنی سفارت کی ناکامی پر بہت جلے ہوئے تھے اس لیے اب انہوں نے ستم رانی کا شکنجہ اور زیادہ کس دیا۔ اس لیے دوبارہ ۱۰۲ مسلمانوں کو جن میں ۸۲ مرد اور بیس عورتیں تھیں ترک وطن کرنا پڑا۔

بنی ہاشم کا مقاطعہ' شعب ابی طالب میں نظر بندی اور رہائی

[1] یہ پوری تفصیل مسند احمد بن حنبل ج۔ ۱ ص۔ ۲۰۲ اور سیرۃ ابن ہشام جلد اول' ص۔ ۱۸۱ و مابعد میں مذکور ہے۔

قریش کی ہر طرح کی بندشوں اور ستم آرائیوں کے باوجود اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا۔ اس لیے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ اگر بنی ہاشم محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے حوالہ نہ کریں تو ان کا مکمل مقاطعہ کیا جائے' ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔ ان کے ساتھ خرید وفروخت بند کر دی جائے' ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دیا جائے' ان سے کسی قسم کا ربط وضبط نہ رکھا جائے۔ غرض ہر قسم کے معاشرتی تعلقات ان سے منقطع کر لیے جائیں۔ مشرکین کی شرط ایسی تھی کہ کوئی باحمیت ہاشمی اسے پوری کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے ابوطالب اپنے خاندان کو لے کر ایک گھاٹی میں' جو انہی کے نام کی نسبت سے ''شعب ابی طالب'' مشہور تھی' چلے گئے اور کامل تین سال تک انتہائی مصیبتوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ باہر سے ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی شے نہ پہنچنے پاتی تھی۔ بعض رحم دل چرا چھپا کر غلہ پہنچا دیا کرتے تھے' جس پر ان لوگوں کی زندگی کا مدار تھا۔ تین سال گزرنے کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بعض قریبی اعزہ کو رحم اور رحم کے ساتھ حمیت آئی۔ انہوں نے طے کیا کہ جس طرح ہو سکے ان لوگوں کو اس مصیبت سے نکالنا چاہیے۔ چنانچہ ہشام مخزومی' زمعہ بن الاسود' مطعم بن عدی اور زہیر نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا اور جا کر بنی ہاشم کو قید سے نکال لائے۔ [1]

معراج اور فریضہ نماز

اسی سن میں معراج ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو عالم افلاک اور جنت دوزخ کی سیر کرائی گئی' معراج ہی میں نماز پنج گانہ فرض ہوئی۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال

قید تنہائی سے نکلنے کے چند دنوں بعد آنحضرت ﷺ کے چہیتے اور ظاہری پشت پناہ ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی سفر آخرت کیا اور سال کے اندر اندر آپ ﷺ کے دو محسن اٹھ گئے۔

آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی میں بے باکی

ابوطالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مالی وجاہت رسول اللہ ﷺ کے دو بڑے ظاہری سہارے تھے۔ ان کے بعد قریش کو کسی کا پاس ولحاظ باقی نہ رہ گیا اور ان کو نہایت آزادی کے

[1] اس کا ذکر ابن سعد' ابن ہشام اور طبری وغیرہ سب کتابوں میں ہے۔

ساتھ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا' چنانچہ انہوں نے نہایت بے باکی کے ساتھ آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ [1]

تبلیغ کے لیے طائف کا سفر اور واپسی

اگرچہ یہ ستم کشی کوئی نئی شے نہ تھی' آنحضرت ﷺ عرصہ سے اسے برداشت کرتے چلے آ رہے تھے اور اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول سمجھتے تھے' لیکن اہل مکہ کی متمردانہ روش سے آپ ﷺ کو ان کے قبول حق کی امید باقی نہ تھی۔ اس لیے دوسرے بندگان اللہ کے کانوں میں توحید کی آواز پہنچانے کے لیے طائف تشریف لے گئے اور یہاں کے رؤسا کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن یہاں بھی وہی جواب ملا اور وہی تمرد و سرکشی نظر آئی' جس کا مشاہدہ مکہ میں ہو چکا تھا' بلکہ مکہ والے پھر بھی اپنے تھے' سب کو نہ سہی' بعضوں کو آپ ﷺ کا پاس و لحاظ تھا۔ طائف والے بالکل بیگانہ تھے' اس لیے انہوں نے اہل مکہ سے بھی زیادہ گستاخانہ سلوک کیا۔ اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو تالیاں بجا کر آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے تھے اور آپ ﷺ پر پتھر برسا کر لہولہان کر دیا۔ اس لیے آپ ﷺ یہاں سے بھی مایوس ہو کر پھر مکہ لوٹے۔ [2]

مطعم بن عدی کی زیر حمایت فریضہ تبلیغ میں وسعت

اس مرتبہ مطعم بن عدی نے آپ ﷺ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور حرم میں جا کر اعلان کر دیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو اپنی امان میں لے لیا ہے' اب کوئی انہیں ستانے کا ارادہ نہ کرے' مطعم بن عدی کی امان میں آنے کے بعد آپ ﷺ نے اور زیادہ وسعت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا شروع کر دیا۔ عام مجمعوں میں عکاظ اور ذی المجاز کے بازاروں میں حج کے موقع پر بنی عامر' بنی فزارہ' غسان' مرہ حنیفہ' سلیم' عبس' بنونصر' کندہ' کلب' عذرہ' حضار' مہرہ وغیرہ قبائل کا دورہ کر کے لوگوں کو پیغام حق سنایا۔ دشمن ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا تھا اور کہتا تھا یہ دین سے پھر گیا ہے' جھوٹ کہتا ہے' اس کی باتیں نہ سنو۔ [3]

انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت

عین ان حالات میں اللہ نے قبیلہ اوس و خزرج کے بعض اشخاص کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اوس اور خزرج قحطانی نسل کے دو مشہور مدنی قبیلے

---

[1] حدیث کی کتابوں میں ان کے بہت سے واقعات ہیں۔ [2] مواہب لدنیہ میں اس کی پوری تفصیل ہے دیکھو زرقانی ج اول ص ۳۵۸۔ [3] مستدرک حاکم ج اول ص ۱۵۔

تھے۔ اگرچہ یہ بھی مشرکین مکہ کی طرح بت پرست تھے لیکن یہودیوں کی ہمسائیگی کی وجہ سے مذہبی کتابوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان پر یہودیوں کا بڑا اثر واقتدار تھا' لیکن ظہور اسلام سے کچھ پہلے ان کو بڑی حد تک اس سے آزادی حاصل ہوگئی تھی۔ مدینہ اور اس کے جوار میں ان کے بہت سے قلعے تھے۔ یہ بھی حج کے لیے مکہ آیا کرتے تھے۔ موسم حج میں تبلیغ کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے اور قبائل عرب کے ساتھ قبیلہ خزرج کے چند آدمیوں کے سامنے بھی جو مکہ آئے ہوئے تھے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے جن کی تعداد چھ تھی' اسلام قبول کرلیا۔ اس کے دوسرے سال بارہ آدمی اس شرف سے مشرف ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست پر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو انہیں احکام سکھانے کے لیے ان کے ساتھ کر دیا۔ مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ کے رئیس اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے یہاں مقیم ہوئے' مدینہ آنے کے بعد انہوں نے گھر گھر پھر کر اسلام کی دعوت شروع کر دی۔ ان کی کوششوں سے چند دنوں میں مدینہ میں اچھا خاصا اسلام پھیل گیا۔ اس سلسلہ میں قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوئے' ان کا اسلام گویا پورے قبیلہ کا اسلام تھا۔ دوسرے سال حج کے موقع پر بہتر (۷۲) اہل مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے دست حق پر بیعت کی۔ [1]

اگرچہ آفتاب اسلام کی کرنیں مکہ کی پہاڑیوں سے نکل کر مدینہ کے افق تک پہنچ گئیں' لیکن خود اہل مکہ کے تمرد وسرکشی کا اب تک وہی حال تھا۔ گو یہاں بھی ایک معتد بہ جماعت اسلام لا چکی تھی' لیکن روسا جو اسلام کی راہ کا سنگ گراں تھے' اب تک ضلالت پر قائم تھے' بلکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کا جنون اور زیادہ تیز ہوتا جاتا تھا اور غریب مسلمانوں پر انہوں نے مکہ کی زمین تنگ کر رکھی تھی۔

ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد و پیمان

آنحضرت ﷺ کا فرض صرف چند انسانوں کو راہ راست دکھا دینے پر ختم نہ ہو جاتا تھا' بلکہ سارے عالم کو اللہ واحد کے سامنے جھکانا اور خانہ کعبہ کو جو دنیا میں سب سے پہلا گھر اللہ کا تھا۔ بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا اور یہ اہم فرض مکہ میں رہ کر پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ آپ کی بعثت کو اب تیرہ سال ہو چکے تھے۔ اس تیرہ سال کی جانکاہ محنت اور طرح طرح کی اذیتوں کو برداشت کرنے کے بعد بھی بہت کم اہل مکہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس لیے اللہ کے دین کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ پھیلانے کے لیے کسی پرامن مقام کی ضرورت تھی۔ اوس وخزرج کے قبول اسلام سے مدینہ میں اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو چکی تھی جو اپنا تن من دھن سب اسلام پر نثار کرنے کو تیار تھی۔ اس

---

[1] زرقانی ج اول ص ۳۷۱ تا ۳۷۶ میں اس کی پوری تفصیل ہے۔

لیے آپ ﷺ نے اسلام کا تبلیغی مرکز مکہ سے مدینہ منتقل کر دینے کا عزم فرمایا' انصار کے لیے اس سے زیادہ سعادت اور کیا ہو سکتی تھی۔ وہ آنکھیں فرش راہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ان میں خون کی محبت موجود تھی' ان بہتر (۷۲) انصاریوں سے جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا' فرمایا کہ گروہ خزرج! محمد (ﷺ) اپنے خاندان میں معزز و محترم ہیں ہم ان کے دشمن کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے' اب وہ تمہارے یہاں جانا چاہتے ہیں' اگر تم لوگ مرتے دم تک ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو تو بہتر ہے' ورنہ ابھی صاف جواب دے دو' آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم لوگ اس پر بیعت کرو کہ اپنے اہل و عیال کی طرح میری حفاظت کرو گے' یہ سن کر براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ آپ ﷺ نے ان سے بیعت لی۔ براء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے پشت ہا پشت سے جنگ و جدال میں پرورش پائی ہے۔ ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ بات کاٹ کر بولے یا رسول اللہ! ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں' بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے' ایسا نہ ہو کہ جب آپ (ﷺ) کو اقتدار حاصل ہو' اس وقت آپ (ﷺ) ہم کو چھوڑ دیں اور اپنے وطن لوٹ آئیں۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا نہیں تمہارا خون میرا خون ہے' تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ [1] اس گفتگو کے بعد آنحضرت ﷺ نے جماعت انصار میں سے بارہ نقیب مقرر فرما کر ان سے بیعت لی۔ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنی جماعت سے کہا بھائیو! خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ بیعت عرب و عجم اور جن و انس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ہاں! ہم اسی پر بیعت کرتے ہیں۔ [2]

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجرت مدینہ

مدینہ میں جائے پناہ حاصل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت دے دی اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی' لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نکل گئے۔ صرف آنحضرت ﷺ' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو ناداری کی وجہ سے مدینہ تک جانے کی طاقت نہ رکھتے تھے باقی رہ گئے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اول' ص ۲۴۲۔ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد اول' ص ۲۴۴۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو امن وسکون نصیب ہوا اور ان کی تعداد نہایت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی۔ اس کا تدارک مشرکین مکہ کے بس سے باہر تھا' وہ سن کر پیچ وتاب کھاتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ابھی تک مکہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ اس لیے مشرکین نے اپنی ناکامی کے غصہ میں (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ ہی کا قصہ چکا دینے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ عتبہ' ابوسفیان' جبیر بن مطعم' ابوجہل' امیہ بن خلف اور حکیم بن حزام وغیرہ رؤسائے قریش نے اس بارہ میں مختلف رائیں دیں۔ سرخیل اعداء ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ سرے سے محمد (ﷺ) ہی کا کام تمام کر دیا جائے کہ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس میں شریک ہوتا کہ بنی ہاشم بدلہ نہ لے سکیں۔ اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور رات گزرنے کے بعد کاشانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کر کے آپ ﷺ کے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ [1]

ہجرت نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کو ان کے ارادہ سے آگاہی ہو گئی۔ آپ ﷺ کے ذمہ اہل مکہ کی کچھ امانتیں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ امانتیں سپرد کیں اور فرمایا ''میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا' تم میرے پلنگ پر چادر اوڑھ کر سو رہو' صبح کو سب امانتیں پہنچا دینا'' اللہ کو اپنا دین مکمل کرنا تھا' اس لیے مشرکین کو نیند آ گئی اور انہیں غافل پا کر آنحضرت ﷺ گھر سے باہر نکل آئے اور ان پر حسرت کلمات کے ساتھ ..... ''مکہ تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے' لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے''..... کعبہ کو الوداع کہہ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے' یہاں سواری وغیرہ سفر کا ضروری سامان موجود تھا۔ فوراً دونوں روانہ ہو گئے اور مکہ سے تین میل چل کر غار ثور میں روپوش رہے۔ تین دن تک اس غار میں مقیم رہے۔ اس درمیان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ برابر رات کو غار میں ساتھ رہتے اور سویرے مکہ چلے جاتے اور وہاں کے حالات کا پتہ چلا کر شام کو آ کر ان کی اطلاع دیتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا غلام روزانہ دودھ پہنچا جاتا۔

تعاقب اور مشرکین کی ناکامی

ادھر مکہ میں جب محاصرہ کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت ﷺ کی بجائے حضرت

---

[1] سیرت ابن ہشام ج۔ ۱' ص ۲۶۵۔

علی رضی اللہ عنہ کو بستر پر پایا۔ یہ بہت کمسن تھے اس لیے معمولی تنبیہ کر کے چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے' ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے دہانہ پر پہنچ گئے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے گھبرا گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان دلایا' گھبراؤ نہیں' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس اعتماد نے دستگیری کی اور تلاش کرنے والوں کی نظر آپ پر نہ پڑی اور وہ ناکام لوٹ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے دن غار سے نکل کر آگے بڑھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے نکلنے کے بعد قریش نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے لائے گا' اس کو سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ اس انعام کی طمع میں بہت سے آدمی تلاش کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے نکلنے کے وقت ایک شخص سراقہ بن جعشم نے دور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا' لیکن اس کو پورا یقین نہ تھا۔ اشتہار کے بعد وہ بھی تعاقب میں نکلا اور تلاش کرتے کرتے قریب پہنچ گیا' لیکن اس کے گھوڑے نے پیہم ٹھوکریں لیں۔ قریب پہنچ کر گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اس پیہم بدشگونیوں پر اسے خیال ہوا کہ یہ آثار تو کچھ اور ہیں' اس لیے اس نے گرفتاری کا خیال ترک کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشتہار کا حال سنایا اور استدعا کی آئندہ کے واسطے میرے لیے امان لکھ دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سے لکھوا کر دے دیا' یہ تحریر پا کر سراقہ لوٹ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ [1]

اہل مدینہ کا انتظار

اہل مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری میں چشم براہ تھے۔ روزانہ شہر سے نکل کر انتظار کر کے ناکام لوٹ جاتے۔ ایک دن حسب معمول انتظار کر کے واپس ہوئے تھے کہ ایک یہودی نے اطلاع دی کہ اہل عرب جس کا انتظار کرتے تھے' وہ آ گیا' یہ سنتے ہی سارا شہر تکبیروں سے گونج اٹھا۔

قبا میں ورود اور مسجد قبا کی تاسیس

مدینہ سے باہر قبا میں چند انصاری خاندان آباد تھے' حوالی مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی منزل قبا میں کی اور کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کو شرف میزبانی حاصل ہوا' قبا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر

---

[1] یہ پوری تفصیل بخاری باب الہجرت سے ماخوذ ہے۔

سن کر جوق در جوق انصاری اسلام کے لیے حاضر ہونے لگے۔ ❶ یہاں آپ ﷺ نے چودہ دن قیام فرمایا اور ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی، قرآن میں ﴿ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ ﴾ [۹/التوبہ:۱۰۸] سے یہی مسجد مراد ہے۔ ❷

مدینہ میں داخلہ، انصار کا جوش اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام

تعمیر مسجد کے بعد مدینہ روانہ ہوئے، راستہ میں بنی سالم کے محلہ میں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی۔ سارا مدینہ استقبال کے لیے ٹوٹ پڑا تھا۔ قبا سے مدینہ تک دو رویہ انصاریوں کی صفیں تھیں۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا، حضور ﷺ! یہ جان ہے، یہ مال ہے، یہ دولت ہے۔ آپ ﷺ اظہار منت کرتے اور دعائے خیر فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ سارا مدینہ جوش استقبال میں امنڈ آیا، عورتیں گاتی ہوئی چھتوں پر چڑھ گئیں، معصوم لڑکیاں خوشی میں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔ ❸ جب کوکب نبوی ﷺ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس پہنچا، اس وقت شرف میزبانی کے لیے باہم سخت کشمکش ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے، وہ جہاں جا کر بیٹھ جائے گی، وہی میری قیام گاہ ہوگی، چنانچہ یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ آپ ﷺ نے سات مہینہ ان کے یہاں قیام فرمایا، اسی وقت سے سن ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

تعمیر مسجد اور نماز باجماعت کا اہتمام

اب تک مدینہ میں مویشی خانہ میں نماز پڑھی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے تشریف لانے کے بعد مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ ﷺ کی قیام گاہ کے قریب بنی نجار کی افتادہ زمین تھی۔ انہوں نے بلا قیمت نذر دینی چاہی، مگر آپ ﷺ نے منظور نہ فرمایا اور باصرار قیمت ادا فرمائی اور صحابہ کے ساتھ مل کر ایک مختصر اور سادہ مسجد تعمیر کی، جس کی دیواریں کچی اینٹوں کی، ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت پتوں کی تھی، قریب ہی نادار مسلمانوں کے قیام کے لیے ایک چبوترہ تعمیر فرمایا، جو تاریخ اسلام میں صفہ کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد کی تعمیر کے بعد اسی سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے بنے۔ ❹

تعمیر مسجد سے پہلے نماز باجماعت کا اہتمام نہ تھا، جس سے اسلام کی عبادتوں کا ایک مقصد یعنی وحدت و اجتماع فوت ہوتا تھا۔ تعمیر مسجد کے بعد نماز باجماعت قائم ہوئی اور اعلان کے لیے حضرت

---

❶ بخاری ج۔۱ ص۔۵۶۰ وطبقات ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۵۸۔

❷ اس مسجد کی تعمیر کی تفصیل وفاء الوفاء میں مذکور ہے۔ ❸ زرقانی ج۔۱ ص۔۴۳۳۔

❹ اس مسجد کی تعمیر کے حالات بخاری کے مختلف ابواب میں ہیں پوری تفصیل ابن سعد حصہ سیرت ص۔۱۶۱ میں مذکور ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اذان دینے کا طریقہ جاری ہوا۔ [1]

مہاجرین اور انصار میں رشتہ اخوت اور انصار کا بے مثال ایثار

مکہ کے غریب الوطن جنہیں اسلامی اصطلاح میں ''مہاجرین'' کہا جاتا ہے' بالکل بے سروسامان مدینہ آئے تھے۔ اگرچہ ان میں بہتیرے صاحب حیثیت بھی تھے' لیکن ایسی حالت میں وطن چھوڑا تھا کہ کوئی شے مکہ سے لا نہ سکے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سہارا قائم کرنے اور ان کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور انصار میں رشتہ اخوت قائم کر دیا یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ یہ اخوت حقیقی اخوت سے بڑھ گئی۔ اس موقع پر انصار نے جس فیاضی' جس ایثار اور جس میزبانی کا ثبوت دیا' تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کی حیثیت محض مہمان کی نہ رہنے دی' بلکہ ان کو مال و دولت' زمین' جائیداد' کھیتی باڑی' اپنی ساری کائنات میں برابر کا شریک و سہیم بنا لیا' حتیٰ کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جن کی دو بیویاں تھیں' ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے سامنے نکاح کے لیے پیش کیا' لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ اس سے انکار کر دیا۔ [2] اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لے کر اپنا کاروبار علیحدہ شروع کر دیا' یہ رشتہ اتنا قوی تھا کہ جب تک آیت میراث نازل نہ ہوئی' اس وقت تک متوفی انصار کی وراثت مہاجرین کو ملتی تھی۔ جب مہاجرین کی حالت سنبھلتی گئی' مہاجرین' انصار کی امانت انہیں واپس کرتے گئے۔

یہود مدینہ سے معاہدہ

یہود اپنے تمول اور ثروت کی وجہ سے مدینہ میں بڑے صاحب اقتدار تھے۔ مدتوں سے انصار کو دباتے چلے آ رہے تھے۔ گو اب ان کا پہلا اقتدار باقی نہ رہ گیا تھا۔ تاہم انصار کے مقابلہ میں ان کی امتیازی شان قائم تھی۔ اس لیے ان کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرات تھے' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک معاہدہ کیا' جس کی اہم دفعات یہ ہیں کہ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے وہ قائم رہے گا۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے' فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ پیش آئے تو باہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے' کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا' جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ کرے تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے۔ فریقین میں سے جب کوئی کسی تیسری طاقت

---

[1] بخاری باب الاذان وابوداؤد باب بدء الاذان۔ [2] انصار کے اس ایثار و قربانی کے واقعات مختلف کتابوں میں ہیں۔ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا واقعہ بخاری کتاب المناقب باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔

سے صلح کرے گا تو دوسرے کو بھی صلح کرنی ہوگی' البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی [1] اب تک نماز کی صرف دو رکعتیں تھیں۔ اھ میں فجر کے علاوہ ظہر' عصر اور عشاء میں چار چار ہوگئیں۔

مکہ کا قبلہ قرار پانا

اب تک مسلمان بیت المقدس کی جانب جو یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا' نماز پڑھتے تھے' لیکن اسلام ایک مستقل مذہب تھا۔ اس کے استقلال و اختصاص کے لیے ایک مستقل قبلہ کی ضرورت تھی۔ اسلام ملت ابراہیمی کی تجدید کے لیے آیا تھا اس لیے اس کا قبلہ خانہ ابراہیم علیہ السلام ہی ہوسکتا تھا' چنانچہ سولہ مہینے بیت المقدس کی سمت نماز پڑھنے کے بعد ۲ھ میں اللہ نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا۔

یہودیوں کی مخالفت کا آغاز

انصار کی مالی کمزوری اور بت پرستی کی وجہ سے ان پر مدتوں سے یہودیوں کا' جو مذہب اور دولت و ثروت دونوں میں ان سے ممتاز تھے' مذہبی اور مالی تفوق چلا آتا تھا۔ اسلام نے ان کی برتری کو نقصان پہنچایا تھا' اس لیے یہودی دل سے اسلام کے خلاف تھے' لیکن ابتدا میں ان کی مخالفت پردہ میں رہی اور جب تک بیت المقدس اسلام کا قبلہ رہا' اس وقت تک یہود منافقانہ مسلمانوں کے بھیس میں' نمازوں میں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوجاتے تھے' لیکن بیت المقدس کو وہ کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے تھے' اس لیے تحویل قبلہ کے بعد جب ان کا رہا سہا امتیاز بھی جاتا رہا' اس وقت ان کی منافقت کا راز فاش ہوگیا اور وہ علانیہ مسلمانوں کے خلاف ہوگئے۔

مسلمانوں کی عام مخالفت اور مدینہ پر حملہ کا خطرہ

سنہ ۲ھ سے اسلام کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا اور اس کے پیروؤں کو دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے مجبور ہوکر اپنی بقا و حفاظت کے لیے تلوار ہاتھ میں لینی پڑی' اس دور پر بعض کوتاہ بین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام جب تک مکہ میں کسمپرسی کی حالت میں رہا' اس وقت تک وہ ہر قسم کے ستم سہتا رہا' مدینہ پہنچ کر جب اس میں قوت پیدا ہوئی' اس وقت اس نے تلوار اٹھائی' لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد بھی مسلمانوں کو پورا اطمینان نہیں ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ مکہ کی طرح ان کی زندگی مشق ستم نہیں رہی لیکن ان کی مخالفت کے اسباب اور مخالفین کی تعداد میں اضافہ ہوگیا' وہاں صرف ایک قریش کا مقابلہ تھا' مدینہ آکر اس میں یہودیوں اور بعض انصار کا بھی اضافہ ہوگیا۔ یہود کی مخالفت کا

[1] تفصیل کے لیے دیکھو ابن ہشام ج۔ ۱ ص ۲۷۸' ۲۸۹۔

سبب تو کھلا ہوا ہے کہ اسلام ان کے صدیوں کے وقار کو مٹا رہا تھا۔ انصار کے خاندان میں بھی بعض وہ رؤسا جن کی سیادت خطرہ میں پڑ گئی تھی' گو زبان سے کچھ نہ کہتے تھے لیکن دل سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھے۔ عبداللہ بن ابی منافق جو ہجرت سے پہلے رئیس الانصار تھا اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے لیے تاج تیار کر رکھا تھا۔ [1] اس کے علاوہ قریش جنہیں سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی' تمام قبائل عرب کو' جن میں اہل مدینہ بھی شامل تھے' مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اسے قتل کر دو یا اپنے یہاں سے نکال دو' ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔ [2] آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپ ﷺ نے عبداللہ کو سمجھایا کہ کیا اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے' اکثر اہل مدینہ مسلمان ہو چکے تھے اس لیے عبداللہ قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا اور انصار کی حمایت اسلام پر قریش کا جوش غضب برابر بڑھتا جاتا تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں اوس کے رئیس اعظم حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے اور اپنے پرانے رفیق امیہ بن خلف کے مہمان ہوئے۔ قریش کے بعض افراد نے ان سے کہا کہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دی ہے۔ اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے سعد رضی اللہ عنہ نے کہا "اگر تم نے مجھ کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دیں گے"۔ [3] قریش نے نہ صرف مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی بلکہ حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ خطرہ اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ راتوں کو ہتھیار لگا کر سوتے تھے۔ [4]

حفاظت اور مدافعت کی تدبیریں

ان حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو اپنی اور اپنے حامی انصار کی حفاظت کے لیے' جنہوں نے اسلام کی خاطر قریش کی دشمنی خرید لی تھی' مدافعانہ کارروائی کرنی پڑی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کر دی اور حمزہ' عبیدہ بن حارث اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو مختلف اوقات میں تھوڑی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا' لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لیے آس پاس کے قبائل سے معاہدہ کیا۔ سب سے پہلے قبیلہ جہینہ سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دیں گے۔ اس کے بعد قبیلہ مزینہ سے معاہدہ کیا کہ اگر کوئی

---

[1] بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر۔ [2] سنن ابی داؤد ج۔۲' ص۔۷۶ باب خبر النضیر۔
[3] صحیح بخاری کتاب المغازی۔ [4] لباب النقول فی اسباب النزول سیوطی و مسند دارمی۔

قوت ان پر حملہ آور ہوگی تو مسلمان ان کی مدد کریں گے اور جب مسلمانوں کو مدد کی ضرورت ہوگی تو وہ مدد کے لیے آئیں گے۔ [1]

مدینہ کی چراگاہ پر حملہ

اس معاہدہ کے ایک مہینہ بعد مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر کے رسول اللہ ﷺ کے مویشی لوٹ لیے۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے مویشی چھین لیے لیکن کرز بچ کر نکل گیا۔ [2] اسی سن میں آنحضرت ﷺ نے ذوالعشیرہ تشریف لے جا کر بنی مدلج سے معاہدہ کیا۔

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

رجب ۲ھ میں آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بارہ آدمیوں کی مختصر جماعت کے ساتھ قریش کے کاروان تجارت کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا۔ اتفاق سے قریش کے چند آدمی جو تجارت کا سامان لیے ہوئے شام سے واپس آ رہے تھے، مل گئے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر دیا اور ایک آدمی قتل اور دو گرفتار کر کے مدینہ لائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس فعل پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ میں نے تم کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی اور غنیمت کا مال بھی قبول نہ فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ناپسندیدگی ظاہر کی۔ [3]

غزوۂ بدر

سوئے اتفاق سے جو لوگ قتل و گرفتار ہوئے تھے، وہ معززین قریش تھے۔ اس لیے قریش جو پہلے سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کر رہے تھے، اس واقعہ سے اور زیادہ مشتعل ہو گئے۔ اسی دوران میں مکہ میں یہ خبر اڑ گئی کہ مسلمان قریش کا کاروان تجارت لوٹنے کے لیے آ رہے ہیں۔ اس خبر پر قریش بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ مہاجرین نے جان نثارانہ تقریریں کیں، لیکن آپ ﷺ انصار کا عندیہ لینا چاہتے تھے۔ قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے انصار کی طرف سے عرض کیا کہ آپ ﷺ جہاں تشریف لے جائیں ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اور جس سے چاہیں تعلق

---

[1] زرقانی جلد اول، ص ۴۷۷۔ [2] بخاری کتاب المغازی و اصابہ تذکرہ کرز بن جابر۔

[3] سیرۃ ابن ہشام ج ۱، ص ۳۴۴، ۳۴۵ و طبری ص ۱۲۷۵۔

منقطع کر لیجئے، جس سے چاہیں قائم رکھیے، آپ ﷺ ہم سے جو لینا چاہیں یا ہم کو دینا چاہیں، ہم دونوں کے لیے حاضر ہیں۔ آپ ﷺ ہمارا جس قدر مال قبول فرمائیں گے اس سے ہم کو زیادہ خوشی ہوگی، اس مال کے مقابلہ میں جو آپ ﷺ چھوڑ دیں گے۔ آپ ﷺ جو حکم دیں گے ہم سب آپ کے تابع ہیں، اگر آپ ﷺ برک غماد تک بھی جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم کود پڑیں گے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح نہیں ہیں، جس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم آپ ﷺ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے آپ ﷺ کے ساتھ لڑیں گے''۔ یہ تقریر سن کر آپ ﷺ کا چہرہ وفور مسرت سے چمک اٹھا [1] اور آپ ﷺ رمضان ۲ ہجری ۶۲۴ء میں تین سو تیرہ مسلمانوں کو لے کر جن میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس درمیان میں قریش کا لشکر جس میں ایک ہزار پیدل سپاہ اور سو سوار تھے، عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں مدینہ کے قریب پہنچ گیا اور مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا۔ آنحضرت ﷺ کو چاہ بدر کے قریب اس کی اطلاع ملی۔ آپ ﷺ وہیں ٹھہر گئے، لیکن قریب کوئی کنواں نہ تھا، اس لیے آگے بڑھ کر ایک چشمہ پر خیمہ زن ہوئے اور رات بھر دعا و مناجات میں مصروف رہے۔ صبح کو فوج مرتب کر کے دعا فرمائی، الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ آج اگر یہ تیرے چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو پوجا نہ جائے گا۔ [2] یہ بڑے امتحان و آزمائش کا موقع تھا، جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمانوں کو نظر آیا کہ خود ان کے بزرگ اور ان کے قلب و جگر کے ٹکڑے تلواروں کے سامنے ہیں، لیکن اسلام کی محبت نے تمام رشتوں کو بھلا دیا تھا، چنانچہ میدان جنگ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے لخت جگر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بے نیام ہوئی۔ [3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی، حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ [4] پہلے فرداً فرداً مقابلہ ہوا اور دونوں فوجوں میں سے ایک ایک آدمی میدان میں آیا۔ مقتول عامر کے بھائی عمرو کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے قتل کیا۔ قریش کے سپہ سالار عتبہ کا کام حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے تمام کیا، اس کے بھائی شیبہ کو علی رضی اللہ عنہ کی تلوار نے ختم کیا۔ عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مارا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی اور دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو

---

[1] زاد المعاد جلد اول، ص ۳۴۲۔ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد اول، ص ۳۶۰۔
[3] استیعاب ذکر عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ [4] سیرت ابن ہشام ذکر غزوہ بدر۔

گئیں۔ دو انصاری نوجوان معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما ابوجہل کی تاک میں تھے' نظر پڑتے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے جھپٹ کر معوذ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کیا' ہاتھ شانہ سے لٹک گیا' صرف تسمہ لگا رہ گیا تھا' مگر وہ اس وقت بھی لڑتے رہے' لیکن کٹا ہوا ہاتھ تلوار چلانے میں مزاحم ہوتا تھا اس لیے تسمہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ ابوجہل کے قتل سے قریش میں بددلی پھیل گئی' لیکن ابھی ایک اور سردار امیہ بن خلف باقی تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کے حلیف تھے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کی نظر بچا کر اسے نکال دینا چاہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جو مکہ میں اس کے مشق ستم رہ چکے تھے دیکھ لیا۔ انہوں نے انصار کو خبر دی۔ وہ دو طرف سے ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بچانے کے لیے امیہ پر لیٹ گئے' لیکن بلال رضی اللہ عنہ کی فریاد کے مقابلہ میں لوگوں نے ان کی پرواہ نہ کی اور نیزے سے چھید چھید کر قتل کر ڈالا۔ [1]

اسیران جنگ سے حسن سلوک

امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار نے میدان چھوڑ دیا' مسلمانوں میں کل ۱۴ آدمی شہید ہوئے اور قریش کے بہت سے نامور سردار شیبہ' عتبہ' ابوجہل' ابوالبختری' زمعہ بن اسود' امیہ بن خلف وغیرہ مارے گئے اور مشاہیر قریش میں حضرت عباس' عقیل' نوفل' اسود' عبد بن زمعہ وغیرہ گرفتار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم کر کے انہیں آرام سے رکھنے کا حکم دیا۔ اس پر صحابہ نے اس شدت سے عمل کیا کہ خود کھجور کھا کر بسر کرتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ [2] جن کے پاس کپڑے نہ تھے انہیں کپڑے دیئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ قتل کر دیا جائے اور مسلمان خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اعزہ کو قتل کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند فرمائی اور فدیہ لے کر سب کو رہا کر دیا۔ جو لوگ ناداری سے فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے' تو ان میں سے جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم ہوا کہ دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں تو وہ رہا کر دیئے جائیں گے۔ [3]

قریش کا جوش انتقام اور غزوۂ سویق

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ بدر۔

[2] طبری ص ۱۳۳۸۔

[3] مسند احمد بن حنبل جلد اول' ص ۲۴۶۔

اس جنگ میں بہت سے رؤسائے قریش مارے گئے تھے۔ ان کے بعد ابوسفیان ابن حرب اموی قریش کی مسند ریاست پر بیٹھا۔ عرب کی روایات کے مطابق اس وقت اس کا مقدم فرض مقتولین بدر کا انتقام لینا تھا۔ چنانچہ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ اپنے مقتولین کا انتقام نہ لے لے گا اس وقت تک سر میں تیل نہ ڈالے گا۔ دوسو سواروں کا دستہ لے کر خفیہ مدینہ پہنچا۔ بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی نے پرتکلف دعوت کی اور مدینہ کے مخفی رازوں سے آگاہ کیا۔ اس سے حالات معلوم کرنے کے بعد ابوسفیان نے عریض پر حملہ کیا اور ایک انصاری کو قتل کر کے مکانات اور گھاس کے ذخیرے جلا دیئے۔ آنحضرت ﷺ کو طلاع ہوئی تو آپ ﷺ اس کے تعاقب میں نکلے لیکن ابوسفیان نکل گیا۔ [1]

متفرق واقعات

اسی ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عیدگاہ میں نماز عید ادا ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوا سو روپے مہر پر کیا اور ایک چارپائی' چمڑے کا گدا' ایک چھاگل' دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے جہیز میں دیئے۔ [2]

غزوۂ احد

اگرچہ عریض پر حملہ سے ابوسفیان کی قسم فی الجملہ پوری ہوگئی' لیکن جن جن لوگوں کے اعزہ بدر میں قتل ہوئے تھے وہ ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا محمد ﷺ نے قریش کو تباہ کر دیا ہے۔ اس کا انتقام ضروری ہے' اس کے اخراجات کے لیے اس مرتبہ کاروان قریش کا منافع ہم کو دلایا جائے۔ سب نے اسے بخوشی منظور کر لیا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ تیاریاں شروع ہوگئیں اور شوال ۶۲۴ء (۳ھ) میں بڑے سروسامان سے قریش مدینہ روانہ ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ ہی میں مقیم تھے' آنحضرت ﷺ کو خفیہ اطلاع بھجوادی۔ آپ ﷺ نے پتہ چلانے کے لیے آدمی بھیجے' معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب عریض تک پہنچ چکا ہے۔ [3]

---

[1] ابن سعد ج۔۲' ص ۲۰۔

[2] ابن سعد ج۔۸ تذکرہ فاطمہ رضی اللہ عنہا و زرقانی ج۔۲ میں اس نکاح کی پوری تفصیل ہے۔

[3] ابن سعد ج۔۲' ص ۲۵۔

دوسرے دن صبح کو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے رائے دی کہ عورتوں کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیج دیا جائے اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے' لیکن پرجوش نوجوانوں کو اصرار تھا کہ باہر نکل کر صف آرائی کی جائے۔ ان کے اصرار پر آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ احد کی طرف جہاں مشرکین مکہ خیمہ زن تھے بڑھے' عبداللہ بن ابی منافق تین سو سواروں کے ساتھ معیت میں نکلا لیکن پھر عذر لنگ کر کے لوٹ گیا اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔ احد پہنچ کر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی' حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری عطا ہوئی۔ پہاڑ کی پشت سے مشرکین کے حملہ کا خطرہ تھا' اس لیے پچاس آدمیوں کا دستہ اس کی حفاظت پر متعین کر کے تاکید فرما دی کہ فتح و شکست میں تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ قریش تعداد اور سروسامان ہر شے میں مسلمانوں سے زیادہ تھے۔ انہوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ صف بندی کی' میمنہ پر خالد بن ولید' میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل' سواروں پر صفوان بن امیہ' تیر اندازوں پر عبداللہ ابن ابی ربیعہ تھے' علم طلحہ کے ہاتھوں میں تھا۔ قریش کی صف سے پہلے ابوعامر [1] میدان میں آیا اور پکارا' اہل مدینہ! مجھے پہچانتے ہو میں کون ہوں؟ انصار نے جواب دیا ''بدکار ہم تجھے خوب جانتے ہیں' اللہ تیری آرزو برنہ لائے''۔ اس کے بعد قریش کا علمبردار طلحہ بڑھا اور طنزیہ پکارا ''کون ہے جو مجھے جہنم بھیج دے یا میں اسے جنت میں پہنچا دوں؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوگئی' حضرت علی' حمزہ اور ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہم نے اپنے بے پناہ حملوں سے مشرکین کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ حمزہ رضی اللہ عنہ جوش شجاعت میں دور تک دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے' جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے جو آپ کی تاک میں تھا' نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ [2]

قریش بڑی شجاعت سے لڑ رہے تھے ان کے علمبردار پیہم قتل ہو رہے تھے لیکن علم سرنگوں نہیں ہونے پایا تھا' مگر حضرت علی اور ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہما کے بے پناہ حملوں نے آخر میں پاؤں اکھاڑ دیئے۔ ان کے پاؤں اکھڑتے ہی مسلمان مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ پہاڑ کی پشت پر جو دستہ متعین تھا اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کے ہٹتے ہی خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے' جو اب تک اپنی جگہ پر تھے' چند جانبازوں کے ساتھ روکا' مگر سب شہید

---

[1] یہ مدینہ کا باشندہ تھا اور کچھ دنوں سے مکہ میں متوطن ہو گیا تھا اور اس کی زاہدانہ زندگی کی وجہ سے اہل مدینہ پر اس کا بڑا اثر تھا۔ [2] بخاری باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ ج۔ ۱ ص ۳۸۵۔

ہوئے اور خالد نے بڑھ کر لوٹنے والے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بالکل غافل تھے اس لیے اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ [1] اور ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز باقی نہ رہی۔ آپس ہی میں ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے شہید ہو گئے اور شبہ میں یہ خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی' اس خبر نے مسلمانوں کے رہے سہے اوسان اور خطا کر دیئے اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف بارہ جان نثار باقی رہ گئے۔ [2] لیکن ذوالفقار حیدری اس وقت بھی بجلی کی طرح چمک رہی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دل شکستہ ہو کر تلوار پھینک دی کہ اب لڑنے سے کیا حاصل' ابن نضر انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا اب زندہ رہ کر کیا کریں گے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ [3] بہت سے جان نثار اس حالت میں بھی لڑتے جاتے تھے' عین اس وقت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی۔ انہوں نے پہچان کر پکارا' مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہیں' یہ آواز سنتے ہی ٹوٹی ہوئی ہمت پھر بندھ گئی اور مسلمان اس سمت آ گئے۔ کفار نے بھی ہر طرف سے سمٹ کر اپنا پورا زور صرف کر دیا۔ ان کا ریلا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی' کون مجھ پر جان دیتا ہے' اس آواز پر سات انصاری بڑھے اور ایک ایک کر کے نثار ہو گئے۔ [4] عبداللہ بن قمیہ بڑھتے بڑھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا اور چہرۂ انور پر تلوار ماری' مغفر کی دو کڑیاں پیوست ہو گئیں' یہ دیکھ کر جان نثاروں نے ہر طرف سے حصار میں لے لیا۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک کر سینہ سپر ہو گئے' جو تیر آتا تھا اسے پیٹھ پر روکتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تلوار کے وار ہاتھ پر روکتے تھے۔ ایک ہاتھ کاٹ کر الگ ہو گیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے تین کمانیں توڑیں اور سینہ سامنے کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم نہ پہنچنے پائے۔ [5] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن رحمت عالم کی زبان پر اس وقت بھی یہ الفاظ تھے ''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کہ وہ جانتے نہیں''۔ [6] چہرہ انور سے خون جاری تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم کو دھویا اور چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اسے زخم میں بھرا' اس سے خون تھما۔ [7] مشرکین کا ریلا رکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند جان نثاروں کے ساتھ پہاڑی کے اوپر چڑھ گئے' مشرکین کی فوج میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی۔ ابوسفیان نے اس کی تصدیق کے لیے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں ہیں؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو

---

[1] بخاری' غزوۂ احد ج ۲۔ ص ۵۷۹۔ [2] بخاری' غزوۂ احد ج ۲ ص ۵۷۹ و کتاب التفسیر باب الرسول یدعوکم۔
[3] سیرۃ ابن ہشام۔ [4] مسلم باب غزوۂ احد۔ [5] مسلم باب غزوۂ احد جلد اول ص ۹۰۔
[6] بخاری غزوۂ احد ج ۲' ص ۵۸۱۔ [7] بخاری غزوۂ احد ج ۲' ص ۵۸۴۔

جواب دینے سے منع کر دیا۔ ابوسفیان نے جواب نہ پا کر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو آواز دی' اس پر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اس وقت اس نے مسرت میں نعرہ لگایا کہ سب مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہوسکا' بولے' اے اللہ کے دشمن! ہم سب زندہ ہیں' یہ سن کر ابوسفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا "اعل هبل" صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جواب دیا "اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ" ابوسفیان پکارا "لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ" صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا "اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ" [1] مسلمانوں کے سنبھلنے کے بعد قریش کی ہمت پست ہوگئی اور وہ لوٹ گئے۔ اس معرکہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں زیادہ تر انصار تھے' اختتام جنگ کے بعد قریش کی خواتین نے مقتولین بدر کے انتقام کے جوش میں مسلمان شہدا کے ناک کان کاٹ دیئے' ابوسفیان کی بیوی ہند نے ان کو پھولوں کی طرح کا ہار بنا کر پہنا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی۔ اس غزوہ میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری اور جان فروشی دکھائی' حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ [2]

مشرکین کے حملہ کے وقت جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے' آپ کی حفاظت کے لیے حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں' جو مشرک آپ کی طرف بڑھتا تھا اس کو تیر اور تلوار کے ذریعہ روکتی تھیں۔ ابن قمیہ جب آپ کے پاس پہنچ گیا تو ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر اس کو روکا' اس روکنے میں ان کا شانہ زخمی ہوا۔ انہوں نے بھی تلوار چلائی' لیکن ابن قمیہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا' اس لیے وار کارگر نہ ہوا۔ [3]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں' مشرکین نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو مثلہ کر دیا تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ صفیہ بھائی کی لاش نہ دیکھنے پائے' انہوں نے ماں سے کہا۔ وہ بولیں میں بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں' لیکن راہ اللہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت لے کر لاش پر گئیں۔ عزیز بھائی کے بدن کے ٹکڑے دیکھ کر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھ کر خاموش ہوگئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ [4] ان سب سے بڑھ کر ایک انصاری خاتون کا واقعہ ہے۔ جن کے باپ' بھائی اور شوہر سب کے سب جنگ میں مارے گئے تھے۔ ان کو یکے بعد دیگرے تینوں حادثوں کی خبر ملی۔ یہ

---

[1] بخاری غزوۂ احد ج ۲ ص ۵۸۴۔ [2] بخاری ج ۲ ص ۵۸۲۔
[3] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۴۶۰۔ [4] طبری ص ۱۴۲۱۔

ہر مرتبہ یہی پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیریت' انہوں نے پاس جا کر چہرۂ مبارک کو دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں:

﴿ كُلُّ مُصِيبَةٌ بَعْدَكَ جَلَلٌ ﴾

''تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں'' [1]

قریش کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی مدینہ لوٹ آئے۔ اس وقت مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ہر گھر میں کہرام بپا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا دل بھر آیا کہ سب کا ماتم ہو رہا ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ یہ انسانی فطرت تھی۔ چنانچہ انصار نے آپ ﷺ کا تاثر دیکھ کر اپنی عورتوں کو حمزہ رضی اللہ عنہ کا سوگ منانے کے لیے بھیجا' لیکن آپ ﷺ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ [2]

متفرق واقعات

اسی سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی' وراثت کا قانون نازل ہوا اور مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا۔

مختلف سرایا ۴ھ

غزوۂ احد کے بعد سرایا یعنی چھوٹی چھوٹی فوج کشیوں اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے مختلف اسباب تھے' سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ عرب کا ہر قبیلہ بت پرست تھا اور اسلام اس کو مٹانے آیا تھا' دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش کی مذہبی سیادت سارے عرب میں تھی اور حج کے موقع پر ہر حصہ کے لوگ مکہ میں جمع ہوتے تھے' قریش ان کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے تیسرا سبب یہ تھا کہ اکثر قبائل عرب کے معاش کا ذریعہ لوٹ اور غارت گری تھا۔ اسلام اس کو بھی روکتا تھا' اس لئے قبائل کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر اسلام غالب آ گیا تو ان کے ذرائع معاش بند ہو جائیں گے' بدر کی کامیابی سے قبائل عرب پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا تھا اور وہ خاموش ہو گئے تھے لیکن احد کی شکست نے انکا حوصلہ بڑھا دیا اور دفعۃً بہت سے قبائل اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے اول محرم ۴ھ میں طلیحہ بن خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو قطن میں آباد تھا مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار کیا'

---

[1] طبری ص ۴۲۵۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۲' ص ۸۴۔

آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ابوسلمہ کو ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا۔ لیکن حملہ آور منتشر ہو گئے [1] اسی سال بنی لحیان کے سردار سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا عزم کیا' آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن انیس کو بھیجا انہوں نے باطائف الجل سفیان کو قتل کر دیا۔ [2] صفر ۴ھ میں بنی کلاب کے سردار ابو براء نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ میری قوم میں تبلیغ اسلام کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے۔ آپ ﷺ نے ستر (۷۰) آدمی ساتھ کر دیئے۔ انہوں نے بیر معونہ میں قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت ﷺ کا خط دے کر قبیلہ کے رئیس عامر بن طفیل کے پاس بھیجا' اس نے ان کو قتل کر دیا اور عصیہ' رعل اور ذکوان کے قبائل کو لے کر مسلمانوں کی طرف بڑھا' مسلمان حرام کی واپسی کا انتظار کر کے ان کی تلاش میں نکلے' آگے بڑھ کر عامر کا مقابلہ ہوا۔ اس نے گھیر کر کل مسلمانوں کو قتل کر دیا' صرف عمرو بن امیہ کو چھوڑ دیا' آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ کو سخت صدمہ ہوا۔ [3] اس زمانہ میں قبیلہ عضل وقارہ کے چند اشخاص نے مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے' ان کی تعلیم کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے' آپ ﷺ نے دس معلم بھیج دیئے' مقام عسفان میں پہنچ کر غداروں نے بنی لحیان کو اشارہ کر دیا' انہوں نے دو سو آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کو گھیر لیا اور ان سے کہا ہمارے پاس چلے آؤ' ہم تم کو امان دیتے ہیں' سات مسلمانوں نے ان کی امان میں جانا پسند نہ کیا اور لڑ کر جان دیدی' خبیب رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ یہ دو مسلمان اعتماد کر کے چلے گئے' کافروں نے انہیں پکڑ لیا اور مکہ لے جا کر فروخت کر دیا۔ یہ دونوں مشرکین مکہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ [4]

متفرق واقعات

اسی سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے' ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا' آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عقد کیا' بعض مؤرخوں کے نزدیک شراب بھی اسی سنہ میں حرام ہوئی۔

یہودیوں کی مخالفت اور اس کے اسباب

انصار بت پرست اور یہود اہل کتاب تھے' اس لئے انصار کے مقابلہ میں ان کو خاص تفوق اور

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲' ق اول ص ۳۵۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۲' ق اول ص ۲۳۶۔

[3] زرقانی ج ۲ ص ۸۹۸ میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے۔ [4] بخاری غزوہ رجیع وطبقات ابن سعد غزوہ مذکور۔

امتیاز حاصل تھا' لیکن مسلمانوں کے مدینہ آنے کے بعد ان کا قدیم وقار گھٹتا جاتا تھا' انصاریوں کی یہودیت رک گئی تھی اور وہ ان کے قرضوں سے چھوٹتے جاتے تھے' قرآن علیحدہ انکے اخلاق ذمیمہ کی پردہ دری کرتا تھا' اس لئے اب یہود علانیہ اسلام کے مقابلہ میں آ گئے' اور آنحضرت ﷺ کو ستانا شروع کر دیا' ان کا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کو "اَلسَّامُ عَلَیْکَ" کی بجائے "اَلسَّامُ عَلَیْکَ" کہتے' جس کے معنی ہیں کہ "تجھ کو موت آئے" آپ ﷺ بڑے ضبط وتحمل سے کام لیتے اور حتی الامکان یہودیوں کو ٹھیس پہنچانے سے بچتے' بلکہ ان کی دلجوئی کرتے اور ان معاشرتی امور میں' جن کے بارہ میں قرآن مجید میں کوئی حکم نہ ہوتا' یہود کی موافقت فرماتے' لیکن یہودیوں کو نظر آ رہا تھا کہ اسلام کے مقابلہ میں ان کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی' اس لئے وہ اسلام کی بیخ کنی پر کمربستہ ہو گئے۔

مشرکین کی نگاہوں میں اسلام کے وقار کو گھٹانے کے لئے ان سے کہتے کہ مسلمانوں سے تو تم اچھے ہو اور خود جھوٹا اسلام قبول کر کے مرتد ہو جاتے' تاکہ اسلام کی حقانیت لوگوں کے دلوں میں جمنے نہ پائے [1] اوس وخزرج میں جو باہم پرانے حریف اور اسلام کے دست و بازو تھے اور اسلام نے انہیں ملا دیا تھا' پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کرتے' ایک آدھ مرتبہ دونوں میں تلواریں نکل آئیں' لیکن عین موقع پر آنحضرت ﷺ نے ٹھنڈا کر دیا' [2] ان کی دشمنی یہاں تک بڑھ گئی کہ مخفی آنحضرت ﷺ کی جان لینے کے درپے ہوئے اور ان کی جانب سے برابر خطرہ لگا رہتا تھا۔ [3]

غزوۂ بنی قینقاع

اگرچہ یہودیوں نے اسلام کی مخالفت کو شعار بنا لیا تھا اور وہ کسی موقع پر اپنی دشمنی سے نہ چوکتے تھے' تاہم اب تک علانیہ تصادم کی نوبت نہ آئی تھی' ایک اتفاقی واقعہ نے اس کے اسباب پیدا کر دیئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی نے ایک انصاری عورت کی بے حرمتی کی' ایک انصاری نے جوش حمیت میں یہودی کو قتل کر دیا' یہودیوں نے انصاری کو مار ڈالا' آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ہوئی' تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا "اللہ تعالیٰ سے ڈرو' ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہو جائے" گو یہود مدینہ سے آنحضرت ﷺ کا معاہدہ ہو چکا تھا' جو اوپر گزر چکا ہے' لیکن اس کے باوجود انہوں نے جواب دیا "ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم بتا دیں گے کہ لڑائی کس کا نام ہے' یہ نقض عہد ایک طرح کا اعلان جنگ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان

---

[1] قرآن پاک کی اس آیت ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ [۴/ النساء: ۵۱] میں اس کی تصریح موجود ہے۔ [2] اصابہ ج ۱ ص ۱۸۸۔ [3] تفصیل کے لئے دیکھو اصابہ تذکرہ طلحہ بن براء۔

کی آئے دن کی ریشہ دوانیوں کا سدباب کرنے کا فیصلہ کرلیا' یہود قلعہ بند ہوگئے' آنحضرت ﷺ نے محاصرہ کرلیا' پندرہ دن کے بعد یہودی آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہوگئے۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی تجویز پر سات سو یہودیوں کو جلاوطن کردیا اور یہ لوگ شام کے علاقہ اذراعات جاکر آباد ہوئے۔ ❶

کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیاں اور اس کا قتل

مدینہ کے یہودیوں میں کعب بن اشرف بڑا بااثر یہودی تھا۔ اس کو ابتدا ہی سے اسلام کے ساتھ پرخاش تھی' بدر میں قریش کی شکست کا اس کو بڑا غم ہوا تھا' چنانچہ اظہار تعزیت کے لئے مکہ گیا تھا اور مقتولین بدر کا نہایت پرزور مرثیہ لکھا تھا' اور اس کو پڑھ کر لوگوں کو انتقام پر ابھارتا تھا۔ ❷ رسول اللہ ﷺ کی ہجو کہہ کر قریش کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا تھا ❸ ابوسفیان کو خانہ کعبہ میں لے جا کر انتقام کا حلف دلوایا تھا' ❹ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی ہجو کہہ کر سناتا تھا' آپ کو خفیہ نقصان پہنچانے یا شہید کرنے کی سازش کی ❺ اس کی ان فتنہ انگیزیوں پر آنحضرت ﷺ سے صحابہ نے شکایت کی' رؤسائے اوس نے قتل کی رائے دی' چنانچہ یہ خدمت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے اس کے گھر جاکر بلطائف الحیل اس کو قتل کرڈالا۔ ❻

آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش

عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمیوں کو قتل کردیا تھا' اس کا خون بہا یہودی قبیلہ بنی نضیر کے ذمہ تھا۔ آنحضرت ﷺ اس کے مطالبہ کے لئے تشریف لے گئے' بنی نضیر نے خون بہا ادا کرنے کا وعدہ کیا' لیکن ایک یہودی نے اوپر سے پتھر لڑھکا کر ہلاک کردینے کا ارادہ کیا' آپ ﷺ کو اس کا علم ہوگیا اس لئے آپ ﷺ بچ کر لوٹ آئے۔ ❼ چند دنوں کے بعد آپ ﷺ نے بنی قریظہ کے یہودیوں سے معاہدہ کی تجدید کی' بنی نضیر سے بھی تجدید کرنی چاہی' مگر وہ راضی نہ ہوئے ❽ اور آپ ﷺ کو تین آدمیوں کے ساتھ اپنے علما سے مناظرہ کرنے کے لئے بلا بھیجا کہ اگر یہ لوگ

---

❶ تفصیل کے لئے دیکھو سیرت ابن ہشام وابن سعد غزوۂ بنی قینقاع۔ ❷ سیرت ابن ہشام حالات غزوہ بدر۔
❸ ابوداؤد باب کیف کان اخراج الیہود۔ ❹ تاریخ خمیس ص ۵۱۵۔
❺ ابن واضح کاتب عباسی کے الفاظ یہ ہیں ارادان یفتک برسول اللہ ﷺ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۹۔
❻ بخاری میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ ❼ زرقانی ج ۳ ص ۹۳۔
❽ ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ خبر النضیر۔

آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے تو ہم بھی لے آئیں گے' آپ ﷺ نے منظور فرمالیا' راستہ میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہود نے اس بہانہ سے قتل کے لئے بلایا ہے۔ [1]

غزوۂ بنی نضیر

ان پیہم مخالفتوں کی بنا پر آپ ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کرلیا' یہ اس غلط فہمی میں تھے کہ بنی قریظہ ان کا ساتھ دیں گے' لیکن وہ معاہدہ کر چکے تھے اور علانیہ حمایت نہیں کر سکتے تھے اس لئے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنی نضیر نے مدینہ چھوڑ دیا اور اپنا مال ومتاع ساتھ لے کر خیبر آباد ہوئے۔ [2] پہلے تنہا قریش کی مخالفت کا سامنا تھا، اب یہود بھی حریف بن گئے' اور دونوں نے مل کر مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی اور سب نے اپنی اپنی جگہ پر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں' پہلے انمار وثعلبہ نے پیش قدمی کی آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ محرم ۵ھ میں چار سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے' انمار وثعلبہ ابھی پورے تیار نہ تھے' اس لئے پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ [3] اس کے بعد ربیع الاول ۵ھ مذکور میں کفار نے دومۃ الجندل میں اجتماع کیا' آنحضرت ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ ان کی طرف بڑھے' یہ بھی منتشر ہو گئے۔

غزوۂ بنی مصطلق

خزاعہ کا قبیلہ قریش کا حلیف تھا' ان دونوں میں باہم قرابت داریاں بھی تھیں' اس لئے خزاعہ کو قریش کے ساتھ ایک خاص تعلق تھا' اس قبیلہ کی ایک شاخ بنی مصطلق مدینہ سے تھوڑی مسافت پر مقام مریسیع میں آباد تھی' اس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ [4] اس لئے آنحضرت ﷺ شعبان ۵ھ میں مدافعت کے لئے نکلے' حارث بھاگ گیا لیکن مریسیع کی آبادی نے مقابلہ کیا' مسلمانوں نے شکست دی اور دس اہل مریسیع مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ [5]

مریسیع کے معرکہ میں مال غنیمت کے لالچ میں بہت سے منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے' جو ہر موقع پر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے' ایک دن چشمہ سے پانی لینے میں ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا' دونوں نے اپنی اپنی جماعت کو آواز دی' فریقین کی تلواریں نکل

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۲۵۵۔ [2] طبری ص ۴۵۲۔ [3] ابن سعد غزوۂ ذات الرقاع۔
[4] ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۵'۴۶۔ [5] ابن سعد حصہ مغازی، ص ۴۵، ۴۶۔

آئیں' چند آدمیوں نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا' اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو بھڑکانے کا موقع مل گیا اس نے انصار سے کہا'' تم نے یہ بلا خود مول لی ہے' مہاجرین کو تم نے اتنا سر چڑھا دیا ہے کہ اب وہ تمہارے مقابلہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں' اگر اب بھی تم ان کی دستگیری چھوڑ دو تو یہاں سے چلے جائیں گے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں؟'' [1] عبداللہ کے لڑکے مسلمان ہو چکے تھے' اور اسلام کے سچے شیدائی تھے۔ انہیں خبر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔'' دنیا جانتی ہے کہ میں والد کا کتنا اطاعت گذار ہوں' لیکن اگر آپ کی یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ملے میں جا کر ان کا سر کاٹ لاتا ہوں' ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حکم دیں اور میں محبت اور غیرت کے جوش میں قاتل کو قتل کر دوں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان دلایا کہ میں قتل نہ کروں گا بلکہ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤں گا۔ [2]

افک

افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھنے کا واقعہ غزوۂ مریسیع میں پیش آیا لیکن قرآن نے خود اس کی پردہ دری کر دی ہے۔

غزوۂ احزاب

اوپر گزر چکا ہے کہ معاہدہ کی بنا پر بنی قریظہ مسلمانوں کی مخالفت میں بنی نضیر سے الگ تھے' لیکن پھر چند دنوں کے بعد رؤسائے بنی نضیر کی کوششوں سے وہ ان سے مل گئے اور ۵ھ میں انہوں نے بنی نضیر' بنی قریظہ' قریش اور بہت سے قبائل کو جمع کر کے دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھائی کی' [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مشورہ سے مدینہ کے گرد خندق کھود کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے' اتحادیوں نے مدینہ پہنچ کر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور ایک مہینہ تک اس شدت کے ساتھ محاصرہ قائم رہا' کہ مسلمانوں پر کئی فاقے گزر گئے' ایک دن بے تاب ہو کر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹ کے پتھر دکھائے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شکم مبارک سے کپڑا اٹھایا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ [4]

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۲۸۔ [2] طبری ص ۱۵۱۵۔

[3] تفصیل کے لئے دیکھو طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۱ ص ۴۷' وفتح الباری ج ۷ ص ۳۰۱۔ [4] شمائل ترمذی۔

جب محاصرہ کی شدت خطرناک حد تک پہنچ گئی تو آپ نے جماعت صحابہ کو خطاب فرمایا کہ ''کوئی ہے جو محاصرہ کرنے والوں کی خبر لائے' اس کے جواب میں صرف حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی' اس جانبازی کے صلہ میں ان کو حواری کا معزز لقب عطا ہوا۔ چند دنوں تک کفار خندق کے پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے' جب اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو عرب کے نامور بہادر ضرار' جبیرہ' نوفل اور عمرو بن عبدود ایک مقام سے جہاں خندق نسبتاً کم چوڑی تھی' گھوڑے کو ایڑ لگا کر پار کر گئے' خندق کے پار پہنچ کر عمرو بن عبدود نے مبارز طلبی کی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا' [1] اس کے بعد ضرار اور جبیرہ ہمت کر کے آگے بڑھے لیکن پھر ڈر کے پیچھے ہٹ گئے' نوفل خندق میں گر پڑا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کود کر اس کو بھی ختم کر دیا' دن بھر لڑائی رہی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔ لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا' جوں جوں محاصرہ بڑھتا جاتا تھا' اہل مدینہ سے زیادہ کفار کے لئے مصیبت بڑھتی جاتی تھی اس لئے کہ دس ہزار کی فوج کی رسد کا سامان آسان نہ تھا' اسی درمیان میں ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں' عین اس موقع پر نعیم بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے' جو در پردہ مسلمان ہو گئے تھے' قریش اور یہودیوں میں پھوٹ ڈلوادی' [2] کفار چند در چند دشواریوں میں پھنس گئے اور قریش آپس کی نا اتفاقی' موسم کی ناسازگاری اور سامان رسد کی قلت کی وجہ سے ہمت ہار گئے' چنانچہ ابوسفیان نے یہ کہہ کر کہ سامان رسد ختم ہو چکا ہے' یہود نے ساتھ چھوڑ دیا ہے' موسم ناخوشگوار ہے' ان حالات میں محاصرہ بے کار ہے' محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا' قریش کے بعد بنی قریظہ نے بھی میدان چھوڑ دیا' [3] اس جنگ میں مسلمانوں کا کم نقصان ہوا' صرف ایک صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ زخمی ہوئے جو زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے اور غزوۂ بنی قریظہ کے بعد انتقال کر گئے' اس جنگ کا نام غزوۂ خندق یا احزاب ہے۔

بنی قریظہ کا خاتمہ

بنی قریظہ نے معاہدہ کے خلاف جنگ احزاب میں شرکت کی تھی' اس میں شکست اور واپسی کے وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو اپنے یہاں لیتے گئے تھے۔ [4] اس لئے غزوۂ احزاب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف بڑھے' اگر اس وقت بھی بنی قریظہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر مصالحت کا ہاتھ بڑھاتے تو ممکن تھا صلح ہو جاتی' لیکن اس کے برعکس جب مسلمان قریب

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق ۲ ص ۱۹، ۲۰۔ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے ابن سعد ج ۴ ق ۲ ص ۲۰، ۲۱۔
[3] ابن سعد ج ۴ ق ۲ حالات خندق۔ [4] سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۴۶ و طبری ج ۳ ص ۴۸۷۔

پہنچے تو بنی قریظہ نے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دینی شروع کیں۔ ❶ اس لئے آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا' ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا' آخر میں بنی قریظہ نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی اور کہلا بھیجا کہ سعد بن معاذ (جو ابھی زندہ تھے) جو فیصلہ کر دیں وہ ہم کو منظور ہے' آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہود کی کتاب توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ تمام لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں' عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے جائیں اور ان کا مال و اسباب مال غنیمت سمجھا جائے۔ یہ فیصلہ توریت کے حکم کے مطابق تھا اس لئے یہودیوں کو چار و ناچار قبول کرنا پڑا۔ ❷ اور صحیح روایت کی رو سے چار سو یہودی' جن میں دوران محاصرہ کے مقتولین بھی شامل ہیں' قتل کیے گئے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح

اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا' آنحضرت ﷺ نے آقا و غلام کی تمیز اٹھانے کیلئے زینب رضی اللہ عنہا کا عقد اپنے غلام اور متبنیٰ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن دونوں کے اختلاف طبع کی وجہ سے نہ نبھ سکی اس لئے زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دینے کا ارادہ کیا' آنحضرت ﷺ نے روکا مگر ناخوشگواری برابر بڑھتی گئی' اس لئے زید نے آخر میں طلاق دے دی' عرب میں متبنیٰ بیٹوں کی بیوی کے ساتھ نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس خیال کو مٹانے اور زینب کی دلجوئی کیلئے خود ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ ❸

پردہ کا حکم

اس وقت تک عورتیں جاہلیت کے طریقہ پر بے پردہ نکلتی تھیں اور بے باکانہ چلتی تھیں' اسی سال یہ حکم نازل ہوا کہ شریف عورتیں گھروں سے نکلیں تو چادر اوڑھ کر منہ چھپا کر سینہ پر آنچل ڈال کر نکلیں، چلنے میں اٹھکیلیاں نہ کریں، پردے کی اوٹ سے بولیں' آواز میں بناوٹ نہ پیدا کریں ازواج مطہرات نامحرموں کے سامنے نہ آئیں' اسی سال عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کا حکم اور لعان کا طریقہ جاری ہوا' پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کی اجازت اور صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہوا۔ ❹

---

❶ طبری ص ۱۴۸۵۔ ❷ طبری ص ۱۴۸۷ و ۱۴۹۲ توریت کا حکم یہ ہے کہ اگر دشمن صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا ان پر تجھ کو قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے باقی بچے عورتیں' جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی۔ کتاب تثنیہ الصحاح ۲۰ آیت ۱۰۔

❸ اس کی تفصیل حدیث کی قریب قریب تمام کتابوں میں ہے۔ ❹ یہ احکام سورۂ نور میں واقعہ افک کے سلسلہ میں نازل ہوئے' تفصیل کیلئے دیکھو بخاری ج ۲ ص ۷۰۷ و ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۲ و فتح الباری ج ۲ ص ۱۰۶۔

عمرہ

چھ برس سے جب سے مسلمان مکہ سے نکالے گئے انہوں نے کعبہ کو غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا تھا' اس لئے ذوالقعدہ ۶ھ میں آنحضرت ﷺ چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ قریش کو جنگ وغیرہ کا شبہ نہ ہو یہ احتیاط فرمائی تھی کہ احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ ساتھ لے لئے [1] اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے' صرف تلوار ساتھ ساتھ ہو' وہ بھی نیام کے اندر' ذوالحلیفہ پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کیں' قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے آپ کو روکنے کیلئے بڑی زبردست تیاریاں کیں اور پیغام بھیج کر تمام متحدہ قبائل کو جنگ کے لئے جمع کیا اور خالد بن ولید کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے تھوڑی سی فوج کے ساتھ پتہ لگانے کیلئے بھیجا' انہوں نے جا کر قریش کو خبر کر دی کہ مسلمان کراع غمیم تک پہنچ چکے ہیں' ان کے جانے کے بعد مسلمان بڑھ کر حدیبیہ میں ٹھہرے۔

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان

قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا' اس کے رئیس بدیل نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے' آپ ﷺ نے فرمایا قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے ہیں' بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ [2] بہتر یہ ہے کہ قریش ہم سے ایک مدت معینہ کے لئے معاہدہ کر لیں اور اگر وہ اس پر راضی نہیں ہیں تو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے' میں اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن الگ نہ ہو جائے اور اللہ اپنا فیصلہ پورا نہ کر دے' بدیل نے مکہ جا کر قریش کو یہ پیغام سنانا چاہا' نا آزمودہ کار نوجوان اس قدر جوش سے لبریز تھے کہ سننے کے لئے بھی تیار نہ ہوئے' لیکن تجربہ کاروں نے آمادگی ظاہر کی' بدیل نے آنحضرت ﷺ کا پیام اور آپ ﷺ کے شرائط سنائے' یہ شرائط سن کر ان کی جماعت کے ایک معمر اور تجربہ کار شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا' محمد (ﷺ) نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں' مجھ کو اجازت دو' میں خود جا کر معاملہ طے کر آؤں، قریش کو ان پر پورا اعتماد تھا اس لئے وہ ان کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور کہا ''محمد (ﷺ)! فرض کرو تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس دنیا میں کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھوں برباد کر

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۰۔ [2] ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۰۔

دیا ہو۔'' عروہ ضروری گفتگو کر کے لوٹ گئے، اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہ کی جو حیرت انگیز عقیدت دیکھی تھی، وہ قریش کو سنائی۔

بیعت رضوان

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مصالحت کی گفتگو کے لئے خراش بن امیہ کو بھیجا، قریش نے ان کو قتل کر ڈالنا چاہا، مگر ان کے قبیلہ کے دو آدمیوں نے بچالیا [1] خراش کی واپسی کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ کیلئے ایک دستہ بھیجا، مگر وہ گرفتار کر لیا گیا' آنحضرت ﷺ نے درگزر سے کام لے کر اسے رہا فرما دیا' قریش کی مخالفانہ روش کے باوجود آپ ﷺ نے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوشش کی اور دوبارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا' انہوں نے آپ کو روک لیا' مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے' آنحضرت ﷺ کو سخت صدمہ ہوا' آپ ﷺ نے قصاص کیلئے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جانبازی کی بیعت لی۔ [2] اس بیعت کو تاریخ اسلام میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ قتل کی خبر غلط تھی۔ اس دوران میں قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے' اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا' ان میں اور مسلمانوں میں رد و قدح کے بعد ان شرائط پر صلح ہوئی:

① مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے لوٹ جائیں گے۔

② اگلے سال آئیں گے' اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے۔

③ ہتھیار لگا کر نہ آئیں گے' صرف تلواریں ساتھ ہوں' وہ بھی نیام میں۔

④ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان کو مسلمان اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے اور جو مسلمان مکہ میں رہ جانا چاہے گا اسے قیام سے نہ روکیں گے۔

⑤ اہل مکہ میں یا مکہ کے مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے گا تو اسے نہ واپس کیا جائے گا۔

⑥ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے چاہیں ساتھ ہو جائیں۔

ابھی اس معاہدہ کی کتابت ہو رہی تھی کہ سہیل کے لڑکے ابوجندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور اس

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۰۔

[2] بخاری کتاب الشروط والمصالحہ مع اہل الحرب میں ان واقعات کی پوری تفصیل ہے۔

جرم میں طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے' کسی طرح چھوٹ کر مسلمانوں کی فرودگاہ پر پہنچ گئے' انہیں دیکھ کر ان کے باپ نے کہا محمد (ﷺ)! پابندیٔ عہد کا یہ پہلا موقع ہے' آپ ﷺ نے فرمایا معاہدہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے' سہیل نے کہا تو پھر ہمیں صلح منظور نہیں' آنحضرت ﷺ نے خوش اسلوبی کے ساتھ سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی' مگر وہ نہ مانا' آنحضرت ﷺ نے مجبور ہو کر ابو جندل کو حوالہ کر دیا' انہوں نے جسم کے نیل دکھا کر جو مشرکین کے ظلم سے پڑ گئے تھے' مسلمانوں سے فریاد کی کہ کیا پھر اسی عذاب کے لئے کفار کے حوالہ کرتے ہو؟ مسلمان ان کی دردانگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے' لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنا فیصلہ قائم رکھا' صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے قربانی کے اونٹ ذبح کر کے بال ترشوائے اور احرام کھولا۔ [1]

گو صلح حدیبیہ بظاہر دب کر ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح سے تعبیر کیا اور سورہ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ [۴۸/الفتح:۱] نازل ہوئی' کہ نتائج کے اعتبار سے یہ صلح درحقیقت فتح کا دیباچہ تھی' صلح سے پہلے مسلمان کافروں سے الگ تھلگ رہتے تھے' اس کے بعد دونوں میں میل جول اور آمد و رفت شروع ہوئی' ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا' اس تصویر کو دیکھ کر اور تبادلہ خیالات سے کفار کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا' چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ [2]

اس مصالحت کی رو سے مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی گلوخلاصی کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی' لیکن اللہ نے بلا شرط ان کے لیے راستہ کھول دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مشق ستم مسلمان ابوبصیر مکہ سے مدینہ بھاگ آئے' قریش نے ان کی واپسی کے لیے دو آدمی بھیجے۔ آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کے مطابق انہیں حوالہ کر دیا۔ راستہ میں ابوبصیر نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرا ڈر کر مدینہ بھاگ آیا۔ اس کے عقب سے ابوبصیر بھی مدینہ پہنچ گئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا ''آپ ﷺ نے مجھ کو واپس کر دیا تھا' اب آپ ﷺ کی ذمہ داری ختم ہو گئی'' یہ کہہ کر وہ ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے۔ اس سے دوسرے مسلمانوں کے لیے راستہ کھل گیا۔ چنانچہ وہ سب بھاگ بھاگ کر ایک جگہ جمع ہو گئے اور جب ان کا اچھا خاصا جتھا بن گیا اس وقت انہوں نے قریش کے کاروان تجارت پر جو ان کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا' چھاپہ مارنا شروع کر دیا۔ اس سے ان کی

---

[1] بخاری کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب۔ [2] بخاری کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب۔

تجارت خطرہ میں پڑ گئی۔ آخر میں قریش نے مجبور ہو کر لکھ بھیجا کہ ہم گزشتہ شرط سے باز آئے' جو مسلمان مدینہ میں رہنا چاہے وہ جا سکتا ہے' اس شرط کی تنسیخ کے بعد آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو مدینہ واپس بلا لیا۔

سلاطین کو دعوت اسلام اور ان کے نتائج

صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو کسی قدر اطمینان حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے ۶ھ میں قیصر روم کج کلاہ ایران' عزیز مصر' نجاشی شاہ حبش' رؤسائے یمامہ والی حدود شام' حارث غسانی' شرحبیل بن عمرو والی بصریٰ کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور علی الترتیب یہ خدمت حضرت دحیہ کلبی' عبداللہ بن حذافہ سہمی' عمرو بن امیہ ضمری' سلیط بن عمرو' شجاع بن وہب اور حارث بن عمیر رضی اللہ عنہم کے سپرد ہوئی۔ قیصر روم نے خط پا کر حکم دیا کہ اگر اس کے حدود سلطنت میں عرب کا کوئی شخص مل جائے تو اسے حاضر کیا جائے' اتفاق سے اس وقت ابوسفیان جو تجارت کے سلسلہ میں شام آئے ہوئے تھے' موجود تھے۔ چنانچہ انہیں لے جا کر پیش کیا گیا۔ قیصر نے ان سے اسلام اور آنحضرت ﷺ کے متعلق چند سوالات کیے۔ ان میں جھوٹ بولنے کی گنجائش نہ تھی اس لیے ابوسفیان نے صحیح جوابات دیئے۔ یہ جوابات سن کر قیصر کو آنحضرت ﷺ کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ اس نے ابوسفیان سے کہا کہ ''اگر تمہارے جوابات صحیح ہیں تو میرے قدم گاہ تک اس شخص (آنحضرت ﷺ) کا قبضہ ہو جائے گا' مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر (ﷺ) آنے والا ہے' لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں ظاہر ہو گا۔ اگر میں ان تک پہنچ سکتا تو ان کے قدم دھوتا۔'' قیصر کے ان خیالات کو سن کر اس کے بطارقہ سخت برہم ہوئے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ تخت و تاج کی طمع میں اسلام کی دعوت سے محروم رہ گیا۔ [1]

ان تبلیغی خطوط میں عرب کے طرز تحریر کے مطابق اللہ کے نام کے بعد اور مرسل الیہ کے نام سے پہلے' فریسندہ کا نام تھا' خسرو پرویز کج کلاہ ایران اس طرز تحریر سے آشنا نہ تھا' اس لیے اسے اپنی تحقیر سمجھ کر سخت برہم ہوا اور کہا ''میرا غلام مجھے یوں لکھتا ہے'' اور نامہ مبارک چاک کر ڈالا اور ایران کے یمنی گورنر کو لکھا کہ ''عرب کے مدعی نبوت کو میرے پاس بھیج دو''۔ اس نے دو آدمی مدینہ بھیجے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے جا کر کہا کہ ''تم کو شہنشاہ عالم نے طلب کیا ہے۔ اگر اس کے حکم کی تعمیل نہ کرو گے تو تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر ڈالے گا''۔ شہنشاہ دو عالم ﷺ نے جواب دیا ''جا کر اس سے کہہ دو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔'' [2] ابھی یہ دونوں سفیر واپس

[1] یہ واقعہ بخاری کے مختلف ابواب میں مذکور ہے۔ [2] ابن سعد ج۔ اق اول' ص۔ ۱۱۶' طبری ج۔ ۳' ص۔ ۱۵۷۲۔

بھی نہ ہوئے تھے کہ خود خسرو پرویز کے لڑکے نے باپ کا کام تمام کر دیا۔ مقوقس عزیز مصر نے جواب دیا کہ مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا' میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد کو عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا' آپ کے لیے قبطی دولڑکیاں' لباس اور خچر تحفہ بھیجتا ہوں۔ (1) شاہ حبش نجاشی کے پاس نامہ مبارک پہنچا تو اس کے احترام میں تخت سے نیچے اتر آیا اور اس کو آنکھوں سے لگا کر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر جو ہجرت اولیٰ میں حبشہ گئے تھے' اور اب تک وہیں مقیم تھے' اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں (2) شرحبیل والی بصریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا' اسی سنہ میں قریش کے نامور اشخاص خالد بن ولید فاتح عراق و شام اور عمرو بن العاص فاتح مصر اسلام لائے۔

غزوۂ خیبر ۷ھ

عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ یہود ابتدا ہی سے اسلام کے خلاف تھے۔ بنی نضیر نے خیبر جلاوطن ہونے کے بعد یہاں کے یہودیوں کو بھڑکانا شروع کیا' قریب ہی عرب کا ممتاز قبیلہ غطفان آباد تھا' جو یہود خیبر کا حلیف و ہم عہد تھا۔ سلام بن ابی الحقیق نے جو حیی بن اخطب کے بعد یہودیوں کی مسند ریاست پر بیٹھا تھا' بڑا بااثر تھا۔ اس نے غطفان اور اس کے آس پاس کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ (3) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی فتنہ انگیزی کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر ایک انصاری عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے خیبر جا کر خاص سلام بن ابی الحقیق کو قتل کر دیا۔ سلام بن ابی الحقیق کے بعد اسیر بن رزام مسند ریاست پر بیٹھا' اس نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ میرے پیشروؤں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کی تھیں وہ غلط تھیں' خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالریاست پر براہ راست حملہ کرنا چاہیے۔ (4) چنانچہ غطفان وغیرہ کا دورہ کر کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے لشکر تیار کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا' انہوں نے بذات خود تحقیقات کر کے اس کی تصدیق کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مصالحت کے ذریعہ سے اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی اور عبداللہ بن

---

(1) طبقات ابن سعد ج۔ا ق۔۲' ص۔۱۶' ۱۷۔ (2) ابن سعد ج۔ا ق اول' ص۱۰۔
(3) طبقات ابن سعد ج۔ا ق۔ اول' ص ۶۶۔ (4) زرقانی ج ۲ ص ۱۹۶۔

رواحہ رضی اللہ عنہ کو اس غرض سے اسیر کو لانے کے لئے بھیجا کہ مدینہ بلوا کر خیبر میں اس کی حکومت کی تصدیق فرماویں' چنانچہ اسیر عبداللہ کے ساتھ روانہ ہوا' راستہ میں اس کو بدگمانی پیدا ہوئی اس نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ایک ہمراہی مسلمان عبداللہ بن انیس کی تلوار چھیننا چاہی' عبداللہ نے اس کی بدنیتی پر اسے قتل کر دیا' (1) اس کے قتل پر فریقین میں تلواریں نکل آئیں' اسیر کے سب ساتھی مارے گئے' صرف ایک زندہ بچا۔ یہودی پہلے سے تیاریاں کر رہے تھے' اسیر کے قتل سے انہیں ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بالکل آمادہ ہو گئے۔ سب سے پہلے ان کے حلیف بنی فزارہ محرم ۷ھ میں ذی قرد کی چراگاہ پر جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی چرا کرتے تھے حملہ کر کے چند اونٹنیاں لے گئے' لیکن سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ صحابی نے جو بڑے تیرانداز تھے' اس کا تعاقب کر کے اونٹنیاں چھین لیں۔ (2)

اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم ۷ھ میں سولہ سو مسلمانوں کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھے' مقام رجیع میں عورتوں اور بار برداری کا سامان چھوڑ کر خیبر روانہ ہوئے' راستہ میں غطفان ہتھیار لگا کر نکلے' لیکن یہ دیکھ کر کہ خود ان کا گھر خطرہ میں ہے' لوٹ گئے۔ (3) خیبر میں یہودیوں کے چھ قلعے تھے' ان میں بیس ہزار آزمودہ کار سپاہی موجود تھے' عرب کا نامور بہادر مرحب بھی یہیں رہتا تھا' مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ کر یہودیوں نے سامان رسد قلعہ ناعم میں جمع کیا تھا' اور فوجیں نطاۃ اور قموص میں تھیں' اس لئے مسلمانوں نے خیبر پہنچ کر سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا' لیکن یہاں کوئی بڑی فوجی قوت نہ تھی اس لئے آسانی کے ساتھ فتح کر لیا۔ (4) اور چھوٹے قلعے بھی آسانی کے ساتھ تسخیر ہو گئے' سب سے اہم قموص کا قلعہ تھا' مرحب اسی میں رہتا تھا' اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے لئے خاص اہتمام فرمایا اور پہلے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اس مہم پر مامور فرمایا' لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا' دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم مرحمت فرمایا' مرحب رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ اسکے قتل ہوتے ہی یہودیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور بیس دن کے محاصرہ کے بعد قموص کا قلعہ فتح ہو گیا۔ (5) اس معرکہ میں ۹۳ یہودی اور بیس مسلمان مقتول ہوئے۔

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانوں نے زمینوں پر قبضہ کر لیا' یہودیوں نے درخواست کی کہ زمینیں ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائیں' ہم اسکے معاوضہ میں نصف پیداوار دیا کریں گے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

(1) ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۶۔ (2) بخاری غزوۂ ذی قرد۔ (3) طبری ص ۱۵۷۵۔
(4) سیرت ابن ہشام غزوۂ خیبر۔ (5) بخاری غزوۂ خیبر و ابن سعد غزوۂ خیبر۔

نے منظور فرمالیا' جب بٹائی کا وقت آتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجتے' وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کہتے کہ جو حصہ چاہے لے لو' یہودیوں پر اسکا یہ اثر پڑا کہ وہ کہتے تھے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل پر قائم ہیں۔ [1] اس جنگ میں رئیس خیبر کی لڑکی صفیہ قید ہوئی تھیں اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں پڑی تھیں' لیکن لوگوں نے اعتراض کیا کہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ دحیہ کے حصہ میں نہیں جاسکتی' رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اور کوئی اس کا اہل نہیں ہے' ان کے اعتراض پر آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا۔ [2]

خیبر فتح ہونے کے بعد بھی یہودیوں کی مخفی شرارتیں جاری رہیں' سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ ﷺ نے بہت کم نوش فرمایا تھا' اس لئے آپ پر زہر کا اثر نہ ہوا' لیکن ایک دوسرے صحابی بشر بن براء رضی اللہ عنہ ہلاک ہو گئے' اس لئے آپ ﷺ نے ان کے قصاص میں زینب کو قتل کرا دیا۔ غزوۂ خیبر کے سلسلہ میں متعدد احکام جاری ہوئے' درندے' جانور' پنجہ والے پرندے' گدھا اور خچر حرام قرار پائے' لونڈیوں سے تمتع کے لئے استبراء یعنی چند دنوں تک توقف کی قید ہوگئی' چاندی سونے کا تبادلہ بہ تفاضل حرام قرار دیا گیا۔

وادی القریٰ

خیبر کے بعد مسلمان وادی القریٰ کی سمت روانہ ہوئے' یہودی اس وقت بھی شرارت سے باز نہ آئے اور تیر برسا کر آنحضرت ﷺ کے غلام مدعم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا' اس لئے جنگ ہوئی' لیکن یہودیوں نے معمولی مقابلہ کے بعد سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط پر صلح کر لی۔ [3]

ادائے عمرہ

اسی سال آنحضرت ﷺ عمرہ کیلئے مکہ تشریف لائے اور صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق بغیر اسلحہ کے مکہ میں داخل ہوئے' کفار مکہ تین دن کے لئے شہر خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے' آنحضرت ﷺ تین دن قیام کے بعد عمرہ پورا کر کے مدینہ واپس تشریف لائے۔ ''رمل'' کی سنت اسی عمرہ میں جاری ہوئی۔

غزوۂ موتہ ۸ھ

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷ وطبری ص ۱۵۸۹۔ [2] صحیح مسلم باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا وابوداؤد باب ماجاء فی سہم الصفی۔ [3] بیہقی باب الجہاد ذکر غلول۔

اوپر گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قاصد حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شرحبیل والیٔ بصریٰ نے قتل کر دیا تھا' آپ کو اس کا بہت صدمہ تھا' لیکن یہودیوں کی مخالفانہ روش کی وجہ سے ادھر توجہ کرنے کا موقع نہ ملا' ان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کے انتقام کے لئے بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفر رضی اللہ عنہ امیر ہوں' وہ شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ' شرحبیل کے جاسوسوں نے اسے مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر دی' وہ ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا' زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دینے کا قصد کیا لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے روک دیا' کہ ہمارا مقصد فتح نہیں بلکہ شہادت ہے اور وہ ہر حالت میں حاصل ہو سکتا ہے' چنانچہ جوش شہادت میں تین ہزار مسلمانوں کا گروہ ایک لاکھ لشکر کے مقابلہ میں آیا' اس تناسب کے باوجود مسلمانوں نے بڑی بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا' لیکن تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہی کیا، زید رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے شہید ہوئے' ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا' انہوں نے بھی جام شہادت پیا' ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے علم لیا' یہ بھی مرتبہ شہادت پر سرفراز ہوئے' سب سے آخر میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں علم آیا' یہ بڑی بہادری اور خوش تدبیری سے باقی ماندہ فوج کو دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سخت قلق ہوا' ان کی شہادت کی خبر سن کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ [1]

فتح مکہ ۸ھ

اب تک جو واقعات پیش آئے وہ درحقیقت اصل مقصد کا دیباچہ تھے' آنحضرت ﷺ کا سب سے مقدم فرض خانہ کعبہ کو' جو دنیا میں توحید کا سب سے پہلا اور واحد مرکز تھا' بتوں کی آلائش سے پاک کرنا تھا' لیکن قریش کی دشمنی اور قبائل عرب کی عام مخالفت نے اب تک اس کا موقع نہ دیا تھا' صلح حدیبیہ کی بدولت ایک مرتبہ مسلمان یادگار ابراہیمی کو نگاہ غلط انداز سے دیکھ آئے تھے' لیکن قریش زیادہ دنوں تک صلح حدیبیہ پر بھی قائم نہ رہ سکے' حدیبیہ کی صلح کے مطابق قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانوں کا حلیف ہو گیا تھا اور اسکے حریف بنی بکر قریش کے معاہد ہو گئے تھے مگر از روئے معاہدہ فریقین میں سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کا حق حاصل نہ تھا' لیکن بنی بکر اور ان کی حمایت میں قریش نے اس کے خلاف عین حرم میں بنی خزاعہ کو قتل کیا' [2] بنی خزاعہ آنحضرت ﷺ کے پاس فریاد لے کر آئے'

---

[1] بخاری غزوۂ موتہ وسیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۱۴۔ [2] طبری ص ۶۲۰ وابن سعد حصہ مغازی ص ۹۷۔

آپ ﷺ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ یا وہ مقتولین کا خون بہا ادا کریں یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دیں' ورنہ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ یہ شرطیں سن کر قریش کی جانب سے قرطہ بن عمر نے کہا ہم کو تیسری شرط منظور ہے۔ ❶ لیکن پھر آنحضرت ﷺ کے قاصد کے واپس آنے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی' انہوں نے ابوسفیان کو فوراً تجدید معاہدہ کیلئے مدینہ دوڑایا' لیکن اب آنحضرت ﷺ کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا آپ ﷺ کا ضروری فرض تھا' اسلئے آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی' ابوسفیان نے آپ ﷺ سے مایوس ہو کر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو درمیان میں ڈالنا چاہا مگر ان بزرگوں نے انکار کر دیا' ان کے انکار کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حرم میں تجدید معاہدہ کا اعلان کر کے لوٹ گیا۔ ❷

ابوسفیان کے واپس جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے تطہیر حرم کی تیاریاں شروع کر دیں اور رمضان ۸ھ میں دس ہزار فوج کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے' راستہ میں معاہد قبائل ساتھ ہوتے جاتے تھے۔ قریب پہنچ کر مکہ سے ایک منزل ادھر مرظہران میں مسلمانوں نے منزل کی اور ان کے دستے دور دور تک پھیل گئے' قریش مسلمانوں کی روانگی کی خبر سن چکے تھے' انہوں نے تحقیقات کے لئے ابوسفیان' حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا' یہ لوگ پتہ چلاتے ہوئے مرظہران پہنچے' ابوسفیان پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی' وہ اس کے رفیق تھے' اس کی جان بچانے کے لئے اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے' لیکن خیمہ نبوی کے محافظ دستے نے دیکھ لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر بھی پڑ گئی' وہ اسے دیکھ کر بے قابو ہو گئے' اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کفر کے استیصال کا وقت آ گیا' لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ آڑے آئے اور آنحضرت ﷺ سے ابوسفیان کی جان بخشی کرا دی۔

اس وقت ابوسفیان کے تمام پچھلے اعمال سامنے تھے' اسلام کی عداوت' مدینہ پر بار بار حملہ' قبائل عرب کا اشتعال' آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش' ان میں سے ہر عمل اس کے خون کا دعویدار تھا' لیکن رحمۃ اللعالمین ﷺ کی شان کچھ اس سے بھی بالاتر تھی' تمام گناہوں پر خط عفو پھیر دیا' پھر بھی ابوسفیان بدستور کفر و ضلالت پر قائم رہا' لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ڈرانے سے کلمہ توحید پڑھ لیا اور وہ سر پر غرور جو خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا۔ آستان نبوی ﷺ پر خم ہو گیا۔ ❸

---

❶ زرقانی ج ۲ ص ۳۳۶۔ ❷ زرقانی ج ۲ ص ۳۳۷۔

❸ بخاری کتاب المغازی غزوۂ فتح مکہ و ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۵ میں اس کی پوری تفصیل ہے۔

اس کے بعد افواج اسلامی کا سیلاب مکہ کی طرف بڑھا' ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ تھا' آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کو افواج الٰہی کا نظارہ کرانے کے لئے ایک بلند مقام پر بھیج دیا' تمام قبائل کے پرچم یکے بعد دیگرے گزرتے تھے' ابوسفیان افواج اسلامی کی ہیبت سے سہما جاتا تھا' سب سے آخر میں کوکبۂ نبوی نمودار ہوا اور ٹھیک آٹھ برس کے بعد آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے ساتھ اس سرزمین میں فاتحانہ داخل ہوئے' جس سے انتہائی بے کسی کی حالت میں محروم کئے گئے تھے۔

قریش میں دس ہزار فوج کے مقابلہ کی تاب نہ تھی' ان کو جانوں کے لالے پڑ گئے' لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے مکہ میں داخلہ کے وقت ہی مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ جب تک کوئی شخص خود ان پر حملہ آور نہ ہو وہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں اور مکہ میں داخلہ کے بعد اعلان عام کر دیا کہ جو شخص حرم میں چلا جائے گا یا دروازہ بند کر دے گا یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا' وہ مامون ہے۔ [1] صرف چند خیرہ سروں نے معمولی سی مزاحمت کی جن میں دو مسلمان شہید اور ۱۳ کفار مقتول ہوئے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ ''حرم کعبہ'' میں گئے' اس وقت یہاں تین سو ساٹھ بت نصب تھے' آنحضرت ﷺ نے انہیں لکڑی سے گرانا شروع کیا اور زبان مبارک سے فرماتے تھے۔ ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ [۱۷/الاسرآء:۸۱] [2] خاص خانہ کعبہ کے اندر جس قدر بت تھے' سب نکال دیئے گئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیوار کی تصویریں مٹائیں' شرک کی آلائشوں سے تطہیر کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت بلال و طلحہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز شکرانہ ادا فرمائی' اسکے بعد جبابرانِ قریش کے روبرو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا [3] جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم سے تھا۔

> ''ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں' اسکا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا' ہاں آج تمام مفاخر' سارے انتقامات و خون بہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔
>
> اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا' تمام انسان آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے''۔

اس کے بعد کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۵' ۲۳۸ دوسری کتابوں میں ان کے علاوہ بعض اور صورتوں کو بھی امن و جان بخشی کا ذریعہ بنایا۔ [2] بخاری باب فتح مکہ۔ [3] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۴۲۔

﴿یَاأَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾[۴۹/الحجرات:۱۳]

''لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو' لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے، اللہ تعالیٰ جاننے والا اور واقف کار ہے۔''

((اِنَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ)) [1] ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے۔''

خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے' ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب کے سرکردہ تھے' وہ بھی تھے جو پیکر اقدس کے سامنے طرح طرح کی گستاخیاں کر چکے تھے' وہ بھی تھے جو ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے' وہ بھی تھے جنہوں نے غریب مسلمانوں کو مشق ستم بنایا تھا' وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازشیں کی تھیں' آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا'' کچھ معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں'' اگرچہ یہ سرکش تھے' گمراہ تھے' اسلام کے دشمن تھے' لیکن مزاج شناس تھے' بول اٹھے ''اخ کریم و ابن اخ کریم '' تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے فرمایا((لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْ فَاَنْتُمُ طُلَقَاءَ)) [2] ''تم پر کوئی مواخذہ نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو' چند اشتہاری مجرموں کے علاوہ سب کو امان دے دی۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی' قریش کی قوت اور رعونت اگرچہ خاک میں مل چکی تھی' لیکن اب بھی جاہلی عصبیت باقی تھی' چنانچہ اذان کی آواز سن کر ان کی غیرت مشتعل ہوگئی اور عتاب بن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا'' خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے لئے دنیا میں باقی نہ رکھا۔'' [3] تاہم ان کے لئے دامن رحمت کے علاوہ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی اور آنحضرت ﷺ کے عفو عام نے اکثروں کے دلوں سے اسلام کی نفرت دور کر دی تھی' اس لئے صدہا پرغرور سرآستان اسلام پر خم ہو گئے' آنحضرت ﷺ مقام صفا میں ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے' اور کفار جوق در جوق آ کر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے پندرہ یوم قیام کرنے کے بعد معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نومسلموں کی تعلیم کے لئے چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

---

[1] بخاری۔ [2] سیرت ابن ہشام ج۲ ص۴۴۲۔ [3] بخاری فتح مکہ باب مقام النبی ﷺ بمکۃ۔

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین ہوا' اگرچہ فتح مکہ نے جبابرانِ قریش کی قوت توڑ دی تھی اور اس کے بعد قبائل عرب نے عام طور پر خود پیش قدمی کر کے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا' لیکن بعض سرکش قبائل پر اس کا الٹا اثر پڑا' ان میں ہوازن اور ثقیف عرب کے بڑے ممتاز اور جنگجو قبیلے تھے' اسلام کے اقتدار سے ان کا امتیاز ختم ہو رہا تھا' اس لئے دونوں قبیلوں کے اشراف نے جمع ہو کر طے کیا کہ مسلمانوں سے جنگ کی جائے' مسلمانوں کو اب تک جن قبائل سے واسطہ پڑا ہے' وہ اس میدان کے مرد نہ تھے اور قبل اس کے کہ وہ ہماری طرف رخ کریں' ہمیں بڑھ کر حملہ کر دینا چاہیے' اس قرارداد کے بعد وہ مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے' [1] جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے لیا کہ ان کی لاج میں قدم نہ اکھڑنے پائیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن حدرد رضی اللہ عنہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا' انہوں نے حنین جا کر خفیہ تحقیقات کیں تو واقعہ صحیح نکلا' اس لئے آنحضرت ﷺ شوال ۸ھ میں بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر بڑے سروسامان کے ساتھ حنین روانہ ہوئے' یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کے مقابلہ میں نکلے' چنانچہ بعضوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟

حنین پہنچ کر فریقین میں مقابلہ ہوا' بعض روایتوں میں ہے کہ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے' لیکن صحیح یہ ہے کہ پہلے حملہ میں مشرکین پسپا ہوئے' مگر ابھی پوری طرح ان کو شکست نہیں ہوئی تھی' کہ مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے' مشرکین کو موقع مل گیا' انہوں نے تیر بازی شروع کر دی۔ [2] مسلمانوں کی فوج میں بہت سے مکہ کے مولفۃ القلوب نومسلم بھی تھے' جو دل سے شریک نہیں تھے' انہوں نے عین موقع پر دھوکہ دیا' [3] اس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے' اور وہ اس بری طرح سے منتشر ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی صرف چند جان نثار باقی رہ گئے' لیکن پیکر اقدس اپنی جگہ رہا اور انصار کو آواز دی' جواب میں آواز آئی ''ہم حاضر ہیں'' اس نازک حالت میں آپ ﷺ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا'' میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں' [4] حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم سے مہاجرین اور انصار کو پکارا' ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور اس جانبازی کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا'

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۶۔ [2] بخاری غزوۂ حنین۔

[3] طبری ج ۳ ص ۱۶۶۰ و بخاری غزوۃ النساء مع الرجال۔ [4] بخاری غزوۂ طائف ص ۶۲۱۔

کفار ان کے بے پناہ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے' بنی مالک نے استقلال دکھایا لیکن ان کے سردار عثمان بن عبداللہ کے قتل کے بعد انہیں بھی میدان چھوڑ دینا پڑا' جو باقی رہ گئے وہ زندہ گرفتار ہوئے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اوطاس

حنین کے شکست خوردہ کفار کچھ اوطاس اور کچھ طائف میں جمع ہوئے۔ ہوازن کا رئیس اعظم درید بن صمہ بھی کئی ہزار فوج لے کر اوطاس پہنچ گیا' اس لئے حنین سے واپسی میں آنحضرت ﷺ نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا' درید کے لڑکے نے ابو عامر کو قتل کر کے علم اسلام پر قبضہ کر لیا' یہ حالت دیکھ کر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جھپٹ کر اسکا کام تمام کر دیا اور علم واپس لے لیا۔ [1]

طائف کا محاصرہ

بنی ثقیف کی ایک شاخ طائف میں آباد تھی جو اپنی شجاعت و بہادری کے لحاظ سے سارے عرب میں ممتاز تھی' طائف کے گرد فصیل نما چہار دیواری اور قلعہ تھا' اس لئے حنین کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ طائف چلا آیا تھا' اور اہل شہر سے مل کر سامان رسد اور مقابلہ کے ضروری سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو گیا۔ [2] اس لئے حنین سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے جنگ کا مال غنیمت جعرانہ بھجوا دیا' اور خود طائف تشریف لے گئے' اور اس کا محاصرہ کر لیا' بیس دن محاصرہ قائم رہا' لیکن کامیابی نہ ہوئی' چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی اسلئے بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا۔

تقسیم غنائم

طائف سے جعرانہ تشریف لائے' حنین کے مال غنیمت میں بیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار بکریاں' چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی بھی تھے' جعرانہ تشریف لانے کے بعد قیدیوں کے بارے میں کئی دن تک فدیہ کا انتظار کیا جب کوئی چھڑانے نہیں آیا' تو آپ ﷺ نے شرعی اصول کے مطابق کل مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور تالیف قلب کے خیال سے اس کا زیادہ حصہ جدید الاسلام مسلمانوں کو' جن میں زیادہ تر شرفائے مکہ تھے' عطا فرمایا' اس سے بعض انصاریوں کو شکایت پیدا ہو گئی اور انہوں نے غائبانہ کہا کہ قریش کو مال غنیمت ملتا ہے اور ہم' جن کی تلواروں سے قریش کا خون

---

[1] مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹۔ [2] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۲۲ و ابن سعد غزوۂ اوطاس۔

ٹپکتا ہے' محروم رکھے جاتے ہیں' بعضوں نے کہا مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت کے وقت دوسروں کو یاد کیا جاتا ہے۔ ❶ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے انصار کو بلا کر پوچھا' انہوں نے عرض کی کہ ہمارے سربرآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا' ہاں نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے' کچھ لوگوں نے اقرار کیا' آپ ﷺ نے ان کا ملال خاطر دور کرنے کے لئے خطبہ دیا۔ ''کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی' تم منتشر اور پراگندہ تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا' تم مفلس تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند بنایا۔'' انصار ہر ہر ارشاد پر کہتے جاتے تھے ''اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔ ❷ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دو کہ محمد (ﷺ)! جس وقت لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی' جب لوگوں نے تجھ کو چھوڑ دیا' اس وقت ہم نے تجھ کو پناہ دی' تو اپنے یہاں سے مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح تیری مدد کی' تم یہ کہتے جاؤ میں جواب دیتا جاؤں گا'' ہاں تم سچ کہتے ہو'' لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمد (ﷺ) کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔'' یہ سحر آفرین خطبہ سن کر انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمد ﷺ درکار ہیں' اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں' اس کے بعد آپ ﷺ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں' ان کو میں نے جو کچھ دیا ہے وہ کسی حق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف تالیف قلب کے لئے۔ ❸

حنین کے مال غنیمت کے سلسلہ میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن (غالباً حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی لڑکی شیما) بھی تھیں' یہ جب گرفتار ہوئیں تو انہوں نے کہا' میں تمہارے پیغمبر کی رضاعی بہن ہوں' لوگ تصدیق کے لئے آپ ﷺ کے پاس لائے' شیماء نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک مرتبہ بچپن میں آپ ﷺ نے دانت سے کاٹا تھا' یہ اس کا نشان ہے' یہ سن کر فرط محبت میں آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے' ان کے بیٹھنے کے لئے خود ردائے مبارک بچھائی' لطف و محبت کی باتیں کیں' چند اونٹ اور بکریاں عطا کیں اور ارشاد فرمایا جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور اگر گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے' شیما نے گھر جانا پسند کیا' آپ ﷺ نے عزت و احترام کے ساتھ بھجوا دیا۔ ❹ اسی سال آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا

---

❶ بخاری غزوۂ طائف۔ ❷ بخاری غزوۂ طائف۔

❸ یہ واقعات بخاری میں مجمل اور فتح الباری میں یہ تفصیل ہیں۔ ❹ طبقات ابن سعد و طبری ج ۳ ص ۱۶۲۸۔

ہوئے اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ (۶۳۰ء) میں غزوۂ تبوک پیش آیا' تبوک عرب اور شام کی سرحد پر ایک مقام ہے' یہ رومیوں کی حکومت میں تھا' روم اور عرب کے سرحدی علاقے پر رومی حکومت کی جانب سے عرب سردار حکومت کرتے تھے' شرحبیل والی بصریٰ بھی انہی سرداروں میں تھا، جنگ موتہ کے بعد ہی رومیوں نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا' اور شام کے غسانی خاندان کو جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا' اور رومی حکومت کے ماتحت حاکم تھا' اس مہم پر مامور کیا تھا' اس وقت سے عرب پر ان کے حملہ کی افواہیں برابر پھیلتی رہتی تھیں اسی زمانہ میں شام کے نبطی سوداگروں نے جو مدینہ آیا کرتے تھے' اطلاع دی کہ شام میں رومیوں نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے' [1] یہ بھی افواہ پھیل گئی کہ عیسائی عربوں کی درخواست پر ہرقل نے چالیس ہزار فوج بھیج دی ہے۔ چونکہ رومیوں کی جانب سے عرصہ سے حملہ کا خطرہ تھا اسلئے ان خبروں کے یقین کرنے میں تامل نہ ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رجب ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ چھوڑ کر تیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ' جس میں دس ہزار سوار تھے' شام روانہ ہوئے' تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہیں غلط تھیں' تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک تبوک میں قیام فرمایا' ایلہ کے سردار یوحنا نے حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا اور ایک خچر ہدیہ میں کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک ردا عطا فرمائی' [2] جرباء اور اذرح کے عیسایوں نے بھی آ کر جزیہ پر رضامندی ظاہر کی' دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر قیصر کے ماتحت تھا، اس کی جانب سے خطرہ تھا' اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ دومۃ الجندل بھیجا' خالد نے اسے گرفتار کر لیا' اکیدر مصالحت کیلئے آمادہ ہو گیا' خالد نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے' بیس دن تبوک میں قیام کے بعد آس پاس کے حکمرانوں کو جن کی جانب سے خطرات تھے مطیع بنا کر مدینہ واپس تشریف لائے' یہیں اکیدر حاضر خدمت ہوا اور اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان نامہ عطا فرما کر واپس کر دیا۔ [3]

حج اور اعلان برأت

مکہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا' لیکن اس سال مشرکین ہی کے اہتمام میں حج ادا ہوا تھا' اس لئے

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۷۲۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۷۲۔ [3] یہ حالات ابن سعد اور طبری میں ہیں۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں تین سو حجاج کا ایک قافلہ حج کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منصب نقابت [1] تفویض ہوا' قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے' اسلئے یہ پہلا موقع تھا' کہ جب سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے ارکان ادا ہوئے اور خانہ خدا میں عہد جاہلیت کے اختتام اور دور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا گیا اور زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں باطل قرار پائیں' مکہ پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی' قربانی کے دن خطبہ میں مسائل حج بیان کئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا' نہ کوئی برہنہ حج کرنے پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے کیے ہیں ان کے نقض عہد کے باعث آج سے چار مہینہ بعد ٹوٹ جائیں گے۔ [2] اسی سال زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے عمال مقرر ہوئے۔ [3] اور سود حرام قرار پایا۔

مختلف اغراض کے لئے چھوٹے چھوٹے سرائے

مذکورہ بالا غزوات کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے مختلف اوقات میں بکثرت چھوٹے چھوٹے مسلح دستے عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے' انہیں اصطلاح میں ''سرایا'' کہا جاتا ہے' ان سرایا کو عموماً لوگ جنگی دستوں سے تعبیر کرتے ہیں' جو صحیح نہیں ہے' یہ دستے مختلف ضروریات کے لئے بھیجے جاتے تھے' مثلاً:

① دشمنوں کی نقل وحرکت کی سراغ رسانی کے لئے

② دشمنوں کے حملے کی خبر سن کر مدافعت کے لئے۔

③ امن وامان قائم کرنے کے لئے۔

④ اشاعت اسلام کے لئے انہیں تاکید کر دی جاتی تھی کہ وہ تلوار سے کام نہ لیں۔

(۱) پہلی قسم کے سرایا میں عبداللہ بن جحش کا سریہ تھا' جسے آپ ﷺ نے ۲ھ میں مکہ کی طرف بھیجا تھا' اس میں صرف بارہ آدمی تھے' اور ایک خط دے کر ہدایت فرما دی تھی کہ دو دن بعد اسے کھولنا۔ دو دن بعد عبداللہ نے اسے کھولا تو اس میں لکھا تھا' کہ برابر بڑھتے چلے جاؤ اور مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں ٹھہر کے قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو' اور ان کی خبریں معلوم کرو۔ [4]

---

[1] بخاری کتاب المناسک باب لا یطوف عریان۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۹۹۔

[3] زرقانی ج ۳ ص ۱۰۲۔ [4] طبری جلد ۱ ص ۱۲۷۴۔

(۲) دوسری قسم یعنی مدافعت کے سرایا میں سریہ غطفان ۳ھ اسکا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ قبیلہ بنی ثعلبہ اور محارب کی ایک جماعت ذی امر میں حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہوئی ہے اسلئے آپ ﷺ نے ایک مختصر جماعت مدافعت کیلئے روانہ فرمائی۔ [1]

سریہ ابو سلمہ ۲ھ طلیحہ بن خویلد کے مقابلہ کے لئے جن کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے ہیں بھیجا گیا تھا۔ [2] سریہ عبداللہ بن انیس ۳ھ یہ سفیان بن خالد کے جتھے کو جو مخالفانہ جمع ہوا تھا منتشر کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا [3] غزوہ ذات الرقاع ۵ھ میں اس لئے ہوا تھا کہ ایک جاسوس نے اطلاع دی تھی کہ انمار وثعلبہ کے قبیلے مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے فوج جمع کر رہے ہیں سریہ دومۃ الجندل ۵ھ میں اس لئے کیا گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ دومۃ الجندل میں ایک بڑا گروہ مدینہ پر حملہ کے لئے جمع ہوا ہے [4] غزوۂ مریسیع ۵ھ کا سبب یہ تھا کہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے اپنے قبیلہ اور ان لوگوں کو جو اس کے قابو میں تھے رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کی دعوت دی تھی [5] سریہ فدک علی بن ابی طالب ۶ھ یہ بنی سعد کے مقابلہ کے لئے جو یہود خیبر کی مدد کے لئے فدک میں جمع ہوئے تھے۔ [6] روانہ کیا گیا تھا [7] سریہ بشیر بن سعد ۷ھ اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہوا ہے اور عیینہ بن حصن ان سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سریہ ذات السلاسل ۸ھ عمرو بن العاص یہ قضاعہ کے مقابلہ کے لئے جو مدینہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے بھیجا گیا تھا۔ [8]

(۳) تیسری قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قریش نے مسلمانوں کو حج اور عمرہ سے روک دیا تھا قریش کا مایہ غرور ان کی تجارت تھی اس کے رک جانے سے ان کو سخت نقصان پہنچتا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کی تھی تاکہ قریشی مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ جانے کی اجازت دے دیں یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے سرایا صلح حدیبیہ سے پہلے بھیجے جاتے تھے چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے چند شرائط کے ساتھ عمرہ کی اجازت دیدی تو ان

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۳۔
[2] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۵۔
[3] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۵۔
[4] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۴۔
[5] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۵۔
[6] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۴۔
[7] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۸۷۔
[8] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۹۵۔

سرایا کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اگر چہ ان سے مقصود صرف قریش کو دھمکانا تھا لیکن اس سلسلہ میں کبھی کبھی تصادم بھی ہو جاتا تھا۔

(۴) چوتھی قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قبائل عرب میں ہمیشہ جنگ و جدال کا سلسلہ برپا رہا' ان کی وجہ سے راستے بالکل غیر محفوظ ہو گئے تھے' تجارتی قافلے دن دہاڑے لوٹ لیے جاتے تھے' اسلام کا ایک اہم فرض امن عام قائم کرنا تھا' اس لئے آنحضرت ﷺ بدامنی کی خبر سن کر ان کے انسداد کے لئے سرایا روانہ فرماتے تھے' ان سرایا میں پہلا سریہ ۶ھ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا' اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سامان تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے' واپسی میں مقام وادی القریٰ میں بنی فزارہ نے مار پیٹ کر کل سامان چھین لیا' آنحضرت ﷺ نے ان لٹیروں کی تنبیہ کے لئے ایک دستہ روانہ فرمایا' جس نے ان لوگوں کو سزا دی۔ [1]

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ۶ھ' اس کا باعث یہ تھا کہ ایک شخص ہبید نے آنحضرت ﷺ کے قاصد دحیہ کلبی کا' جو قیصر روم کے پاس خط لے کر گئے تھے' کل سامان چھین لیا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس کے بدلہ کے لئے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ [2] اس قسم کے سرایا عموماً خانہ بدوش اور پیشہ ور غارت گر قبائل کی طرف بھیجے جاتے تھے' سریہ دومۃ الجندل بھی اسی قسم کا سریہ تھا۔ [3]

(۵) پانچویں قسم اشاعت اسلام کے سرایا' قبائل سارے عرب میں پھیلے ہوئے تھے' ان سب کے کانوں تک اسلام کی آواز پہنچانا' آنحضرت ﷺ کا فرض تھا' اس لئے آپ وقتاً فوقتاً اسلام کی اشاعت کے لئے ان میں مسلمانوں کی جماعتیں بھیجتے تھے' یا کبھی کبھی خود قبائل کی درخواست پر دعاۃ اور معلمین روانہ فرماتے تھے' اور چونکہ بدامنی عام تھی اس لیے یہ لوگ مسلح بھیجے جاتے تھے' کبھی کبھی ان میں اور مخالفین اسلام میں جنگ کی نوبت آ جاتی تھی' اس سلسلے کے بعض سرائے یہ ہیں:

سریہ بیر معونہ ۳ھ' قبیلہ کلاب کے رئیس عامر بن مالک نے آنحضرت ﷺ سے اپنے یہاں دعاۃ اسلام بھیجنے کی درخواست کی تھی' اس درخواست پر آپ ﷺ نے منذر بن عمرو ساعدی کی ماتحتی میں ستر (۷۰) قراء کی جماعت بھیجی' بیر معونہ کے قریب یہ سب کے سب قبائل رعل اور ذکوان کے ہاتھوں شہید ہوئے' صرف ایک شخص بچ گیا' جس نے مدینہ آ کر اطلاع دی۔ [4] سریہ مرثد بن ابی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۵۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۶۳۔

[3] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۴۔ [4] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۳۴' تا ۳۸۔

مرثد غنوی ۳ھ یہ دس مسلمانوں کی جماعت تھی' جو قبیلہ عکل اور قارہ کی درخواست پر ارشاد و تعلیم کے لئے بھیجی گئی تھی' مقام رجیع میں بنی لحیان نے حملہ کر کے ایک کے سوا سب کو شہید کر دیا۔ [1] سریہ ابن ابی العوجاء ۷ھ' اس میں ابن ابی العوجاء کی ماتحتی میں پچاس مبلغین بنی سلیم کے پاس بھیجے گئے تھے' بنی سلیم نے ان کی دعوت کا جواب تیروں اور پتھروں سے دیا' مسلمانوں نے بھی مجبوراً مقابلہ کیا لیکن ابن ابی العوجاء کے سوا باقی سب شہید ہوئے۔ [2] سریہ کعب بن عمرؓ / ۸ھ میں یہ پندرہ مبلغین کی جماعت کعب بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ذات اطلاح اشاعت اسلام کے لئے بھیجی گئی تھی' یہاں کے باشندوں نے بھی بنو سلیم کی طرح تیر و تفنگ سے جواب دیا اور ایک کے سوا کل شہید ہوئے۔ [3]

اگر چہ یہ تبلیغی سرایا اپنی حفاظت کے لئے مسلح بھیجے جاتے تھے' لیکن انہیں خاص طور سے تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیں گے' پھر بھی کبھی کبھی اتفاقیہ واقعات پیش آ جاتے تھے' اگر یہ واقعات مسلمانوں کی غلطی سے پیش آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سخت صدمہ ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پوری تلافی فرماتے تھے' فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس آدمیوں کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے بنی جذیمہ بھیجا اور چلتے چلتے تاکید فرما دی کہ "صرف اسلام کی دعوت دینا' جنگ مقصود نہیں ہے۔" [4] لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے غلطی سے تلوار اٹھا دی اور بہت سے آدمی قتل ہو گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوئی اور قبلہ رو کھڑے ہو کر فرمایا "خدا! میں خالد کے اس فعل سے بری ہوں۔" پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر تمام مقتولین حتی کہ کتوں تک کا خون بہا ادا کیا۔

اسی سلسلہ کی کڑی وہ سرایا بھی ہیں' جو مختلف اطراف میں بت شکنی کے لئے بھیجے گئے' سارے عرب میں صنم کدوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا' ہر ہر قبیلہ کا بت جدا تھا' اس لئے کوئی خطہ بت کدوں سے خالی نہ تھا' فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی' لیکن صدیوں کی پرستش کی وجہ سے ان کے دلوں سے بتوں کی ہیبت نہ مٹی تھی' اور وہ ان کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے' طائف کے باشندوں نے اسلام قبول کرتے وقت یہ شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک نہ توڑا جائے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسترد فرما دی' اس وقت انہوں نے کہا' اچھا ہم اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں گے' اس قسم کے خوف و ہراس کو مٹانے کے لئے راسخ العقیدہ مسلمان بت کدوں کو توڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ سریہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عزیٰ کے صنم کدہ کو' سریہ

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۳۹' ۴۰۔ [2] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۸۹۔
[3] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۹۲۔ [4] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۱۰۶' ۱۰۷ و طبری ص ۱۶۵۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سواع کے بت خانے کو' سریہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ مناۃ کے صنم خانے کو' سریہ ابو سفیان ومغیرہ رضی اللہ عنہما لات کی پرستش گاہ کو' سریہ جریر رضی اللہ عنہ ذی الخلصہ کے مندر کو' سریہ طفیل بن عمرو ذی الکفین کی مورت کو' سریہ علی بن ابی طالب فلس کی عبادت گاہ کو توڑنے کیلئے بھیجے گئے تھے۔ [1] اس کے علاوہ چھ ہجری میں سریہ عکاشہ بن محصن و سریہ علی بن ابی طالب' ۷ھ میں سریہ کعب بن عمرو' چھوٹے چھوٹے سرایا مختلف سمتوں میں دشمنوں کی خبر سن کر بھیجے گئے' اور سرایا بھی ہیں لیکن ان کا استقصا مقصود نہیں ہے' ان سب کے حالات ابن سعد اور زرقانی میں مذکور ہیں۔

جنگ میں اسلام کی اصلاحات

ان غزوات وسرایا سے ظاہر بینوں کو یہ دھوکہ ہوا' یا وہ عمداً یہ غلط نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان کا مقصد قتل و غارت گری اور اسلام کی جبری اشاعت تھا' حالانکہ یہ تمام لڑائیاں تبلیغ اسلام کی راہ میں کفار کی مزاحمت کی بنا پر پیش آئیں اور دوسری قوم کی لڑائیوں میں بڑا فرق ہے' خود عرب میں جنگ سفا کی اور درندگی کا نمونہ تھی' اس کا مقصد دوسروں کے ملک' زمین اور مال ومتاع پر قبضہ یا جذبہ انتقام کی تسکین ہوتی تھی اور لڑائی میں فریقین انسانیت کی حدود سے گزر جاتے تھے' اسیران جنگ جو مردوں کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر ڈالتے' بلکہ آگ میں زندہ جلا دیتے تھے' غفلت کی حالت میں دفعۃً دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے' بچوں کو نشانہ بنا کر تیروں سے مارتے' زندہ آدمیوں کے اعضاء کاٹ ڈالتے کہ تڑپ تڑپ کر مرے۔ جذبہ انتقام میں مردہ لاشوں کے اعضاء کاٹ ڈالتے' حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے' سرسبز کھیتوں کو اجاڑ ڈالتے' آبادیوں کو ویران کر ڈالتے۔

اسلام نے خاص حالات میں جنگ کی اجازت ہی نہیں بلکہ اس کا حکم تک دیا ہے' لیکن اس کو تمام دنیاوی اغراض اور وحشیانہ افعال سے پاک کر کے بلند مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا دیا' اور مذکورہ بالا امور بلکہ تمام خلاف انسانیت باتوں سے روک دیا' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمادی' [2] دشمن کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنانے کا عرب میں عام دستور تھا' سختی سے روک دیا۔ [3] لڑائیوں میں عہد کی پابندی کی کوئی قیمت نہ تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی عہد کی سخت تاکید فرمائی' خود قرآن میں اس کے صریح احکام ہیں' قاصدوں کے قتل اور ان کو

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق اول میں ان سب کے حالات ہیں۔

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین۔

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین باب قتل الاسیر بالنبل۔

نقصان پہنچانے سے منع فرمایا' حتیٰ کہ ان قاصدوں سے بھی ناروا سلوک نہیں فرمایا' جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ گستاخی کی۔ اسیران جنگ کو ہر قسم کی تکلیف پہنچانے کی ممانعت فرمادی' جنگ بدر کے قیدیوں کو جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ کیا تو تاکید کردی کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے پائے' چنانچہ صحابہ خود کھجور کھا کر پیٹ بھرتے تھے اور ان کو شکم سیر ہو کر کھانا کھلاتے تھے' غزوۂ حنین میں چھ ہزار قیدیوں کو رہا کر دیا اور ان کے پہننے کے لئے اسی قدر جوڑے مرحمت فرمائے۔ [1]

اس زمانہ میں عام دستور تھا کہ فوج کشی کے وقت جن جن مقامات اور راستوں سے فوجیں گزرتی تھیں' ان میں عام لوٹ مار کرتی تھیں' آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا' ایک غزوہ میں مسلمانوں کو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے دشواری پیش آ گئی' اتفاق سے بکریوں کا ایک گلہ نظر آیا۔ مسلمانوں نے اسے لوٹ لیا اور بکریاں ذبح کر کے گوشت پکایا' آنحضرت ﷺ کو اسکی اطلاع ہوئی تو جا کر اپنے ہاتھوں سے پکتی ہوئی ہانڈیاں چولہے پر سے الٹ دیں اور فرمایا لوٹ کا مال مردار کے گوشت کے برابر ہے۔ [2] ایک مرتبہ اور مسلمانوں نے کچھ تاخت وتاراج کی' آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے عام منادی کرادی کہ جو شخص دوسروں کو ان کے گھروں میں تنگ کرے گا یا غارت گری کرے گا' اس کا جہاد جہاد نہیں ہوگا۔ [3] مال غنیمت ہر قوم کے فاتحین کا جائز حق ہے اس لئے اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا لیکن اسکی حرص وطمع کو اور اسے جنگ کا مقصد قرار دینے کی نہ صرف ممانعت فرمائی' بلکہ حصول اجر وثواب کے منافی قرار دیا' ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کوئی شخص غنیمت کے لئے جہاد کرتا ہے' کوئی اظہار شجاعت کے لئے' ان میں سے کس کا جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے' فرمایا جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بول بالا ہو۔ [4] خود قرآن پاک میں جن جن صورتوں میں جنگ کی اجازت اور اس کا حکم دیا گیا ہے اس کی رو سے اسلامی جہاد خدا شناسی اور کمزوروں پر ظلم وزیادتی اور ملک میں فتنہ وفساد کے استیصال کا ذریعہ ہے اور اس کا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ' روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کا قیام اور اس کی تحمید وتقدیس ہے' کلام مجید میں اس کی متعدد آیات ہیں' اس طرح اس نے جنگ کو جو صرف سفا کی وخون ریزی سے عبارت تھی عبادت بنا دیا۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو ابن سعد ج ۲ ق اول حالات غزوۂ بدر' حنین۔

[2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہب اذا کان فی الطعام قلۃ۔

[3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایومر من الصمام العسکر۔

[4] بخاری کتاب الجہاد من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا۔

مذہبی انتظامات

تبلیغ ودعوت اسلام

آنحضرت ﷺ کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری مخلوق کو توحید الٰہی کی دعوت دینا اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ واشاعت تھا' لیکن کفار عرب کی مسلسل مزاحمت اس راہ میں سنگ گراں بنی رہی' اس مزاحمت کی مدافعت نے جنگ کی شکل اختیار کرلی' جس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں' ورنہ یہ لڑائیاں مقصود بالذات نہ تھیں' لیکن ان مزاحمتوں کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا اور جس قدر مزاحمتیں دور ہوتی گئیں اسلام کی اشاعت کی رفتار بڑھتی گئی' تا آنکہ فتح مکہ کے بعد جب قریش کی قوت کا خاتمہ ہوگیا اور عربوں کا مذہبی مرکز کعبۃ اللہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا' اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے تبلیغ اسلام کے مختلف طریقے اختیار فرمائے۔ ابتدا میں تن تنہا اشخاص سے مل کر مجمعوں' میلوں اور قبائل میں جا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے۔ اس راہ میں آپ ﷺ نے جو جو تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھائیں' اس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں' سابقین اولین اور انصار کی ابتدائی جماعت کا اسلام جو درحقیقت تبلیغ اسلام کا سنگ بنیاد ہے' اسی دور کے مساعی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد اسلام میں جوں جوں تقویت آتی گئی' اس فریضہ کی ادائیگی میں اور زیادہ وسعت ہوتی گئی' تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں مختلف قبائل اور مقامات میں بھیجی جانے لگیں' جس قبیلہ کا کوئی آدمی مسلمان ہو جاتا تھا' وہ خود جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا' امرا اور فرمانرواؤں کے نام دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے' ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان مساعی کے ساتھ ساتھ ایسے قدرتی اسباب بھی پیدا ہوتے گئے جو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بن گئے اگرچہ سارا عرب کفر و بت پرستی میں مبتلا تھا' لیکن بعثت نبوی ﷺ کے قبل ہی سے ان میں کچھ خدا پرست یا کم از کم متلاشی حق موجود تھے' ورقہ بن نوفل' عبداللہ بن جحش' عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ۔ انہی متلاشیان حق میں سے تھے۔ [1] اس جماعت میں سے جنہوں نے اسلام کا زمانہ پایا وہ خود اس دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنے ساتھ اپنی زیر اثر جماعت کو بھی اس سے نوازا' مثلاً حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ خود مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا۔ [2] پھر قبیلہ غفار کے اثر سے اس کا ہم جوار قبیلہ بنو اسلم مسلمان ہوا۔ [3]

---

[1] طبقات کی کتابوں میں ان بزرگوں کے حالات میں اس کی تفصیل ہے۔

[2] بخاری' ذکر اسلم وغفار۔ [3] مسلم باب اسلام ابی ذر۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو سالہا سال دین حق کی تلاش میں سرگرداں تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے پہلے عیسوی مذہب اختیار کیا' اس کے بعد اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے' بعض حالات میں خود قریش کی مخالفت تبلیغ اسلام کا سبب بن جاتی تھی' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "صابی" یعنی بے دین اور مجنون مشہور کرتے تھے اور لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکتے تھے' اس سے ان میں قدرۃً آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے بعد مسحور ہو جاتے تھے۔ قبیلہ ازدشنوہ کے رئیس ضماد بن ثعلبہ زمانہ جاہلیت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے' ایک مرتبہ وہ مکہ آئے تو سنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنون ہو گیا ہے' انہیں جھاڑ پھونک میں دخل تھا' اس لئے ازراہ محبت و ہمدردی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج کے لئے پہنچے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کلام اللہ کی چند آیتیں سنائیں' ان کے سحر آفرین اثر سے وہ مسلمان ہو گئے' پھر ان کی دعوت پر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ [1]

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا' قبائل پر شعرا کا بڑا اثر تھا' اس لئے قریش نے عمرو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے سے روکنے کی بڑی کوشش کی' لیکن ایک مرتبہ اتفاقیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سن لیا اور اسکے اثر سے مسلمان ہو گیا' اسکے قبیلہ پر اس کے اسلام کا اثر پڑا' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ [2] بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے حالات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے شوق میں آتے تھے اور نبوت کی پرتاثیر باتیں سن کر مسلمان ہو جاتے تھے' چنانچہ عمرو بن عنبسہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے حالات سن کر مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر نبوت اور اسلام کے متعلق چند سوالات کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر آمادہ ہو گئے' لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے اس لئے واپس کر دیا کہ "اس حالت کے بدلنے کے بعد آنا"۔ چنانچہ اس وقت وہ واپس چلے گئے' اور ہجرت کے بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے۔ [3] غرض اسی طرح اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا رہا' ۵ھ کے بعد جب غزوۂ احزاب میں مسلمانوں نے قریش' کنانہ' غطفان اور اسکے متحدہ قبائل کو شکست دی اور قریش کا اثر کسی قدر کم ہوا' اس وقت ان قبائل نے جو اسلام کی طرف مائل تھے' لیکن قریش کے خوف سے اس کے اظہار کی ہمت نہ پڑتی تھی' وفود بھیجنے شروع کئے۔ چنانچہ قبیلہ مزینہ چار سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ آ کر مشرف

---

[1] مسلم باب تخفیف الصلوۃ والخطبہ۔ [2] زرقانی و مسلم کتاب الایمان و بخاری و باب قصہ دوس۔
[3] صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیہا۔

باسلام ہوئے۔ [1]

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سو آدمی مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان معاہدہ ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا' پھر صلح کے بعد یہ لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے۔ [2]

قبیلہ جہینہ ان ہی قبائل کے آس پاس آباد تھا' وہ بھی آنحضرت ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہو گیا اور اکثر غزوات میں مسلمانوں کا شریک حال رہا۔ [3]

لیکن صلح حدیبیہ تک اشاعت اسلام کی رفتار سست رہی' صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور گفتگو کا موقع ملا' اس وقت مسلمانوں کے اخلاق و عمل اور اسلام کے زندہ پیکر کو دیکھ کر اور ان سے اسلام کو سمجھ کر بکثرت کفار مسلمان ہوئے' طبری کا بیان ہے کہ ''کوئی سمجھ دار آدمی ایسا نہ تھا' جس نے اسلام پر گفتگو کے بعد اس کو قبول نہ کیا ہو' جتنے لوگ شروع سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے' صرف دو برسوں کے اندر ان کے برابر یا ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے۔'' [4] پھر بھی فتح مکہ تک یہ رفتار مقابلۃً سست رہی' فتح مکہ کے بعد ہر طرف لوگ قبول اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے لگے' اس کا سبب یہ تھا کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش سارے عرب کے مقتدا اور پیشوا تھے' اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں' فتح مکہ کے بعد جب کعبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور قریش کی قوت ختم ہو گئی' اس وقت قبائل اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے۔ بخاری کی روایت ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے' وہ کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) کو ان کی قوم قریش پر چھوڑ دو' اگر محمد (ﷺ) ان پر غالب آ گئے' تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر (ﷺ) ہیں۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔ [5] فتح مکہ کے بعد ایک طرف قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی' دوسری طرف قریش کی قوت ختم ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع ملا۔ اور آپ ﷺ نے ہر طرف دعاۃ اور مبلغین روانہ فرمائے۔ ان میں سے بعض مبلغین اور مقامات کے نام یہ ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ	قبیلہ ہمدان' جذیمہ اور مذحج
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	اطراف مکہ

---

[1] طبقات ابن سعد جز اول قسم ۲ ص ۳۸۔
[2] طبقات ابن سعد جز اول قسم ۲ ص ۴۸۔
[3] اصابہ تذکرہ بشر بن عرفطہ ج اول ص ۱۵۳۔
[4] طبری ص ۱۵۵۱۔
[5] بخاری باب فتح مکہ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	بحرین
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	عمان
حضرت دبر بن یحنس رضی اللہ عنہ	ابنائے فارس
حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ	حارث بن عبد کلال شہزادہ یمن

عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز و سیر حاصل اور تمدن و تہذیب کا نہایت قدیم مرکز تھا۔ حمیر اور سبا کی عظیم الشان حکومتیں یہیں تھیں' ہجرت سے پہلے یہاں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی اور قبیلہ دوس میں اسلام پھیل چکا تھا' لیکن یہاں کا سب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ ہمدان تھا' ۸ھ کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہمدان میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا' یہ چھ مہینے تک دعوت دیتے رہے' لیکن کامیاب نہ ہوئے' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس بلا لیا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ بھیجا' آپ رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ [1] یمن ہی میں ایک دوسرا ممتاز قبیلہ مذحج تھا' ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تبلیغ اسلام کی خدمت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی' انہوں نے جا کر اسلام کی دعوت دی لیکن اس کا جواب تیر اور پتھروں سے ملا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مدافعت کی' اس مدافعت میں بیس مذحجی کام آئے' باقی بھاگ نکلے' اس کے بعد خود رؤسائے قبائل نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا' اور دوسروں کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا۔ [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی دعوت اسلام کے لئے یمن کے اضلاع میں بھیجے گئے۔ [3]

نجران میں ایک قبیلہ حارث بن زیاد تھا' ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نجران بھیجا' ان کی کوششوں سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ [4]

بحرین ایران کے حدود حکومت میں داخل تھا' یہاں عرب قبائل بھی آباد تھے' ان میں عبدالقیس' بکر بن وائل اور تمیم مشہور خاندان تھے' عبدالقیس کے قبیلہ کے ایک شخص منقذ بن حبان ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں مدینہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مسلمان ہو گئے' آپ نے ان کو ایک فرمان عطا کیا' وطن واپس جانے کے بعد منقذ نے اسلام کو مخفی رکھا' لیکن ان کی بیوی نے ایک دن ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی' انہوں نے منقذ سے دریافت کیا اور خود مسلمان ہو گئے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا' اسے سن کر پورے قبیلہ نے اسلام

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۱۲۳۔ [2] ابن سعد ج ۲ ق اول ص ۱۲۲۔ [3] بخاری کتاب المغازی۔ [4] زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶۔

قبول کر لیا۔ [1] ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے علاء حضرمی کو بحرین بھیجا' اس زمانہ میں یہاں حکومت ایران کی جانب سے منذر بن ساوی گورنر تھا' اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔ [2] بحرین کے علاقہ ہجر کا حاکم سلیط آنحضرت ﷺ کی دعوت پر ایمان لایا۔ [3] عمان میں قبیلہ ازد تھا۔ عبید اور جعفر یہاں کے حاکم تھے۔ ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا' اس دعوت پر دونوں سرداروں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی ترغیب سے یہاں کے تمام عرب مشرف باسلام ہوئے۔ [4]

ان مقامات کے علاوہ عرب کے مختلف حصوں میں آنحضرت ﷺ نے مبلغین روانہ فرمائے۔ جنہوں نے عرب کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی روشنی پھیلائی' لیکن ان سب کا استقصا مقصود نہیں ہے۔ مبلغین کے علاوہ بعض آدمیوں نے دور دراز مقامات سے آ کر خود اسلام قبول کیا اور واپس جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کی' ان میں سے بعضوں کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں' ان میں طفیل بن عمرو دوسی' عروہ بن مسعود ثقفی' عامر بن شہر ہمدانی' ضمام بن ثعلبہ سعدی' منقذ بن حبان اور ثمامہ بن آثال رضی اللہ عنہم کے نام لائق ذکر ہیں۔ عرب کے جو مقامات اسلام کے زیر اثر آتے تھے' وہاں زکوۃ' عشر اور جزیہ وصول کرنے کے لئے جو عمال بھیجے جاتے تھے' وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ و ارشاد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے' ان میں سے بعضوں کے نام یہ ہیں:

مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ	عامل صنعاء یمن
زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	عامل حضرموت
خالد بن سعید رضی اللہ عنہ	عامل صنعاء یمن
عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	قبیلہ طے (اور ان کا وطن بھی یمن تھا)
علاء حضرمی رضی اللہ عنہ	عامل بحرین
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	عامل زبید و عدن
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	عامل جند
جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ	ذوالکلاع حمیری

وفود

[1] زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶۔ [2] زرقانی ج ۳ ص ۱۱۶۔

[3] فتوح البلدان بلاذری ذکر بحرین۔ [4] فتوح البلدان بلاذری ذکر عمان

آنحضرت ﷺ کی جانب سے اسلام کا تبلیغی نظام تھا' اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی تو بہت سے قبائل کے وفود نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا' یا اپنے اپنے مقامات پر قبول کر چکے تھے' پھر آنحضرت ﷺ سے گفتگو کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے۔ یا محض معاہدہ کر کے واپس چلے جاتے تھے' اس قسم کے وفود کی تعداد باختلاف روایت پندرہ سے لے کر سو سے اوپر تک ہے' یہ وفود مختلف اوقات میں آتے رہے لیکن زیادہ تعداد بلکہ دو چار کے سوا باقی کل فتح مکہ کے بعد آئے' ان میں بعض کے نام یہ ہیں:۔

مزنیہ' اسد' تمیم' عبس' فزارہ' مرہ' ثعلبہ' محارب' سعد بن بکر' کلاب' عقیل بن کعب' بنی بکا' کنانہ' اشجع' بایلہ' سلیم' ہلال بن عامر' عامر بن صعصعہ' ثقیف' ربیعہ' عبدقیس' بکر ابن وائل' ثعلب' حنیفہ' شیبان' طے' مراد' زبید' کندہ' صدف' سعد ہذیل' بلی' بہرا' عذرہ' سلامان' جہینہ' کلب' جرم' ازد' غسان' حارث بن کعب' ہمدان' نخع' بحیلہ' خثعم' اشعریین' ازد' دوس' اسلم' جذام' مہرہ اور حمیر وغیرہ۔

ان میں سے چند کے سوا اکثر دولت اسلام سے مشرف ہوئے' ابن سعد نے طبقات میں ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ [1] غرض چند برسوں کے اندر اندر سارے عرب میں اسلام پھیل گیا۔

دعاۃ اور معلمین کی تعلیم

دنیا کے بیشتر مذاہب میں مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لئے خاندان اور طبقات مخصوص ہیں' یہودیوں میں اس خدمت کے لئے ایک مخصوص خاندان تھا' اس کے علاوہ دوسرا اسے انجام نہ دے سکتا تھا' عیسائیوں میں اگرچہ خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ایک طبقہ نے ان خدمات کو اپنے لیے خاص کر لیا تھا' ہندوؤں میں برہمن کے علاوہ دوسرا اس کا مجاز نہیں' دوسری قوموں میں بھی کم و بیش یہی حال ہے۔ لیکن اسلام میں ہر مسلمان داعی مذہب' مبلغ' معلم' واعظ اور محتسب ہے' مگر مذہبی تعلیم اور شریعت کے اوامر و نواہی سے واقفیت کے بغیر یہ فرض صحیح طور سے ادا نہیں کیا جا سکتا اور ہر شخص کو پوری تعلیم و تربیت کا موقع نہیں مل سکتا' اس لئے ضرورت تھی کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو شریعت کے اوامر و نواہی کی واقفیت کے ساتھ شب و روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہ کر اس طرح اسلامی رنگ میں ڈوب جائے کہ اس کی گفتار' کردار' نشست و برخاست' قول و عمل ہر شے اسلامی تعلیمات کا زندہ نمونہ بن جائے۔

آنحضرت ﷺ نے مذہبی تعلیم و تربیت کے دو طریقے رکھے تھے' ایک غیر مستقل' جس میں

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو ابن سعد ج اول ق ۲ حالات وفود۔

عرب کے مختلف قبائل کے آدمی مدینہ آ کر چند دن قیام کر کے ضروری مسائل سیکھ کر واپس جاتے تھے اور اپنے قبیلہ کو تعلیم دیتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی امور دریافت کر کے دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔ (1) اس قسم کے متعلمین کے حالات حدیث وطبقات کی کتابوں میں بکثرت ہیں۔ انہیں چند دن تعلیم دینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قبیلوں میں واپس بھیج دیتے تھے' چنانچہ مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی سفارت کو بیس دن کی تعلیم کے بعد حکم دیا کہ ''اپنے خاندان میں واپس جاؤ اور ان میں رہ کر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے' اسی طرح نماز پڑھو۔'' (2) دوسرا طریقہ مستقل درس وتعلیم کا تھا' اور اس کے لئے صفہ کی درسگاہ مخصوص تھی' اس میں وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے' جو علائق دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو دینی تعلیم اور عبادت وریاضت کے لئے وقف کر دیتے تھے' اس درس گاہ میں دو حلقے تھے' ایک درس وتعلیم کا اور دوسرا ذکر وفکر اور عبادت وریاضت کا۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شانۂ اقدس سے برآمد ہوئے تو مسجد میں دو حلقے تھے' ایک حلقہ کے لوگ تلاوت ودعا میں مصروف تھے' اور دوسرے حلقہ کے تعلیم وتعلم میں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو تحسین فرمائی اور خود ارشاد فرما کر کہ میں صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں' درس وتعلیم کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔ (3) صفہ کی درس گاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اکابر صاحب علم صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی' ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو کمان ہدیہ دی۔ (4) ان کا سارا وقت درس وتعلیم میں گزرتا تھا' حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ستر اشخاص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے' اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔ (5)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس درس گاہ کے تعلیم یافتہ تھے' کا بیان ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے' اور انصار اپنی کھیتی باڑی کی دیکھ بھال میں' میں محتاج آدمی تھا' میرا سارا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرتا تھا' اور جن اوقات میں وہ لوگ موجود نہ ہوتے' میں موجود رہتا تھا' اور جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے' میں محفوظ رکھتا تھا۔ (6)

اصحاب صفہ کی زندگی نہایت پر مشقت اور پر محن تھی' کھانے کا کوئی سہارا نہ تھا' پہننے کے لئے

---

(1) تفسیر خازن' تفسیر آیت ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً﴾ [9/التوبہ:122] (2) بخاری باب رحمۃ الہائم۔ (3) سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء وبحث علی طلب العلم۔ (4) ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب العلم۔ (5) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۳۷۔ (6) مسلم فضائل ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

صرف ایک کپڑا ہوتا تھا' جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونوں کا کام دیتا تھا۔ ❶ فقر وفاقہ کا یہ حال تھا کہ ضعف سے نماز میں گر پڑتے' بدو دیکھتے تو کہتے کہ پاگل ہیں۔ ❷ ان میں سے کچھ لوگ دن کو شیریں پانی بھر لاتے اور جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور ان کو بیچ کر ان کی آمدنی سے گزر اوقات کرتے تھے۔ ❸ اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا' یہ لوگ تعلیمی اور تبلیغی ضروریات کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے جاتے تھے' چنانچہ قبیلہ عرینہ کی درخواست پر ان ہی میں سے ستر (۷۰) قراء کتاب وسنت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے گئے تھے' جن کو ان لوگوں نے دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔ ❹ عہد نبوی میں ان قراء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگئی تھی' چنانچہ یمامہ کی جنگ میں جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی آغاز عہد صدیقی میں ہوئی ستر حفاظ شہید ہوئے۔ ❺

تعمیر مساجد

اسلام کا سب سے بڑا مقصد عبادت اور تسبیح وتقدیس الٰہی تھا' اس لئے مسجد کی تعمیر سب سے مقدم فرض تھا' عبادت وریاضت کے علاوہ مسجد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز تھی' جہاں مسلمان دن میں پانچ مرتبہ جمع ہوتے تھے' اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت کی سخت تاکید فرمائی۔ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا' تو اس کے لئے مسجد ضروری ہو جاتی تھی' بڑی بڑی آبادیوں میں ایک ایک مقام پر کئی کئی مسجدوں کی ضرورت پیش آجاتی تھی' چنانچہ عہد نبوی ﷺ میں صرف مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدیں تھیں' جن میں علیحدہ علیحدہ نماز ہوتی تھی' ان کے نام یہ ہیں' مسجد بنی عمرہ' مسجد بنی ساعدہ' مسجد بنی عبید' مسجد بنی سلمہ' مسجد بنی رائح' مسجد زریق' مسجد بنی غفار' مسجد بنی اسلم' مسجد بنی جہینہ۔ ان کے علاوہ مختلف مقامات پر حسب ذیل مساجد کے نام ملتے ہیں:

مسجد بنی حذرہ' مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ) مسجد بنی بیاضہ' مسجد بنی الحبلیٰ' مسجد بنی عصیہ' مسجد ابی فیصلی' مسجد بنی دینار' مسجد ابی بن کعب' مسجد النابغہ' مسجد بنی عدی' مسجد بنی جارث بن خزرج' مسجد بنی حطمہ' مسجد بنی حارثہ' مسجد بنی ظفر' مسجد بنی عبدالاشہل' مسجد واقم' مسجد بنی معاویہ' مسجد عاتکہ' مسجد بنی قریظہ' مسجد بنی وائل' مسجد الشجرہ۔ ❻ غرض آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت عرب کے

---

❶ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب جماع اثواب مایصلی فیہ۔ ❷ ترمذی ابواب الزہد۔
❸ مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید۔ ❹ مسلم کتاب الامارۃ ثبوت الجنۃ للشہید۔
❺ بخاری ج ۲ ص ۷۴۵۔ ❻ عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۸۔

www.UrduSunnat.com

گوشہ گوشہ میں خدائے واحد کا گھر تعمیر ہو گیا تھا' جہاں ہر روز پانچ وقت اسکا نام لیا جاتا تھا۔

ائمہ نماز

مساجد کی تعمیر کے ساتھ ان کے لئے ائمہ بھی مقرر فرمائے' معمولاً ہر قبیلہ کے بڑے حافظ قرآن کو یہ منصب عطا ہوتا تھا' اور اس میں آقا و غلام اور چھوٹے بڑے کا فرق نہ تھا۔ غلام آقاؤں کی امامت کرتے تھے' ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آ چکے تھے' حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ ان کی امامت کرتے تھے' آپ ﷺ نے امام کے انتخاب کے لئے یہ اصول فرمایا تھا کہ جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو۔ اگر اس وصف میں سب برابر ہوں تو ان میں سے جو سب سے زیادہ سنت سے واقف ہو' اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو' اگر اس میں برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔ (1)

جن جن مقاموں پر مدینہ سے عمال مقرر ہو کر جاتے تھے' عموماً وہی وہاں کے امام بھی ہوتے تھے۔ (2) بعض مقاموں پر عامل اور امام کے فرائض علیحدہ علیحدہ دو شخصوں سے بھی متعلق ہوتے تھے۔ سیرت کی کتابوں میں عہد نبوی ﷺ کے اماموں کے ناموں کی نام بہ نام تفصیل نہیں ملتی' مختلف روایات اور بیانات سے حسب ذیل اماموں کا پتہ چلتا ہے۔

☆ حضرت معصب رضی اللہ عنہ بن عمیر مدینہ منورہ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مدینہ میں انصار کی امامت کرتے تھے۔

☆ حضرت سالم رضی اللہ عنہ (حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام) مدینہ منورہ ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے مہاجرین مدینہ کی امامت کرتے تھے۔

☆ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کے موذن تھے اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ سے باہر تشریف لے جانے کے زمانہ میں امامت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

☆ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں مدینہ میں امامت کی خدمت انجام دی تھی۔

☆ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بنی سالم اپنے قبیلے کے امام تھے۔

☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے بنی سلمہ کے امام تھے۔

☆ ایک انصاری رضی اللہ عنہ مسجد قبا میں اپنے قبیلے کے امام تھے۔

---

(1) مسلم۔ (2) مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸۔

☆ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے بنی جرم کے امام تھے۔
☆ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آپ بھی بنی جرم کے قبیلے کے امام تھے۔
☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یا کوئی اور صحابی اپنے قبیلے بنی نجار کے امام تھے۔
☆ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ آپ بھی اپنے قبیلے بنی نجار کے امام تھے۔
☆ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ آپ مکہ میں اپنے قبیلے کے امام تھے۔
☆ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ آپ طائف میں اپنے قبیلے کے امام تھے۔
☆ حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ آپ عمان کے امام تھے۔

مؤذنین

غالباً اذان کی خدمت کیلئے کوئی خاص شخص نہیں ہوتا تھا' تاہم چند بزرگ اس خدمت کے لئے مخصوص تھے:

☆ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔
☆ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ بھی مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔
☆ حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ آپ حوالی مدینہ مسجد قبا کے مؤذن تھے۔
☆ حضرت ابومحذورہ صحمی رضی اللہ عنہ (ان کے نام حدیث کی تمام کتابوں میں ہیں) آپ مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے مؤذن تھے۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے سفر کرنے سے پیشتر خدائے واحد کی عبادت کے جملہ انتظامات مکمل فرمائے۔

تاسیس حکومت الٰہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حقیقی مقصد دعوت توحید' اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفوس تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کام ضمنی تھے اور صرف اس حد تک جس حد تک مذکورہ بالا مقاصد کے حصول میں معاون اور قیام امن کیلئے ضروری تھے' اسلام دنیا میں شہنشاہی قائم کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسے مٹانے اور اس کے خرابہ پر خلافت الٰہی قائم کرنے کے لئے آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک دائمی شریعت اور ایک مکمل قانون لایا تھا' جو انسانوں کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن تھا' اس قانون کے تحفظ' نفاذ اور قیام امن کے لئے ایک نظام کی ضرورت تھی' اس لئے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ

خلافت الٰہیہ کی بھی تشکیل ہوتی گئی' یہ کوئی شہنشاہی نظام نہ تھا بلکہ اسلام کی محدود ضروریات کے مطابق ایک سادہ اور مختصر نظام حکومت تھا' وقتاً فوقتاً جو ضروریات پیش آجاتی تھیں' ان کے مطابق نظام بنتا جاتا تھا۔ اگرچہ ذات اقدس ﷺ جملہ مذہبی و انتظامی امور کا مرجع تھی' لیکن تنہا ایک ذات عظیم الشان مذہبی ذمہ داریوں کے ساتھ انتظامی امور کی متکفل نہیں ہوسکتی تھی' اسلئے آپ نے مختلف شعبے قائم کر کے انہیں اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمادیا تھا' وہ سادہ نظام حکومت یہ تھا:

فوج اور امیر العسکری

چونکہ اسلام جنگ و جدل کے لئے نہیں آیا تھا اس لئے اس کی کوئی باقاعدہ اور منظم فوج بھی نہ تھی' مگر حق و باطل کی معرکہ آرائی کے وقت ہر مسلمان مجاہد تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر ایک معمولی غلام تک میدان جہاد میں سربکف نظر آتا تھا۔ بڑے بڑے معرکوں میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس قیادت فرماتے تھے' بدر' احد' خیبر اور فتح مکہ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ ہی امیر العسکر تھے' ان معرکوں کا مقصد خون ریزی اور فتح نہ تھا بلکہ فوج کی اخلاقی و روحانی نگرانی اور اصول آئین جنگ کی تاسیس بھی تھا۔ مجاہدین اسلام کی جن جزئی بے اعتدالیوں پر آپ ﷺ نے گرفت فرمائی اسکی تصریح غزوات کے حالات میں موجود ہے' لیکن چھوٹے چھوٹے سرایا میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم امیر العسکر ہوتے تھے۔ جن کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔

افتا

افتا کے فرائض آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے لیکن بعض صاحب علم صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس خدمت کو بجالاتے تھے۔

مقدمات کا فیصلہ

مدینہ اور حوالی کے قضیے آپ خود فیصل فرماتے تھے لیکن دور دراز مقامات پر وہ صاحب علم صحابہ رضی اللہ عنہم جو معلم بنا کر بھیجے جاتے تھے اس خدمت کو انجام دیتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے یمن کا قاضی مقرر فرمایا تھا' بعضوں کے نام آئندہ آئیں گے۔

کاتب

آپ ﷺ دعوت اسلام کے خطوط بھیجتے تھے' قبائل و اقوام سے تحریری معاہدے ہوتے تھے'

مسلمان قبائل اور عمال و محصلین کو احکام و ہدایات بھیجتے تھے' اس لیے کتابت کا شعبہ نہایت ضروری تھا' اس کا کوئی باضابطہ محکمہ نہ تھا' لیکن بہت سے صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اور آخر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے۔ ان کے علاوہ مراسلات کی تحریر کی خدمت اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سرانجام دیتے تھے۔

احتساب

یعنی قوم کے اخلاق و عادات' بیع و شرا اور معاملات داد و دستد کی نگرانی کا باقاعدہ محکمہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھا لیکن اس کی بنیاد اسی زمانہ میں پڑ گئی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان امور کی نگرانی فرماتے تھے' لوگوں کو جزئیات اخلاق کی تعلیم دیتے تھے اور اس قسم کی فروگذاشتوں پر مواخذہ فرماتے تھے' تجارت میں آپ نے بہت سی اصلاحات جاری کیں اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کرایا' جو لوگ تخمینہ سے غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اسکو خود اسی جگہ بیچ دیں۔ [1] کبھی کبھی تحقیقات کے لئے خود بازار تشریف لے جاتے تھے' ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گزرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا' اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی' دکاندار سے پوچھا' اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے' فرمایا تو اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا کہ ہر شخص کو نظر آتا' جو لوگ فریب دیتے ہیں' وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ [2]

عمال کا جائزہ

فرائض احتساب میں سب سے مقدم فرض عمال کا احتساب ہے' چنانچہ جب عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا' ایک مرتبہ ایک صحابی ابن اللتبیہ رضی اللہ عنہ کا جو صدقہ وصول کر کے لائے تھے' جائزہ لیا' انہوں نے کہا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا' اس کے بعد ایک عام خطبہ دیا جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ [3]

حکام اور ولاۃ

مقدمات کا فیصلہ' اقامت عدل اور قیام امن کے لئے مختلف مقامات پر حکام و ولاۃ مقرر فرمائے' ان

---

[1] بخاری کتاب البیوع۔ [2] صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۵۳۔

[3] بخاری کتاب الاحکام ج ۲ ص ۱۰۶۸۔

حکام اور ان کے مقاموں کے نام یہ ہیں:

حضرت باذان رضی اللہ عنہ بن ساسان بہرام گور کے خاندان سے تھے' سلاطین عجم میں سب سے پہلے مشرف بہ سلام ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا۔

حضرت شہر بن باذان رضی اللہ عنہ باذان بن ساسان کے بعد صنعاء کے والی مقرر ہوئے۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ شہر بن باذان مارے گئے تو ان کی جگہ والی مقرر ہوئے۔

حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کندہ اور صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ	والی حضرموت
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	والی جند
حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ	والی نجران
حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	والی تیماء
حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ	والی مکہ
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	متولی اخماس یمن
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	والی عمان
حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ	والی بحرین

محصلین

اگرچہ مسلمانوں کا جوش ایمان ہر قبیلہ کو اپنے صدقات و زکوٰۃ خود لا کر پیش کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا لیکن ایک وسیع ملک کے محاصل کی تحصیل کے لئے ایک باقاعدہ نظام کی ضرورت تھی' اس ضرورت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ میں صدقہ اور زکوٰۃ کے محصل مقرر فرمائے' عموماً ہر قبیلہ کے سردار کو یہ منصب سپرد ہوتا تھا' ان کے نام یہ ہیں:

نام محصل	مقام	نام محصل	مقام
حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	طے و بنی اسد	حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ	بنو حنظلہ
حضرت صفوان بن صفوان رضی اللہ عنہ	بنی عمرو	ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ	بنولیث
ایک ہذیمی رضی اللہ عنہ	بنی ہذیم	حضرت عبداللہ بن اللتبیہ رضی اللہ عنہ	بنوذبیان
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	مدینہ	ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	نجران

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ	غفار واسلم	عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	شہر خیبر
حضرت عباد بن بشر الاشہلی رضی اللہ عنہ	سلیم ومزینہ	زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	حضر موت
حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ	بنوسعد	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	صوبہ یمن
		ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	صوبہ یمن
حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ	بنوسعد	ابان بن سعید رضی اللہ عنہ	بحرین
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	بنوفزارہ عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ		تیماء
حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ	بنوکلاب	محمید بن جرز رضی اللہ عنہ	تحصیل خمس
حضرت بسر بن سفیان الکعبی رضی اللہ عنہ	بنوکعب	عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ	بنوتمیم

یہ محصلین قوانین صدقات وزکوٰۃ کے عالم ہوتے تھے' ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا' جس میں بہ تصریح بتا دیا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے' چھانٹ کر عمدہ مال لینے اور حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی' ان عمال کو بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا' اس ضرورت کی تصریح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان الفاظ میں فرمادی تھی کہ ''جو شخص ہمارا عامل ہو اسکو اپنی بی بی کا خرچ لینا ہے اور اگر نوکر نہ ہو تو نوکر کا' اگر گھر نہ ہو تو مکان کا اور اگر اس سے زیادہ کوئی لے گا تو وہ خائن ہے۔'' [1]

محاصل کے اقسام اور اس کے مصارف

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں محاصل کی پانچ قسمیں تھیں' غنیمت' فے' زکوٰۃ' جزیہ اور خراج۔

غنیمت

یعنی جو مال دشمنوں سے فتح کے موقع پر ملتا تھا' یہ کوئی مستقل آمدنی نہ تھی' اس کو قرآن نے اللہ تعالیٰ کی ملک قرار دیا ہے اور اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے حکومت کے مصالح اور اغراض کے لئے مخصوص کر دیا ہے' یعنی یہ سپاہیوں کی ملکیت نہیں ہے بلکہ امام وقت مصالح کی بنا پر جس مصرف میں چاہے اس کو صرف کر سکتا ہے۔ لیکن ایک دو موقع کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس نکالنے کے بعد کل مال غنیمت مجاہدین میں برابر تقسیم فرما دیتے تھے' سوار سپاہیوں کو تین حصے ملتے تھے اور پیدل کو ایک۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار کو دو ملتے تھے' [2] خمس کا مال بھی عموماً آپ ذوی القربیٰ' یتامیٰ' مساکین اور غریب الدیار مسافرین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

زکوٰۃ

---

[1] ابوداؤد ج ۲ باب ارزاق العمال۔ [2] ابوداؤد حلم ارض خیبر۔

صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور چار مدوں سے وصول ہوتی تھی' نقد روپیہ' پھل پیداوار' مویشی (باستثنائے گھوڑے) اسباب وسامان تجارت۔ ❶

دوسو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی' پیداوار کی زکوٰۃ کے لئے پیداوار کا پانچ وسق سے زیادہ ہونا ضروری تھا' مویشیوں کی زکوٰۃ مختلف جنس کی مختلف تعداد کے لحاظ سے ہے' پیداوار میں جو بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے اس میں دسواں حصہ ہے اور جو آبپاشی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس میں بیسواں حصہ۔ ❷

زکوٰۃ کے مصرف کی تعیین خود قرآن نے کردی ہے فقراء و مساکین' نومسلم' وہ غلام جن کو آزاد کرانا ہو' مقروض' مسافر' محصلین زکوٰۃ کی تنخواہیں اور دوسرے کار خیر' زکوٰۃ جس مقام سے وصول کی جاتی تھی' عموماً وہیں کے مستحقین میں تقسیم کردی جاتی تھی۔

جزیہ

غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا' اس کی تعداد متعین نہ تھی' آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانے میں ہر مستطیع اور بالغ مرد سے ایک دینار سالانہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا' بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھے۔

خراج

غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا جس قدر حصہ باہمی مفاہمت سے طے ہوجائے' خیبر' فدک' وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا۔

جزیہ اور خراج کی آمدنی سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی' جو کچھ وصول ہوکر آتا: آنحضرت ﷺ اسی وقت مجاہدین میں تقسیم فرمادیتے' ان سب کے نام رجسٹر میں درج تھے' اہل وعیال والوں کو دو حصے ملتے تھے اور مجرد کو ایک۔ ❸

شریعت کی تاسیس وتکمیل

تمام مذاہب عالم میں یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ تنہا دعاؤں اور عبادات کا مجموعہ نہیں ہے' بلکہ اپنے پیروؤں کے تزکیہ اخلاق اور ان کی اخروی فوز وفلاح کے ساتھ ان کی جملہ دنیاوی

---

❶ ابوداؤد حلم ارض خیبر کتاب الزکوٰۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ۔

❷ ترمذی کتاب الزکوٰۃ و بخاری جلد اول ص ۲۰۱۔ ❸ ابوداؤد کتاب الخراج باب قسم الفی۔

ضروریات کا بھی کفیل ہے اس لئے وہ اپنے ساتھ ایسا مکمل قانون لایا جو مسلمانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ان کے دنیاوی اور مادی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور امت مسلمہ کے لئے دستور حیات بھی ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اسلام میں اصولی ضابطہ موجود ہے۔ اس قانون کو اسلامی اصطلاح میں شریعت کہتے ہیں۔ اس قانون کی تاسیس کا آغاز بعثت نبوی ﷺ سے ہوا اور اختتام آپ ﷺ کی وفات پر یعنی کامل تئیس (۲۳) سال کی مدت میں حسب ضرورت بتدریج مکمل ہوتا رہا' اس کی چار شاخیں ہیں: عقائد' عبادات' معاملات' اور عام اخلاق۔ ان میں سے دو یعنی عقائد و عبادات' اللہ اور بندہ کے درمیانی تعلقات اور تزکیہ روح و اخلاق سے متعلق ہیں اور دو یعنی معاملات و اخلاق انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں' عقائد میں توحید' رسالت' ملائکہ' قیامت اور حشر و نشر اور سزا و جزا پر ایمان' عبادات میں نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ پر عمل (حلال و حرام کے ضوابط بھی اسی سے متعلق ہیں) معاملات' وراثت' وصیت' نکاح و طلاق' حدود' تعزیرات' تجارت اور لین دین وغیرہ' یعنی مسلمانوں کی دنیاوی معاشرتی زندگی سے متعلق ضوابط و قواعد' اخلاق' انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی فرائض۔ کلام اللہ میں ان سب کے متعلق اصولی احکام موجود ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول سے ان کے جزئیات کی تشریح فرما کر اور عملاً ان کو برت کر دکھایا اور اپنی زندگی میں ایک جماعت نمونہ عمل بنا دی' اسلامی شریعت خود ایک مستقل اور وسیع موضوع ہے لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے' یہ مذہب اسلام پر لکھنے والے کا کام ہے۔

حجۃ الوداع

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا' اللہ تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز پر آ چکی' اسلام کے عقائد' اعمال اور شریعت کے اصول و فروع کی تکمیل ہو چکی' حکومت الٰہی کا قیام عمل میں آ چکا اور سارے عالم کی راہنمائی کے لئے ایک جماعت تیار ہو چکی' اس وقت یہ حکم نازل ہوا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ [۱۱۰/النصر: ۱ تا ۳]

"جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح پڑھو اور استغفار کرو وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

اس سے آنحضرت ﷺ کو یہ منشائے الٰہی معلوم ہو گیا کہ اب آپ ﷺ اپنا کام ختم کر

چکے اور دنیا میں آپ ﷺ کے رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی اس لیے آنحضرت ﷺ نے جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے لئے عموماً اسلام اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصولوں کا اعلان کرنے کے لئے حج کا اعلان فرمایا اس خبر کے پھیلتے ہی مسلمانوں کا ایک انبوہ شرف ہمرکابی کے لئے امنڈ آیا اور ۲۶ ذیقعدہ ۱۰ھ کو آپ ﷺ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا اس وقت انسانوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ آگے پیچھے دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی انسانوں کا دریا متلاطم نظر آتا تھا آنحضرت ﷺ لبیک فرماتے تھے تو عام مسلمانوں کی صدائے بازگشت سے دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔ مکہ کے قریب مقام سرف میں قیام فرمایا دوسرے دن غسل فرما کر مکہ میں داخل ہوئے کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا ''اے اللہ تعالیٰ! اس گھر کو اور زیادہ شرف وعزت دے''۔ پھر کعبہ کا طواف کیا۔ طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیم علیہ السلام میں دوگانہ ادا کیا پھر کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اسکا کوئی شریک نہیں اس کے لئے سلطنت ملک اور حمد ہے۔ وہ مارتا اور جلاتا ہے اور تمام چیزوں پر قادر ہے کوئی اللہ نہیں مگر وہ اکیلا اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی'' [1] پھر صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لے گئے اور طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے عمرہ تمام کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا پنج شنبہ کے دن (آٹھویں تاریخ) منیٰ میں قیام فرمایا۔

خطبۃ الوداع

نویں ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد مسلمانوں کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے اور ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور مشہور ومعروف خطبہ دیا جو تاریخ اسلام میں خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر ہے یہ وہ دن تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ رسوم مٹا دیئے گئے چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا ''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں'' [2]

مخلوق الٰہی طبقات ومراتب کے امتیاز سے بٹی ہوئی تھی غلام آقا کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے شرفا ادنیٰ طبقوں سے بالاتر مخلوق سمجھے جاتے تھے عامی علما کے ساتھ گفتگو کرنے کے مجاز نہ تھے آپ ﷺ نے یہ ساری حدیں توڑ کر انسانیت کی ناہموار سطح کو برابر کر دیا:

---

[1] ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔ [2] ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔

''لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے' ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر' سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔'' ❶

''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی جہالت اور آباء واجداد پر فخر کو مٹا دیا' انسان اللہ سے ڈرنے والا مومن ہوتا ہے یا اس کا نافرمان شقی' تم سب کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔'' ❷

اسلام کے رشتہ نے انسانوں کو باہم بھائی بھائی بنا دیا۔

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' ❸

غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہیے۔

''تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ''۔

عرب میں اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو قاتل و مقتول کے قبائل میں پشت ہا پشت تک انتقام کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا اور ایک ایک قتل کے بدلہ میں سینکڑوں برس تک خون کی ندیاں بہتی رہتی تھیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاہلی حمیت کو مٹا دیا اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون ہدر کیا۔

''جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے) ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔'' ❹

سارے عرب میں نہایت وسیع سودی کاروبار پھیلا ہوا تھا' سرمایہ دار غربا کا خون چوستے تھے' ہر مقروض اپنے قرض خواہ کا غلام تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دام کا' خلق اللہ جس کا صید زبوں تھی' تار تار الگ کر دیا اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود باطل کیا۔

''جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے' اور سب سے پہلے اپنے (خاندان کے عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں'' ❺

---

❶ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۳۔ ❷ ابوداؤد کتاب الادب باب التفاخر بالانساب۔

❸ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۹۳' ابن سعد حصہ سیرت حالات حجۃ الوداع۔

❹ مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی وابوداؤد کتاب الحج باب حجۃ النبی۔

❺ مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سودی کاروبار کرتے تھے اور بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا۔

عورتوں کا کوئی درجہ نہ تھا۔ ان کی حیثیت ملک و جائیداد سے زیادہ نہ تھی' ان کو حقوق میں مساوات عطا ہوئی۔

''عورتوں کے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔'' ❶

''تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔'' ❷

عرب میں جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی' جس کو جو چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا' چھین لیتا تھا' اور ان دونوں کی حرمت قائم کی گئی۔

''تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔'' ❸

پھر آپ ﷺ نے امت کی راہنمائی کے لئے ہدایت ربانی کا مجموعہ امت کے سپرد کیا اور تاکید فرمائی ''میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں' اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ'' (یہ ٹکڑا صحاح کی تقریباً کل کتابوں میں ہے) اس کے بعد چند اصولی احکام بیان فرما دیئے:

''اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا' اب کسی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے' لڑکا اس شخص کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو' زنا کار کے لئے پتھر ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں ہے۔ قرض ادا کیا جائے' عاریت واپس کی جائے' عطیہ لوٹایا جائے' ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔'' ❹

یہ احکام بیان فرما کر مجمع سے سوال کیا:

''تم سے اللہ میری نسبت پوچھے گا' تو تم کیا جواب دو گے؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی ''ہم کہیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا''۔

آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا:

''اے اللہ تعالیٰ! تو گواہ رہنا' اے اللہ! تو گواہ رہنا اے اللہ! تو گواہ رہنا'' ❺

---

❶ ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔ ❷ طبری و ابن ہشام۔

❸ باب حجۃ الوداع و مسلم کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔

❹ یہ احکام سنن ابن ماجہ باب الوصایا اور ابوداؤد کتاب الوصایا میں مختصر ہیں اور ابن سعد اور ابن ہشام میں تصریح ہے کہ عرفہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ ❺ مسلم و ابوداؤد کتاب الحج باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔

عین اس وقت جب آپ ﷺ نبوت کے آخری فرائض ادا فرما رہے تھے' یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [۵/المائدۃ:۳]

''آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے مذہب اسلام کا انتخاب کیا۔''

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی' پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور کھڑے ہو کر قبلہ رو دیر تک دعا میں مصروف رہے' آفتاب ڈوبتے وقت یہاں سے روانہ ہوئے' مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز ادا فرمائی' رات بھر آرام کر کے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف کوچ فرمایا' راستہ میں سائلین' حج کے مسائل پوچھتے جاتے تھے' آپ ﷺ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم فرماتے جاتے تھے' جمرہ پہنچ کر رمی جمار کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو' کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔'' [2]

اسی دوران یہ بھی فرمایا:

''حج کے مسائل سیکھ لو' میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے''۔ [3]

رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ کے میدان میں تشریف لائے' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی' حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیچھے بیٹھے ہوئے چادر سے سایہ کیے ہوئے تھے' آگے پیچھے دائیں بائیں ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ ۲۳ سالہ فرائض نبوت اور جانکاہ محنت کے ثمرات و نتائج نگاہوں کے سامنے تھے' زمین سے آسمان تک قبول حق و اعتراف حق کا نور برس رہا تھا' اب ایک نئی شریعت' نئے نظام اور نئے عالم کا آغاز ہو رہا تھا' اس لیے ارشاد فرمایا:

''ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا' زمانہ پھر پھرا کر پھر اسی نقطہ پر آ گیا''۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے طریقہ عبادت حج میں عربوں نے اپنے اغراض کی بنا پر بہت سی

---

[1] بخاری و مسلم اور ابوداؤد کے مختلف ابواب میں اس کی تصریح ہے۔
[2] سنن نسائی کتاب المناسک باب التقاط الحصی۔
[3] مسلم کتاب الحج باب استحباب رمی جمرۃ العقبہ یوم النحر راکبا۔

ترمیمیں کر دی تھیں، حج کے مہینوں میں خون ریزی حرام ہے اس لیے جنگجو عرب اس کے جواز کیلئے مہینوں کو گھٹا بڑھا دیتے تھے لیکن اب پھر حج اپنی اصلی شکل وصورت میں آ رہا تھا' اس لئے آپ ﷺ نے اعلان فرمایا!

''سال کے بارہ مہینے ہیں' جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں' تین متواتر' ذوقعدہ' ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ ہے' جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔''

دنیا میں عدل وانصاف اور امن وامان کا مدار تین چیزوں پر ہے' جان' مال اور آبرو کی حفاظت' آنحضرت ﷺ ایک دن پہلے کے خطبہ میں اس کی حرمت کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے' لیکن جنگجو اور خون آشام عربوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے زیادہ تاکید کی ضرورت تھی' اس لیے دوبارہ آپ ﷺ نے نہایت بلیغ انداز میں اس کا اعادہ فرمایا اور ان سے مخاطب ہو کر پوچھا:

''کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے' پھر فرمایا کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک۔ پھر ارشاد ہوا یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا' آپ ﷺ نے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں بے شک ہے' پھر پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے بدستور جواب دیا' آپ ﷺ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں بے شک ہے۔''

اس طریق استفسار سے جب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پوری طرح جاگزیں ہو گیا کہ آج کا دن' مہینہ اور شہر سب محترم ہے' یعنی اس دن اس مقام پر جنگ وخون ریزی جائز نہیں تو فرمایا:

''تمہارا خون' تمہارا مال اور تمہاری آبرو (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔'' [1]

قوموں کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن ان کی باہمی خانہ جنگی ہے' اسلئے مسلمانوں کو متحدہ قومیت کے دوام وثبات کے لئے فرمایا!

''ہاں! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو' تم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔'' [2]

---

[1] فتح الباری ج ۳ ص ۴۵۹۔ [2] فتح الباری ج ۳ ص ۴۵۹۔

یہ ظلم عالمگیر تھا کہ اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو سارا خاندان مجرم سمجھا جاتا تھا' اور اصلی مجرم کے فرار ہو جانے کی صورت میں باپ کے عوض میں بیٹے اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے مواخذہ کیا جاتا تھا' اس ظلم کی ان الفاظ میں بیخ کنی فرمائی گئی!

''ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے' ہاں باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہیں۔'' ❶

قبل از اسلام عرب کی پراگندگی اور بدنظمی کا ایک بڑا سبب ان کی خودسری تھی کہ ان کا ہر فرد اپنی جگہ اپنے کو حکمران سمجھتا تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری عار شمار کرتا تھا' چنانچہ مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لئے انہیں اتقیادو طاعت کی تعلیم دی:

''اگر کٹی ہوئی ناک کا کوئی حبشی بھی تمہارا امیر ہو اور تم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔'' ❷

اس وقت سارا عرب اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا' کفر و شرک کا نام و نشان باقی نہ رہ گیا تھا' تمام مخالف قوتیں پامال ہو چکی تھیں' اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

''ہاں شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہوگا۔'' ❸

خطبہ کے آخر میں ایک مرتبہ پھر اسلام کے فرائض یاد دلائے:

''اپنے پروردگار کو پوجو' پانچوں وقت نماز پڑھو' مہینہ بھر کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو' اللہ تعالیٰ کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔'' ❹

خطبہ تمام کرنے کے بعد مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا:

اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ

''کیوں! میں نے پیغام خداوندی سنایا؟''

سب نے جواب دیا ''ہاں'' فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ

---

❶ ابن ماجہ باب الخطبہ یوم النحر۔ ❷ مسلم جلد ۲ کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ۔ ❸ ابن ماجہ باب الخطبہ یوم النحر۔

❹ مستدرک حاکم ج اول کتاب المناسک باب خطبۃ النبی ﷺ فی حجۃ الوداع۔

''اے اللہ تو گواہ رہنا!''

پھر لوگوں سے فرمایا:

فلیبلغ الشاھد الغائب

''جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔''

خطبہ کے اختتام کے بعد آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا۔ [1] اس خطبہ کے بعد بقیہ مناسک حج ادا فرمائے' ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام رہا' ۱۳ ذی الحجہ کو یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام فرمایا' پچھلے پہر کو اٹھ کر خانہ کعبہ تشریف لے گئے' اور آخری طواف کر کے وہیں فجر کی نماز ادا کی' نماز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرمایا' راستہ میں مقام خم غدیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک مختصر سا خطبہ دیا:

''حمد و ثنا کے بعد' اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے اللہ تعالیٰ کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے (موت) قبول کرنا پڑے' میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں' ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں' میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔'' [2]

وفات

جزیرۃ العرب کے کفر و شرک کے استیصال' اسلام کی اشاعت' شریعت و مکارم اخلاق کی تعلیم' حجۃ الوداع میں تکمیل دین کے آخری فرائض سے سبکدوشی اور ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ [۵/المائدۃ:۳] کی تصدیق کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا تھا' اس کے بعد روح قدسی کو عالم جسمانی میں رہنے کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی' اس لیے حجۃ الوداع ہی میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو الوداع کہا اور مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد عالم آب و گل چھوڑنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے' زیادہ وقت تسبیح و تہلیل میں بسر ہونے لگا۔ شہدا میں شہدائے احد نے بڑی بے کسی سے جان دی تھی' اس کا آنحضرت ﷺ کے دل پر بڑا اثر تھا' اس لیے مدینہ سے واپسی کے بعد ان سے رخصت ہونے کے لئے ان کی قبروں پر تشریف لے گئے' اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح ایک مرنے والا اپنے اعزہ کو الوداع کہتا ہے۔ [3]

---

[1] صحیح مسلم ج اول کتاب الحج باب حجۃ الوداع۔ [2] مسلم ج ۲ کتاب الفضائل باب فضائل علیؓ۔

[3] بخاری کتاب الجنائز۔

اس کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا' جس میں فرمایا!

''میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں' اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک۔ مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے' مجھ کو اس کا خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہو گے البتہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لئے آپس میں کشت وخون نہ کرو اور اس طرح ہلاک نہ ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہوئیں۔'' [1]

اوپر غزوات میں گذر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے شہید کر دیا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز علالت سے ایک دن پہلے ان کے لڑکے اسامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جلد اس طرف جائیں اور اپنے والد کے خون کا انتقام لیں۔

''۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے گورغریباں جنت البقیع تشریف لے گئے' وہاں سے واپس ہوئے تو مزاج ناساز ہو گیا' بیماری کی حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازراہ عدل باری باری سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں بسر فرماتے تھے' جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مستقل قیام فرمایا۔ جب تک چلنے کی طاقت رہی' نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے' آخری نماز مغرب کی پڑھائی' بعض روایتوں میں ہے کہ ظہر اور عشاء کی نماز کے لئے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا' مگر مرض کی شدت ونقاہت سے ہر مرتبہ غش آ گیا' اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی کہ وہ رقیق القلب ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ان سے نہ کھڑا ہوا جائے گا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حکم دیا' اس کے بعد کئی دن تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ [2]

واقعہ قرطاس

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوات اور کاغذ لاؤ' میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں' جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے' اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا' بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کی جائے' بعض حضرات حضرت

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ۔

[2] بخاری کتاب الصلوۃ باب الامامۃ وابن سعد وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں تھے' اس اختلاف پر جب شور وغل بڑھا تو لوگوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض کی شدت میں باتیں کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر پوچھ لو' دوبارہ جب لوگوں نے استفسار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میری حالت پر چھوڑ دو' میں جس مقام میں ہوں' وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ [1]

یہ واقعہ اہل سنت اور شیعوں کے درمیان بڑا معرکہ آراء مبحث بن گیا ہے' شیعوں کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے' جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک دیا' سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعی مرض کی شدت تھی' دین مکمل ہو چکا تھا' شریعت کا کوئی حکم تعلیم کے لئے باقی نہ رہ گیا تھا' خود قرآن نے ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ [۵/المائدۃ:۳] کی آیت سے تکمیل دین کی مہر کر دی تھی' ایسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرض کی شدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا' اگر کوئی ضروری اور دینی حکم ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے روکنے سے نہ رک سکتے تھے' پھر اس کے بعد چار دن تک زندہ رہے' مرض میں اتنی تخفیف بھی ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا' اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما سکتے تھے یا زبانی لکھوا سکتے تھے' یہ محض قیاس ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے' ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے ہوں' بخاری میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے' لیکن پھر اسے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا اللہ تعالیٰ اور اہل اسلام ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے' پھر قرطاس کی روایت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں' ((دَعُوْنِی فَالَّذِیْ اَنَا فِیْهِ خَیْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِی اِلَیْهِ)) یعنی مجھے میری حالت پر چھوڑ دو' جس مقام پر میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ کسی نامعلوم شخص کے جواب میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے' لیکن پھر لکھوانا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند وصیتیں فرمائیں:

''کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے' سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیا جاتا ہے' تیسری راوی کو یاد نہیں رہی۔'' [2]

---

[1] قرطاس کی روایت خفیف تغیر کے ساتھ بخاری اور مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شئی یوصی فیہ میں موجود ہے۔

[2] بخاری باب وفات النبیؐ و مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شئی یوصی فیہ۔

اس دن نماز ظہر کے وقت طبیعت کو کچھ سکون ہوا' تو غسل فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد تشریف لے گئے' جماعت کھڑی ہو چکی تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ❶

نماز کے بعد خطبہ دیا' یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری خطبہ تھا:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ خواہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا اللہ تعالیٰ کے پاس جو انعامات ہیں ان کو لے' اس نے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں' سب سے زیادہ میں جس کی دولت وصحبت کا ممنون ہوں وہ ابوبکر ہیں' اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت سے دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا' لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لئے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے' ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے' دیکھو تم ایسا نہ کرنا' میں تم کو منع کرتا ہوں۔'' ❷

اس کے بعد انصار کے متعلق جو اسلام کے قوت بازو تھے فرمایا!

''ایھا الناس! میں تم کو انصار کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں' عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جس طرح کھانے میں نمک' وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے' اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا چاہیے وہ میرے (جسم میں بمنزلہ) معدہ کے ہیں' جو تمہارے نفع ونقصان کا متولی (یعنی خلیفہ) ہو' اس کو چاہیے کہ ان میں سے جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا سرزد ہو ان کو معاف کر دے۔ ❸ (اوپر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے خون کے انتقام کے لئے بھیجنے کا ذکر گذر چکا ہے' بعض لوگوں کی روایتوں میں تصریح ہے کہ وہ منافق تھے' جن کو اسامہ رضی اللہ عنہ کی سرداری پر اعتراض تھا کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا ہوا' اس اعتراض کے متعلق فرمایا) اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ کی سرداری پر بھی تم اعتراض کر چکے ہو' اللہ تعالیٰ کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا' اور مجھے سب سے

---

❶ بخاری باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسلم کتاب الصلوٰۃ باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر من مرض وسفر وغیرہما من یصلی بالناس الخ۔

❷ بخاری ومسلم مناقب ابی بکر مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ باب النہی عن بناء المسجد علی القبور۔

❸ بخاری جلد اول مناقب انصار قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقبلوا من محسنھم و تجاوز واعن مسیئھم۔

زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' ❶

اسلام کی شریعت کے تمام احکام منجانب اللہ ہیں' آنحضرت ﷺ کا صرف یہ کام تھا کہ اپنے قول و فعل سے بندوں تک ان کو پہنچا دیں' دوسرے مذاہب کے پیروؤں نے اپنے پیغمبروں کو واضع قانون مان کر اور پیغمبری منصب کی تعیین میں افراط کر کے اس کا درجہ شرک بلکہ کفر تک پہنچا دیا' اس لئے مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا:

''حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے' میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے''۔ ❷

سارے الہامی مذاہب میں انسان کی جزا و سزا اس کے ذاتی اعمال پر ہے۔ بعض مذاہب کے پیروؤں نے غلطی سے اپنے پیغمبروں کے اعمال کو اپنے اعمال کا کفارہ سمجھ لیا۔ مسلمانوں کو اس غلطی سے بچانے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے پیغمبر اللہ کی بیٹی فاطمہ اور اے پیغمبر اللہ کی پھوپھی صفیہ! اللہ کے یہاں کے لیے کچھ کر لو' میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکتا۔'' ❸

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لائے' متفرق تعلیمات کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا' یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبروں بلکہ مقدس بزرگوں (سینٹ) کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں اتنا غلو کرتے تھے کہ اس کی سرحد شرک و بت پرستی سے مل جاتی تھی' مسلمانوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے عین بیماری کی شدت میں ارشاد ہوا:

''یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو' انہوں نے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔'' ❹

جس قدر وصل حبیب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی' دنیا اور اس کے سامانوں سے علیحدگی اختیار فرماتے جاتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں ان کے متعلق دریافت فرمایا۔

---

❶ بخاری مناقب زید بن حارثہ کتاب المغازی باب بعثت اسامہ رضی اللہ عنہ۔

❷ مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ وابن سعد وفات النبی ﷺ۔

❸ مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ وابن سعد وفات النبی ﷺ۔

❹ بخاری باب وفات نبوی ﷺ و مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ باب النہی عن بناء المساجد علی القبور۔

''عائشہ وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ محمد اللہ سے بدگمان ہو کر ملے گا' جاؤ ان کو اس کی راہ میں خیرات کر دو۔'' [1]

مرض کی حالت یکساں نہ تھی' کبھی شدت ہو جاتی تھی' کبھی افاقہ نظر آتا تھا' وفات کے دن یعنی دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو اتنا سکون ہوا کہ حجرہ مبارک سے جو مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا' پردہ اٹھا کر دیکھا' لوگ نماز فجر میں مشغول تھے' یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر پردہ گرا دیا لیکن جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا جاتا تھا' دنیا پر تاریکی چھانے کا وقت قریب ہوتا جاتا تھا' بار بار غشی ہونے لگی۔ اس حالت میں یہ الفاظ فرمائے:

((اُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی)) [2]

''ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اللہ تعالیٰ بڑا رفیق ہے۔''

اسی حالت میں اپنے ہاتھ سے مسواک فرمائی۔ سہ پہر کے وقت سانس اکھڑ گئی' اور زبان مبارک سے نکلا:

((اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ))

''نماز اور غلام''

پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر چہرہ پر ملتے تھے' اسی دوران میں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا!

((بَلِ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی))

''اب کوئی اور نہیں' بس وہی رفیق اعلیٰ درکار ہے۔''

یہ کہتے کہتے روح عالم قدس میں پہنچ گئی۔ (وفات کے حالات بخاری کے مختلف ابواب سے ماخوذ ہیں)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استقلال

اس حادثہ عظیم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور مقربین خاص کو دیوانہ بنا دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شدت الم اور فرط محبت و عقیدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین نہ آتا تھا اور وارفتگی کے عالم میں تلوار کھینچ کر کہتے تھے' جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دوں گا' وفات کے دن صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت بحال دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے جہاں ان کی بیوی رہتی تھی' چلے گئے تھے' وہاں سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۹ وابن سعد حالات وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2] ۴/النساء:۶۹۔

مسجد نبوی ﷺ کے دروازہ پر وارفتگان محبت میں شور برپا تھا' آپ ﷺ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے گئے اور رخ انور سے نقاب اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور رو کر کہا!

''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں! اللہ تعالیٰ کی قسم آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ وہ موت جو آپ ﷺ کیلئے مقدر تھی آ چکی۔ اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی۔'' [1]

یہ بڑا نازک وقت تھا' اگر محرم اسرار نبوت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دینی بصیرت اس وقت مسلمانوں کی دستگیری نہ کرتی تو معلوم نہیں کیا نتائج نکلتے' آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' انہوں نے وارفتگی میں کوئی توجہ نہیں کی' تو آپ نے الگ مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ بصیرت آموز تقریر فرمائی:

''جو لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے تو بے شک وہ مر گئے اور جو اللہ تعالیٰ کو پوجتے تھے تو بے شک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا۔''

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ [۳/آل عمران:۱۴۴]

''محمد ﷺ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔''

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ وارفتہ محبت صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہوں سے پردہ اٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے۔ [2]

تجہیز و تکفین

وفات کے دن شام ہو چکی تھی' تجہیز و تکفین اور قبر کنی کے مراحل رات سے پہلے انجام نہ پا سکتے تھے' صحابہ رضی اللہ عنہم علیحدہ بے خود و مبہوت ہو رہے تھے' اس لئے تجہیز و تکفین دوسرے دن سہ شنبہ کو عمل میں آئی' غسل وغیرہ کی سعادت اعزہ خاص حضرت علی' فضل بن عباس' قثم بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کے حصہ میں آئی' حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے قبر مبارک کھودی اور باری باری سے مسلمانوں نے بلا امام نماز جنازہ پڑھی اور سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول مطابق ۱۱ھ (۶۳۲ء) کو کونین کی یہ دولت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی پاک و مطہر زمین کے سپرد کر دی۔

---

[1] بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت۔

[2] بخاری کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت بعد الموت۔

متروکات

شہنشاہ کونین ﷺ نے اپنے بعد جو میراث چھوڑی وہ یہ تھی' ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انتقال کے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم و دینار' نہ غلام نہ لونڈی' نہ اور کچھ' صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین' جسے عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم' نہ اونٹ نہ بکری اور نہ کسی چیز کی وصیت کی [2] بہر حال اگر کچھ چھوڑا تھا تو یہی چیزیں تھیں' اور ان کے متعلق بھی ارشاد فرما چکے تھے "ہم انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔" [3]

عمرو بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس زمین کا تذکرہ ہے اس سے مراد مدینہ' خیبر اور فدک کے چند باغات ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کے متروکات میں صرف یہی جائیداد زمین تھی۔ مدینہ کی جائیداد میں ایک بنی نضیر کی جائیداد تھی اور چند باغ تھے جو مخیّرق نام ایک یہودی نے آپ ﷺ کو وصیۃً ہبہ کیے تھے' لیکن صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ باغ اسی وقت مستحقین میں تقسیم فرما دیئے تھے۔ [4]

خیبر اور فدک کا مسئلہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسلمانوں میں مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ جائیداد بطور تولیت کے آپ ﷺ کے پاس تھی۔ دوسری جماعت اسے رسول اللہ ﷺ کی ذاتی اور قابل میراث جائیداد قرار دیتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا' آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اکثر ازواج رضی اللہ عنہن اسے بطور میراث کے تقسیم کرانا چاہتے تھے' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ یہ وقف عام ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں اس کی آمدنی جن مصارف میں صرف فرماتے تھے' اس میں تغیر نہ ہوگا۔ [5] آپ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں ان جائیدادوں کے مصارف متعین فرما دیئے تھے۔ بنو نضیر کی جائیداد کی آمدنی ناگہانی

---

[1] بخاری کتاب الوصایا و قال اللہ عزوجل ﴿کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ﴾ الخ۔ [۲/البقرۃ:۱۸۰]
[2] ابوداؤد کتاب الوصایا باب مایومر بہ من الوصیۃ۔
[3] بخاری کتاب الصایا و کتاب الجہاد باب فرض الخمس۔
[4] بخاری کتاب الوصایا و کتاب الجہاد باب فرض الخمس و فتح الباری ج۔۶' ص ۱۴۰۔
[5] بخاری کتاب الجہاد باب فرض الخمس و کتاب الفرائض۔

ضروریات کے لیے مخصوص تھی۔ فدک کی آمدنی مسافروں کے لیے وقف تھی۔ خیبر کی آمدنی کے دو حصے عام مسلمانوں پر صرف فرماتے تھے اور ایک حصہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مصارف کے لیے عطا فرماتے تھے۔ جو مصارف سے بچ جاتا تھا وہ غریب مہاجرین پر صرف ہوتا تھا۔ [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اخیر عہد خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اصرار پر مدینہ کی جائداد ان دونوں کی تولیت میں دے دی تھی' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر قبضہ کرلیا۔ [2] خیبر اور فدک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک خلفا کے ہاتھ میں رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اہل بیت کو واپس کر دیا۔

ازواج مطہرات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم شباب میں صرف ایک سن رسیدہ اور بیوہ خاتون پر قناعت فرمائی۔ پھر زوال شباب یعنی پچاس سال کی عمر کے بعد مختلف مصالح کی بنا پر مختلف اوقات میں گیارہ شادیاں کیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

سب سے پہلی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ یہ خاندان قریش کی ایک چالیس سالہ اور پاکیزہ اخلاق خاتون تھیں۔ طاہرہ ان کا لقب تھا۔ پانچویں پشت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نسب مل جاتا ہے۔ ان کے والد خویلد ایک معزز قریشی اور یہ خود بڑی صاحب ثروت تھیں۔ ان کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد عتیق ابن عائذ کے ساتھ عقد ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سن چالیس سال کا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پچیس سال کا۔ ایک کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولادیں ان ہی کے بطن سے ہوئیں۔ ان کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ان کی زندگی بھر دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے مکہ ہی میں ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ گو ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیاں کیں' لیکن ان کی محبت کا نقش ہمیشہ دل پر قائم رہا۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ والفی باب وصایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارہ والفی باب وصایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ بہت پریشان اور غمگین رہتے تھے۔ اس افسردگی خاطر کو دور کرنے کے لیے سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا۔ آغاز دعوت اسلام میں دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ حبشہ سے واپسی کے کچھ دنوں بعد سکران کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ ان کے زمانہ وفات کے بارہ میں بڑا اختلاف ہے۔ بہ روایت صحیح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں وفات پائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ ۱۰ بعثت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مکہ میں نکاح کیا۔ اس کے تین سال بعد مدینہ میں رخصتی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی ذہین، زیرک اور فہیم تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے نسوانی احکام و مسائل کی تعلیم کے لیے انہیں خاص طور پر اس کی تعلیم دی تھی۔ وہ صرف امہات المومنین میں نہیں بلکہ بہت سے صاحب علم صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں ممتاز تھیں اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم مہمات مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ انہوں نے ۹ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں گزارے آپ کی وفات کے بعد ۴۵ سال زندہ رہیں اور ۵۷ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ خنیس غزوۂ بدر میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد فرمایا۔ ان کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی۔ ۴۵ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا

ان کا نام زینب رضی اللہ عنہا تھا، فقرا اور مساکین کو بہت کھلاتی پلاتی تھیں۔ اس لیے ''ام المساکین'' کنیت ہو گئی تھی۔ ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید

ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا' لیکن اس شرف کے حصول کے دو ہی تین مہینوں کے بعد زینب رضی اللہ عنہا انتقال کر گئیں۔ خود آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ انتقال کے وقت تیس سال کی عمر تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ہند نام تھا' ام سلمہ کنیت' والد کا نام سہیل تھا۔ ان کی پہلی شادی ان کے چچیرے اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان ہی کے ساتھ آغاز اسلام میں اسلام لائیں اور ہجرت حبشہ کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے ۴ھ میں انتقال کر گئے۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں۔ ان کے سنہ وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ واقعہ کربلا کے چند سال یا اسی سال یعنی ۶۱ھ میں انتقال کیا۔ اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔ علمی اعتبار سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد انہی کا درجہ تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

آنحضرت ﷺ کی پھوپھیری بہن تھیں۔ ان کی شادی خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے متبنی اور غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دی تھی' لیکن دونوں میں نہ بن سکی اور طلاق ہو گئی۔ زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود نکاح فرمایا۔ یہ بڑی عابدہ زاہدہ اور فیاض اور حسین و جمیل تھیں۔ ان اوصاف کی بنا پر آنحضرت ﷺ انہیں بہت محبوب رکھتے تھے۔ امہات المومنین میں یہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا۔ ۲۰ھ میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ان کی پہلی شادی مسافع بن صفوان سے ہوئی تھی' جو غزوۂ مریسیع میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس غزوہ میں بہت سے لونڈی غلام گرفتار ہوئے۔ انہی میں جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں پڑیں۔ ذی وجاہت خاندان تھیں۔ غلامی کو غیرت نے گوارہ نہ کیا۔ ۹ اوقیہ سونے پر ثابت سے رہائی کی شرط قرار پائی' لیکن پاس کچھ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گذشتہ عظمت اور

موجودہ نکبت بیان کر کے مدد کی طالب ہوئیں۔ آپ ﷺ نے ان کی رضا سے ثابت کی رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کر دیئے۔ ۵۰ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

اصلی نام رملہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کنیت ہے' لیکن کنیت کی شہرت نے نام کی جگہ لے لی۔ یہ بھی خاندان قریش سے تھیں۔ اپنے پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ آغاز اسلام میں مشرف باسلام ہوئیں اور حبشہ کی دوسری ہجرت میں حبشہ گئیں۔ حبشہ میں ان کے شوہر نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا' لیکن یہ خود اسلام پر قائم رہیں۔ اس لیے عبیداللہ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ آنحضرت ﷺ کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو آپ ﷺ نے نجاشی شاہ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے قبول کر لیا اور ان کی جانب سے خالد بن سعید اموی رضی اللہ عنہ اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے نجاشی کی وکالت میں چار سو دینار پر عقد ہوا۔ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مہر کی رقم ادا کی اور ولیمہ کیا۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا' انہوں نے ۴۴ھ میں وفات پائی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام حارث تھا' ان کی پہلی شادی مسعود بن عمرو ثقفی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس نے طلاق دے دی تو ابورہم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کیا۔ ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں۔ ان کے سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بروایت صحیح ۵۱ھ میں بمقام سرف انتقال کیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

اصلی نام زینب ہے۔ یہ غزوۂ خیبر میں امام وقت کے پانچویں حصے (خمس) میں پڑی تھیں' جسے ''صفی'' کہتے ہیں' اس لیے صفیہ کہلائیں' نسلاً اور مذہباً یہودیہ تھیں۔ ان کے نانہال اور دادھیال دونوں میں سرداری تھی۔ انکا باپ حی بن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا رئیس تھا اور ان کی ماں بنی قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔ ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم یہودی سے ہوئی تھی۔ اس نے طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق نے نکاح کیا۔ کنانہ جنگ خیبر میں مارا گیا۔ صفیہ کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ میں کام آئے اور خود گرفتار ہوئیں۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے لیے منتخب کیا۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی رئیسہ کو دحیہ کلبی کو دے دیا وہ صرف آپ کے لائق ہیں۔ ان کے کہنے پر ایک رئیسہ کی عزت قائم رکھنے کے لیے آپ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو دوسری لونڈی دے دی اور صفیہ کو ازواج سے عزت بخشی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا جنہیں ازواج مطہرات میں زیادہ خصوصیت حاصل تھی، کبھی کبھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر طعن و طنز کرتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔

اولاد امجاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ مختلف روایتوں کی رو سے ان کی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے، لیکن متفق علیہ بیان یہ ہے کہ چھ اولادیں تھیں۔ دو صاحبزادے قاسم اور ابراہیم رضی اللہ عنہما اور چار صاحبزادیاں، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہن۔ بعض روایتوں میں دو اور صاحبزادوں طیب اور طاہر رضی اللہ عنہما کا نام بھی ملتا ہے۔ ان میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، باقی کل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے۔ قاسم رضی اللہ عنہ سب سے پہلی اولاد تھے، ان کی پیدائش نبوت سے گیارہ بارہ سال پیشتر ہوئی تھی، لیکن بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے نام پر تھی۔ سب سے آخری اولاد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور کل سولہ یا سترہ مہینے زندہ رہے۔ ان کی موت کے دن اتفاق سے سورج گرہن ہوا، لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت اس کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید فرمائی کہ چاند اور سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، کسی کی موت سے ان میں گرہن نہیں لگتا۔

صاحبزادیوں میں زینب رضی اللہ عنہا سب سے بڑی تھیں، یہ قاسم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں ۸ھ میں انتقال کیا۔ ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ رضی اللہ عنہ یادگار چھوڑی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امامہ سے بڑی محبت فرماتے تھے، نماز کی حالت میں بھی ان کو جدا نہ کرتے تھے۔

زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے لڑکے عتیبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ظہور اسلام کے بعد ابولہب نے اپنی کینہ پروری میں عتیبہ سے طلاق دلوادی، طلاق کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی۔ ان کا انتقال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں غزوۂ بدر کے زمانہ میں ہوا۔ انہی کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں' ان کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتبہ کے ساتھ ہوئی' انہیں بھی ابولہب نے طلاق دلوادی تھی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دی۔ شادی کے چھ سال بعد تک زندہ رہیں۔ ۹ھ میں انتقال کیا۔

سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ چونکہ لڑکیوں میں یہ سب سے چھوٹی تھیں اور ان کے علاوہ سب اولادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں انتقال کر گئی تھیں' اس لیے آپ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ ''میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے' جس سے اس کو دکھ پہنچے گا' مجھے بھی اس سے اذیت ہوگی''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نامرضی دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی بھر دوسری شادی نہیں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ مہینہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ان کے پانچ اولادیں تھیں۔ حسن' حسین' ام کلثوم' زینب' محسن رضی اللہ عنہم' محسن کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جس طرح اسلام اپنی تعلیمات کی جامعیت کے لحاظ سے دوسرے مذاہب میں ممتاز ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تعلیمات کے نمونہ عمل کے لحاظ سے دوسرے انبیا و رسل میں امتیاز حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی پیغمبر کی زندگی کے چند خاص واقعات کے سوا اس کے سوانح حیات اور اخلاق و سیرت کے حالات محفوظ نہیں۔ اس لیے ان کی زندگی کو عملی نمونہ کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک خدوخال محفوظ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی' ان کو عملاً برت کر دکھایا' خود قرآن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا یہ جامع مرقع پیش کیا ہے:

﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ [۶۸/القلم:۴]

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مکارم اخلاق کی جملہ جزئیات کا مجسم پیکر تھی۔

رقت قلب' زہد و ورع' عفت و عصمت' حسن معاملہ' حسن خلق' عدل و انصاف' جود و سخا' ایثار و قربانی' محبت و رحمت' زہد و قناعت' صداقت و امانت' تواضع و مساوات' ضبط و حلم' عفو و درگزر' حسن

سلوک، دشمنوں، کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، عیادت وتعزیت، مہمان نوازی، سادگی وبے تکلفی، مسکینوں اور محتاجوں کی دلجوئی، صبر وشکر، شرم وحیا، عزم واستقلال، شجاعت وشہامت، گداگری اور سوال سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، ہدیہ دینا اور قبول کر لینا، تعظیم وبے جا مداحی کی ناپسندیدگی، دوسروں کی حاجت روائی وغیرہ۔ غرض ذات گرامی شرافت انسانی کے جملہ اوصاف و کمالات کی جامع تھی، ان کے واقعات سے حدیث کی کتابیں معمور ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا اثر

اسلام کی اصولی تعلیمات جستہ جستہ اسلام کی تاسیس وتکمیل اور حجۃ الوداع میں گزر چکی ہیں۔ ان کی تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ان تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کے عملی نمونہ نے چوتھائی صدی کے اندر اندر وحشی عربوں کی کایا پلٹ دی، جس کا ثبوت آئندہ صفحات میں ملے گا۔ ظہور اسلام سے پہلے عرب کی خصوصاً اور سارے عالم کی عموماً جو اخلاقی اور مذہبی حالت تھی اس کی ناتمام تصویر اوپر دکھائی جا چکی ہے، لیکن تھوڑی ہی مدت میں وہی عرب دنیا کے معلم اخلاق بن گئے اور پھر ان کے اثر سے یہ روشنی سارے عالم میں پھیلی، آج دنیا میں جہاں کہیں بھی توحید کی کرن نظر آتی ہے، وہ اسلام ہی کے آفتاب عالم تاب کا پرتو ہے۔



خلافت راشدہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۱۱ھ تا ۱۳ھ مطابق ۶۳۳ء تا ۶۳۴ء)

مختصر حالات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم رفیق، اسلام کے سب سے پرانے جان نثار، محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین منتخب ہوئے۔ آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر اور صدیق اور عتیق لقب ہے۔ والد کا نام ابوقحافہ تھا۔ آپ قریش کی شاخ بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ چھٹی پشت پر آپ کا نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز چلا آتا تھا۔ قریش کے نظام سیاسی میں خون بہا کے مال کی امانتداری کا عہدہ آپ ہی کے گھر میں تھا۔ [1] اسلام سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شغل تجارت تھا۔ آپ ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کا دامن اخلاق عرب کے عام مفاسد سے بالکل پاک رہا اور اسی زمانہ کے لوگوں پر آپ کے حسن اخلاق، راست بازی اور متانت و سنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور شرفائے مکہ میں آپ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

آپ تقریباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے۔ طبیعت کی یکسانیت کی وجہ سے بچپن ہی سے دونوں میں گہرے تعلقات و روابط پیدا ہو گئے تھے۔ ان روابط کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے اخلاق و سیرت سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت سب سے پہلی مرتبہ اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی شک و شبہ کے اس کی تصدیق کی۔ قبول اسلام کے بعد وہ اسلام کی تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست بن گئے اور راہ اللہ میں جان و مال اور عزت و آبرو سب نثار کر دی اور میدان جان نثاری میں کوئی دوسرا صحابی آپ سے بازی نہ لے جا سکا۔ بعض مواقع پر گھر کا سارا اثاثہ اللہ کی راہ میں دے دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کچھ اہل و عیال کے لیے بھی چھوڑا ہے تو عرض کیا ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔ [2] کسی صحابی کی اسلامی خدمات آپ کے برابر نہیں ہیں۔ ان کی مختصر فہرست یہ ہے:

---

[1] کنز العمال ج۔۶، ص ۳۱۲۔ [2] ترمذی مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

قریش کے سن رسیدہ لوگوں میں سب سے اول اسلام قبول کیا اور مکہ کی پرخطر اور مظلومیت کی زندگی کے ہر مرحلہ میں آنحضرت ﷺ کے پشت پناہ رہے۔ تبلیغ اسلام میں آپ ﷺ کی رفاقت کرتے، جہاں حضور ﷺ تشریف لے جاتے ساتھ جاتے اور اپنے جاننے والوں سے آپ ﷺ کا تعارف کراتے۔ [1]

حضرت عثمان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم جیسے اکابر اور اساطین اسلام آپ ہی کی کوششوں سے مشرف باسلام ہوئے۔ کفار کے ظلم و جور کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے۔ [2] حضرت بلال، عامر بن فہیرہ اور متعدد غلاموں کو جو اسلام کے جرم میں اپنے مشرک آقاؤں کے ظلم و جور کا نشانہ تھے، اپنے مال سے آزاد کرایا۔ ہجرت نبوی میں رفاقت کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ ہجرت کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو اس کی زمین کی قیمت جو دو یتیموں کی ملکیت تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔ اس طرح مدینہ میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا گھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدد سے تعمیر ہوا۔ [3]

غزوات میں بدر، احد، بنی مصطلق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین و طائف وغیرہ تمام معرکوں میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور سب میں نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دیں۔ حدیث، سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کی تفصیل ہے۔

۹ھ میں امارت حج کا منصب تفویض ہوا۔ غرض آغاز اسلام سے لے کر وفات نبوی ﷺ تک ہر مرحلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی جان نثارانہ رفاقت کی۔ آپ ﷺ پر ان کی ان قربانیوں کا اتنا اثر تھا کہ فرماتے تھے کہ جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکر سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے۔ [4] اس رفاقت اور خدمات کی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام کے سب سے بڑے محسن اور اسرار نبوی کے محرم تھے۔ اس لیے وہ قدرتاً نیابت نبوی ﷺ کے سب سے زیادہ اہل و مستحق تھے اور آنحضرت ﷺ کی حیات ہی میں خاص خاص مواقع پر اس کا شرف حاصل ہوتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ کے مرض الموت میں، جب نقل و حرکت کی طاقت آپ ﷺ میں نہ رہی، اس وقت آپ ﷺ نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد

---

[1] کنز العمال ج۔۶، ص۳۱۹۔ [2] بخاری باب ما لقی النبی واصحابہ من المشرکین مکۃ۔
[3] فتح الباری جلد۔۷، ص۱۹۲۔ [4] بخاری باب فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

نبوی کی امامت کا شرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو عطا فرمایا۔ [1] جو درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا۔ لیکن اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جانب سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کر کے اس کو توڑنا نہ چاہتے تھے۔ اس لیے صراحۃً کسی کو جانشین نامزد نہیں فرمایا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاشیہ نشینوں میں ایسی صحیح بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کر دی تھی' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی نظام کے قیام میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہ گیا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے بارے میں تصریح سے سکوت فرمایا۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت

مدینہ میں منافقوں کی جماعت جن کا شعار دوستی کے پردہ میں اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا ہمیشہ سے موجود تھی اور ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتی تھی۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس جماعت کو فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی منافقین کی سازش سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر جانشینی کا دعویٰ کیا۔ یہ مسئلہ ایسے نازک وقت چھڑا تھا کہ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا جاتا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جاتی اور عجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بروقت اس کی اطلاع ہوگئی۔ آپ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے' یہاں دیکھا تو دوسرا ہی گل کھلا ہوا تھا۔ انصار مدعی تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی میں انہیں بھی حصہ ملنا چاہیے اور قریش کے ساتھ ان کی جماعت کا بھی ایک امیر یا نائب الرسول ہونا چاہیے' لیکن ایک شخص کے دو جانشین ہونے کے نتائج بالکل ظاہر ہیں۔ اس لیے اس صورت کے قبول کرنے کے معنی خود اپنے ہاتھوں اسلامی نظام کا درہم برہم کرنا تھا۔ یہ ہو سکتا تھا کہ تنہا انصار کو ہی یہ منصب مل جاتا' لیکن اس میں یہ مشکل تھی کہ اولاً خود قریش' پھر دوسرے عرب قبائل قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ پھر انصار میں اوس و خزرج دو مقابل جماعتیں تھیں۔ ان میں سے جسے بھی یہ منصب دیا جاتا' دوسرا اسے تسلیم نہ کرتا۔

اس نازک موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا اور یہ برمحل

---

[1] بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ۔

تقریر کی..... ''کہ مجھے تم لوگوں کے فضائل ومناقب اور تمہاری خدمات اسلامی سے انکار نہیں' لیکن عرب قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کی سیادت تسلیم نہیں کر سکتے۔ پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاندانی تعلق کی بنا پر آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہیں۔ یہ ابوعبیدہ اور عمر بن الخطاب موجود ہیں۔ ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو'..... یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ آپ ہم سب میں بزرگ ہیں' ہم سب میں بہتر اور رسول اللہ ﷺ کے سب سے مقرب ہیں' اس لیے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہر جماعت میں ایسی محترم تھی کہ اس انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے ساتھ مسلمان بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی برمحل تقریر اور بیعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی سے ایک زبردست انقلاب ہوتے ہوتے بچ گیا۔ اس کے دوسرے دن مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی اور ربیع الاول ۱۱ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ بیعت عام کے بعد آپ نے حسب ذیل تقریر فرمائی:

> ''لوگو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تمہاری جماعت میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے۔ یہاں تک کہ میں دوسروں سے اس کا حق اس کو نہ دلا دوں' اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ حاصل کرلوں۔ یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے' اللہ اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے' اللہ تعالیٰ اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے' اگر میں اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔'' [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں تاخیر کا سبب

بیعت عام کے بعد کچھ دنوں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے

---

[1] بخاری جلد۔۱' ص ۵۱۸۔ [2] طبقات ابن سعد ج۔۳' ق۔اول' ص ۱۲۹۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں توقف کیا۔ اس توقف نے مسلمانوں میں عجیب بحثیں پیدا کر دی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گوناگوں تعلقات کی وجہ سے خلافت کے متوقع تھے' لیکن یہ نہ صرف غلط بلکہ آپ کی ذات پر اتہام ہے کہ خلافت نہ ملنے کے ملال میں آپ چھ مہینہ تک جمہور مسلمانوں سے الگ رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استفسار پر آپ نے خود اس توقف کا جو سبب بیان فرمایا وہ یہ ہے ''میں آپ کی امارت ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک قرآن نہ جمع کرلوں گا اس وقت تک نماز کے سوا اپنی چادر تک نہ اوڑھوں گا''۔ [1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے بھی بیعت کر لی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کا اعتراف فرمایا کہ..... ''آپ کو اللہ نے جو رتبہ دیا ہے اس پر ہم کو حسد نہیں' لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔'' یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ جائداد میں' میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا ہے''..... اس صاف دلی کی گفتگو کے بعد دونوں کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے توقف بیعت پر آپ کی جانب سے عذر خواہی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب کے سامنے آپ کے فضائل کا اعتراف فرمایا۔ [2]

قبائل میں شورش وانقلاب کا آغاز

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز بڑی مشکلات اور بڑے اہم حوادث کے ساتھ ہوا' لیکن آپ نے اپنے تدبر' عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے ان سب پر قابو حاصل کر لیا۔ سب سے اہم انقلاب عرب کا ارتداد تھا۔ بہت سے قبائل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام تو قبول کر لیا تھا' لیکن ان کے دلوں میں وہ راسخ نہ ہوا تھا' اس لیے آپ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہو گئے۔ دوسری جانب متعدد جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی ہر طرف انقلاب کے آثار نمودار ہو گئے۔ ان مشکلات کے ساتھ ساتھ موتہ کی مہم علیحدہ درپیش تھی' جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض

---

[1] طبقات ابن سعد ج۔۲' ق۔۲' ص ۱۰۱۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر۔

الموت میں رومیوں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے خون کا انتقام لینے کے لیے ان کے لڑکے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں شام بھیجنے کے لیے حکم دیا تھا۔ ابھی یہ مہم روانہ نہ ہوئی تھی (بعض روایتوں کے مطابق روانہ ہو چکی تھی' لیکن تھوڑی دور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر رک گئی تھی) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ اس حادثہ کے بعد جب عرب میں انقلاب کے آثار نمایاں ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی کہ ایسی حالت میں فوج کو مرکز خلافت سے دور بھیجنا مناسب نہیں ہے' اس مہم سے پہلے ان انقلابات کا تدارک ضروری ہے' مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر مدینہ میں اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگیں نوچیں تب بھی میں اس مہم کو جس کی روانگی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا' نہیں روک سکتا۔ [1]

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مہم

اور انہی انقلاب انگیز حالات میں فوج روانہ کی اور خود پا پیادہ مدینہ سے باہر تک اسے رخصت کرنے کے لیے گئے۔ رخصت کرتے وقت ہدایت کی کہ خیانت نہ کرنا' مال نہ چھپانا' بے وفائی سے بچنا' مثلہ نہ کرنا' بوڑھوں' بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا' ہرے بھرے اور پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا' کھانے کے علاوہ جانوروں کو بے کار ذبح نہ کرنا۔ [2] چالیس دن کے بعد یہ مہم اپنا کام پورا کر کے فاتحانہ مدینہ واپس آئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شہر سے نکل کر اس کا استقبال کیا۔ بظاہر ایسے نازک وقت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فوج روانہ کرنا مصلحت اور تدبر کے خلاف معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا اثر نہایت اچھا پڑا۔ اس سے ایک طرف بیرونی طاقتوں کے دلوں پر خوف بیٹھ گیا' دوسری طرف انقلاب کرنے والوں کو اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی قوت کافی ہے' ورنہ ایسے حالات میں جبکہ اندرونی قبائل میں بغاوت بپا ہے' وہ بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اتنی بڑی فوج نہیں بھیج سکتے تھے۔

مدعیان نبوت کا استیصال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے۔ مسیلمہ کذاب نے اسی زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ جھوٹی آواز صور صداقت کے سامنے نہ ابھر سکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور بہت سے حوصلہ مندوں کے دماغ میں یہ سودا سما گیا'

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۱۔ [2] طبری ص ۱۸۵۰۔

چنانچہ اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد کئی مدعیان نبوت پیدا ہو گئے۔ مرد تو مرد، عورتیں تک اس خبط میں مبتلا ہو گئی تھیں، چنانچہ قبیلہ تمیم کی ایک عورت سجاح بنت حارث بھی نبوت کی دعویدار بن گئی تھی اور مسیلمہ کذاب سے شادی کر لی تھی۔ موتہ کی مہم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان جھوٹے نبیوں کے استیصال کی طرف توجہ فرمائی۔ مسیلمہ کی مہم حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ ان کی مدد پر مامور ہوئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ طلیحہ بن خویلد کی طرف بڑھے۔ طلیحہ اور اس کے متبعین کو قتل و گرفتار کر کے تیس قیدیوں کو مدینہ روانہ کیا۔ طلیحہ شام بھاگ گیا۔ پھر تجدید اسلام کر کے مسلمان ہو گیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ طلیحہ کے پیروؤں میں زیادہ تر قبیلہ طے تھا۔ اس کے سردار عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اسے دوبارہ مسلمان بنا لیا۔ باقی دوسرے اتباع کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شکست دے کر قتل و گرفتار کیا۔ طلیحہ شام بھاگ گیا اور وہاں جا کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت شرحبیل بن حسنہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہما مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں تھے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے شرحبیل رضی اللہ عنہ سے پہلے پہنچ کر مسیلمہ کے پیرو بنی حنیفہ پر حملہ کر دیا لیکن انہیں شکست ہوئی۔ ان کی شکست کی خبر سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جو طلیحہ کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے۔ شرحبیل رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیجا۔ مسیلمہ کے اتباع چالیس ہزار کی تعداد میں جمع تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک خونریز جنگ کے بعد بنی حنیفہ کو نہایت فاش شکست دی۔ مسیلمہ وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مقتول ہوا۔ اس کی بیوی سجاح جو خود مدعیہ نبوت تھی۔ شوہر کے قتل ہونے کے بعد بھاگ گئی۔ اس جنگ میں بہت سے حفاظ قرآن صحابہ شہید ہوئے۔ تیسرے مدعی نبوت اسود عنسی کی جماعت میں خود اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ اپنے ایک ساتھی قیس بن مکشوح کے ہاتھوں نشہ کی حالت میں مارا گیا۔ غرض چند دنوں کے اندر تمام مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ [1]

خود سر مرتد امرا کا استیصال

مدعیان نبوت کے بعد ان مرتد سرداروں کی طرف توجہ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسلمان ہو چکے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر مرتد ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ آزاد حکمران بن بیٹھے، چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں، لقیط بن مالک نے عمان میں اور متعدد سرداران قبائل نے کندہ

[1] یہ واقعات طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں بہت مفصل ہیں، ہم نے ان کا خلاصہ لکھا ہے، تفصیل کے لیے دیکھو کتب مذکور حالات مدعیان نبوت۔

کے علاقہ میں مرتد ہو کر خود سری کا اعلان کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علاء بن حضرمی' حذیفہ بن محصن اور زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم کو علی الترتیب ان سرداران کے مقابلہ میں بھیجا۔ علاء رضی اللہ عنہ نے نعمان کا استیصال کیا' حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لقیط کو قتل کیا اور زیاد رضی اللہ عنہ نے فرمانروایان کندہ کو زیر کر کے دوبارہ اسلام پر قائم کیا۔ ❶

منکرین زکوٰۃ کی تادیب

ان سب سے زیادہ اہم اور نازک معاملہ منکرین زکوٰۃ کا تھا۔ یہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے صرف زکوٰۃ کے منکر تھے۔ اس لیے ان پر تلوار اٹھانے کے بارہ میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا اور کہا..... ''جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ دینے کے منکر ہیں ان پر کس طرح تلوار اٹھائی جا سکتی ہے''۔ اس موقع پر بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی دینی بصیرت اور عرفان شریعت سے فرمایا:

''اللہ کی قسم! جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ میں دیتا تھا' اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلہ میں جہاد کروں گا''۔ ❷

آپ کے اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا کہ اگر آج انہیں زکوٰۃ نہ دینے پر چھوڑ دیا جائے گا' تو کل صوم وصلوٰۃ کے منکر ہو جائیں گے اور اسلام ایک تماشا بن جائے گا۔ غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی کے ساتھ تمام منکرین زکوٰۃ قبائل کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں۔ آپ کو اس معاملہ میں اتنا غلو تھا کہ بنی عبس اور بنی ذبیان کے مقابلہ میں خود گئے اور انہیں زیر کیا۔ آپ کی مستعدی اور استقامت سے چند دنوں میں تمام منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ ادا کر دی۔ بعضوں نے خود مدینہ حاضر ہو کر بیت المال میں داخل کی۔ اس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مذہبی بصیرت' اصابت رائے اور استقلال و استقامت سے وہ تمام فتنے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دفعۃً بپا ہو گئے تھے' دب گئے اور اسلام نے گویا دوبارہ زندگی پائی۔ ❸



---

❶ یہ واقعات طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں بہت مفصل ہیں۔ ہم نے ان کا خلاصہ لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتب مذکور حالات فتنہ ارتداد۔ ❷ بخاری جلد اول ص ۱۸۸۔ ❸ تفصیل کے لیے دیکھو طبری' حالات منکرین زکوٰۃ۔

فتوحات

ایران وروم کی مخالف حکومتیں

اندرونی انقلاب فرو کرنے کے بعد عرب کے ناگزیر سیاسی حالات کی بنا پر بیرونی دشمنوں کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ اس زمانہ میں جزیرۃ العرب دو عظیم الشان مخالف سلطنتوں کے درمیان میں گھرا ہوا تھا۔ ایران میں ساسانی اور شام میں رومی دونوں حکومتیں عربوں کی پرانی دشمن تھیں اور ہمیشہ سے ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھیں۔ خصوصاً ایرانیوں نے کئی مرتبہ عرب کو زیر فرمان کرنے کی کوشش کی تھی' اور ساسانی سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سابور بن اردشیر نے حجاز اور یمن دونوں کو باجگزار بنالیا تھا اور سابور ذی الاکتاف ایک مرتبہ یمن وحجاز فتح کر کے مدینہ تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عربوں کا اتنا شدید دشمن تھا کہ جو عرب گرفتار ہو کر اس کے قبضہ میں جاتے تھے' ان کے شانے اکھڑوا دیا کرتا تھا۔ اس لیے عربوں میں وہ ذوالاکتاف یعنی شانے والے کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ [1] لیکن عرب کسی بیرونی طاقت سے دبنے والے نہ تھے اور جب انہیں موقع ملتا تھا' ان سے گلوخلاصی حاصل کر لیتے تھے اور ان کا ملک دبا بیٹھتے تھے' چنانچہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ اسی سلسلہ کے ایک فرمانروا نے حیرہ کو دارالسلطنت بنایا تھا۔ غرض عربوں اور ایرانیوں میں نہایت قدیم رقابت چلی آ رہی تھی۔ ایرانی عربوں کو نہایت تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۶ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے سلسلہ میں خسرو پرویز شہنشاہ ایران کو خط لکھا تو وہ سخت غضبناک ہوا اور نامہ مبارک چاک کر کے پھینک دیا اور کہا "میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے"۔ اور فوراً یمن کے عامل کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا فرمان لکھا۔ [2] پہلے یہ تحقیر کا جذبہ تھا۔ اس کے بعد اسلام نے سارے عرب کو متحدہ طاقت بنا دیا۔ اس وقت ساسانی حکومت اسے خوف وخطر کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی۔

ایران کی سیاسی حالت

اس زمانہ میں ایران کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ خسرو پرویز تک نہایت قوی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا شیرویہ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے سب بھائیوں کو قتل کرا

---

[1] اخبار الطوال ص ۴۹۔ [2] ابن سعد ج۔ ۱ ق۔ ۱ ص ۱۱۶۔

دیا۔ یہ کل آٹھ مہینہ تخت پر رہا۔ اس کے بعد اس کا صغیر السن لڑکا تخت پر بیٹھا۔ اسے ایک درباری افسر قتل کر کے خود بادشاہ بن گیا۔ چند دنوں کے بعد دوسرے درباریوں نے اسے قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ ایک سال کے بعد یہ بھی مر گیا۔ اس وقت شاہی خاندان میں ایک صغیر السن بچہ یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اس لیے شاہی خاندان کی ایک عورت بوران دخت کو اس شرط کے ساتھ تخت پر بٹھا دیا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد وہ بادشاہ بنایا جائے گا۔ [1]

عراق پر عرب قبائل کا حملہ

ان پیہم انقلابات وحوادث نے ایران کی گزشتہ عظمت وشان برباد کر دی تھی اور ایرانی سلطنت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ اس وقت ایران کے ہم جوارانِ عرب قبائل کو جو ہمیشہ سے ایرانیوں کے تختۂ مشق بنتے چلے آ رہے تھے' بدلہ لینے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ عراق کے عرب قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت فراہم کر کے حیرہ اور ابلہ پر تاخت شروع کر دی۔ گو ایران کی حکومت پر زوال طاری ہو چکا تھا۔ تاہم اس گئی گزری ہوئی حالت میں بھی اس کو زیر کرنا عرب سرداروں کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے مثنیٰ نے مدینہ جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے باقاعدہ عراق پر حملہ کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ رضی اللہ عنہ خود مسلمان تھے' لیکن ان کا قبیلہ عیسائی تھا۔ مدینہ سے واپس ہو کر انہوں نے سب سے پہلے اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا۔ [2] اس کے بعد اسے لے کر عراق روانہ ہو گئے۔

عراق پر فوج کشی اور فتوحات

اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مدعیان نبوت اور مرتدین کی مہم سے فراغت پا چکے تھے' لیکن ابھی واپس نہ ہوئے تھے' مثنیٰ کی درخواست پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں راستہ ہی سے ان کی مدد کے لیے عراق جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ فوجیں لیے ہوئے سیدھے عراق روانہ ہو گئے اور مثنیٰ کو ساتھ لے کر بانقیا اور بارسوا کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ابلہ پہنچے اور عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو لکھا کہ ''یا اسلام قبول کرو یا جزیہ ادا کرو ورنہ تم کو ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے جتنی تم زندگی کی تمنا رکھتے ہو''۔ ہرمز نے یہ خط اردشیر کے پاس ایران بھجوا دیا اور خود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے نکلا' مقام کاظمیہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایرانیوں نے اپنے پیروں کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا تاکہ میدان سے منہ نہ موڑنے پائے' لیکن مسلمانوں نے اس زنجیر آہن کے

---

[1] اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری ص ۱۱۶۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۵۰۔

بھی ٹکڑے کر دیئے اور ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور ہرمز مارا گیا۔

دوسری طرف اردشیر نے ہرمز کا خط پاتے ہی قارن کی ماتحتی میں ایک فوج گراں اس کی مدد کے لیے روانہ کر دی تھی۔ اس کو مقام مذار میں ہرمز کی شکست کی خبر ملی' اس لیے قارن یہیں ٹھہر گیا۔ ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی مذار پہنچ گئی۔ خالد رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی تو وہ مذار پہنچے' دونوں میں مقابلہ ہوا' ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ ان کی تیس ہزار سپاہ کام آئی اور قارن' انوشجان اور قباد تمام بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ ❶

اس شکست اور فوج کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو اردشیر کو نہایت سخت رنج ہوا۔ اس نے ایران کے ممتاز بہادر اندرزغر اور بہمن جاذویہ کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ دونوں سپہ سالار ایرانی سپاہ کے علاوہ حیرہ اور کسکر کے تمام باشندوں اور عیسائی عربوں کو ساتھ لیتے ہوئے ولجہ میں آ کر خیمہ زن ہوئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لیے بڑھے' ایرانیوں کے لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی سی فوج ساحل کے نشیب میں چھپا دی اور خود آگے بڑھ کر صف آراء ہوئے۔ ایرانی پہلے سے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی' جب ایرانی تھک گئے تو تازہ دم مسلمانوں نے کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کر دیا۔ ایرانی اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا اور بے شمار ایرانی مارے گئے۔ اندرزغر جان بچا کر بھاگ نکلا' لیکن کچھ دور آگے جا کر پیاس کی شدت سے مر گیا۔ ❷

اس جنگ میں بہت سے عیسائی عرب بھی جنہوں نے ایرانیوں کا ساتھ دیا تھا' مارے گئے تھے۔ اس لیے اس کے انتقام میں تمام عیسائی قبائل بہمن جاذویہ سے جو الیس میں پڑا ہوا تھا جا کر مل گئے۔ کسکر کی فتح کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ الیس پہنچے اور ایرانیوں اور عربوں دونوں کو شکست دے کر ان کی بہت بڑی تعداد زندہ گرفتار کر کے قتل کرا دی۔ ❸ الیس سے فراغت کے بعد امغیشیا پہنچے لیکن یہاں کے باشندے ان کا رخ دیکھ کر پہلے شہر خالی کر چکے تھے۔ امغیشیا کے بعد خالد رضی اللہ عنہ فرات کے راستہ سے حیرہ کی طرف بڑھے۔ حاکم حیرہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی اپنے لڑکے آزاذبہ کو مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے بھیج دیا تھا۔ اس نے فرات کا بند باندھ دیا تھا۔ اس لیے کچھ دور چل کر کشتیاں رک گئیں۔ یہ صورت دیکھ کر مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے۔ فرات کے دھانہ پر آزاذبہ کا مقابلہ ہوا' آزاذبہ شکست کھا کر مارا گیا۔ ❹

---

❶ طبری ج۔۴' ص۔ ۲۰۲۷' ۲۰۲۸۔ ❷ طبری ج۔۴' ص ۲۰۳۱۔

❸ طبری جلد۔۴' ص۔ ۲۰۳۱ تا ۲۰۳۷۔ ❹ ابن اثیر ج۔۲' ص ۲۹۸۔

آزاد یہ کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں نے فرات کا بند کھول کر حیرہ کا راستہ لیا۔ آزاد بحیرہ چھوڑ کر آگے جا چکا تھا۔ اہل شہر نے دروازے بند کر لیے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ عرصہ تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر میں ایرانیوں نے محاصرہ سے گھبرا کر ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے یہ عہد نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا کہ ''اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے۔ ہم اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے اور اگر حفاظت نہ کر سکیں تو یہ رقم ان پر واجب نہ رہے گی۔ اگر وہ بدعہدی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں۔'' [1] مسلمانوں کی ان فتوحات اور خالد کے حسن سلوک سے حیرہ کے قرب و جوار کے باشندوں نے بھی بیس ہزار درہم پر صلح کر لی اور جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ [2]

اس دوران اردشیر مر گیا تھا' اس کی موت سے ایران کے اندرونی اختلافات اور زیادہ بڑھ گئے تھے' لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے پوری قوم متحد تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اندرونی اختلافات کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنا دیا۔ ایرانی فوجیں اس وقت شمالی عراق میں عین التمر سے لے کر انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جنوبی عراق کی تسخیر کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی حفاظت کے لیے قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر انبار پہنچے' ایرانی فوجیں قلعہ بند تھیں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کر کے حملہ شروع کر دیا' لیکن ایرانی خندق کے اس پار سے تیر باری کر رہے تھے' اس لیے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر خالد رضی اللہ عنہ نے بھی تیر باری کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے تیر برسا کر ہزاروں آنکھیں بیکار کر دیں۔ اس سے ایرانی گھبرا گئے اور خالد رضی اللہ عنہ نے خندق پٹوا کر فوجیں پار اتار دیں۔ ایرانی تیر باری سے پہلے ہی گھبرا چکے تھے۔ مسلمانوں کے خندق عبور کرنے کے بعد ان کے اوسان اور خطا ہو گئے اور انہوں نے سپر ڈال کر صلح کر لی۔ [3]

خالد رضی اللہ عنہ نے انبار کا معرکہ سر کیا تھا کہ دوسری طرف بہرام چوبین کا لڑکا تازہ دم فوجیں لے کر عین التمر پہنچ گیا۔ عربی قبائل میں تمر' تغلب اور ایاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ تھے۔ [4] اس لیے انبار کا معرکہ سر کرنے کے بعد خالد عین التمر پہنچے۔ بہرام چوبین کا لڑکا بڑا متعصب تھا' اگرچہ عرب قبائل نے اس کا ساتھ دیا تھا' لیکن اس نے قومی عصبیت میں انہیں آگے کر دیا۔ بعض ایرانی اس پر معترض ہوئے تو جواب دیا کہ ان کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے اس لیے انہی کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے کٹانا چاہیے۔ مقام کرخ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ خالد نے عربوں کے سردار عقہ بن عقہ کو

---

[1] طبری ج۔۴' ص۔۲۰۳۷ تا ۲۰۴۱۔ [2] ابن خلدون ج۔۲' ص ۸۱۔

[3] طبری جلد۔۴ ص۔۲۰۵۹ تا ۲۰۶۱ وفتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵۔ [4] ابن اثیر جلد۔۲' ص ۲۹۔

گرفتار کرلیا۔ اس کی گرفتاری کے بعد عربوں نے سپر ڈال دی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی بہت بڑی تعداد گرفتار کرلی اور ان کی قوم فروشی کی سزا میں انہیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے جو قلعہ میں محفوظ تھے' پہنچے۔ انہوں نے نکل کر مدافعت کی' لیکن ناکام ہو کر پھر قلعہ میں گھس گئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے بزور شمشیر قلعہ فتح کرلیا۔ [1] اور معمولی خراج کے علاوہ اور مفتوحہ علاقہ پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا۔ [2]

عراق وشام کی سرحد ودومۃ الجندل میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عربی عیسائی قبائل مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ غزوۂ تبوک اسی سلسلہ میں ہوا تھا اور خالد رضی اللہ عنہ نے یہاں کے ایک فرمانروا اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کر کے مطیع بھی بنایا تھا۔ [3] ان سازشوں کا سلسلہ اب تک قائم تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے تدارک کے لیے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ یہ مہم تنہا ان کے بس کی نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جو قریب ہی موجود تھے' مدد مانگی' وہ فوراً پہنچے' اکیدر بن عبدالملک کو ایک مرتبہ خالد رضی اللہ عنہ کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے دوسرے فرمانروا جودی وغیرہ کو جنگ سے روکا مگر جودی نہ مانا۔ اکیدر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور عیاض اور خالد رضی اللہ عنہما نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کرلیا۔ جودی نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر مارا گیا' خالد رضی اللہ عنہ نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ بنی کلب کو ایک مسلمان عاصم نے امان دے دی باقی قبائل قتل کر دیے گئے۔ [4] ادھر خالد رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کی مہم میں مشغول تھے۔ دوسری طرف عراق میں عرب قبائل نے ایرانیوں کو عراق واپس لینے کے لیے ابھارا اور زرمہر اور روزبہ عربوں کو ساتھ لے کر حصید اور خنافس کی طرف بڑھے۔ اس درمیان میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کی مہم سے فراغت حاصل کر کے حیرہ پہنچ گئے اور قعقاع اور ابولیلیٰ کی مدد کے لیے' جو ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے خنافس جا رہے تھے' خنافس روانہ ہو گئے۔ عین التمر میں ان سے ملاقات ہوئی۔ یہاں سے خالد رضی اللہ عنہ نے قعقاع کو حصید اور ابولیلیٰ کو خنافس بھیجا۔ قعقاع نے حصید پہنچ کر زرمہر اور روزبہ کو شکست دے کر قتل کر دیا' باقی شکست خوردہ فوج خنافس چلی آئی' عین اس وقت جب ابولیلیٰ یہاں پہنچے تھے انہیں دیکھ کر ایرانی مصیخ کی طرف ہٹ گئے' خالد رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قعقاع اور ابولیلیٰ وغیرہ کو لیتے ہوئے مصیخ پہنچے اور شبخون مار کر ایرانیوں کو نہایت فاش شکست دی۔ دوسری طرف عرب سردار ربیعہ بن بجیر اور ہذیل عرب قبائل کو لیے ہوئے ایرانیوں کی مدد کے لیے بشر میں جمع ہوئے۔ مثنیٰ

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۵۔ [2] طبری ص ۲۰۶۳۔
[3] ابن خلدون ج ۲' ص ۲۹۔ [4] ابن اثیر ج ۲' ص ۳۰۳۔

نے بشر میں عربوں پر شبخون مارا۔ ہذیل کے علاوہ باقی سب مقتول ہوئے۔ [1] اس کے بعد وہ بشر کے عرب جتھوں کو صاف کرتے ہوئے فرائض کے ارادے سے رضاب آئے۔

فراض نہایت اہم مقام تھا۔ یہاں شام' عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اس لیے اپنی حفاظت کے لیے رومی بھی ایرانیوں کے ساتھ مل گئے۔ اور ان تینوں کی متحدہ فوجیں فراض میں جمع ہوئیں۔ اس لیے خالد رضی اللہ عنہ کو ان کے مقابلہ کے لیے خاص اہتمام کرنا پڑا اور فراض پہنچ کر از سر نو فوجیں مرتب کیں۔ ایک طرف ایرانی' عرب اور روم کی متحدہ طاقت تھی۔ دوسری طرف تنہا مسلمان' درمیان میں فرات حائل تھا۔ ایرانی' رومی اور عرب نشہ نخوت میں فرات کو پار کر کے اس پار چلے آئے۔ لب ساحل فریقین کا مقابلہ ہوا۔ اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تین تین طاقتیں تھیں۔ لیکن ان کے جوش جہاد اور سرفروشی نے تینوں کو نہایت فاش شکست دی۔ شکست خوردہ فوجوں کے عقب میں دریا حائل تھا اور سامنے مسلمان تھے۔ اس لیے انہیں بھاگنے کا بھی راستہ نہ ملا اور قریب قریب کل فوجیں برباد ہوگئیں۔ اس اہم معرکہ کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگ ملتوی کر کے مثنیٰ کو عراق چھوڑ کر حج کو چلے گئے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام کی مہم پر جہاں عرصہ سے جنگ چھڑی ہوئی تھی' بھیج دیا۔ اس لیے سردست عراق کی مہم رک گئی۔ [2]

عرب اور رومیوں کے تعلقات

عربوں کی دوسری ہمسایہ حکومت رومیوں کی تھی۔ رومیوں کی مرکزی حکومت قسطنطنیہ میں تھی۔ عرب کے پڑوس شام میں ہرقل رومیوں کے ماتحت حکومت کرتا تھا۔ یہ حکومت گو ایرانیوں کی طرح عربوں کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی' لیکن دونوں قوموں میں قدیم رقابت چلی آ رہی تھی' چنانچہ زمانہ جاہلیت میں حبشہ کے عیسائیوں نے رومیوں ہی کے اشارہ سے عربوں کی مرکزیت توڑنے کے لیے ''کعبہ یمانی'' بنایا تھا۔ [3] ظہور اسلام کے بعد شام کے رومی مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے تھے' چنانچہ ۶ھ میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفیر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو' جو قیصر کے پاس اسلام کا دعوت نامہ لے کر گئے تھے' لوٹ لیا تھا۔ اور دوسرے سفیر حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ کو شرحبیل حاکم بصریٰ نے' جس کے پاس وہ خط لے کر گئے تھے' قتل کر دیا۔ اسی کے انتقام میں غزوۂ موتہ ہوا تھا۔ پھر ۹ھ میں رومیوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مدافعت کے لیے نکلنا پڑا' لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ہر وقت رومیوں کے حملہ کا خطرہ لگا

---

[1] طبری ج۔۴' ص ۲۰۶۰ تا ۲۰۷۰۔ [2] طبری ج۔۴' ص ۲۰۷۳۔ ۲۰۷۴۔ [3] سیرۃ ابن ہشام ج۔۱' ص ۳۰۔

رہتا تھا۔ اسی خطرہ کے انسداد کے لیے شہدائے موتہ کے انتقام کے لیے رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو شام بھیجنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تکمیل کی۔ غرض ظہور اسلام کے بعد سے مسلمانوں اور شامی رومیوں کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو گئے تھے اور مدینہ پر ان کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا' جس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔

شام پر فوج کشی اور فتوحات

ان اسباب کی بنا پر رومیوں کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے لیے ان سے نپٹنا ضروری تھا۔ اس لیے ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے شام پر فوج کشی کا فیصلہ کیا اور شام کے ہر ہر حصہ پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں۔ دمشق کی مہم پر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ مامور ہوئے۔ حمص پر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ' اردن پر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور فلسطین پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان سب کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے۔ ان فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ [1] مسلمانوں کی فوج کشی کے وقت ہرقل والی شام حمص میں تھا۔ اس کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو اس نے تمام مسلمان افسروں کے مقابلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہو سکیں' چنانچہ جس وقت مسلمانوں نے شام کی سرحد میں قدم رکھا' اس وقت انہیں قدم قدم پر رومی جتھوں کا سامنا ہوا۔ ان کی کثرت کا اندازہ کر کے مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی اور دارالخلافہ سے مزید فوجیں مدد کے لیے طلب کیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جو عراق میں تھے' حکم دیا کہ وہ عراق کا انتظام مثنیٰ کے ہاتھوں میں چھوڑ کر شام چلے جائیں۔ اس حکم پر فوراً شام روانہ ہو گئے۔ [2] اور راستہ میں حدرداء سوی' قصم اور مرج راہط وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے ہوئے شام پہنچے۔ سرزمین شام میں قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے بصریٰ پر فوج کشی کر کے یہاں کے بطریق کو شکست دی اور اہل بصریٰ نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے [3]

دوسری طرف عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فلسطین کے مورچہ پر تھے اور ان کے مقابلہ کے لیے اجنادین میں رومیوں کا عظیم الشان لشکر جمع تھا۔ اس لیے بصریٰ سے فراغت کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے روانہ ہو گئے اور رومیوں کو شکست دے کر اجنادین پر

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۵۔ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۵۔ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۱۹۔

قبضہ کرلیا۔ اجنادین کے بعد شام کے صدر مقام دمشق پہنچے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دمشق کا محاصرہ کیا۔ کامل تین مہینہ تک محاصرہ جاری رہا۔ ابھی دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ ختم ہوگیا۔

علالت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف

جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار پڑے پندرہ دن بخار رہا۔ آپ خلقۃً بہت ناتواں تھے۔ عمر کے تقاضے اور اس علالت نے بہت جلد نڈھال کر دیا۔ نشست و برخاست سے معذور ہوگئے۔ آپ کی علالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کرتے تھے۔ جب زندگی سے مایوس ہوگئے تو اکابر صحابہ کو بلا کر ان سے آئندہ اپنے جانشین کے بارہ میں مشورہ کیا اور اپنی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''ان کی اہلیت میں کوئی شبہ نہیں لیکن وہ کسی قدر سخت ہیں''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے''۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عیادت کو آئے ہوئے تھے انہوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درشتی مزاج اور تشدد کی شکایت کی اور کہا ''جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہیں تو آپ کے بعد نہ جانے کیا کریں گے''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ''جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو آپ نرم ہو جائیں گے''۔ ایک صحابی نے کہا۔ ''آپ عمر رضی اللہ عنہ کی درشتی کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کو آپ کیا جواب دیں گے؟'' فرمایا میں عرض کروں گا ''الٰہی! میں نے تیرے بندوں میں سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب سے اچھا تھا''۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا' ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ ضعف سے غش آ گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو تحریر پڑھوا کر سنی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سن کر بے اختیار زبان سے اللہ اکبر نکل گیا اور فرمایا ''اللہ تم کو جزائے خیر دے تم نے میرے دل کی بات لکھ دی''۔ وصیت نامہ مکمل کرانے کے بعد اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسے لے جا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے عام مجمع میں سناؤ اور خود بالاخانہ پر جا کر حاضرین سے فرمایا کہ ''میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا' بلکہ اس شخص کو منتخب کیا ہے جو میرے نزدیک تم سب میں بہتر ہے''..... سب نے بالاتفاق اس حسن انتخاب کی تائید کی' اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ضروری وصیتیں کیں۔ [1]

---

[1] طبقات ابن سعد ج۔۳' ق۔اول' ذکر وصیت ابی بکر رضی اللہ عنہ۔

آخری وصیتیں اور وفات

انتخاب خلیفہ کی اہم ذمہ داری سے فراغت کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ ''میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اسے ادا کرنا' میرے پاس مسلمانوں کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں' اسے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دینا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور چیز نکل آئے تو اسے بھی بیت المال میں داخل کرا دینا''۔ کفن کے متعلق فرمایا کہ ''میرے بدن پر جو کپڑا ہے اس کو دھو کر کفن دینا''۔ پھر پوچھا آج کون سا دن ہے؟ معلوم ہوا دوشنبہ' پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن انتقال فرمایا تھا؟ عرض کیا اسی دن۔ فرمایا میری بھی یہی آرزو ہے۔ یہ آرزو پوری ہوئی اور ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دوشنبہ کا دن گزرنے کے بعد شب کو انتقال فرمایا' انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی' مدت خلافت دو سال تین مہینہ اور دس دن۔ وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدار کے پہلو میں' ساری عمر جس کی رفاقت میں گزری تھی' سپرد خاک کر دیئے گئے۔ وفات کے بعد عبداللہ' عبدالرحمٰن' اسماء اور عائشہ (ام المؤمنین) رضی اللہ عنہم کئی اولادیں یادگار چھوڑیں' ایک صاحبزادی ام کلثوم وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔

عہد صدیقی پر مختصر تبصرہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تعلیم اسلام کا زندہ پیکر اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے۔ آپ کے دور کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اس میں کوئی ایسا کام نہیں ہونے پایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہوا ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ کو کل سوا دو سال مسلمانوں کی خدمت کا موقع ملا۔ اس قلیل مدت میں آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی وہ گرانقدر خدمات انجام دیں اور آئندہ حکمرانوں کے لیے ایسا نمونہ چھوڑ گئے جو دوسروں سے برسوں میں ممکن نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ اس کا لحاظ رکھا کہ کسی امر میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمو تجاوز نہ ہونے پائے' گو عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے اثر سے اس کے تدارک کی ضرورت کم پیش آتی تھی' لیکن جہاں ادنیٰ شائبہ بھی نظر آتا تھا سختی کے ساتھ اس کا تدارک فرماتے تھے۔ جہاں تک فتوحات اور نظام خلافت میں وسعت کا تعلق ہے' خلیفہ ثانی کا زمانہ آپ کے زمانہ سے زیادہ مہتم بالشان تھا' لیکن یہ اسی بنیاد کا نتیجہ تھا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رکھ گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ہی جدید الاسلام عربوں نے جزیرۃ العرب میں شمع اسلام کو گل

کر دینا چاہا تھا اور قریب قریب سارا عرب مرتد ہو گیا تھا' جو قبائل اسلام پر قائم بھی تھے انہوں نے اسلام کے ایک رکن اعظم' زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جھوٹے مدعیان نبوت علیحدہ اسلام کو زیروزبر کر دینا چاہتے تھے۔ ان نازک حالات میں محض ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روشن ضمیری اور استقلال نے اسلام کی کشتی کو بھنور سے نکالا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ بھی منکرین زکوٰۃ پر تلوار اٹھانے کے خلاف تھے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استقلال نے بزور ان سے زکوٰۃ وصول کر کے انہیں اسلام پر دوبارہ قائم کیا۔

ملکی انتظام

چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی کام میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے اس لیے آپ کے زمانہ میں جملہ امور عہد رسالت کے نظام پر قائم رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ میں کسی نظام کے بدلنے کی بھی زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ تمام اہم امور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے انجام پاتے تھے۔ ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اہل الرائے اور فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز صحابہ' حضرت عمر' عثمان' علی' عبدالرحمٰن بن عوف' معاذ بن جبل' ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کی مجلس مشورت طلب کرتے تھے۔ [1]

جزیرۃ العرب کو جس کی اب تک کوئی تقسیم نہ تھی' البتہ انتظامی سہولت کے خیال سے مدینہ' مکہ' طائف' صنعاء' نجران' حضرموت' بحرین اور دومۃ الجندل مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

حکام کے انتخاب میں احتیاط اور ان کو مفید نصیحتیں

آپ حکام کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتتے تھے اور حکومت کے عہدوں کے لیے ان ہی بزرگوں کا انتخاب فرماتے تھے' جو درسگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ عہد رسالت کے تمام حکام کو ان کے عہدوں پر قائم رکھا' چنانچہ مکہ میں عتاب بن اسید' طائف پر عثمان بن ابی العاص' صنعاء پر مہاجر بن ابی امیہ اور زبید پر زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم حاکم تھے۔ نئے حکام کا انتخاب اسی اصول کے ماتحت کرتے تھے اور تقرر کے وقت انہیں نہایت مفید نصیحتیں فرماتے تھے۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ محصل صدقات کو یہ نصیحت فرمائی:

''جلوت وخلوت میں اللہ کا خوف رکھو' جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے ایسی سبیل

---

[1] طبقات ابن سعد ج۔۲' ق۲' ص ۱۰۹۔

اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا' جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے اور اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے' بیشک اللہ کے بندوں کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے' تم اللہ کی ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کے استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے' اس لیے سستی اور تغافل کو راہ نہ دینا''۔ ❶

یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کی مہم میں جاتے وقت یہ نصیحتیں فرمائیں:

اے یزید! تمہاری قرابت داریاں ہیں' شاید تم ان کو امارت سے فائدہ پہنچاؤ۔ درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اللہ اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا' یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا''۔ ❷

مالی انتظام

عہد صدیقی میں زکوٰۃ' عشر' جزیہ اور غنیمت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو گیا تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی خزانہ قائم نہیں کیا بلکہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی' اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو بلا تفریق آزاد و غلام' ادنیٰ و اعلیٰ' مرد اور عورت' عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے' چنانچہ خلافت کے پہلے سال دس دس درہم اسی اصول پر تقسیم کیے۔ دوسرے سال بیس بیس درہم۔ اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا تو فرمایا' فضل و منقبت اور شے ہے' اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں۔ ❸ آخر عہد خلافت میں بیت المال کے لیے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اسی لیے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں مقرر نہیں فرماتے۔ جواب دیا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔ ❹ اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کر دینے کے بعد بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے' اسی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا۔ ❺

---

❶ تاریخ طبری ج۔۴' ص۔۲۰۸۳۔ ❷ مسند احمد بن حنبل ج۔۱' ص۔۶۔
❸ ابن سعد ق۔ اول' ج۔۳' ص۔۱۵۱۔ ❹ ابن سعد ق۔ اول' ج۔۳' ص۔۱۵۱۔
❺ ابن سعد ق۔ اول' ج۔۳' ص۔۱۵۱۔

فوجی نظام

فوج کا بھی کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا' بلکہ عہد رسالت کی طرح ضرورت کے وقت مسلمان خود ہی جوش جہاد میں جمع ہو جاتے تھے۔ عہد صدیقی میں اتنا البتہ اضافہ ہوا کہ ضرورت کے لحاظ سے فوج کی تقسیم قبائل اور دستوں پر کر دی گئی۔ جن پر علیحدہ علیحدہ افسر ہوتے تھے اور ان سب پر ایک امیر العسکر ہوتا تھا' چنانچہ شام کی فوج کشی میں خالد بن ولید' یزید بن ابی سفیان' ابوعبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے علیحدہ علیحدہ دستے تھے اور سب کے امیر العسکر ابوعبیدہ تھے۔ فوجوں کو رخصت کرتے وقت ان کی اخلاقی نگہداشت کے لیے مفید ہدایات فرماتے تھے' چنانچہ شام کے افسران فوج سے یہ باتیں ارشاد فرمائیں:

''تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے' ان کو چھوڑ دینا' میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں' کسی عورت' بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا' پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا' کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا' کھانے کے سوا بکری اور اونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا' نخلستان نہ جلانا' مال غنیمت میں غبن نہ کرنا' بزدلی نہ دکھانا''۔ ❶

فوجی اخلاق کی اس سے بہتر اور جامع تعلیم آج بھی ممکن نہیں ہے۔

بیت المال کی آمدنی سے فوجی اخراجات کے لیے ایک رقم الگ نکال لیتے تھے جس سے اسلحہ اور بار برداری کے جانور خریدتے تھے۔ ❷ اور جہاد کے اونٹوں اور گھوڑوں کی پرورش کے لیے بعض چراگاہیں مخصوص کر دی تھیں۔ ❸

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ عہد رسالت میں ان کے حقوق متعین ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ان کو وہی حقوق حاصل رہے اور آپ نے ان کی تجدید و توثیق فرمائی اور نئے ذمیوں کو بھی وہی حقوق عطا فرمائے' چنانچہ حیرہ کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ یہ حقوق دیئے:

---

❶ تاریخ الخلفاء ص ۹۶۔ ❷ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۱۲۔ ❸ کنز العمال ج ۳' ص ۱۳۲۔

''ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کیے جائیں اور نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں سے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں' ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی اور نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے۔'' ❶

جزیہ کی شرح نہایت آسان تھی اور اس سے بھی بکثرت ذمی مستثنیٰ کر دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا اور اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت کا بیت المال ذمہ دار تھا۔ ❷

تحفظ دین

خلافت کا مقصد تحفظ دین اور اس کے احکام کا قیام ونفاذ ہے۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تحفظ دین میں بڑا اہتمام تھا۔ کوئی نئی بات جو عہد رسالت میں نہ تھی' نہ ہونے دیتے تھے' گو عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے اس کی ضرورت کم پیش آئی' لیکن جہاں اس کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا تھا' اس کا تدارک فرماتے۔ اس میں احتیاط کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کتابی صورت میں قرآن کی تدوین سے محض اس بنا پر تامل تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔ حدیثوں کی روایت میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے۔ تحفظ دین کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا محکمہ افتا قائم تھا۔

تدوین قرآن

عہد صدیقی کا ایک کارنامہ کتابی شکل میں قرآن مجید کی تدوین ہے۔ اس کا باعث یہ ہوا کہ عہد صدیقی کی لڑائیوں میں خصوصاً یمامہ کی جنگ میں حفاظ قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد شہید ہوگئی۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر حفاظ قرآن کی شہادت کا یہ سلسلہ قائم رہا تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جمع قرآن کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ عذر ہوا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اسے میں کس طرح کروں' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیہم اصرار سے آپ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آ گئی' چنانچہ آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو عہد نبوی میں کاتب وحی تھے' قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ان کو بھی اس بار گراں کے اٹھانے میں تامل ہوا' لیکن پھر ان کے ذہن میں بھی بات آ گئی' چنانچہ

---

❶ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف۔ ❷ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف۔

انہوں نے مختلف لکھے ہوئے اجزاء اور حفاظ قرآن کے سینوں سے قرآن کی سورتوں کو جمع کر کے کتابی صورت میں مدون کر دیا۔ [1]

اس روایت سے ایک عام غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں قرآن مرتب نہ تھا' یعنی اس کی آیات اور سورتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام رکھے گئے تھے۔ یہ کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انجام پایا' لیکن ایسا سمجھنا سراسر غلط ہے۔ قرآن کے احکام کی طرح اس کے آیات وسور کی ترتیب اور ان کے نام بھی الہامی ہیں اور حیات نبوی ﷺ میں قرآن کی پوری ترتیب ہو چکی تھی' موجودہ قرآن اسی ترتیب کے مطابق ہے۔ البتہ کتابی صورت میں پورا قرآن مدون نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہی کام ہوا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

> ''اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ﴿یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ [۹۸/البینۃ:۲] میں بیان فرما دیا ہے کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے۔ قرآن صحیفوں میں لکھا ہوا موجود تھا' لیکن اس کے اجزاء متفرق تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو جمع اور ایک جگہ کر دیا' جو ان کے بعد محفوظ رہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں میں بھیجے''۔ [2]

حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی بکثرت روایات ہیں کہ جب کوئی سورۃ' آیت یا حکم نازل ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کاتب وحی صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں کے بعد لکھا جائے اور جب ایک سورت ختم ہو جاتی تھی تو دوسری شروع ہوتی تھی' کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بیک وقت آیات نازل ہوتی تھیں' آپ انہیں مضمون اور معنی کی مناسبت سے مختلف سورتوں میں لکھواتے تھے۔ اس طرح قرآن کے نزول کے ساتھ آپ کی ہدایت کے مطابق آیات وسور کی ترتیب بھی ہوتی جاتی تھی۔ آپ کی نمازوں کے سلسلہ میں اس قسم کی بہت سی روایات ہیں کہ فلاں فلاں وقت کی نماز میں آپ نے فلاں فلاں سورتیں پڑھیں' اس سے معلوم ہوا کہ سورتوں کے نام بھی متعین ہو چکے تھے۔ اس سلسلہ میں بخاری کی یہ روایت عہد نبوی میں ترتیب قرآن کا نہایت بین ثبوت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال آپ کو ایک مرتبہ قرآن سنایا کرتے تھے اور وفات کے سال دو مرتبہ سنایا۔ [3] یہ مسلم ہے کہ آپ کی وفات سے پہلے پورا قرآن نازل ہو چکا تھا۔ اس لیے پورے قرآن سنانے کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ مرتب بھی تھا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس پورا قرآن جمع تھا اور وہ اس کا دور

---

[1] بخاری ج۔۲' باب جمع القرآن۔ [2] فتح الباری ج۔۹' ص۱۰۔
[3] بخاری باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی۔

کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے قرآن جمع کیا تھا اور اس کو ایک رات میں تمام کر دیتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ فرمایا تو بیس دن میں پڑھا کرو' میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی استطاعت ہے' فرمایا تو پندرہ دن میں پڑھا کرو' میں نے عرض کیا اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہوں' فرمایا تو دس دن میں' میں نے عرض کیا اس سے زیادہ کی قوت ہے' فرمایا تو سات دن میں پڑھا کرو' اس سے زیادہ نہیں۔ [1] اس روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پورا قرآن مرتب تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا دور کرتے تھے۔ حفاظ قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ اس قسم کی دو چار نہیں' معلوم نہیں کتنی روایتیں ہیں' لیکن ان کی تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقع نہیں۔

علمی کمالات

جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ اسرار شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے۔ قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ' جملہ اسلامی علوم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ قرآن پاک کے فہم و تدبر میں ایسا ذہن وقار اور نظر دقیق پائی تھی کہ ان کی نظر ان نکات تک بآسانی پہنچ جاتی تھی' جن کی طرف عام صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذہن بھی منتقل نہ ہو سکتا تھا۔ علم الانساب کے' جو عربوں کا بڑا ممتاز علم تھا' بڑے ماہر تھے اور ان کا شمار ان علمائے انساب میں تھا جو سارے عرب میں منتخب مانے جاتے تھے۔ [2] شعر و سخن سے ذوق تھا اور زمانہ جاہلیت میں شعر بھی کہتے تھے' لیکن اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے بعض اشعار نقل کیے ہیں۔ اگرچہ آپ کوئی زبان آور خطیب نہ تھے لیکن تقریر نہایت موزوں اور موثر ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شدت الم میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر جو بدحواسی طاری ہو گئی تھی اس کو آپ ہی کی تقریر نے دور کیا تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو آپ ہی کی تقریر نے ٹھنڈا کیا۔

سیرۃ الصدیق رضی اللہ عنہ

ذاتی حیثیت سے بڑے رقیق القلب' نرم خو' متواضع' خاکسار اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے۔ اسلام سے قبل بھی آپ کا دامن اخلاق مراسم جاہلی سے داغدار نہ ہوا۔ خلافت سے پہلے تجارت کرتے

---

[1] ابوداؤد کتاب الصوم باب فی کم یقرء القرآن۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۰۔

تھے۔ خلافت کی ذمہ داری کے بعد یہ شغل جاری نہ رہ سکا' چنانچہ بیت المال سے بقدر کفایت روزینہ مقرر کرا کے تجارت چھوڑ دی اور سارا وقت مسلمانوں کی صلاح وفلاح کی تدبیروں میں صرف کرنے لگے۔ رقیق القلب ایسے تھے کہ بات بات پر آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ محلّہ والوں تک کا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے اور پڑوسیوں کے مویشی تک چراتے اور ان کا دودھ دوھ دیتے۔ خلافت ملنے کے بعد ایک لڑکی کو' جس کی بکری کا دودھ دوھ دیا کرتے تھے' بڑی فکر ہوئی۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خلافت مجھ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی۔ زہد وعبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر راتیں قیام میں اور اکثر دن روزوں میں گزرتے تھے۔ خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں چوب خشک نظر آتے تھے۔ رقت اتنی طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ عبرت پذیری کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لیے دفتر عبرت تھا۔ کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے کاش! میں درخت ہوتا کہ آخرت کے خطروں سے محفوظ رہتا۔

چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو فرماتے' پرندو! تم خوش نصیب ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے اور درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے محاسبہ کا کوئی خطرہ نہیں' کاش ابوبکر تمہاری طرح ہوتا' بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے' یہاں تک کہ ''اواہ'' لقب ہو گیا تھا۔ [1]



[1] طبقات ابن سعد۔ ق۔ اول' تاریخ الخلفاء اور کنز العمال ج۔ ۶ میں اس قسم کے بکثرت واقعات ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

(۱۳ھ تا ۲۴ھ مطابق ۶۳۴ء تا ۶۴۵ء)

تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر گئے تھے' چنانچہ ان کی وفات کے بعد جمادی الثانی ۱۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے جانشین ہوئے۔ آپ کا نام عمر اور فاروق لقب ہے۔ آپ قریش کی شاخ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آٹھویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کا خاندان زمانہ جاہلیت میں بھی ممتاز تھا۔ قریش کے نظام میں سفارت اور فصل مقدمات کا عہدہ آپ ہی کے خاندان میں تھا۔ [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام سے قبل عرب کے مرغوب فنون میں سپہ گری اور خطابت سے بڑی دلچسپی تھی۔ معمولی نوشت وخواند سے بھی واقف تھے' معاش کا ذریعہ تجارت تھا۔ اسی سلسلہ میں دور دور کا سفر کر چکے تھے۔ ان سفروں نے بہت پختہ کار اور معاملہ فہم بنا دیا تھا' اس لیے سفارت کا خاندانی عہدہ ان کے متعلق ہوا اور قبائل میں جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آ جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے فہم و تدبر سے اس کو حل کرتے تھے۔ [2] ظہور اسلام کے وقت عمائد قریش کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اسلام ان کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم تھا' جس کا مجرم ہر سزا کا مستحق تھا' جو شخص نیا مسلمان ہوتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے دشمن ہو جاتے تھے اور اس کو ہر امکانی اذیت پہنچانے میں دریغ نہ کرتے' لیکن تھے بڑے عالی دماغ اور شکوہ و دبدبہ کے' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام کی بڑی آرزو تھی اور آپ ان کے اسلام کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ [3] یہ قدرت کا کرشمہ تھا کہ ۷ھ میں اسی دشمن اسلام کے بہن اور بہنوئی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اسی وقت بہنوئی کے یہاں جا کر بہن اور بہنوئی کو مارتے مارتے بے دم کر دیا لیکن ان کی زبان کلمہ حق سے نہ پھری۔ ان کا استقلال دیکھ کر دل نے کہا کہ اس دین میں ضرور کوئی بات ہے۔ چنانچہ بہنوئی سے قرآن سنانے کی خواہش کی' انہوں نے چند آیتیں سنائیں' یہ سحر آفریں آیات سن کر بے اختیار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پکار اٹھے۔ اس وقت کم و بیش چالیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ اب تک کسی نے اعلانیہ عبادت کرنے کی جرأت نہ کی تھی' بلکہ

---

[1] عقد الفرید باب فضائل عرب۔ [2] استیعاب ترجمہ عمر رضی اللہ عنہ۔ [3] ترمذی مناقب عمر رضی اللہ عنہ۔

بہتیرے اسلام کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو دفعتاً حالت بدل گئی۔ یہ کسی سے دبنے والے نہ تھے انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جرأت پر فاروق کا لقب عطا فرمایا۔ (1) گو دوسرے غریب مسلمانوں کی طرح عمر رضی اللہ عنہ کو عماد قریش نہیں ستا سکتے تھے پھر بھی جس حد تک ممکن تھا باز نہ رہے اور کئی سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی سختیاں جھیلتے رہے اور اذن ہجرت کے بعد انہوں نے ہجرت کی۔ مکہ چھوڑنے سے پہلے جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا' نماز ادا کی اور مشرکین سے برملا کہا جس میں جرأت ہو باہر میدان میں آئے۔ کسی نے ہمت نہ کی۔ (2) ہجرت کے بعد بدر واحد وغیرہ تمام بڑے بڑے معرکوں میں شریک رہے۔ جنگ بدر میں اپنے اعزہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ غزوۂ تبوک میں آدھا مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔ (3) غرض قبول اسلام کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح انہوں نے بھی اپنی جان اور اپنا مال اسلام پر نثار کر دیا۔ ان کی جرأت و شجاعت اور جانثاری سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ ایثار و قربانی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا ہی درجہ تھا۔ ان کی جانثاری و فداکاری اور خدمات اسلامی کی بنا پر ان کو بارگاہ نبوی میں جو تقرب و اختصاص حاصل تھا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی صحابی کو نہ تھا' آپ فرماتے تھے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔ (4)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کے فتنہ کو دبانے میں آپ کی کوشش کو بڑا دخل حاصل ہے۔ آپ ہی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اختلاف کا خاتمہ کیا۔ عہد صدیقی کے جملہ مہمات امور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاص مشیر اور دست راست رہے۔ ان کے ان گوناگوں فضائل اور اوصاف کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وفات کے وقت ان کو اپنا جانشین مقرر کر گئے۔

خلافت

گو صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تدبر' ان کی صداقت و حق پرستی اور ان کی اہلیت مسلم تھی' لیکن ان کے مزاج کی سختی کی وجہ سے جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی' لوگ کسی قدر ڈرتے تھے' چنانچہ استخلاف کے وقت بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا' لیکن انہوں نے ان کے شبہات دور کر کے مطمئن کر دیا اور تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

---

(1) یہ واقعات انساب الاشراف بلاذری ج۔ اول' طبقات ابن سعد ج اول قسم اول و اسد الغابہ تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہیں۔ (2) زرقانی جلد اول ص ۲۷۱۔ (3) یہ واقعات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔
(4) مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل عمر۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ جمادی الثانی ۱۳ھ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ [1]

عراق کی مہم اور فتوحات

آپ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ اس لیے تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ان مہموں کی طرف توجہ کی۔ آپ کی بیعت کے سلسلہ میں عرب کے تمام حصوں کے مسلمان مدینہ آئے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کے سامنے جہاد پر تقریر کر کے ان کو ایران کی مہم میں شرکت کے لیے ابھارا' لیکن ایک شخص نے بھی آمادگی ظاہر نہ کی۔ آپ کئی دن تک مسلسل جوش دلاتے رہے۔ آخر میں مسلمانوں میں حرارت پیدا ہوگئی اور بنی ثقیف کے سردار ابوعبید ثقفی نے اٹھ کر اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کیا۔ ان کی پیش قدمی پر ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں اور تمام مسلمان شرف جہاد حاصل کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا۔ عراق کی گذشتہ معرکہ آرائیوں نے ایرانیوں کو بہت ہوشیار کر دیا تھا۔ اس لیے انہوں نے بھی از سر نو فوجی تنظیم کی' بوران دخت نے خراسان کے نامور مدبر اور مشہور بہادر رستم کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران میں آگ لگا دی اور پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے ہمہ تن جوش بن گئی اور چند دنوں کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیل گئی اور عراقی اضلاع مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے۔ جدید فوجی تنظیم کے سلسلہ میں بوران دخت نے ایران کے دو نامور بہادروں نرسی اور جابان کو رسم کی امداد پر مامور کیا تھا۔ یہ دونوں فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے نکل چکے تھے۔ دوسری طرف سے ابوعبید آ رہے تھے۔ مقام نمارق میں ان کا اور جابان کا مقابلہ ہوگیا' ابوعبید نے اسے نہایت فاش شکست دی۔ اس کے دو ممتاز افسر مارے گئے اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا' لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا۔ اس لیے جابان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کر لی' بعض مسلمانوں نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کر لیا' لیکن ابوعبید نے یہ کہہ کر کہ جس کو ایک مسلمان رہا کر چکا ہے اس سے بدعہدی نہیں کی جاسکتی چھڑا دیا' [2] جابان کو شکست دینے کے بعد ابوعبید آگے بڑھے اور مقام سقاطیہ میں دوسرے افسر نرسی کو بھی نہایت فاش شکست دی' اس کی شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب و جوار کے ایرانی امرا نے اطاعت قبول کر لی۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو ابن سعد جلد اول حالات استخلاف عمر رضی اللہ عنہ۔ [2] اخبار الطوال دینوری ص ۱۲۱۔

ان پیہم شکستوں کی خبر سن کر رستم نے مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا اور ایرانیوں کا مقدس علم درفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا' ساتھ کر دیا۔ مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجیں اتاریں۔ دوسری طرف مسلمان تھے۔ ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا' لیکن ابوعبید رضی اللہ عنہ جوش جہاد میں ایسے مخمور تھے کہ دوسرے مسلمان امرا کے اختلاف رائے کے باوجود فرات کو عبور کر کے اس پار چلے گئے' دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ مسلمان جس میدان میں اترے تھے وہ نہایت ناموزوں تھا' ایرانی فوج میں دیو پیکر ہاتھی تھے جن سے عربی گھوڑوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا اس لیے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک گئے اور مسلمانوں کو پیدل ہو جانا پڑا۔ گھوڑوں سے اتر کر انہوں نے ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو گرانا شروع کیا' ابوعبید رضی اللہ عنہ نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا' لیکن وار خالی گیا اور ہاتھی نے ان کو سونڈ میں لپیٹ کر پیروں کے نیچے مسل ڈالا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہی مسلمان پسپا ہو گئے' لیکن جگہ بہت کم تھی۔ آگے ایرانی تھے اور پیچھے دریا۔ اس لیے پسپائی میں کئی ہزار مسلمان پانی میں غرق ہو گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکلوں سے تین ہزار جانیں بچائیں۔

واقعہ بویب ۱۴ھ اور ایرانیوں کی شکست

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سنی تو آپ کو مسلمانوں کی جانوں کی بربادی کا سخت قلق ہوا۔ آپ نے اس کے انتقام کے لیے پرجوش خطبوں سے عربوں میں آگ لگا دی۔ عیسائی عرب بھی قومیت کے جوش میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک تازہ دم فوج محاذ جنگ پر روانہ کی۔ دوسری طرف مثنیٰ نے اپنے طور پر سرحدی قبائل کی علیحدہ ایک فوج تیار کر لی تھی۔ بوران دخت کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو اس نے مہران بن جاذویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مسلمان بویب خیمہ زن تھے اس لیے مہران سیدھا بویب آیا اور فرات کو عبور کر کے اس کے پار صف آراء ہوا۔ مسلمان پہلے سے تیار تھے۔ دونوں میں نہایت سخت مقابلہ ہوا' گذشتہ جنگ میں جن مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے وہ اس کی تلافی میں بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجہ شہادت حاصل کیا۔ مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو لے کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے۔ اس ریلے میں بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کر دیا۔ مثنیٰ فرات کے پل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہ تیغ کر دیا۔ اس معرکہ کے بعد مسلمان سارے عراق میں پھیل گئے۔

ایرانیوں کا جوش

اس شکست اور ایرانی فوجوں کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو ایرانیوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ انہوں نے بوران دخت کو تخت سے اتار کر سترہ سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سر نو فوجی انتظامات کر کے چند دنوں میں تمام قلعوں اور چھاؤنیوں کو جنگی سامانوں سے بھر دیا۔ ان انتظامات کے ساتھ ہی سازش کر کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت پھیلا دی۔ اس بغاوت میں بہت سے علاقے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے اور مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے اور فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال کی اطلاع بھجوائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تیاریاں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے تمام عرب کے نامور بہادروں' رئیسوں' خطیبوں اور اہل الرائے اشخاص کو مدینہ طلب کیا۔ آپ کی دعوت پر سارا عرب امنڈ آیا۔ انہیں ساتھ لے کر آپ نے بنفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا مگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی کہ آپ کا دارالخلافہ چھوڑنا مناسب نہیں۔ [1] اس لیے آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جو بڑے رتبے کے صحابی تھے اور عہد رسالت میں بڑے کارہائے نمایاں کر چکے تھے' سپہ سالار اعظم مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ ایران روانہ کیا اور چلتے وقت بڑی بیش قیمت نصیحتیں کیں۔ اس فوج میں ستر بدری صحابی' تین سو بیعت رضوان کے جانثار' اسی قدر فتح مکہ میں شریک ہونے والے اصحاب اور اتنے ہی صحابہ زادے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تجارت کے سلسلہ میں سارے عراق کا سفر کر چکے تھے اور یہاں کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔ اس لیے فوج کی نقل و حرکت' اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی سب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فوج کی تنظیم اور پیش قدمی کے متعلق مختلف مفید ہدایات بھیجیں۔ [2] شراف کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کا پورا نقشہ بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق ہدایات بھیجیں۔ [3] اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغ اسلام کے لیے دربار ایران بھیجا جائے۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۶۴۔ [2] طبری ج ۴' ص ۲۲۲۳' ۲۲۲۹۔ [3] طبری جلد ۴' ص ۲۰۳۹۔ ۲۲۳۰۔

اسلامی سفارت

اس حکم پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے میدان میں مورچہ بندی کی اور اشعث بن قیس کندی کو چند آدمیوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے ایرانی لشکر میں بھیجا۔ انہوں نے جا کر اسلام پیش کیا' رستم نے پوچھا تم کس ارادے سے آئے ہو؟ مسلمانوں نے جواب دیا یزدگرد کے! دونوں میں گفتگو ہوئی۔ آخر میں مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے نبی کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمہاری زمین پر قابض ہوں گے' رستم نے ان کی تحقیر کے لیے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ لو ہماری زمین میں تمہارا یہ حصہ ہے۔ عمرو بن معدی کرب یہ خاک دامن میں لے کر لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کے ملک پر قبضہ کے لیے یہ فال نیک ہے' رستم کے بعد لوگوں نے یزدگرد کے پاس جا کر اسلام پیش کیا' اس نے جوش غضب میں کہا اگر سفیروں کو قتل کرنا ناجائز نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی گردن سلامت نہ لے جا سکتا اور رستم کو سخت تنبیہ کی کہ اس نے انہیں کیوں آنے دیا۔ [1] رستم کو مسلمانوں کا پورا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ جنگ سے بچنے کے لیے حیلے ڈھونڈتا تھا' چنانچہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا اور قادسیہ پہنچنے کے بعد اس نے پھر کوشش کی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ گفتگو کے لیے دوبارہ آدمی بھیجیں' انہوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو چند آدمیوں کے ساتھ بھیجا' رستم نے انہیں مرعوب کرنے کیلئے بڑے ٹھاٹھ کا دربار آراستہ کیا' مغیرہ اس شان سے تھے کہ تلوار بھی قرینہ نہ تھی' نیام کی بجائے چیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے' اسی شان سے دربار میں داخل ہوئے' دونوں میں بڑی طویل گفتگو ہوئی' آخر رستم نے انہیں طمع دلائی کہ غالباً تم لوگ معاش کی تنگی اور پریشان حالی کی وجہ سے جنگ کے لیے نکلے ہو' ہم تم کو اتنا دینے کے لیے تیار ہیں۔ مغیرہ نے جواب دیا کہ بیشک ہم بھوکے تھے' لیکن اللہ نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث فرمایا' جس کے اتباع سے ہماری بدبختی خوش بختی سے بدل گئی۔ اس نے ہم کو اپنے معاندین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے' اس لیے ہم تم کو ایک اللہ کی پرستش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر اسے قبول کرتے ہو تو فبہا' ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی' یہ سن کر رستم جوش غضب سے بھر گیا اور کہا آفتاب و مہتاب کی قسم کل طلوع صبح سے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دوں گا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ) کہتے ہوئے لوٹ آئے۔ [2]

قادسیہ کی جنگ

اس گفتگو کے بعد ہی فوجوں کو تیاری کا حکم دے دیا اور راتوں رات ایرانی فوجیں مرتب ہو گئیں۔ صبح ہوتے ہی قادسیہ کے میدان میں ہر طرف ایرانی فوجوں کا سمندر موجزن تھا۔

---

[1] بلاذری ص ۲۶۶۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۶۵'۲۶۶۔

مسلمان پہلے سے تیار تھے' محرم ۱۴ھ میں فریقین صف آراء ہوئے' عین اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو عرق النساء کا دورہ ہوا اور وہ نقل وحرکت سے مجبور ہو گئے' اس لیے اپنی جگہ خالد بن عرفطہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل میں جہاں سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا' ٹھہر گئے اور یہیں سے لڑائی کا رنگ دیکھ کر احکامات بھیجتے رہتے تھے۔ بعد نماز ظہر جنگ کا آغاز ہوا اور رات کی تاریکی تک نہایت گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جو یوم ارماث کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان کا رن پڑا۔ عین لڑائی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچ گئی اور اس کے ساتھ ہی سفراء ممتاز بہادروں کے لیے تحائف لائے اور میدان جنگ میں اعلان کیا کہ امیر المؤمنین نے ان بہادروں کیلئے یہ تحائف بھیجے ہیں جو اپنے آپ کو ان کا مستحق ثابت کریں۔ اس امتیاز کے حصول کیلئے مسلمانوں نے جانیں لڑا دیں اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ رات کی تاریکی میں دونوں الگ ہوئے۔ اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی فوج کام آئی' اس کے بڑے بڑے نامور ممتاز افسر مارے گئے۔ دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی ہو گئی۔ اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے۔ رات گزرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا' یہ دونوں گذشتہ معرکوں سے زیادہ ہیبت ناک تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان رساں کوہ پیکر ہاتھیوں کی صفیں تھیں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بدکتے تھے' مسلمانوں نے گھوڑوں پر جھولیں ڈال کر ان کا جواب پیدا کیا۔ لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیوں کی قطار جدھر رخ کر دیتی تھی۔ صف کی صف درہم برہم ہو جاتی تھی۔ یہ صورت دیکھ کر چند جانباز مسلمان نیزے لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور تاک تاک کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں' قعقاع رضی اللہ عنہ نے سفید نشان کے ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہو گئی اور جھرجھری لے کر بھاگا۔ اسے دیکھ کر اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور یہ دیوار آہن ٹوٹ گئی' اس کے بعد مسلمانوں کو کھل کر قوت آزمائی کا موقع ملا اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا' اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ تلواروں کی کھچا کھچ' نعروں کی گونج اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے سوا اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ دن بھر ہنگامہ کا بازار گرم رہا۔ رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی۔ دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا۔ رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کرتا رہا' لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگا۔ راستہ میں ایک ندی تھی' اس میں کود کر نکل جانا چاہا مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب میں تھا' ندی سے نکال کر قتل کر دیا' اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی

فوجوں نے میدان چھوڑ دیا۔ اس معرکہ میں بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ گو اس کے بعد عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا لیکن ایرانیوں کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی خوشخبری سنائی۔ جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت بے چینی کے ساتھ خبروں کا انتظار رہتا تھا اور آپ قاصد کے انتظار میں روزانہ مدینہ سے باہر نکل جاتے تھے۔ اس لیے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا' اس سے حالات پوچھے' وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا' اس لیے وہ سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے' اسی حالت میں دونوں شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں اس کو معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین یہی ہیں' اس وقت وہ سراسیمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں' تم حالات بیان کرتے جاؤ۔ زبانی حالات سننے کے بعد مسلمانوں کو جمع کر کے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا خط انہیں سنایا اور حسب ذیل تقریر کی:

''مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں' میں خود اللہ کا غلام ہوں' البتہ خلافت کا بوجھ میرے اوپر ڈالا گیا ہے' اگر میں اس طرح تمہاری خدمت کر سکتا کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر میں سوؤ تو میرے لیے عین سعادت ہے' اگر میں خواہش کروں کہ تم میرے دروازے پر حاضری دیا کرو تو میری بدبختی ہے۔ اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہوگی اور غم زیادہ۔'' [1]

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ

قادسیہ کی شکست کے بعد ایرانیوں نے بابل میں اجتماع کیا تھا' اس لیے قادسیہ میں دو مہینہ قیام کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بابل روانہ ہو گئے' لیکن قادسیہ کی جنگ نے ایرانیوں کی قوت بہت کمزور کر دی تھی۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور وہ ان کو شکست دے کر بابل' کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے' بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو مدائن پر حملہ کرنے سے روکنے کے لیے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیاں روک دی تھیں' اس لئے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اللہ کا نام لے کر دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا' انہیں دیکھ کر پوری فوج دجلہ میں اتر گئی اور نہایت اطمینان کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی پار پہنچ گئی۔ ایرانی دور سے یہ

[1] یہ پوری تفصیل طبری سے ملخصاً ماخوذ ہے دیکھو جلد۔ ۵' ص۔ ۲۳۳۵' ۲۳۶۸۔

حیرت انگیز منظر دیکھتے تھے اور متحیر تھے۔ جب مسلمان کنارہ پر پہنچ گئے تو متحیر ایرانی ''دیوان آمدند، دیوان آمدند'' کہہ کر بھاگ نکلے' ایک افسر نے معمولی سی مزاحمت کی۔ لیکن مسلمانوں نے اسے مغلوب کر لیا۔ یزدگرد پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صفر ۱۶ھ میں مدائن میں داخل ہو گئے۔ جمعہ کا وقت قریب تھا' ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمین عراق میں پڑھا گیا۔ مدائن کے خزانہ میں صدیوں کی دولت اور زر و جواہر کے علاوہ سلاطین عجم کے نادرہ روزگار عجائبات اور نایاب یادگاریں جمع تھیں۔ یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ بھجوا دیئے۔ ان نوادر میں نوشیروان کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص مخلم کو پہنایا گیا' جس وقت اس نے اسے پہنا' جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور انقلاب دہر کا عجیب عبرت ناک منظر سامنے آ گیا' فرش بہار سلاطین عجم کا قدیم تاریخی فرش تھا' اس پر وہ بہار کے موسم میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ اس میں اس عہد کی ساری ثنائیاں صرف کر دی گئی تھیں' بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے' سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جائے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصرار سے حکومت ایران کی طرح اس فرش بہار پر بھی خزاں آ گئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا گیا۔ [1]

جلولاء کا معرکہ

مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیوں نے جلولاء کو مرکز بنایا اور رستم کے بھائی خزراد نے یہاں ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستوں پر گوکھرو بچھوا دیئے' اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ اور قعقاع رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولاء بھیجا۔ انہوں نے اس کا محاصرہ کر لیا' لیکن اولاً جلولاء خود نہایت مستحکم شہر تھا' دوسرے یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجیں بھیج رہا تھا اس لیے کئی مہینے لگ گئے لیکن ہاشم نے عہد کر لیا تھا کہ بغیر فتح کیے ہوئے نہ ٹلیں گے۔ بالآخر کئی مہینے کی لڑائیوں کے بعد قعقاع رضی اللہ عنہ کی شجاعت سے جلولاء فتح ہو گیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔

حلوان پر قبضہ

www.KitaboSunnat.com

[1] طبری نے ان نوادر روزگار اشیا کی پوری تفصیل لکھی ہے دیکھو جلد۔ ۵' ص۔ ۲۴۵۰ و مابعد۔

یزدگرد اس وقت حلوان میں تھا۔ اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان چھوڑ کر رے بھاگ گیا۔ اس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاع رضی اللہ عنہ یہاں پہنچے اور خسرو شنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا اور عام منادی کرا دی کہ ''جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کریں گے ان کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا'' اس اعلان کے بعد بہت سے امرا دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جلولاء عراق کا آخری مقام تھا اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔

جزیرہ

عراق کے زیر نگین ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے قدم بڑھانا نہیں چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک حائل ہوتی کہ نہ وہ (ایرانی) ہم پر حملہ آور ہو سکتے اور نہ ہم ان پر' مال غنیمت کے مقابلہ میں مجھ کو مسلمانوں کی جان زیادہ عزیز ہے۔ [1] مگر عراق ہاتھوں سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہیں کر سکتے تھے۔ اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا۔ پہلے صرف حکومت کا مقابلہ تھا' لیکن عراق نکل جانے کے بعد پوری قوم مقابلہ میں آ گئی اور اہل جزیرہ نے جن کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی تکریت میں نہایت زبردست اجتماع کیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایران پر فوج کشی کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیالات معلوم تھے اس لیے انہوں نے ان کو حالات لکھ بھیجے۔ ان حالات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی بجز مقابلہ کے کوئی چارۂ کار نہ تھا اس لیے آپ نے عبداللہ بن غنم رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا۔

تکریت پر قبضہ

اس حکم پر وہ ۱۶ھ میں پانچ ہزار فوج لے کر تکریت پہنچے اور اس کا محاصرہ کر کے چالیس دن تک برابر حملے کرتے رہے' لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے اس لیے کامیابی نہ ہوتی تھی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عربوں کے پاس خفیہ نامہ و پیام بھیج کر انہیں ملا لیا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو عقب سے عرب بھی حملہ آور ہو گئے اور ایرانی دو پاٹوں کے درمیان پڑ کر پس گئے اور تکریت پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد چند دنوں تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی۔ ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو مامور کیا۔ انہوں نے جزیرہ بھر میں فوجیں پھیلا دیں اور معمولی لڑائیوں کے بعد رقہ' حران' نصیبین' میافارقین' سمساط' سروج اور قرقیسیا وغیرہ فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین کر لیا۔

---

[1] طبری جلد۔ ۵' ص ۲۴۶۴۔

خوزستان

عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ قائم رکھنے کے لیے یہاں ایک اسلامی شہر بصرہ آباد ہو چکا تھا۔ اس کا سرحدی علاقہ خوزستان اب تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس لیے بصرہ کی حفاظت کے لیے خوزستان پر قبضہ کرنا ضروری تھا' چنانچہ ۱۶ھ میں بصرہ کے والی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اہواز پر حملہ کر کے یہاں کے والی ہرمز کو مطیع بنایا لیکن چند دنوں کے بعد وہ پھر باغی ہو گیا۔ اس وقت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی تھے۔ انہوں نے ہرمز کو شکست دے کر اہواز پر مستقل قبضہ کر لیا۔ اہواز کے بعد سوس فتح کیا۔ سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ کیا۔ اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کر لی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کو دیکھ کر امیر ہرمزان نے یزدگرد کی خدمت میں جا کر درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے متعلق کر دی جائے تو عربوں کو آگے بڑھنے سے روک دوں گا' یزدگرد نے منظور کر لی اور اس کو اہواز اور فارس کی حکومت کا پروانہ دے کر ایک فوج بھی اس کے ساتھ کر دی۔ یہ پروانہ لے کر ہرمزان شوستر آیا اور جنگی استحکامات درست کر کے ایک عظیم الشان فوج تیار کر لی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کی تیاریوں کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دے کر مزید مدد مانگی۔ آپ نے فوراً عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی کوفہ کو حکم بھیجا کہ وہ کوفہ کی فوجیں لے کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کو روانہ ہو جائیں۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی تھوڑی سی فوج لے کر آ گئے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے۔ ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ انہیں روکا۔ بہت سے مسلمان کام آئے لیکن آخر میں وہ پسپا ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا' عرصہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا۔ اس کے ذریعہ سے ایک مسلمان خفیہ راستہ سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا اور تھوڑے سے مسلمانوں کو لے کر تہہ خانہ کے ذریعہ سے شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے' مسلمان باہر منتظر تھے۔ شہر کے دروازے کھلتے ہی گھس پڑے۔ ہرمزان نے قلعہ میں پناہ لی اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجا کہ میں اس شرط پر نکل آؤں گا کہ مجھے عمر کے پاس بھجوا دیا جائے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے منظور کر لیا اور ہرمزان مدینہ پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ [1] شوستر کے بعد جندیسابور فتح ہوا اور خوزستان کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۲' ص ۲۱۳۔

عراق عجم پر فوج کشی اور نہاوند کا معرکہ

یزدگرد اس وقت مرو میں تھا' یہیں اسے خبر ملی کہ خوزستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور اس کا قوت بازو ہرمزان بھی گرفتار ہو گیا ہے۔ اب تک ایرانی سمجھتے تھے کہ عربوں کا سیلاب سرحد پر آ کر رک جائے گا۔ لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو نظر آیا کہ یہ سیلاب سارے ایران کو بہا لے جائے گا۔ اس لیے انہوں نے یزدگرد کو آمادہ کیا۔ اس نے ایران کے تمام چھوٹے چھوٹے ماتحت فرمانرواؤں کو مدد کے لیے لکھا' وہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے اور ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہو گئی۔ [1]

یزدگرد نے ایران کے مشہور بہادر مردان شاہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا اور ایران کا تاریخی علم درفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا' ساتھ کر دیا' کوفہ کے گورنر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ آپ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ خود جائیں گے تو اندرون عرب بغاوت بپا ہو جائے گی۔ آپ تمام ممالک محروسہ کی ایک ایک تہائی فوج کو ایک مرکز پر جمع ہونے کا حکم دیجئے۔ اس مشورہ پر آپ نے فوجیں جمع کر کے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا۔ انہوں نے نہاوند پہنچ کر چند میل ادھر منزل کی' مردان شاہ پہلے سے موجود تھا' اس نے پہلے صلح کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے مسلمان سفراء بلا بھیجے۔ نعمان نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ مردان شاہ نہایت ٹھاٹھ سے سر پر زرنگار تاج رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا' درباری چپ راست تلواریں اور نیزے لگائے کھڑے تھے جن کی چمک سے نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ مغیرہ نے کوئی توجہ نہ کی اور ایک شان بے نیازی کے ساتھ گھستے ہوئے چلے گئے۔ راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا سفراء کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا کہ اہل عرب! دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت' فاقہ مست اور نجس و ناپاک قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم ہو' ہماری سپاہ کبھی کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ ہم اپنے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے۔ اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا' ورنہ تمہاری نعشیں خاک وخون میں تڑپتی نظر آئیں گی۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حمد ونعت کے بعد جواب دیا' تمہارا جیسا خیال ہے بیشک ہم ایک زمانہ میں ایسے ہی تھے' لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اس نے ہم سے دنیا میں نصرت وفتح اور آخرت میں جنت کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۳۔

وعدہ کیا اور اس وقت سے برابر فتح و نصرت ہمارے رکاب میں ہے۔ اس لیے اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جا سکتے جب تک تمہارے ملک کو فتح نہ کر لیں یا ہماری لاشیں نہ تڑپیں۔ [1] غرض مردان شاہ کی نخوت سے یہ سفارت ناکام رہی اور اس کی واپسی کے بعد جنگ چھڑ گئی اور ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ عجم کی لڑائیوں کے سلسلہ میں قادسیہ کے علاوہ ایسی جنگ نہ ہوئی تھی' مسلمان نہایت ثبات و پامردی سے لڑے' ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گرے' زخم مہلک تھا لیکن انہوں نے منع کر دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی ان کی جانب متوجہ نہ ہو۔ چنانچہ ان کے گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی اور اسی زور و شور کے ساتھ جنگ جاری رہی۔ رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے مسلمانوں نے ہمدان تک ان کا تعاقب کر کے ہزاروں ایرانیوں کو تہ تیغ کر دیا' اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر اس سروسامان کے ساتھ کبھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ آ سکے۔ عرب مؤرخین اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اختتام جنگ کے بعد معقل رضی اللہ عنہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے نیم جان لاشہ کے پاس پہنچے' کچھ کچھ جان باقی تھی۔ اس حالت میں بھی زبان سے نکلا ''مسلمانوں کا کیا انجام ہوا'' جواب ملا ''اللہ نے فتح دی'' فرمایا ''الحمد اللہ عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دو'' [2] یہ مژدہ سن کر جان' جان آفرین کے سپرد کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مہینوں سے بے قراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا۔ عین اس حالت میں قاصد کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لیے ہوئے پہنچا۔ فتح کا مژدہ سن کر آپ کو بڑی مسرت ہوئی لیکن جب نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے اور جواہرات فروخت کر کے فوج میں تقسیم کرا دیئے۔

ایران پر عام لشکر کشی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرزمین ایران کی طرف نہ بڑھنا چاہتے تھے' لیکن عراق نکل جانے کے بعد سے ایرانی چین سے نہ بیٹھے تھے اور وہ برابر فوجیں جمع کر رہے تھے۔ مفتوحہ علاقوں میں بار بار بغاوت کرا دیتے تھے' یزدگرد مرو میں بیٹھا ہوا آئے دن فتنے اٹھاتا رہتا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا تردد تھا اور آپ ان بغاوتوں کو مسلمانوں کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے چند مسلمانوں کے سامنے جو عجم کی مہمات میں شریک تھے' اس کا اظہار بھی کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان

---

[1] طبری ج ۵ ص ۲۶۰۲۔ [2] فتوح البلدان ص ۳۱۱' ۳۱۳۔

ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں' اس لیے وہ باغی ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس کی تردید کی' احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المؤمنین! اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک بڑھنے سے روک دیا ہے اور اس کا بادشاہ ملک میں موجود ہے' جب تک وہ باقی رہے گا' اس وقت تک وہ برابر غدر کرتے رہیں گے اس لیے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ ان کا بادشاہ ان کو بھڑکاتا رہتا ہے' جب تک ہم کو اندرون ملک فوج کشی کر کے ان کے بادشاہ کے استیصال کی اجازت نہ ملے گی اس وقت تک یہ صورت قائم رہے گی۔ جب تک وہ بادشاہ سے مایوس نہ ہوں گے اس وقت تک خاموشی سے نہ بیٹھیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احنف کی دانشمندانہ رائے بہت پسند کی اور اسی وقت ایران پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا تھا۔ [1] اس کے کچھ دنوں بعد ۱۹ھ میں آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے' اس وقت تک یہ فتنہ وفساد ختم نہ ہوگا۔ اس مشورہ کے بعد آپ نے ایران پر عام فوج کشی کا فیصلہ کیا اور ایران کے مختلف حصوں کے لیے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کیے۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا خراسان کی مہم جہاں یزدگرد مقیم تھا' سپرد ہوئی' اردشیر اور سابور کا علم مجاشع بن مسعود کو' اصطخر کا عثمان بن ابی العاص کو' فسا کا ساریہ بن زنیم کنانی کو' کرمان کا سہیل بن عدی کو' سیستان کا عاصم بن عمر کو' مکران کا حکم بن عمیر کو' آذربائیجان کا عتبہ بن فرقد کو عطا ہوا۔ یہ لوگ ۲۱ھ میں اپنی اپنی مہموں پر روانہ ہوئے۔ ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر متعدد افسروں کو مامور کیا۔

اصفہان

اس سلسلہ میں سب سے اول عبداللہ بن عبداللہ نے ۲۱ھ میں اصفہان پر فوج کشی کی' یہاں کا رئیس اسبیدان سواد اصفہان میں فوجیں لیے موجود تھا۔ مقدمۃ الجیش کی کمان ایک پرانے اور تجربہ کار بہادر شہریار کے ہاتھوں میں تھی' عبداللہ کے پہنچنے کے ساتھ دونوں میں ایک خونریز معرکہ ہوا۔ شہریار نے مبارزطلبی کی' عبداللہ مقابلہ میں آئے۔ شہریار مارا گیا' اس کے قتل ہوتے ہی جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور اسبیدان نے صلح کر لی۔

ہمدان کی بغاوت

نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ ہمدان فتح کر چکے تھے۔ ۲۲ھ میں یہاں بغاوت ہوئی' نعیم نے بغاوت

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱۳۔

فروکر کے خاص شہر ہمدان کا محاصرہ کیا' اہل ہمدان نے صلح کر لی لیکن اس کے بعد ہی دیلم' رے اور آذربائیجان کے رؤسا' ابوالنصر خان اور اسفندیار اپنی اپنی فوجیں لے کر اہل ہمدان کی مدد کو پہنچ گئے' نعیم کو خبر ہوئی تو مقابلہ کے لیے نکلے' وادی رود میں نہایت خونریز جنگ ہوئی' ایرانیوں نے شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی۔ اسی سنہ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے قزوین اور زنجان فتح کیے۔

رے وغیرہ کی فتح

وادی رود کے معرکہ کے بعد نعیم بن مقرن رضی اللہ عنہ پہنچے۔ یہاں کے حاکم سیاوش نے جو بہرام چوبیں کا پوتا تھا' طبرستان' قومس اور جرجان کے امرا سے مدد طلب کی۔ یہ سب اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچے۔ رے کا ایک رئیس زینبی جو سیاوش سے کسی بات پر برہم تھا' نعیم سے مل گیا اور حسن تدبیر سے رے پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دیا۔ یہاں قریب قریب مدائن کے برابر مال غنیمت ملا' اس خدمت کے صلہ میں نعیم نے زینبی کو رے کی حکومت عطا کی اور یہیں سے اپنے بھائی سوید کو بھیج کر قومس پر قبضہ کرایا۔

طبرستان

قومس کے بعد ہی طبرستان کی سرحد شروع ہو جاتی ہے' اس لیے اب طبرستان کا نمبر تھا لیکن مسلمانوں کی پیش قدمی سے پہلے ہی سرحدی علاقے کے باشندوں نے خود پیش قدمی کر کے صلح کر لی۔ اندرونی علاقہ اس صلح میں شامل نہ تھا' اس لیے نعیم اندرون ملک جرجان کی طرف بڑھے اور بسطام پہنچ کر جرجان کے حاکم زرنان سے نامہ و پیام کیا' اس نے جزیہ قبول کر کے صلح کر لی۔ اس مصالحت کی خبر سن کر صوبہ طبرستان کے رئیس اصبہند نے بھی اطاعت قبول کر لی اور ۲۲ھ میں طبرستان کا پورا علاقہ مطیع ہو گیا۔

آذربائیجان

اوپر گزر چکا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن فرقد کو آذربائیجان کی مہم پر مامور کیا تھا۔ بکیر بن عبداللہ ان کے شریک تھے۔ یہ دونوں ۲۲ھ میں آذربائیجان کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ بڑھے۔ کوہستان جو میدان میں آذربائیجان کے حاکم اسفندیار کا جو وادی رود کی مہم سے ناکام واپس آ رہا تھا' بکیر بن عبداللہ کا سامنا ہوا' اسفندیار چونکہ شکست خوردہ آ رہا تھا اس لیے بکیر نے اسے دوبارہ آسانی سے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اس کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے بکیر سے پوچھا کیا چاہتے ہو' صلح یا جنگ؟ بکیر نے جواب دیا صلح' اسفندیار نے کہا اگر صلح چاہتے ہو تو مجھے اپنے پاس رو کے رکھو'

بکیر نے روک لیا۔ اسی درمیان میں عتبہ بن فرقد نے بھی اپنی سمت فتح کر لی اور بکیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے باب کی مہم میں مدد دینے کے لیے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اسفندیار کا بھائی بہرام عقب کی طرف سے بڑھا لیکن عتبہ نے شکست دے دی۔ اس کے شکست کھانے کے بعد اسفندیار نے جو عتبہ کے پاس تھا' کہا کہ اب جنگ ختم ہوگئی اور عتبہ سے مصالحت کر لی۔ اس طرح آذربائیجان کا پورا علاقہ صلحاً مطیع ہو گیا۔ یہ طبری کا بیان ہے۔ [1] بلاذری کے بیان کے مطابق آذربائیجان کو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔

آرمینیہ

آذربائیجان کے بعد آرمینیا کا علاقہ تھا' اس پر شام کی فوج کشی کے سلسلہ میں ۲۳ھ میں حملہ ہوا' لیکن فتح نہ ہو سکا تھا' اس لیے جس زمانہ میں آذربائیجان پر فوج کشی ہوئی' اسی زمانہ میں سراقہ بن عمرو اور عبدالرحمٰن نے دوبارہ آرمینیا پر فوج کشی کی تھی اور اس وقت آرمینیا میں جنگ چھڑی ہوئی تھی' بکیر بن عبداللہ بھی آذربائیجان سے فراغت کے بعد آرمینیا پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن اس وقت باب میں خیمہ زن تھے۔ آرمینیا کا ایرانی حاکم شہریار آرمینیوں کو نہایت ذلیل سمجھتا تھا' چنانچہ وہ عبدالرحمٰن کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ مخلوط النسل ارمنی کتوں کا کوئی حسب نسب نہیں ہے اور کوئی سمجھدار عالی نسبوں کے مقابلہ میں کمینوں کی مدد نہیں کر سکتا اس لیے مجھ کو آرمینیوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ میرے ملک اور میری قوم کو تم لوگ فتح کر چکے ہو' اس لیے میں بھی تمہارا مطیع اور مددگار ہوں' لیکن اتنی درخواست ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور اپنے دشمنوں (ارمنی) کے مقابلہ میں کمزور نہ کرو' اس کی درخواست سن کر عبدالرحمٰن نے اس کو سراقہ کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے سراقہ سے بھی یہی کہا' انہوں نے کہا جزیہ تو ان کے لیے ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہوتے اور شہریار کی درخواست منظور کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے دی' انہوں نے بھی اس فیصلہ پر پسندیدگی ظاہر کی۔ [2] باب سے فراغت کے بعد سراقہ نے بکیر بن عبداللہ کو موقان اور حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ کو کوہستان لان کی طرف روانہ کیا' بکیر نے موقان والوں کو مطیع بنایا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ مملکت خزر کی طرف بڑھے اور اس کے پایہ تخت کے قریب مقام بیضاء تک بڑھتے چلے گئے۔

فارس

فارس پر حملہ کے لیے درمیان میں دریا پڑتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو دریا کے

---

[1] طبری ج۔۵' ص ۲۶۶ و مابعد۔ [2] ابن اثیر ج۔۳' ص ۱۲۔

خطرات میں ڈالنا نہ چاہتے تھے' چنانچہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان کوئی ایسی روک ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھ سکتے اور نہ وہ ہماری طرف آ سکتے' لیکن ایک اولوالعزم جانباز علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ والی بحرین نے ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا تھا' لیکن سخت نقصان اٹھانا پڑا' اسلامی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور جو بچا اسے اہل فارس نے گھیر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو بڑا افسوس ہوا اور فوراً عتبہ بن غزوان کو لکھ کر مدد کے لیے فوجیں بھجوا دیں' انہوں نے ایرانیوں کو شکست دے کر باقی ماندہ مسلمانوں کو بچا لیا۔ اس کے بعد جب ایران پر عام فوج کشی ہوئی تو ساریہ بن زنیم کنانی ۲۳ھ میں فارس کی طرف بڑھے' اہل فارس اس وقت فوج میں جمع تھے لیکن مسلمان ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جو سمت ان کے لیے متعین کر دی گئی تھی' سیدھے اسی رخ پر بڑھتے چلے گئے۔ اس لیے اہل فارس بھی فوج سے منتشر ہو گئے۔ ان کے منتشر ہونے کے بعد مجاشع ابن مسعود' سابور اور اردشیر خیرہ کی طرف بڑھے اور توج میں فارسیوں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے شکست دے کر توج کو فتح کر لیا اور دوسری طرف عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اصطخر کی طرف بڑھے۔ یہاں کے باشندوں نے مقام جور میں مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی۔ عثمان نے جور اور اس کے بعد اصطخر پر قبضہ کر لیا۔ اصطخر کے بعد گازرون' نوبند جان' شیراز' ارجان' سینئر اور خباب وغیرہ فارس کے بڑے حصہ پر قبضہ ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت میں یزدگرد کے اشارہ سے فارس میں بغاوت ہو گئی اور بہت سے مفتوحہ مقامات نکل گئے لیکن حکم بن ابی العاص نے فارس کے مرزبان شہرک کو قتل کر کے بغاوت کو قابو میں کیا۔ فارس کے بعض مقامات فساء اور دارابجر وغیرہ رہ گئے تھے۔ ساریہ بن زنیم نے سب سے آخر میں ان پر فوج کشی کی۔ ان کے مقابلہ کے لیے ایرانیوں اور کردوں کا ٹڈی دل امنڈ آیا۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کچھ نہ تھی' لیکن ساریہ کی ہمت و شجاعت نے یہ معرکہ بھی سر کیا اور فساء اور دارابجر پر قبضہ ہو گیا۔

کرمان

کرمان کی مہم سہل بن عدی کے متعلق تھی۔ فارس کے بعد کرمان کا صوبہ سامنے تھا۔ چنانچہ ۲۳ھ میں سہیل بن عمرو نے کرمان پر چڑھائی کی۔ اہل کرمان قفس وغیرہ کی امداد لے کر مدافعت کے لیے نکلے۔ سرحد ہی کے پاس فریقین کا مقابلہ ہوا اور معمولی جنگ کے بعد کرمانیوں نے شکست کھائی' یہاں کا مرزبان مارا گیا۔ اس کے قتل ہونے سے کرمان کے مرکزی مقامات جیرفت اور سیرجان وغیرہ پر قبضہ ہو گیا۔

سیستان

کرمان کے بعد عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے سیستان پر فوج کشی کی۔ اہل سیستان روکنے کے لیے بڑھے۔ مسلمانوں نے شکست دی اور تعاقب کرتے ہوئے دور دور تک بڑھتے چلے گئے۔ زرنج پہنچ کر اس کا محاصرہ کر کے دریا کا بند کھول دیا۔ سارے سیستان میں سیلاب آ گیا۔ اہل سیستان نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے۔ مسلمانوں نے منظور کر لیا اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھا کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی گزر جاتے تھے کہ چھو نہ جائے۔ [1]

مکران

سیستان ایران کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ایران کی سرزمین کے بعد اسلام کا علم ہندوستان کے حدود کی طرف بڑھا' چنانچہ سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے' یہاں کا فرمان روا راسل سندھ کے حکمران کی مدد سے مقابلہ میں آیا۔ دریائے ہلمند پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خون ریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی' اس شکست میں مکرانیوں کی بڑی تعداد کام میں آئی۔ حکم نے صحار عبدی کو نامہ فتح اور مال غنیمت دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ آپ نے ان سے مکران کا حال پوچھا' انہوں نے ان الفاظ میں یہاں کی برائیوں کا نقشہ کھینچا: **ارض سهلها جبل ومائو ها وشل و ثمرها وقل وعددها بطل و خيرها شر و شرها طويل والكثير بها قليل** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' واقعات کے بیان کرنے میں قافیہ بندی کا کیا کام۔ صحار نے عرض کیا واقعی حالات عرض کر رہا ہوں۔ یہ بھیانک نقشہ سن کر آپ نے حکم کو لکھ بھیجا کہ آگے پیش قدمی روک دی جائے۔ چنانچہ مشرق میں یہ فاروقی فتوحات کی آخری سرحد ہے۔ [2] لیکن بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ تک فوجیں پہنچ گئی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو خلافت فاروقی ہی میں ہندوستان میں اسلام کا علم پہنچ گیا تھا۔

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ

ان فتوحات کے دوران میں یزدگرد خراسان میں مقیم تھا اور ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ خراسان کی مہم احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے جنہوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا متعلق ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ۲۲ھ میں خراسان پر چڑھائی کی تھی لیکن چونکہ خراسان کی فتح

---

[1] ابن اثیر ج۔۳ ص ۱۷۔ [2] طبری جلد۔۵' ص۔ ۲۷۰۷ و مابعد۔

ساسانی حکومت کا دم واپسیں تھی اس لیے ہم نے اس کو آخر میں لکھنا مناسب سمجھا۔ خراسان پر فوج کشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں تھا۔ مقدس آگ ساتھ تھی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا۔ اس لیے احنف سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد کے مستقر مرو شاہجہان کا رخ کیا اور مطرف بن عبداللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا۔ مرو شاہجہان کی طرف احنف کا رخ دیکھ کر یزدگرد مرو الروز چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی۔ احنف کو خبر ملی تو وہ فوراً مرو الروز پہنچ گئے یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا' احنف بھی تعاقب میں پہنچے' یزدگرد شکست کھا کر نہر پار کر کے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہو گئے۔ یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلا دیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔ احنف نے مرو الروز واپس ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کا مژدہ لکھا۔ آپ سن کر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے یہاں پہنچا۔ اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک' فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کر کے یزدگرد کے ہمراہ خراسان آیا۔ احنف اس وقت مرو الروز میں تھے۔ یہیں دونوں کا مقابلہ ہوا' کچھ دنوں فریقین میں جھڑپ ہوتی رہی۔ ایک دن حسب معمول خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل و دمامہ بجاتے ہوئے نکل گئے۔ احنف نے یکے بعد دیگرے تینوں کو قتل کر دیا' خاقان نے اس سے فال بد لی' اس کو مسلمانوں کی قوت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں سے لڑنے میں خود اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور دوسروں کیلئے لڑ کر انہیں خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانا مناسب نہیں ہے' فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہو کر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لے کر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا۔ ایرانیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے روکا کہ چینیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں' معلوم نہیں وہ کیسا برتاؤ کریں گے۔ ان سے بہتر مسلمان ہیں کہ وہ دین و مذہب رکھتے ہیں' عہد کے پابند ہیں' اس لیے چین جانے سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے' لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لے جانے پر مصر ہوا۔ ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ملک کی کل دولت نکلی جا رہی ہے تو زبردستی چھین لی اور یزدگرد ناکام و نامراد ترکستان چلا گیا۔ یزدگرد کے ملک بدر ہونے کے بعد ایرانیوں نے احنف کے پاس جا کر ان سے صلح کر کے کل خزانہ حوالہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی اس صلہ میں ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور مسلمانوں سے مصالحت کے بعد ان کو جو راحت اور فارغ البالی نصیب ہوئی

وہ اکاسرہ کے زمانہ میں بھی میسر نہ آئی تھی [1] اس مصالحت کے بعد احنف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوسرا خط لکھا۔ آپ اسے لے کر مسجد میں آئے اور مسلمانوں کو پڑھ کر سنایا اور یہ مختصر مگر موثر تقریر کی:

''آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی۔ اب ان کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کا ملک اور ان کی دولت کا تم کو اس لیے وارث بنایا ہے کہ تم کو آزمائے۔ اس لیے تم اپنی حالت نہ بدلو ورنہ اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا۔ مجھ کو اس امت کے لیے خود اس کے افراد سے خوف ہے''۔ [2]

شام کی فتوحات

اوپر عہد صدیقی میں گذر چکا ہے کہ دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور اس کی فتح عہد فاروقی میں عمل میں آئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوران محاصرہ میں دمشق کے بطریق کے گھر بچہ پیدا ہوا۔ اس کے جشن میں اہل شہر نے خوب شرابیں پیں اور ایسے بدمست ہو کر سوئے کہ کسی بات کی خبر نہ ہوئی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ راتوں کو سوتے نہ تھے بلکہ گھوم پھر کر خبریں لیا کرتے تھے۔ اس لیے انہیں اس کی اطلاع ہوگئی۔ [3] وہ کمند لگا کر مع چند جانبازوں کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اتر گئے اور پھاٹک کے محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیئے۔ مسلمان باہر منتظر تھے۔ وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہو گئے۔ اہل شہر اس ناگہانی مصیبت سے گھبرا گئے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ وہ سیدھے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو دوسری طرف متعین تھے، پہنچے اور ان سے صلح کی درخواست کی، انہیں اس صورت حال کا علم نہ تھا۔ اس لیے صلح قبول کر لی اور شہر کی ایک سمت سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فاتحانہ داخل ہوئے اور دوسری طرف سے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مصالحانہ، لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ مصالحت کر چکے تھے اس لیے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اور نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا۔ [4] یہ فتح ۱۴ھ میں ہوئی۔

اردن کی فتح

دمشق شام کا مرکزی شہر تھا۔ اس کے نکل جانے کا رومیوں کو بڑا صدمہ تھا اور انہوں نے مسلمانوں کے روکنے کے لیے صوبہ اردن کے شہر بیسان میں فوجیں جمع کیں۔ لیکن پھر مسلمانوں کے

---

[1] طبری جلد۔۵، ص ۲۶۸۲ تا ۲۶۸۸۔ [2] طبری جلد۔۵، ص ۲۶۹۲۔
[3] طبری جلد۔۴، ص ۲۱۵۲۔ [4] طبری جلد۔۴، ص ۲۱۵۳، ۲۱۵۴۔

استقلال کو دیکھ کر انہوں نے مصالحت کی کوشش کی لیکن مفاہمت نہ ہو سکی اور ذی قعدہ ۱۴ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ کئی خونریز معرکوں کے بعد عیسائیوں نے نہایت فاش شکست کھائی اور اردن کا پورا صوبہ فتح ہو گیا۔ کل رعایا ذمی قرار دی گئی۔ عہد نامہ میں رعایا کی پوری املاک زمین، مکان، گرجے اور دوسری عبادت گاہیں محفوظ کر دی گئیں۔ [1]

حمص وغیرہ کی فتح

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے، اس لیے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ حمص کی طرف بڑھے اور راستہ میں بعلبک پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں حکومت کی کوئی فوج نہ تھی۔ شہر کی آبادی حکومت کی امداد کی امید پر کچھ دنوں تک مدافعت کرتی رہی۔ لیکن مسلمانوں نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا تھا اس لیے شہر والوں نے مایوس ہو کر آخر میں صلح کر لی۔ حمص کے دوران میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حماۃ، شیزر اور معرۃ النعمان چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کر لیے۔ حمص کی تسخیر کے بعد یہاں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ لاذقیہ روانہ ہو گئے۔ یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا۔ لاذقیہ فتح کرنے کے بعد ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچ گیا کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے اس لیے رک جانا پڑا۔

ہرقل کے دربار میں رومیوں کی فریاد اور ان کا جوش و خروش

دمشق اردن اور حمص کی فتوحات نے رومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا۔ انہوں نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام پامال کر ڈالا ہے اور کوئی طاقت انہیں روکنے والی نہیں۔ ان کی فریاد پر ہرقل نے چند معزز اور صائب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ عرب تم سے تعداد، اسلحہ اور سروسامان ہر چیز میں کم ہیں، پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا، ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، وعدہ کی پابندی نہیں کرتے، دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۱۔

ہر کام میں جوش و استقلال ہوتا ہے اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہیں۔ [1] مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور ان کے مقابلہ میں رومیوں کی درماندگی دیکھ کر قیصر نے شام چھوڑ کر قسطنطنیہ چلے جانے کا قصد کیا لیکن جوق در جوق بے کس رومیوں کی فریاد سن کر اسے غیرت آ گئی اور وہ پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گیا اور تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے لیے فرامین جاری کر دیئے' رومی پہلے سے جذبہ انتقام سے سرشار ہو رہے تھے' قیصر کے فرمان نے اور آگ لگا دی اور انطاکیہ میں فوجوں کا طوفان امنڈ آیا۔

مسلمانوں کی تیاریاں

رومیوں کی یہ پرجوش تیاریاں دیکھ کر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے افسران فوج سے مشورہ کیا' سب نے مختلف رائیں دیں۔ آخر میں یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجیں ایک جگہ جمع کر لی جائیں' چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا' چونکہ اس وقت مسلمان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے' اس لیے جزیہ کی رقم جو درحقیقت حفاظت کا معاوضہ تھی' انہیں واپس کر دی گئی۔ [2] اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں کرتے تھے۔ دمشق میں اجتماع کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان جدید حالات کی اطلاع بھجوائی۔ رومیوں کی تیاریوں کا حال سن کر اہل مدینہ میں بھی جوش پیدا ہو گیا اور ہر شخص سربکف میدان جنگ میں جانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھوڑی سی مزید امدادی سپاہ شام روانہ کر دی۔

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ

اردن کے علاقہ میں یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے لیے نہایت موزوں اور مناسب تھا' اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک نہ تھی' اس لیے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے مقابلہ کے لیے اسی میدان کا انتخاب کیا اور کل فوجیں دمشق سے یرموک میں منتقل کر دیں' قریب ہی مقام دیرالحیل میں رومیوں کا ٹڈی دل آ کر خیمہ زن ہوا۔ ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی' رومیوں کے مذہبی جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے وہ مقدس راہب تک جنہوں نے کبھی حجرہ عبادت سے باہر قدم نہ نکالا تھا' خانقاہوں سے نکل کر عام سپاہیوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بیس تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی' لیکن سب منتخب بہادر تھے۔ ان میں ایک سو بدری اور ایک ہزار عام صحابہ رضی اللہ عنہم تھے' رجب ۱۵ھ میں پہلا مقابلہ ہوا' اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور جنگ آئندہ کے لیے ملتوی ہو

---

[1] فتوح الشام ازدی تتمہ ذکر فتح حمص۔ [2] کتاب الخروج قاضی ابویوسف ص ۸۱۔

گئی۔ التوائے جنگ کے بعد رومیوں نے مصالحت کی کوشش کی اور گفتگو کے لیے سفیر طلب کیا' ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور دوبارہ رومی بڑے جوش وخروش کے ساتھ میدان میں آئے' آگے آگے مقدس پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے ہوئے' یسوع مسیح کا نام لے کر جوش دلا رہے تھے' تین ہزار رومیوں نے پیروں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ میدان سے منہ موڑنے کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے۔ یہ جوش وخروش دیکھ کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ازسرنو فوجوں کو مرتب کیا اور اس کو جدید طریقہ سے چھتیس حصوں میں تقسیم کر کے صف آرائی کی۔ مسلمانوں کے صف آراء ہوتے ہی رومیوں نے نہایت جوش کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا اور ایسی خونریز اور گھمسان کی جنگ ہوئی کہ میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ درمیان میں بعض بعض موقعوں پر مسلمانوں کا بازو کمزور پڑ گیا لیکن انجام کار میدان انہی کے ہاتھ میں رہا۔ رومیوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ باختلاف روایت ان کی ایک لاکھ ستر ہزار سپاہ کام آئی اور مسلمانوں کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا۔ اس شکست نے رومیوں کی قوت بالکل توڑ دی۔ چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ [1]

یرموک کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مژدہ فتح بھیجا' آپ کئی دن سے انتظار میں سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر سن کر سجدہ میں گر پڑے۔ یرموک کے معرکہ نے رومیوں کی قوت پاش پاش کر دی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے یوقا' جومہ' سرمین' توزی' قورس' تل عزاز اور دلوک وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح کر لیے اور حلب' قنسرین اور پایہ تخت انطاکیہ کے رومیوں نے کچھ مزاحمت کی لیکن کوئی بڑی قوت ان کی مددگار نہ تھی اس لیے انہوں نے بھی معمولی مزاحمت کے بعد جلد اطاعت قبول کر لی۔

بیت المقدس کی فتح

اوپر گزر چکا ہے کہ فلسطین کی مہم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق تھی' انہوں نے نابلس' لد' عمواس اور بیت جبرین وغیرہ فلسطین کے علاقے آسانی سے فتح کر لیے' فلسطین بلکہ سارے شام کا مرکزی شہر بیت المقدس باقی رہ گیا۔ درمیان میں یرموک وغیرہ کی مہم پیش آ جانے کی وجہ سے وہ بیت المقدس کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے۔ یرموک کے بعد جب رومیوں کی جانب سے ایک حد تک اطمینان ہو گیا۔

---

[1] طبری اور فتوح البلدان ازدی اور بلاذری وغیرہ میں یرموک کی جنگ کی تفصیلات نہایت طویل ہیں ہم نے مختصر ضروری خلاصہ لکھا ہے۔

اس وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا۔ اس دوران میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ عیسائیوں نے چند دنوں تک مدافعت کی لیکن ان کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ اس لیے آخر میں صلح کے لیے تیار ہو گئے اور یہ شرط پیش کی کہ امیر المؤمنین خود آ کر صلح کا معاہدہ لکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی' آپ نے منظور فرمالیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ھ میں بیت المقدس روانہ ہوئے۔ تمام مسلمان افسروں کو اطلاع دے دی گئی تھی۔ مقام جابیہ میں انہوں نے آپ کا استقبال کیا۔ ان کے بدن پر دیبا وحریر کی پرتکلف قبائیں تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر غصہ آ گیا اور کنکریاں مار کر فرمایا تم نے اتنی جلد عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔ ان لوگوں نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہیں' فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ [1] بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آ گئے تھے چنانچہ یہیں معاہدہ لکھا گیا۔ اس پر تمام معزز صحابہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہو گئے۔ یہ عہدنامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفہ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا۔ اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا طرز عمل دوسرے مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیسا تھا' اس لیے بجنسہٖ اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المؤمنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان' مال' گرجا' صلیب' تندرست' بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے کہ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت اختیار کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے' نہ ان کو یا ان کے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا' نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا' نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا' ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے ملے گا اس کی جان اور مال محفوظ ہے۔ جب تک کہ وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور ان میں سے جو ایلیا ہی میں سکونت اختیار کرنا چاہے' اس کے لیے بھی امن ہے' اس کو ایلیا والوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا۔ ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہیں حتیٰ کہ وہ اپنی جائے

[1] طبری جلد ۱' ص ۲۴۰۳۔

مقصود تک نہ پہنچ جائیں۔ اس تحریر پر اللہ' رسول اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس پر خالد بن ولید' عمرو بن العاص' عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم گواہ ہیں' ۱۶ھ میں یہ معاہدہ لکھا گیا'' [1]

کسی مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزوں سے متعلق ہو سکتے ہیں' جان و مال اور مذہب۔ اس معاہدہ میں یہ تینوں چیزیں محفوظ قرار دی گئیں۔ یہودیوں کا بیت المقدس سے اخراج عیسائیوں کی رعایت سے تھا کہ وہ ان کے قومی اور مذہبی دشمن تھے' یونانی گو مسلمانوں کے حریف مقابل تھے لیکن بیت المقدس میں ان کے قیام کی صورت میں ان کے ساتھ بھی اہل ایلیا کی طرح مراعات کی گئیں اور نکل جانے کی صورت میں بھی جان' مال اور عبادت گاہیں محفوظ قرار دی گئیں۔ ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے ساتھ اس سے زیادہ منصفانہ سلوک اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس روانہ ہوئے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وغیرہ افسران فوج نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا' فاتح بیت المقدس کا لباس اتنا معمولی اور فرسودہ تھا کہ مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اس لباس میں دیکھ کر کیا کہیں گے' اس لیے انہوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک پیش کی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو ہم کو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہی ہمارے لیے بس ہے' اور اسی لباس میں بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ [2] بیت المقدس میں کئی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قیام رہا۔ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شکایت کی کہ امیر المؤمنین! ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹی کھاتے ہیں اور عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسروں کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا' انہوں نے عرض کیا کہ یہاں سب چیزیں نہایت ارزاں ہیں' حجاز میں جس قیمت میں روٹی اور کھجور ملتی ہے' یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت ملتا ہے۔ اس جواب پر آپ انہیں منع تو نہ کر سکے لیکن تنخواہ کے علاوہ سپاہیوں کی خوراک بھی مقرر کر دی۔ [3] ایک دن آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا میں نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ کہوں گا' لیکن آج اور صرف آج آپ کی خواہش پوری کروں گا۔ بلال رضی اللہ عنہ جب اذان دینے لگے تو صحابہ کی نگاہوں کے سامنے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سماں پھر گیا۔ سب کی آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روتے روتے بے تاب ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہچکی بندھ گئی۔ [4] حضرت

---

[1] طبری جلد ۵ ص ۲۴۰۲۔ [2] فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس۔
[3] فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس۔ [4] فتوح الشام ازدی ذکر فتح بیت المقدس۔

عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپسی میں مفتوحہ علاقوں کا دورہ کر کے سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کرتے ہوئے مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

حمص کی بغاوت

جزیرہ (میسوپوٹامیا) جو عراق کا حصہ ہے اس وقت تک فتح نہ ہوا تھا۔ اس کی اور شام کی سرحد ملی ہوئی ہے اس لیے شام کی فتح کے بعد اہل جزیرہ کو اپنے ملک کے بارہ میں خطرہ پیدا ہوا۔ انہوں نے عیسائیوں کے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قیصر روم کو لکھا کہ اگر تم مسلمانوں کے مقابلہ میں دوبارہ اٹھو تو ہم ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ یہ سہارا پا کر قیصر نے امدادی فوجیں روانہ کر دیں۔ دونوں نے مل کر ۱۷ھ میں حمص واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا ہے۔ عام طور پر مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالتے ہی خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا لیکن بہ روایت صحیح یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔ چنانچہ جن مؤرخین نے اسے عام روایت کے مطابق ۱۳ھ میں لکھا ہے وہ بھی ۱۷ھ ہی صحیح سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ابن اثیر نے ۱۳ھ میں بھی لکھ دیا ہے لیکن خود ان کی رائے یہی ہے کہ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں **فی هذه السنة وهی سنة سبع عشرة عزل خالد بن ولید.** [1]

یہ واقعہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ جس جانباز کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عین محاذ جنگ میں اسے معزول کر دیا۔ اس کے علاوہ اور حیثیتوں سے بھی سبق آموز ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے شجاعانہ کارناموں کے ساتھ بعض معاملات میں لاپرواہی برتتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے وہ کبھی فوجی مصارف کا حساب و کتاب نہیں بھیجتے تھے۔ انہوں نے ان کو فہمائش بھی کی۔ لیکن خالد رضی اللہ عنہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمات کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیا۔ [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی زمانہ سے ان کی یہ روش پسند نہ تھی۔ ان کے زمانہ میں بھی یہی روش قائم رہی، آپ نے ان کو تاکید کی کہ وہ آئندہ سے ان کی اجازت کے بغیر کسی کو ایک بکری بھی نہ دیں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ

---

[1] ابن اثیر ج۔۲، ص ۲۰۷۔ [2] اصابہ جلد۔۲، ص ۹۹، ۱۰۰۔

میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہوں۔ اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ لکھا کہ تم سپہ سالار اسی شرط پر رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو' لیکن اس وقت بھی خالد اپنی ضد پر قائم رہے۔ [1] اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول نہیں کیا بلکہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۷ھ میں انہوں نے ایک شاعر کو دس ہزار کی خطیر رقم دے ڈالی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے باز پرس کی اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر خالد نے یہ رقم اپنی جیب سے دی ہے تو اسراف کیا اور اگر بیت المال سے دی ہے۔ تو خیانت کی' دونوں حالتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ جو قاصد یہ حکم لے کر گیا تھا اس نے خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ رقم تم نے کہاں سے دی ہے اس وقت بھی خالد رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا' اس لیے قاصد نے بھرے مجمع میں نشان معزولی کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کی سرتابی کی سزا میں انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے اس حکم کو سنا اور مانا اور اب بھی میں اپنے افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کے لیے تیار ہوں۔ [2] اس واقعہ سے خالد رضی اللہ عنہ کی حق پرستی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دبدبہ' دونوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے سپہ سالار کو بھرے مجمع میں معزول کیا جاتا ہے لیکن دم نہیں مارتا۔ معزولی کے بعد خالد رضی اللہ عنہ نے مدینہ واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی' داخل کر دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''خالد رضی اللہ عنہ! واللہ! تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں'' اور عمال کو لکھ بھیجا کہ ''میں نے خالد رضی اللہ عنہ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ ان کے کارناموں سے لوگ فتنے میں مبتلا ہو رہے تھے اس لیے میں نے ان کو معزول کر دیا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے''۔ [3]

طاعون عمواس

۱۸ھ میں شام میں نہایت سخت طاعون پھیلا' اس میں بہت سے مسلمان فوت ہو گئے۔ بڑے بڑے نامور بزرگ اس وبا کا شکار ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا تردد پیدا ہوا۔ آپ خود انتظام کے لیے شام روانہ ہوئے' لیکن مقام سرغ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وبا کا زور بڑھتا جا رہا ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے لوٹ آئے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھی واپس بلا بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ پورا ہو گا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں

[1] اصابہ جلد ۲' تذکرہ خالد رضی اللہ عنہ۔ [2] طبری ج ۵' ص ۲۵۲۸۔ [3] طبری جلد ۵' ص ۲۵۲۸۔

آ سکتا۔ [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ خط پڑھ کر بہت روئے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا دو۔ اس حکم پر انہوں نے فوجیں جابیہ میں جہاں کی آب و ہوا مشہور تھی' منتقل کر دیں۔ [2] ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا' اس لیے جابیہ آنے کے بعد اس میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ انتقال سے پہلے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ وبا کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس بلا سے نکل جانا چاہیے' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ میں بھی مذہب کا نشہ تیز تھا۔ انہوں نے تقریر کی کہ "یہ بلا نہیں بلکہ اللہ کی رحمت ہے۔ اس میں بڑے بڑے صلحا نے انتقال کیا ہے"۔ یہ تقریر کر کے گھر واپس ہوئے تو نوجوان بیٹے کو بیمار پایا' وہ دیکھتے دیکھتے اٹھ گیا لیکن معاذ رضی اللہ عنہ کے استقلال میں اب بھی فرق نہ آیا' بالآخر انہوں نے بھی اسی بیماری میں جان دی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا گئے' انہوں نے فوراً فوجوں کو پہاڑی مقامات میں بھیج دیا۔ اس وبا میں پچیس ہزار مسلمان فوت ہوئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتظام کے لیے دوبارہ شام کا قصد کیا اور اکثر اضلاع کا دورہ کر کے مناسب انتظامات کیے۔ فوجوں میں روپیہ تقسیم کیا۔ متوفی مسلمانوں کے ورثہ کو ان کا ترکہ دلایا' فوج میں جو جگہیں خالی ہو گئی تھیں' ان پر نئے عہدہ دار مقرر کیے' سرحدی مقامات میں جا کر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ ان انتظامات سے فراغت کے بعد مدینہ واپس آئے' ابھی ایک مصیبت سے نجات ملی تھی کہ عرب میں قحط ٹوٹ پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی سے انتظامات کر کے ہزاروں مسلمانوں کو بھوکا مرنے سے بچا لیا۔ [3]

قیساریہ کی فتح

طاعون عمواس سے پہلے ہی قریب قریب پورا شام تسخیر ہو چکا تھا۔ ایک قیساریہ جو اس زمانہ میں نہایت آباد اور پررونق شہر تھا' باقی رہ گیا تھا۔ اس پر کئی مرتبہ فوج کشی ہوئی مگر فتح نہ ہو سکا۔ بالآخر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۱۹ھ میں اسے فتح کیا' قیساریہ کی فتح کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

مصر کی فتوحات

شام کے زیر نگین ہونے کے بعد اس کے ہم سرحد ملک مصر پر فوج کشی ہوئی۔ اس کی فتح کا سہرا تمام تر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سر ہے۔ ظہور اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ میں اکثر مصر

---

[1] مسلم باب الطاعون۔ [2] فتح الباری ج۔۱۰ ص ۱۵۹۔ [3] تفصیل کے لیے دیکھو یعقوبی جلد ۲' ص ۱۷۷۔

آیا جایا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی۔ اس کے علاوہ مصر پر فوج کشی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کی ماتحت تھی اور رومیوں کا اس پر پورا اثر تھا اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعہ شام میں کم از کم اس کے سرحدی علاقے میں شورش بپا کرا سکتے تھے اس لیے شام کی حفاظت کے لیے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ شام کی فتح کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مصر پر فوج کشی کی اجازت مانگی' آپ نے احتیاط کے خیال سے انکار کر دیا لیکن پھر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پیہم اصرار پر رضامند ہو گئے اور چار ہزار سپاہ ساتھ کر دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت لینے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ۲۱ھ میں مصر پر فوج کشی کی اور عریش کے راستہ سے فرما پہنچے' یہاں کی رومی فوجوں نے روکا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے انہیں شکست دی اور آگے بڑھ کر بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ [1]

فسطاط کا محاصرہ اور فتح

فسطاط اس زمانہ میں غیر آباد تھا' لیکن یہاں حکومت مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں مصری فوجیں رہا کرتی تھیں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ نہایت مستحکم تھا اور مصریوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ اس لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ سے مزید امدادی فوجیں مانگ بھیجیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو دس ہزار فوجیں دے کر بھیجا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا' کامل سات مہینہ تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا' فصیل پر پہنچ کر ان لوگوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ [2] حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قلعہ میں اتر کر پھاٹک کھول دیا اور اسلامی فوج داخل ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر مقوقس فرمانروائے مصر نے صلح کر لی اور مقوقس قیصر روم کے ماتحت تھا' قیصر کو اس مصالحت کی خبر ہوئی تو اس نے مقوقس کو لکھ بھیجا کہ اگر تم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی جو تم نے صلح کر لی اور اسی وقت ایک لشکر گراں قسطنطنیہ سے

---

[1] ان مقامات کی فتح کی تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰۔

[2] ان مقامات کی فتح کی تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۰۔

اسکندریہ روانہ کیا۔

اسکندریہ کی تسخیر

مقوقس صلح پر قائم رہا۔اس لیے اب گویا مسلمانوں کا مقابلہ رومیوں سے تھا۔ رومی فوجیں اسکندریہ میں تھیں اس لیے ۲۱ھ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فسطاط کی فتح کے بعد اسکندریہ کا رخ کیا' راستہ میں جا بجا رومیوں اور ان کے ساتھ قبطیوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے۔ مقام کریوں میں دونوں کا سخت مقابلہ ہوا' مسلمانوں نے نہایت فاش شکست دی۔ [1] اس کے بعد پھر کسی نے راستہ میں روکنے کی جرأت نہ کی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔مقوقس فرمانروائے مصر بذات خود لڑنا نہیں چاہتا تھا' لیکن قیصر روم کے خوف سے نہ علانیہ گذشتہ صلح پر قائم رہ سکتا تھا' اور نہ کوئی دوسری صلح کر سکتا تھا اس لیے وہ بظاہر مقابلہ میں ڈٹا رہا لیکن خفیہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے طے کر لیا کہ وہ اور اس کی قوم اس جنگ میں دل سے شریک نہیں ہے۔ اس لیے قبطیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ چنانچہ قبطی خفیہ مسلمانوں کی مدد بھی کرتے تھے۔ [2]

عرصہ تک اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا مگر کامیابی نہ ہوئی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش ہوئی تھی۔ انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش وعشرت میں پڑ گئے ہو' ورنہ فتح میں اتنی دیر نہ ہوتی' میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کرو اس خط پر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فوج کے سامنے جہاد پر وعظ کہہ کر اسے گرمایا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ میں اسکندریہ فتح ہو گیا۔ اسی وقت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی اطلاع بھجوا دی۔ [3]

متفرق فتوحات

سکندریہ فتح کرنے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فسطاط واپس آئے۔ اب مصر میں کوئی اہم مقام باقی نہ رہ گیا تھا۔ لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے مقاموں میں رومی پھیلے ہوئے تھے۔ فسطاط واپس ہونے کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خارجہ بن حذافہ عدی اور عمیر بن وہب جمحی کو ان اضلاع پر مامور کیا' خارجہ نے فیوم' اشمونین' اخیم' سرمادات وغیرہ سعید مصر کے علاقوں کو مطیع بنایا اور عمیر نے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص۔۲۲۷' ۲۲۸۔ [2] خطط مقریزی ج۔اول' ص ۲۶۳۔
[3] خطط مقریزی ج۔اول' ص۔۲۶۲ میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے۔

تنیس' دمیاط' تونہ' دمیرہ' وقہلہ' شطا وغیرہ اور عقبہ بن عامر جہنی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا اور چند دنوں میں پورا مصر زیر نگین ہو گیا۔ ❶

طرابلس الغرب کی تسخیر

مصر کی تسخیر کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے شمالی افریقہ کا رخ کیا اور سب سے اول برقہ کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے جزیہ دے کر صلح کر لی۔ برقہ کے بعد عقبہ بن نافع کو زویلہ بھیجا' یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کر لی۔ ❷ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے طرابلس الغرب پر فوج کشی کی اور ایک معمولی جنگ کے بعد وہ بھی فتح ہو گیا۔ ❸

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ اور آپ کی شہادت

۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پارسی غلام ابولولؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت بھاری ٹیکس وصول کرتے ہیں اور اسے کم کرانے کی درخواست کی' آپ نے پوچھا کتنا محصول لیتے ہیں' ابولولؤ نے کہا دو درہم روزانہ' پوچھا تم کام کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا آہن گری' نجاری اور نقاشی' فرمایا ان پیشوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے۔ اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے وقت خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ جیسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی' ابولولؤ نے دفعۃً بڑھ کر مسلسل چھ وار کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گر پڑے' آپ کی جگہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز تمام کرائی۔ کچھ لوگ ابولولؤ کو گرفتار کرنے کے لیے بڑھے' اس نے انہیں بھی زخمی کر دیا' مگر آخر میں پکڑا گیا' گرفتار ہوتے ہی اس نے خودکشی کر لی۔ نماز تمام ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھا کر لائے گئے' پوچھا میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا' فیروز۔ فرمایا الحمدللہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔ زخم نہایت کاری تھا' بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ آپ کو آقائے نامدار کی قربت میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی اس لیے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حجرہ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لیے مخصوص رکھی تھی' لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ واپس

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان ص ۲۲۴۔ ❷ فتوح البلدان ص۔ ۲۳۱' ۲۳۲۔
❸ تفصیل کے لیے دیکھو ابن اثیر جلد۔ ۳' ص ۱۹۔

آئے' آپ نے پوچھا کیا جواب لائے' عرض کیا جو آپ چاہتے تھے' فرمایا سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔ ❶

جانشین

اس وقت سب سے اہم مسئلہ آپ کی جانشینی کا تھا۔ اس میں مختلف قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ اس لیے آپ کی وفات سے پہلے صحابۂ کرام نے آپ سے جانشین نامزد کرنے کے لیے درخواست کی۔ آپ کے لیے یہ مسئلہ ہمیشہ سے اہم تھا اور اکثر آپ زندگی میں اس پر غور کیا کرتے تھے' لیکن کسی پر نظر نہ جمتی تھی۔ اپنے معیار سے سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ بعض لوگوں نے آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ فرمایا جس کو بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے وہ خلافت کا بار کیسے سنبھال سکتا ہے۔ ❷ بالآخر لوگوں کے اصرار پر حضرت علیؓ' عثمانؓ' زبیرؓ' طلحہؓ' سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم چھ آدمیوں کو جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی' نامزد کر کے فرمایا' ان میں جس پر کثرت رائے ہو جائے اسے امیر بنانا اور تاکید کر دی کہ میرے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میرے دفن سے فراغت کے بعد ان چھ آدمیوں کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا اور جب تک ان میں کسی کا انتخاب نہ ہو جائے اس وقت تک نہ کھولنا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ (آپ کے صاحبزادے) مشورہ میں شریک رہیں گے' لیکن امارت سے انہیں کوئی تعلق نہ ہوگا۔ کثرت رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اسے قتل کر دینا۔ ❸

آخری وصیت

نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ مہاجرین' انصار' اعراب' اہل عرب اور ذمیوں کے حقوق کا پورا خیال رکھے اور ان میں سے ہر ایک کے حقوق کی تشریح فرما کر تاکید فرمائی کہ ذمیوں سے جو اقرار ہے اسے پورا کیا جائے' ان کے دشمنوں سے لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ ❹ قومی امور سے فراغت کے بعد ذاتی معاملات کی طرف متوجہ ہوئے' اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ میرے بعد

---

❶ مستدرک حاکم جلد۔۳' ص۔۹۱' ۹۳۔ ❷ یعقوبی جلد۔۲' ص ۱۵۴۔

❸ ابن سعد جلد۔۳' ق۔اول' ص۔۲۴۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی ذکر حالات وفات عمر رضی اللہ عنہ۔

❹ ابن سعد ج۔۳' ق۔اول' ص ۲۴۶۔

میرا قرض ادا کرنا۔ اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا' اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔

وفات

ان وصیتوں کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شنبہ کے دن اس دنیا کو خیر باد کہا' وصیت کے مطابق حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے۔ انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ساڑھے دس سال۔

اولاد

وفات کے بعد حسب ذیل اولادیں یادگار چھوڑیں: عبداللہ' عاصم' عبدالرحمٰن' زید' مجیر رضی اللہ عنہم ان میں تین اول الذکر اولادیں زیادہ نامور ہوئی۔ اولاد اناث میں ام المؤمنین حفصہ اور رقیہ رضی اللہ عنہما تھیں' آخر عمر میں خاندان نبوت سے شرف انتساب حاصل کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے چالیس ہزار مہر پر عقد کیا تھا۔

فاروقی کارنامے

فتوحات کی کثرت' محاصل کی فراوانی' انتظامات کی خوبی' جور و ظلم کے انسداد' عدل و انصاف اور امن و امان کے قیام' ملک کی خوشحالی اور رعایا کی فارغ البالی وغیرہ تمام اوصاف و کمالات کے لحاظ سے جو کسی حکومت یا فرمانروا کے لیے طغرائے امتیاز ہو سکتے ہیں' دنیا کا کوئی حکمران فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔

فتوحات پر تبصرہ

آپ کے دس سالہ دور حکومت میں ایران و روم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اڑ گئے اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ ان ساری فتوحات میں ظلم و جور کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا۔ فاروقی فتوحات کے مقابلہ میں چنگیزی اور تیموری فتوحات کو پیش کرنا اور یہ کہہ کر اسلامی فتوحات کی اہمیت گھٹانا کہ اس زمانہ میں ایران و روم کی سلطنتیں کمزور پڑ چکی تھیں کس قدر غلط ہے۔ بلاشبہ سکندر' چنگیز اور تیمور نے ایک عالم کو زیر نگین کیا' لیکن اسی کے ساتھ زیروزبر کر ڈالا۔ وہ صرف جہانگیر تھے' جہاندار نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں

جس احتیاط اور جن قوانین کی پابندی کے ساتھ ایران و روم فتح ہوئے اس احتیاط کے ساتھ دنیا کا کوئی حکمران زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہیں کر سکتا۔ چنگیز و تیمور وغیرہ طوفان کی طرح ایک عالم پر چھا گئے لیکن جب یہ طوفان تھما تو انسانی لاشوں کے انبار اور تباہ شدہ کھنڈروں کے علاوہ اور کوئی شے نظر نہ آتی تھی۔ وہ جن جن ملکوں سے گزرے انہیں ویرانہ بنا دیا۔ اس کے برخلاف عہد فاروقی میں خون ناحق کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا' ملکوں کا تباہ کرنا تو بڑی بات ہے' ہری ہری کھیتیوں اور شاداب درختوں تک کو نہ کاٹتے تھے۔ بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر تلوار اٹھانے کی سخت ممانعت تھی۔ پھر مسلمانوں نے جس ملک میں قدم رکھا' اپنے عدل و انصاف اور حسن اخلاق سے اس کے باشندوں کو ایسا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں ان کے معاون و مددگار بن گئے۔ انہوں نے قوموں کے دل و دماغ کو مسخر کر لیا اور بہت سی مفتوح قوموں نے ان کا مذہب بھی قبول کر لیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ملک فتح ہوئے وہ سب کے سب مسلمان اور آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ یہ ایک حد تک صحیح ہے کہ ظہور اسلام کے وقت روم اور ایران کی سلطنتوں کی پرانی قوت اور عظمت و شان باقی نہ رہ گئی تھی اور قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ و جلال ختم ہو چکا تھا' لیکن اس انحطاط کی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ قوی سلطنتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں لیکن کیا وہ عرب جیسی بے سروسامان قوم کی ٹکر بھی برداشت نہ کر سکتی تھیں' رومی اور عجمی اپنے دور انحطاط میں بھی عربوں سے فائق تھے۔ فنون جنگ کی واقفیت' رسد کی فراوانی' آلات جنگ کا تنوع کسی چیز میں عرب ان کے پاسنگ نہ تھے۔ ان کے پاس معمولی آلات اور شکم پری کا سامان نہ تھا۔ ایسی حالت میں عربوں سے ٹکرا کر ان کے پرزے اڑ جانا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ان میں ایسا جوش عزم' استقلال' ہمت' حوصلہ مندی' دلیری' اخلاق' حمیت' عدل و انصاف' دیانت و راست بازی پیدا کر دی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں ایسی جلا دی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حقیقی کارنامہ

فتوحات سے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی بنیادوں پر ایسے آئین حکومت مرتب کر دیئے' ایسا عادلانہ نظام قائم کر دیا جو مسلمانوں کی جملہ سعادتوں اور ترقیوں کا ضامن تھا اور جس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس دور ترقی میں بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ آئندہ سطور میں اسی نظام کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائے گا۔

شوریٰ

اسلام کا نظام شوریٰ پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بنیاد پر خلافت اسلامیہ کو قائم کیا۔ اس نظام میں کوئی اہم کام بغیر اہل الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا۔ [1] خاص خاص حالات میں عامہ مسلمین کا مشورہ بھی ضروری ہوتا تھا آپ فرمایا کرتے تھے (لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَّشُوْرَةٍ.) [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بند کی رکھی تھی اور اس کو عملاً متعدد مواقع پر واضح کیا۔ ایک موقع پر فرمایا کہ ''تمہارے مال میں سے مجھ کو صرف اسی قدر حق ہے جس قدر ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو صرف کھانے کے بقدر لے لوں گا۔ میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج نہ بے جا طور پر جمع کیا جائے اور نہ بے جا طور سے صرف ہونے پائے۔ دوسرے یہ کہ میں تمہارا روزینہ بڑھاؤں' سرحدوں کی حفاظت کروں اور تم کو خطروں میں نہ ڈالوں'' [3] ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ میں تم کو مجبور کروں گا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے اس میں میرا ہاتھ بٹاؤ' میری حیثیت تمہاری جماعت میں صرف ایک فرد کی ہے میں نہیں چاہتا کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو۔ روزانہ کے پیش آنے والے مسائل کے فیصلہ کے لیے اہل الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس شوریٰ تھی۔ اس کے ممتاز ارکان یہ ہیں: حضرت علی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ [4] اس کے علاوہ مہمات امور کے لیے ممتاز مہاجرین وانصار کی خاص مجلس ہوتی تھی۔ ہر مسلمان کو آزادی رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ معمولی مسلمان برسر عام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ٹوک دیتے تھے جس کے واقعات عام طور سے معلوم ومشہور ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا اس وقت کوئی بڑا نظام حکومت نہ تھا۔ آپ نے دس سالہ عہد حکومت میں نہایت وسیع نظام قائم کر دیا۔ تمام مفتوحہ ممالک کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ' مدینہ' شام' جزیرہ' بصرہ' کوفہ' مصر اور فلسطین۔ مشرق میں خراسان' آذربائیجان اور فارس کے تین صوبے علیحدہ تھے۔ ہر صوبہ میں حاکم اعلیٰ' میر منشی' دفتر فوج کا میر منشی' کلکٹر' افسر پولیس' خزانچی اور قاضی ہوتے تھے۔ بعض حالات میں سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا' لیکن عموماً فوج کی سپہ سالاری بھی حاکم عام سے ہی متعلق ہوتی تھی۔ اضلاع میں

---

[1] طبری ص ۲۵۷۴۔ [2] کنز العمال ج۔۳' ص ۱۳۹۔
[3] کتاب الخراج ص ۶۷۔ [4] کنز العمال ج۔۳' ص ۱۳۴۔

صرف کلکٹر، افسر، خزانہ اور قاضی ہوتے تھے۔ ❶ چنانچہ کوفہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی، عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کلکٹر، عبداللہ بن خلف رضی اللہ عنہ میر منشی تھے۔

عہدہ داروں کا انتخاب

دوسرا مرحلہ عمال کے انتخاب کا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ اس معاملہ میں آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دقیقہ رس تھی کہ جس کام کے لیے جس کو منتخب کر لیتے تھے دوسرا اس کے لیے نہ مل سکتا تھا۔ اس لیے جو شعبہ جس سے متعلق ہوتا تھا اسے وہ درجہ کمال تک پہنچا دیتا تھا۔ عہد فاروقی کی فتوحات اور انتظامی ترقیاں اس کی شاہد ہیں۔ اس جوہر شناسی کے باوجود اہم عہدہ داروں کا انتخاب بھی مشورہ سے کرتے تھے۔

عمال کے اختیارات فرائض اور ان کا محاسبہ

انتخاب سے بھی زیادہ دشوار مسئلہ عمال کے اختیارات اور ان کے احتساب کا ہے۔ اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اصول تھا کہ ہر عامل کے تقرر کے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے تھے جس میں اس کے اختیارات کی تشریح ہوتی تھی، جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا، وہاں یہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔ ❷ کہ وہ اپنے حدود سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ ہر عہدہ دار سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ ❸ عمال کی روانگی کے وقت ان کے سامان کی ایک فہرست محفوظ کر دی جاتی تھی، واپسی کے وقت جس کے پاس مرقومہ فہرست سے زیادہ مال و اسباب نکلتا تھا اس سے بازپرس کی جاتی تھی اور آدھا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ ❹ تمام عمال کو حج کے موقع پر مکہ میں حاضری کا حکم تھا ان کی موجودگی میں اعلان عام کیا جاتا تھا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہو پیش کرے۔ ❺ چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا فوراً تدارک فرماتے تھے۔ حج کے موقع پر تمام ملک کے مسلمان جمع ہوتے تھے اس لیے شکایت معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ اگر کوئی عامل بلاوجہ کسی پر کوئی زیادتی کرتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجمع عام میں اسے سزا دیتے تھے جس کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور

---

❶ طبری ص ۲۶۴۔ ❷ طبری ص ۲۷۴۷ واسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن یمان۔
❸ کتاب الخراج ص ۶۶۔ ❹ فتوح البلدان ص ۲۲۶۔ ❺ طبری ص ۲۶۸۰۔

ہیں۔ [1] کبھی کبھی عمال کی شکایت پر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرتے تھے' عمال کو ترفع اور شان عجب وغرور پیدا کرنے والی چیزوں سے روکتے تھے۔ جس عامل کے بارہ میں سنتے کہ عوام اس کے یہاں بار نہیں پاتے' اسے فوراً موقوف کر دیتے تھے۔ عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمبل کا کرتا پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں۔ [2] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عامل کوفہ نے محل بنوایا جس میں ڈیوڑھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوا دی اور بہت سے عاملوں کو اس قسم کی سزائیں دیں' عمال کی اخلاقی نگہداشت کا بھی خاص اہتمام تھا۔

صیغۂ عدالت

ابتدا میں بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کچھ دنوں تک انتظامی اور عدالتی صیغے ایک رہے' لیکن جب پورا نظام قائم ہو گیا تو قضا کا محکمہ مستقل کر دیا۔ تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں۔ قاضی مقرر کیے اور قضا کے اصول وآئین پر ایک فرمان لکھا' جس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''امابعد! قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں' اپنی مجلس میں' اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہوں اور معزز آدمی کو رو رعایت کی امید نہ پیدا ہو' جو شخص دعویٰ کرے' اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے۔ صلح جائز ہے مگر وہ صلح جس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کر سکتے ہو' جس مسئلہ میں شبہ ہو اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالوں اور نظیروں کو پہچان کر ان پر قیاس کرو۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کیلئے ایک میعاد مقرر کر دو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ' ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصل کرو۔ ان اشخاص کے سوا جنہیں سزا میں درّے لگائے گئے ہوں یا جھوٹی گواہی دی ہو' یا ولاء اور وراثت میں مشکوک ہوں سب مسلمان ثقہ ہیں'' [3]

قضاۃ کو ہدایت تھی کہ

''مقدمات میں اول تو قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر قرآن میں وہ صورت

---

[1] قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔ دیکھو کتاب مذکور ص ٦٦۔

[2] کتاب الخراج ص ٦٦۔ [3] یہ فرمان طبقات الفقہا و بیہقی اور ماوردی بہت سی کتابوں میں ہے۔

مذکور نہ ہو تو حدیث کی جانب رجوع کرو۔ اگر اس میں بھی نہ ہو تو اجماع سے ورنہ اجتہاد سے کام لو'۔ [1]

قضاۃ کی خدمت بہت بڑی ذمہ داری ہے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ قضاۃ کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس کے لیے انہی بزرگوں کا انتخاب کیا کرتے تھے جن کا علم' تقویٰ' ذہانت اور قوت فیصلہ مسلم تھی' چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے' کوفہ کے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح۔ دوسرے مقاموں کے جمیل بن العمر ابومریم حنفی رضی اللہ عنہ' سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ' عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ربیعہ رضی اللہ عنہ' عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور ابوقرہ کندی وغیرہ۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن کی علمی جلالت کا اندازہ رجال کی کتابوں سے ہوسکتا ہے۔ کبھی مزید احتیاط کے خیال سے امتحان بھی لیتے تھے۔

رشوت کے انسداد کے لیے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم تھی۔ [2] یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولت مند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی نہیں ہوسکتا اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز شخص فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب سے متاثر نہ ہوگا [3] ان احتیاطوں کے ساتھ قضاۃ کے اصل مقصد یعنی عدل وانصاف میں مساوات کے لیے عملی کوششیں کیں۔ قضاۃ کو عدل ومساوات کا سبق دینے کے لیے خود فریق مقدمہ بن کر عدالت میں جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کچھ نزاع ہوگئی۔ ابی رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے۔ زید نے تعظیم کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اپنے فریق ابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ زید رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابی رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قسم لینی چاہی لیکن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے رتبہ کا پاس کر کے ابی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ترجیح پر آزردہ خاطر ہوئے اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں اس وقت تک تم منصب قضا کے قابل نہیں ہوسکتے۔ [4]

---

[1] کنز العمال ج۔۲' ص ۱۷۴۔ [2] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ ج۔۳' ص ۲۴۷۔
[3] اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع۔ [4] کنز العمال ج۔۳' ص ۱۷۴۔

آپ کے ایوان عدالت میں ادنیٰ واعلیٰ اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے۔ ان میں سے کوئی بھی قانون کی سزا سے نہ بچ سکتا تھا۔ ارکان حکومت کو علی الاعلان سزا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ عہدہ داران حکومت کو حج کے موقع پر طلب کیا اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر پوچھا کہ جس کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے لگائے ہیں' فرمایا اٹھ کر بدلہ لو۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہیں برسر عام عمال حکومت کی توہین ناگوار ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا' امیر المؤمنین! اس طرز عمل سے تمام عمال بددل ہو جائیں گے' فرمایا لیکن میں ایسا ضرور کروں گا اور مستغیث کو حکم دیا کہ اپنا کام کرو' آخر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مستغیث کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ دو سو دینار لے کر اپنے دعویٰ سے باز آ جائے۔ [1] اپنے بیٹے ابوشحمہ کو شراب پینے کے جرم میں اسی کوڑے مارے۔ اس کے چند دنوں کے بعد وہ قضا کر گئے۔ [2] قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کو جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے اسی جرم میں اسی کوڑے لگوائے۔ [3] اس قبیل کے ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات ہیں لیکن ان کا استقصا مقصود نہیں ہے۔

پولیس

قیام امن کا مدار پولیس پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا۔ پولیس کو احداث کہتے تھے۔ قیام امن کے علاوہ پولیس کے متعلق احتساب کی خدمت بھی تھی۔

جیل خانے

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا رواج نہ تھا۔ غالباً اسی کی تلافی کے لیے جرائم کی سخت سزائیں مقرر تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیل خانے قائم کیے۔ مکہ میں صفوان بن امیہ کا گھر خرید کر اسے جیل خانہ بنایا۔ [4] اس کے علاوہ اضلاع میں بھی جیل خانوں کے نام ملتے ہیں. چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا۔ [5] جیل خانہ قائم کرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض غیر منصوص سزاؤں میں تبدیلیاں کیں' مثلاً عادی شرابیوں پر حد جاری کرنے کی بجائے قید کی سزا مقرر کی۔

صیغۂ محاصل

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۶۔ [2] ابن جوزی نے سیرۃ عمر بن الخطاب یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس کا صحیح نہیں سمجھتے دیکھو کتاب مذکور ص ۲۳۶ ومابعد۔ [3] ابن سعد تذکرہ قدامہ بن مظعون۔
[4] مقریزی ج ۲' ص ۱۸۷۔ [5] فتوح البلدان ص ۴۶۸۔

عرب میں چونکہ کوئی منظم حکومت نہ تھی' اس لیے وہ خراج ومحاصل کے نظم ونسق سے نا آشنا تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا' لیکن چونکہ عرب اس سے نامانوس تھے' اس لیے ابتدا میں اس کی مخالفت ہوئی' چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے بندوبست کی طرف توجہ کی تو امرا فوج نے اس کی مخالفت کی۔ ان کی رائے تھی کہ مفتوحہ علاقے فاتحین کو بطور جاگیر کے دے دیئے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے حکومت کی ملک قرار دینا چاہتے تھے' اس لیے اس مسئلہ پر بڑا اختلاف رہا اور بڑے بحث ومباحثہ کے بعد بالآخر کثرت رائے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی تجویز پر فیصلہ ہوا۔ اس فیصلہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیائش کر کے زمینوں کا بندوبست کرایا۔ اس بندوبست میں زمینداری اور تعلق داری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا' زمینیں ان کے مالکوں کے قبضہ میں رہنے دی گئیں اور ان کی حیثیت اور پیداوار کے اقسام کے لحاظ سے مختلف شرح مال گزاری تشخیص کر دی گئی۔ اس کی کم سے کم مقدار فی جریب دو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم سالانہ تھی۔ شاہی خاندان کی جاگیروں' آتش کدوں کے اوقاف' لاوارثوں کی زمینوں اور جنگلات کو حکومت کا خالصہ قرار دے کر رفاہِ عامہ کے کاموں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ مال گزاری کی تشخیص میں ذمیوں کی رضامندی کا لحاظ رکھا گیا اور زمینوں پر اتنی مال گزاری تشخیص کی گئی کہ اس کے بعد اضافہ کی کافی گنجائش باقی رہے۔ محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خراج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اس کا پورا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ اس میں ظلم وزیادتی کا تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس احتیاط اور نرمی کے باوجود عراق کے خراج میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا اور اس کی مقدار آٹھ کروڑ سے بڑھ کر دس کروڑ بیس ہزار درہم ہو گئی۔ [1]

عراق کے علاوہ اور کسی ملک میں کوئی نیا بندوبست نہیں کیا گیا' بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقوں کو منسوخ اور انتظامی غلطیوں کی اصلاح کر کے سابق نظام علی حالہ قائم رکھا گیا۔ مثلاً مصر میں رومیوں کا مقرر کردہ نظام قائم رکھا' لیکن رومی حکومت خراج کی مقررہ مقدار کے علاوہ اپنی فوج کیلئے جو رسد لیتی تھی اسے موقوف کر دیا۔ مصر کی پیداوار کا دارومدار دریائے نیل پر ہے۔ اس کے مدوجزر کے تناسب سے پیداوار میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے اور چونکہ یہ مدوجزر ہمیشہ یکساں نہیں ہوتا اس لیے مصر کی پیداوار کا کوئی دائمی تخمینہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے مصر کے محاصل کی کوئی عام اور دائمی

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف اور فتوح البلدان بلاذری وغیرہ میں عراق کے بندوبست کے حالات نہایت مفصل ہیں۔ ہم نے صرف ضروری باتیں لکھی ہیں۔

شرح معین نہ تھی۔ ہر سال کی پیداوار کا کاشتکاروں اور زمینداروں کے مشورہ سے اندازہ لگا کر ایک مجموعی رقم تشخیص کر دی جاتی تھی اور وہ پرتے سے تمام مواضعات پر پھیلا دی جاتی تھی۔ نقدی مال گزاری کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اروب غلہ سے زیادہ نہ تھی اور یہ شرح استمراری تھی یعنی اس میں کبھی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ شام میں قدیم یونانی بندوبست قائم رکھا۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور بہت سی اصلاحیں کیں۔ مصر و شام وغیرہ میں جاگیرداری کا قدیم سسٹم جاری تھا اور ملک کی زمین کا بڑا حصہ خالصہ شاہی ارکان دولت اور افسران فوج کی جاگیر میں تقسیم تھا۔ ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں بہت کم حصہ تھا اور جس قدر تھا اس کی حیثیت بھی مالکانہ نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ توڑ دیا اور زمینیں ملک کے اصلی باشندوں اور کاشتکاروں کے قبضہ میں دے دیں اور ان کو مسلمانوں کے قبضہ سے بچانے کے لیے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہیں کر سکتا۔ مدتوں یہ قانون جاری رہا۔ عباسی دور میں لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین خریدی تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور نافع بن یزید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ مذاہب نے اس پر اعتراض کیا [1] ان ممالک کے آباد شدہ عربوں کیلئے زراعت کا پیشہ قانوناً ممنوع کر دیا۔ ایک عرب نے ایک مرتبہ مصر میں زراعت کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دوں گا کہ اوروں کو عبرت ہو۔ [2] زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لیے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا وہ اس کی ملک ہو جائے گی' لیکن لینے کے بعد تین برس کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا۔ اس قانون سے افتادہ زمینیں بہت جلد آباد ہو گئیں۔

محکمہ آبپاشی

زراعت کی سیرابی کے لیے نہریں جاری کیں۔ بند باندھنے' تالاب بنانے' پانی کی تقسیم کے لیے دہانے بنانے' نہروں کی شاخیں نکالنے اور اس قسم کے کاموں کے لیے نہایت وسیع محکمہ قائم کیا۔ مقریزی کا بیان ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے اس کام میں لگے رہتے تھے [3] نہروں کے حالات آئندہ آئیں گے۔

اور مختلف قسم کی آمدنیاں

---

[1] مقریزی جلد اول حالات خراج مصر میں اس کی پوری تفصیل ہے ص۔ ۱۵۸ تا ۱۶۲۔
[2] حسن المحاضرہ جلد۔ ۱ ص ۹۳۔ [3] حسن المحاضرہ جلد۔ ۱ ص ۷۲۔

خراج کے علاوہ آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے: زکوٰۃ جس میں چاندی، نقد، سکہ، مویشی، تجارتی سامان وغیرہ سب قسم کی زکوٰۃ کی آمدنیاں شامل تھیں۔ خراج غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا اور عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ اور بیسواں حصہ مسلمانوں سے لیا جاتا تھا۔ جزیہ اور مال غنیمت اور زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ عشور تجارتی ٹیکس تھا۔ اس کو اسلام میں سب سے اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ جو مسلمان غیر ممالک میں تجارتی سامان لے کر جاتے تھے، ان سے وہاں کی حکومتیں دس فیصدی ٹیکس لیتی تھیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بیرونی تاجروں کے سامان تجارت پر اسی قدر ٹیکس مقرر کر دیا۔ پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیوں اور مسلمانوں سے بھی یہ ٹیکس لیا جانے لگا۔ ذمیوں کے لیے پانچ فیصدی تھا اور مسلمانوں کے لیے ڈھائی فیصدی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہد فتوحات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں نہایت ممتاز ہے اس لیے اس زمانہ میں غنیمت کی بھی بڑی آمدنی ہوئی۔ جزیہ کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

بیت المال

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال قائم ہو گیا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی، لیکن آپ کا معمول تھا کہ جو آمدنی آتی تھی اس کو ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا تھا اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس لیے اس کے معمور ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کا باقاعدہ نظام قائم کیا تو دوسرے شعبوں کے ساتھ بیت المال کو بھی وسعت دی اور تمام صوبوں اور مرکزی مقامات میں بیت المال قائم کیے اور ان کے لیے وسیع عمارتیں بنوائیں اور ان پر نہایت لائق اور دیانت دار افسر مقرر کیے۔ دارالخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ تھے، کوفہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اصفہان کے خالد بن حرث رضی اللہ عنہ، کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی۔ [1] بیت المال کے مداخل ومخارج کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہاں کے بیت المال میں آتی تھی۔ یہاں کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچتی تھی وہ صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال بھیج دی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے متعلق عمال کے نام احکام بھیجتے رہتے تھے، چنانچہ مصر کے والی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ خزانہ میں جو آمدنی جمع ہوئی ہو اس میں سے مسلمانوں کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو کچھ بچ جائے اس کو میرے پاس بھیج دو۔ [2]

---

[1] طبری حالات آبادی کوفہ۔ [2] کنز العمال ج۔۳، ص ۱۶۳۔

صیغہ فوج

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں ولید بن ہشام کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منظم صیغہ فوج قائم کیا اور قریش وانصار کے نام درج رجسٹر کرا کے باختلاف مدارج ان کی تنخواہیں مقرر کیں' جن کی مقدار دوسو بیس درہم سالانہ سے لے کر پانچ ہزار سالانہ تھی۔ [1] تنخواہ داروں کی بیوی اور ان کے بچوں کو بھی وظائف ملتے تھے۔ جن لوگوں کی جتنی تنخواہ مقرر ہوتی تھی' ان کے غلاموں کو بھی اتنی ہی ملتی تھی ان میں دو قسم کے تھے ایک جو ہر وقت جنگی مہمات میں مشغول رہتے تھے۔ یہ گویا باقاعدہ فوج تھی۔ دوسرے وہ جو اپنے گھروں میں رہتے تھے اور ضروریات کے اوقات میں طلب کیے جاتے تھے۔ انہیں ہم آج کل کی اصطلاح میں رضا کار کہہ سکتے ہیں' لیکن تنخواہیں دونوں کو ملتی تھیں۔ سارے ممالک محروسہ میں فوجی مرکز قائم کیے جنہیں جند کہتے تھے' چنانچہ مدینہ' کوفہ' بصرہ' موصل' فسطاط' مصر' دمشق' حمص' اردن وغیرہ بڑے بڑے فوجی مرکز تھے' بلکہ کوفہ' بصرہ اور فسطاط فوجی ضرورت ہی کیلئے آباد کیے گئے تھے۔ ان مرکزوں میں صیغہ فوج کے حسب ذیل انتظامات تھے:

① فوجوں کے لیے چھاؤنیاں تھیں اور بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز وسامان سے تیار رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت فوراً سوار دستہ تیار ہو جائے۔ [2]

② ہر اصطبل کے متعلق چراگاہیں تھیں' مدینہ کی چراگاہ کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ [3] عمدہ نسل کے گھوڑوں کی پرورش کا خاص اہتمام تھا۔

③ فوج کے متعلق جملہ کاغذات اور دفاتر انہی مقامات پر رہتے تھے۔

④ رسد کے ذخیرے یہیں تھے' جہاں سامان رسد جمع کیا جاتا تھا اور یہیں سے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا تھا۔

ان مرکزی مقامات کے علاوہ تمام ممالک محروسہ میں جہاں جہاں ضرورت تھی' بکثرت چھاؤنیاں قائم کیں۔ خوزستان کے علاقہ میں جگہ جگہ چھاؤنیاں تھیں۔ عجم میں ایرانی حکومت کی جو پرانی چھاؤنیاں تھیں ازسرنو ان کو تعمیر کرایا' جو نیا مقام فتح ہو جاتا تھا وہاں بقدر ضرورت فوج متعین کر دی

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۴' مقریزی جلد اول ص ۹۲' بلاذری ذکر العطاء فی خلافۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

[2] طبری ص ۲۵۰۴۔

[3] چراگاہوں کے تفصیلی حالات خلاصۃ الوفاء میں ہیں۔

جاتی۔ [1] سرحدی علاقوں اور ساحلی مقامات کی حفاظت کا مستقل اور جداگانہ انتظام کیا۔ اس صیغہ کے افسر اعلیٰ عبداللہ بن قیس تھے۔ [2] ضروری مقامات میں جا بجا قلعے بنوائے۔ فوجی بھرتی کو اتنی وسعت دی کہ مہاجرین وانصار سے بڑھتے بڑھتے سارے عرب کو محیط ہوگیا۔ تقریباً دس لاکھ ہتھیار بند فوج ہر وقت تیار رہتی تھی اور اس میں ہر سال تیس ہزار فوج کا اضافہ ہوتا تھا۔ [3] فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام کے لیے کھلے ہوئے تھے' اس میں عجمی' رومی' یہودی اور ہندوستانی سب شامل تھے۔ جن کا ذکر فتوحات کے حالات میں ملتا ہے۔ سپاہیوں کی تنخواہ کم سے کم دوسو سالانہ سے تین سو تک تھی اور افسروں کی سات ہزار سے دس ہزار تک' فوجیوں کے بچوں کے لیے علیحدہ وظیفے مقرر تھے۔ ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ مہینہ میں خوراک کیلئے ایک من غلہ' بارہ سیر روغن زیتون اور بارہ سیر سرکہ ملتا تھا لیکن پھر بعد میں تو کھانا ملنے لگا تھا۔

ابتدا میں رسد کا انتظام ضرورت کے وقت ہوتا تھا پھر اس کا مستقل محکمہ قائم کیا' جس کا نام اہرار تھا۔ [4] مفتوحہ ممالک سے پہلے غلہ کی صورت میں' پھر نقد کی صورت میں رسد کے لیے ایک مقررہ رقم لی جاتی تھی۔

فوج کی صحت وتندرستی اور آرام وآسائش کا خاص اہتمام تھا۔ ۱۷ھ میں مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی آب وہوا کی خرابی کی وجہ سے جب فوج کی تندرستی پر خراب اثر پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ فوجیں موسم بہار میں سرسبز وشاداب مقام پر چلی جایا کریں۔ [5]

چھاؤنی کے انتخاب میں آب وہوا کی خوبی کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔ بارکیں وسیع تعمیر کی جاتی تھیں اور ان کے لیے کھلے میدان چھوڑ دیئے جاتے تھے' گرم ملکوں پر سردیوں اور سرد ملکوں پر گرمیوں میں فوج کشی ہوتی تھی۔ فوجوں کے لیے شہسواری' تیراندازی' تیراکی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق ضروری تھی۔ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا آرام کے لیے ملتا تھا۔ ہر چہار مہینہ میں رخصت ملتی تھی۔

فوج کا اسٹاف

افسر خزانہ' محاسب' مترجم اور طبیب وجراح پر مشتمل تھا۔ [6] سفر مینا یعنی راستہ صاف کرنے'

---

[1] فتوح البلدان ص۔ ۱۳۵ تا ۱۵۷۔
[2] طبری جلد۔ ۵' ص ۲۵۴۳۔
[3] کنز العمال ج۔ ۶' ص ۳۳۱۔
[4] فتوح البلدان ص ۲۱۵۔
[5] طبری ص ۲۴۸۲۔
[6] طبری ص ۲۲۲۵۔

سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ چنانچہ مصر میں یہ خدمت قبطیوں نے انجام دی تھی۔ ❶ خبر رسانی اور پرچہ نویسی کا نہایت مکمل انتظام تھا۔ ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے تھے' جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ ❷ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی فوجیں جس حصہ میں بھی ہوتی تھیں، ان کی باگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں رہتی تھی اور ان کے بغیر ان کا ایک قدم نہ اٹھ سکتا تھا۔ ان کے علاوہ شعبہ فوج کی اور بہت سی تفصیلات ہیں' جنہیں طوالت کے خیال سے ہم قلم انداز کرتے ہیں۔

شعبہ تعلیم

خلفائے راشدین کے مقدس دور تک تعلیم کا مفہوم و مقصد صرف مذہبی تعلیم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بڑی اشاعت کی۔ مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ پر ہے اس لیے اس کی حفاظت تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا۔ عہد صدیقی میں آپ ہی کے اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی۔ اپنے زمانہ میں تمام مفتوحہ ملکوں میں قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کیے اور ان کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر کیے۔ ❸ ان مکتبوں میں کتابت کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

حفاظ قرآن صحابہ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لیے بھیجا' چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہ شام بھیجے گئے۔ ❹ انہوں نے حمص' فلسطین اور شام میں درس جاری کیا۔

بدوؤں کیلئے قرآن کی تعلیم الگ گونہ جبری تھی۔ ایک معلم ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ اس کام پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لے۔ جس کو قرآن کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسے سزا دے۔ ❺ سورۂ بقرہ' نساء' مائدہ' حج اور نور کا جن میں احکام ہیں' یاد کرنا ضروری قرار دیا۔ ❻ قرآن کریم صحیح پڑھنے اور اعراب کی تصحیح کے لیے ادب و عربیت کی تعلیم کی تاکید کی۔ ❼ جو لوگ لغت کے مالک نہ ہوں انہیں قرآن کی تعلیم دینے کی ممانعت کر دی۔ قرآن کے طلبا کے وظائف مقرر کیے۔ ❽ ان تدبیروں سے ہزاروں حفاظ قرآن پیدا ہو گئے۔

حدیث کی خدمت

---

❶ مقریزی جلد اول ص ۱۶۳۔ ❷ طبری ص ۸۔ ❸ سیرۃ العمریں لابن جوزی۔
❹ کنز العمال جلد اول ص ۲۸۱ و اسد الغابہ تذکرہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ۔ ❺ اصابہ تذکرہ اوس بن خالد۔
❻ کنز العمال جلد اول' ص ۲۲۱۔ ❼ کنز العمال ج ۱' ص ۲۲۸۔ ❽ کنز العمال ج اول ص ۲۱۷۔

کلام اللہ کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے۔ چنانچہ اس کی تلاش، حفاظت اور اشاعت کا بھی انتظام کیا۔ حفاظ حدیث صحابہ کو حدیث کی تعلیم دینے کے لیے مختلف مقامات پر بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ، معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کو شام بھیجا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام کو لکھا کہ ان کے علاوہ دوسرے کی احادیث قبول نہ کی جائیں۔ [1]

مسائل اور احکام کی احادیث کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے۔ آپ کے فرامین میں احادیث بکثرت ملتی ہیں۔

آپ کے زمانہ میں آئے دن نئے نئے مسائل پیش آتے تھے۔ چنانچہ جب اس قسم کی نئی صورت پیش آتی تھی تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرماتے تھے کہ اس کے متعلق انہیں کوئی حدیث نبوی معلوم ہے۔ اس طریقہ سے حدیث کا معتدبہ حصہ جمع ہو گیا اور حدیثوں کی بڑی اشاعت ہوئی۔ اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ خصائل بشری سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں۔ اور ایک صحابی سے بھی اس طرح غلطی کا ہونا ممکن ہے جس طرح ایک انسان سے۔ اسی لیے اشاعت حدیث کے ساتھ وہ روایات کے قبول کرنے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے اور بغیر شہادت کے کسی کی روایت کو قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو شہادت میں پیش کیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو چھوڑا۔ [2] اسی طریقہ سے سقط (یعنی حاملہ کو ایسا صدمہ پہنچانا جس سے حمل گر جائے) کے مسئلہ میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمہ کی شہادت سے اسے تسلیم کیا۔ [3] اور اس قبیل کے متعدد واقعات ہیں۔

لوگوں کو کثرت روایت سے روکتے تھے، چنانچہ قرظہ بن کعب کو عراق روانہ کرتے وقت خاص طور سے ہدایت کی کہ تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونجتی رہتی ہے۔ تم ان کو قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف نہ لگا دینا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابودرداء انصاری اور ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہم کو روایت حدیث سے روک دیا تھا، آپ کی اس شدت احتیاط کو دیکھ کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثیں روایت کرنا بند یا کم کر دیا تھا۔ [4]

---

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۶۔ [2] مسلم باب الاستیذان۔
[3] ابوداؤد باب دیۃ الجنین۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص۔۶۔

ایک بڑی نکتہ سنجی آپ نے یہ فرمائی کہ احادیث کی اہمیت کے اعتبار سے ان کے مراتب کو ملحوظ رکھا' چنانچہ آپ نے ان ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جس کا تعلق عبادات' معاملات اور اخلاق یعنی اسلام کے عملی نظام سے تھا' باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتنا نہیں کیا' اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے زمانہ میں گو حدیثیں کم روایت ہوئیں' لیکن جس قدر ہیں وہ آمیزش سے بالکل پاک ہیں۔

فقہ کی خدمت

عملی زندگی میں زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے' خصوصاً فاروقی عہد میں اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اس لیے اس زمانہ میں علم فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی' بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ فقہ کی تکمیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ خود لوگوں کو فقہی مسائل بتاتے تھے۔ خطبوں اور تقریروں میں بیان کرتے تھے۔ فقہی مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کراتے تھے۔ اضلاع کے حکام اور افسروں کو فقہی احکام لکھ کر بھیجتے تھے۔ یہ احکام آج بھی تاریخوں میں موجود ہیں۔ اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے تقرر میں تفقہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔ [1] عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لیے تمام ممالک محروسہ میں مستقل فقہا اور معلم مقرر کیے۔ صرف بصرہ میں دس صاحبوں کو اس کام کے لیے بھیجا تھا۔ [2] ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں۔ غرض فاروقی عہد میں تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا۔

تعمیر مساجد

مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ میں بکثرت مسجدیں تعمیر کرائیں۔ شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ [3] کوفہ میں ہر ہر قبیلہ کی مسجد علیحدہ تعمیر کرائی۔ روضۃ الاحباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائیں اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے' تنخواہ دار امام اور موذن مقرر کیے۔

تبلیغ اسلام

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۷۔ [2] اسد الغابہ ترجمہ عبدالرحمٰن بن مغفل۔
[3] مقریزی جلد ۲' ص ۲۴۶ و حسن المحاضرہ ص ۱۲۳' ج ۲۔

بحیثیت خلیفہ رسول کے سب سے مقدم فرض اسلام کی تبلیغ تھا۔ آپ نے اس کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے اور آپ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی لیکن جبر سے نہیں بلکہ اسلام کے محاسن کی تبلیغ کے ذریعہ آپ جبری اسلام کے خلاف تھے۔ ایک مرتبہ اپنے غلام کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس نے انکار کیا تو انہوں نے ﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ [۲/البقرۃ:۲۵۶] کہہ کر چھوڑ دیا۔ ❶ آپ نے تبلیغ اسلام کی مختلف شکلیں اختیار کیں۔ جب کسی ملک پر فوج کشی ہوتی تو افسر فوج کو تاکید تھی کہ وہ پہلے اسلام پیش کرے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران کو جو خط لکھا تھا اس میں تھا کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ جنگ سے پہلے اسلام پیش کرو۔ تبلیغ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر مذاہب والوں کے سامنے اسلام کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا جائے جسے دیکھ کر وہ خود اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس سلسلہ میں اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیم وارشاد اور احتساب سے مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تصویر بنا دیا تھا جسے دیکھ کر غیر قومیں خود بخود اسلام کی طرف کھنچتی تھیں۔ شام کی فتوحات میں رومیوں کا سفیر جارج اسی اثر سے مسلمان ہوا۔ ❷ مصر کے شہر شطاء کا ایک معزز رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ ❸ دمشق کی فتح کے بعد یہاں کا بشپ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ ❹ اس کے علاوہ فاروقی عہد میں اور مختلف اسباب کی بنا پر بکثرت غیر قومیں مسلمان ہوئیں۔ افسوس ہے کہ مسلمان مؤرخین نے اشاعت اسلام کے مستقل حالات نہیں لکھے ہیں، صرف ضمناً جا بجا اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

جلولاء کی فتح کے بعد یہاں کے متعدد بڑے بڑے امرا اور رؤسا نے بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا۔ ❺ قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایران کا شاہی رسالہ جس کی تعداد چار ہزار تھی مسلمان ہو گیا۔ ❻ یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر سپاہ کئی سو بہادروں کے ساتھ مسلمان ہوگا۔ ان کے اسلام سے سیابجہ، زط اور اندغار کئی قومیں جو ایرانی فوج میں بھرتی تھیں، مسلمان ہو گئیں۔ ❼ مصر کے قصبہ بلبیس کے کل باشندے مسلمان ہو گئے۔ ❽ دمیاط کی فتح کے بعد بقارہ اور ارادہ سے لے کر عسقلان تک پورے علاقے میں اسلام پھیل گیا۔ ❾ شہر فسطاط میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں آباد ہوا مسلمانوں کے کئی محلے تھے۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

---

❶ کنز العمال ج۔۵ ص ۴۹۔ ❷ طبری ص ۲۰۹۸۔ ❸ مقریزی جلد اول ص ۲۶۶۔
❹ معجم البلدان جلد۔۷ ص۔۳۷ ذکر قطرہ سنان۔ ❺ فتوح البلدان ص ۲۷۴۔ ❻ فتوح البلدان ص ۲۸۹۔
❼ فتوح البلدان ص ۲۸۲۔ ❽ مقریزی جلد اول ص ۱۶۶۔ ❾ مقریزی ج اول ص ۱۸۴۔

حرم کی توسیع

حرم محترم کی عمارت تنگ تھی۔ ۱۷ھ میں اس کی عمارت کو وسیع کیا اور اس کے گرد دیوار کھنچوا کر عام آبادی سے ممتاز کیا۔ [1] کعبہ پر نطع کا (جو ایک معمولی کپڑا ہے) غلاف چڑھا کرتا تھا۔ آپ نے قباطی کا غلاف چڑھایا جو نہایت عمدہ مصری کپڑا ہوتا تھا۔ [2]

مسجد نبوی کی توسیع

مسجد نبوی کی توسیع کی' ازواج مطہرات کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی سے متصل جتنے مکانات تھے سب کو خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر دیا۔ پہلے مسجد کا طول سو گز تھا۔ اس تعمیر میں بیس گز کا اضافہ ہوا۔ مسجد کے گوشہ میں علیحدہ ایک چبوترہ بنوا دیا کہ جن لوگوں کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں آ کر باتیں کریں۔ [3]

رفاہ عامہ کے کام

حکومت کی تنظیم اور مذہبی خدمات کے علاوہ رفاہ عامہ کے بہت سے کام ہوئے۔ زراعت کی سیرابی اور رعایا کی ضروریات کے لیے متعدد نہریں کھدوائیں' ان میں سے بعض یہ ہیں:

نہر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ

بصرہ میں پانی کی بڑی قلت تھی شہر سے چھ میل کی مسافت سے پانی لایا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دجلہ سے نو میل لمبی نہر نکالی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سے گھر گھر پانی کا افراط ہو گیا۔ [4]

نہر معقل رضی اللہ عنہ

دوسری نہر حضرت معقل رضی اللہ عنہ کے اہتمام میں تیار ہوئی۔

نہر سعد رضی اللہ عنہ

یہ نہر اہل انبار کی درخواست پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھدوائی تھی۔ لیکن درمیان

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ واحکام السلطانیہ ص ۱۵۴۔ [2] فتوح البلدان ص ۵۴۔
[3] خلاصۃ الوفاص ۱۳۲'۱۳۳۔ [4] فتوح البلدان ص ۳۶۵

میں پہاڑ حائل ہو جانے کی وجہ سے نامکمل رہ گئی اور حجاج بن یوسف کے زمانے میں پوری ہوئی۔

نہر امیر المؤمنین

سب سے بڑی نہر' نہر امیر المؤمنین تھی۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر سے غلہ طلب کیا تو شام اور مصر کا خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر تاخیر سے پہنچا تھا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۹۹ میل لمبی نہر کھدوا کر نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا اور مصر کے جہازات براہ راست مدینہ کی بندرگاہ تک آنے لگے۔ اس سے مصر کی تجارت کو بھی بڑا فروغ حاصل ہوا۔ [1]

بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کی سہولت کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ تاریخوں میں کوفہ اور مدینہ کے مسافر خانوں کی تفصیل ملتی ہے۔ [2]

سڑک اور پلوں کی تعمیر کا یہ انتظام تھا کہ عموماً مفتوحہ قوموں کے معاہدہ میں شرط ہوتی تھی کہ وہ پل اور سڑک بنائیں گی۔ طبری نے ۱۶ھ کے ایک معاہدہ میں یہ فقرہ بھی لکھا ہے کہ کاشتکار سڑک اور پل بنائیں گے اور بازار لگائیں۔ [3] کتاب الخراج میں بھی اس قسم کا معاہدہ مذکور ہے۔ [4] سیوطی نے لکھا ہے کہ پلوں کی تعمیر' نہروں کی صفائی اور اس قسم کے بعض دوسرے کام بیت المال کے صرف سے انجام پاتے تھے۔ [5]

مکہ اور مدینہ مرکز اسلام تھے۔ لیکن ان کے راستے نہایت خراب اور ویران تھے۔ ۱۷ھ میں مکہ سے مدینہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں' سرائیں اور حوض تعمیر کرائے۔ [6]

عدل و مساوات

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکومت کا انتظامی ڈھانچہ تھا۔ اس کی اصل روح رعایا کے ساتھ عدل و مساوات اور اس کی صلاح و فلاح کی فکر ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں مشکل سے کسی فرمانروا کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ آپ کے ایوان عدالت میں شاہ و گدا' ادنیٰ و اعلیٰ' خویش و بیگانہ اور مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے۔

---

[1] اس نہر کے تفصیلی حالات حسن المحاضرہ اور مقریزی میں ہیں۔

[2] فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ۔ [3] طبری ص ۲۴۷۰۔

[4] کتاب الخراج ص ۸۰۔ [5] حسن المحاضرہ جلد ۱' ص ۶۳۔

[6] طبری ص ۲۵۲۹۔

غیر قوموں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل

کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے اور اس کو اس حکومت میں کیا حقوق حاصل ہیں؟ اس معیار سے فاروقی عہد عدل و انصاف کا نمونہ تھا۔ عرب کی ہمسایہ دو حکومتیں تھیں۔ روم اور فارس یہی دونوں حکومتیں فاروقی عہد میں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں۔ ان دونوں حکومتوں کا طرز عمل خود اپنی ہم قوم رعایا کے ساتھ غلاموں سے بدتر تھا تو دوسری ماتحت اقوام کا کیا ذکر۔ لیکن جب یہی قومیں اسلام کے زیر نگیں ہوئیں تو دفعۃً ان کی حالت بدل گئی اور انہیں ہر طرح کے جائز حقوق اور جائز آزادی عطا کی گئی۔ کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ جان، مال اور مذہب۔ ان کے سوا اور جتنے حقوق ہیں، وہ سب انہی کے ماتحت میں آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام مفتوحہ قوموں کے ان بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ جو حقوق دیئے وہ یہ تھے:

''یہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المؤمنین عمر (رضی اللہ عنہ) نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لیے ہے۔ نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارہ میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔'' [1]

یہ حقوق صرف ایلیا والوں کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے جو ان کے عہد ناموں میں موجود ہیں۔ اہل جرجان کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کی جان، مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے، ان میں سے کسی شے میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔ [2] آذربائیجان کے معاہدہ میں ہے کہ جان و مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے۔ [3] موقان کے معاہدہ کے الفاظ بھی یہی ہیں۔ سب معاہدوں کا نقل کرنا طول عمل ہے۔ صرف چند بطور مثال لکھ دیئے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً عمال کو ان کے معاہدوں کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فاتح شام کو لکھا:

''مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے

---

[1] طبری فتح بیت المقدس۔ [2] طبری ص ۲۶۵۸۔ [3] طبری ص ۲۶۶۲۔

سے روکو اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پوری کرو''۔ [1]

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے قصاص لیتے تھے ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا تو آپ نے قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ [2]

ذمیوں کے املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تھا تو اس کا معاوضہ دلاتے تھے۔ ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت پامال کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا۔ [3] اوپر گزر چکا ہے کہ مال گزاری کی تشخیص میں ذمیوں سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ کہیں جمع زیادہ تو نہیں تشخیص ہوگئی۔ [4] اس کا بڑا اہتمام تھا کہ خراج کی کوئی رقم جبر اور ظلم سے نہ وصول کی جائے چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو وہاں کے دس آدمیوں کو طلب کر کے ان سے قسم لیتے تھے کہ مال گزاری کی تحصیل میں سختی تو نہیں کی گئی ہے۔ [5]

جزیہ کی بحث

اس سلسلہ میں ذمیوں سے جزیہ ایک ٹیکس ایسا ضرور لیا جاتا تھا جو مسلمانوں سے نہ لیا جاتا تھا لیکن یہ ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ تھا۔ ذمی جنگی خدمات سے مستثنیٰ تھے اور مسلمان اس کے لیے مجبور تھے۔ اکثر معاہدوں میں اس کی تصریح ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ٹیکس تھا۔ چنانچہ اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

''ہمارے ذمہ اس شرط پر تمہاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا اور اگر ہم تم سے مدد لیں گے تو اس کے بدلہ میں جزیہ معاف کر دیا جائے گا''۔ [6]

آذربائیجان کی فتح میں یہ معاہدہ لکھا گیا

''جو لوگ کسی سال فوج میں کام کریں گے تو اس سال کا جزیہ ان سے نہ لیا جائے گا۔'' [7]

چنانچہ جب کبھی ذمیوں سے فوجی خدمت لی جاتی تھی تو ان کا جزیہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں جب اس قسم کے مواقع پیش آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسران فوج کو لکھ بھیجا کہ جن ذمی سواروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو ان سے مدد لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔ [8]

---

[1] کتاب الخراج ص ۸۲۔ [2] الدرایہ فی تخریج الہدایہ۔ [3] کتاب الخراج ص ۶۸۔
[4] کتاب الخراج ص ۶۸۔ [5] کتاب الخراج ص ۶۵۔ [6] طبری ص ۴۲۶۸۔
[7] طبری ص ۶۹۰۔ [8] طبری ص ۲۴۹۷۔

یرموک کے معرکہ کے سلسلہ میں جب مسلمان ذمیوں کی حفاظت سے معذور ہو گئے تو جزیہ کی کل وصول شدہ رقم واپس کر دی گئی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار افواج نے شام اور تمام مفتوحہ اضلاع کے حکام کو لکھ بھیجا کہ جتنا جزیہ وصول ہو چکا ہے سب واپس کر دیا جائے گا۔ [1] غرض جزیہ خالص حفاظتی ٹیکس تھا اور فوجی مصارف ہی میں صرف کیا جاتا تھا۔ مسلمان بھی بعض ایسے ٹیکس دیتے تھے جو ذمیوں کو دینے پڑتے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ کی مقدار جزیہ سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔ پھر جزیہ کی وصولی میں سختی نہ برتی جاتی تھی۔ جہاں کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہو جاتا آپ سختی سے روکتے تھے۔

شام کے سفر میں کسی مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے۔ سبب پوچھا' معلوم ہوا کہ جزیہ نہیں ادا کیا گیا ہے۔ پوچھا کیوں؟ معلوم ہوا ناداری کی وجہ سے۔ فرمایا چھوڑ دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ انہیں قیامت میں عذاب دے گا۔ [2] نادار' بے کس اور معذور ذمی جزیہ سے مستثنیٰ تھے اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی۔ حیرہ کے فتح کے معاہدہ میں اس کی تصریح ہے کہ:

> ''اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے' یا کوئی آفت آئے یا دولت مندی کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا''۔ [3]

یہ معاہدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل رہا۔ آپ نے اسے قرآنی استدلال سے اور زیادہ موکد کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضعیف شخص کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو اس کے ادا کرنے کا مقدور نہیں' یہ سن کر آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ نقد دے کر داروغہ سے کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ کلام اللہ کی آیت ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [9/التوبۃ:60] میں فقرا سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔ [4]

---

[1] فتوح البلدان ص۔۱۴۳ و کتاب الخراج ص۸۱۔
[2] کتاب الخراج ص۷۱۔
[3] کتاب الخراج ص۸۵۔
[4] کتاب الخراج ص۷۲۔

آپ کو ذمیوں کا اتنا خیال تھا کہ اپنے آخری زمانہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لیے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس میں ذمیوں کے متعلق خاص طور سے یہ تھا کہ:

''میں ان لوگوں کے حق میں جن کو اللہ اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے' یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے' اسے پورا کیا جائے' ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے'' [1]

کسی غیر قوم کے ساتھ دنیا کی کسی حکومت کا اس سے بہتر طرز عمل اور کیا ہو سکتا ہے؟

رعایا کی خبر گیری

رعایا کی خبر گیری کا اتنا اہتمام تھا کہ آج اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے باوجودیکہ آپ کو مہمات امور سے سابقہ رہتا تھا' لیکن رعایا کے چھوٹے چھوٹے حالات کی جانب سے بھی غفلت نہ ہونے پاتی تھی۔ کبھی کوئی حاجب و دربان نہیں رکھا کہ عام لوگوں کو آپ تک پہنچنے میں دقت نہ ہو۔ روزانہ ہر نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے کہ جس کو جو کچھ کہنا سننا ہو' آزادی سے کہہ سکے۔ چنانچہ اہل حاجت اپنی ضروریات بیان کرتے تھے۔ اگر کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ جاتے۔ [2] باہر سے جو وفود آتے تھے تمام حکام کو طلب کرتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس کو جس عامل کے خلاف شکایت ہو پیش کرے۔ مدینہ اور اس کے اطراف میں خود گھوم پھر کر حالات کا پتہ چلاتے تھے۔ اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

ایک مرتبہ ایک قافلہ آیا اور مدینہ کے باہر اترا۔ آپ اس کی خبر گیری اور حفاظت کیلئے تشریف لے گئے۔ پہرہ دے رہے تھے کہ ایک بچے کے رونے کی آواز سنی۔ پاس جا کر اس کی ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے' تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گزرے تو پھر بچے کو روتے پایا۔ ماں کو ڈانٹا کہ تو بڑی بے رحم ہے۔ اس نے کہا تم کو اصل واقعہ کی خبر نہیں ہے، خواہ مخواہ مجھے دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑیں اس وقت تک بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے' اس لیے میں اس کا دودھ چھڑا رہی ہوں، اس پر وہ روتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت متاثر ہوئے اور فرمایا! ہائے عمر (رضی اللہ عنہ) نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا اور فوراً منادی کرا دی کہ جس دن سے بچہ پیدا ہوا اسی دن سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

ایک مرتبہ شب کو گشت کرتے ہوئے تین میل مدینہ سے باہر نکل گئے' دیکھا کہ ایک عورت کچھ

---

[1] یہ وصیت حدیث کی کئی کتابوں میں ہے۔ [2] کنز العمال ج۔۲' ص۳۲۰۔

پکار رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر تحقیق کی تو عورت نے بتایا کہ کئی وقتوں سے بچے فاقے سے ہیں۔ ان کو بہلانے کے لیے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ یہ سن کر آپ اسی وقت مدینہ واپس آئے اور بیت المال سے آٹا' گھی' گوشت اور کھجوریں لیں اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ اس کو میری پیٹھ پر لاد دو۔ اسلم نے عرض کیا میں لیے چلتا ہوں۔ فرمایا قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے' غرض کل سامان خود اٹھا کر عورت کے پاس لے گئے اور جب تک عورت نے پکا کر بچوں کو کھلا نہ لیا خود بیٹھے رہے' عورت اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی اور کہا امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ سفر میں جاتے تو ایک ایک مقام پر ٹھہر کر حالات دریافت کرتے۔ شام کے سفر میں ایک ضلع میں قیام کر کے لوگوں کی شکایتیں سنیں اور دادرسی کی۔ اسی سفر کی واپسی کا واقعہ ہے کہ ایک مقام پر ایک خیمہ نظر آیا۔ قریب گئے تو ایک بڑھیا نظر آئی۔ اس سے پوچھا عمر (رضی اللہ عنہ) کا کچھ حال معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا ہے' مجھ کو اس کے یہاں سے ایک جب بھی نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا اتنی دور کا حال عمر (رضی اللہ عنہ) کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے' بڑھیا نے جواب دیا اگر حال نہیں معلوم تو خلافت کیوں کرتا ہے' یہ سن کر آپ رو پڑے۔ رعایا کی تکلیف پر خواب و خور حرام ہو جاتا تھا۔ ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا' تو آپ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ گوشت' مچھلی تمام لذائذ ترک کر دیئے۔ نہایت خشوع و خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ الٰہی! میری شامت اعمال کے بدلہ میں امت محمدی کو تباہ نہ کر' آپ کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں آپ کو جتنی فکر و پریشانی تھی' اس سے یہ خطرہ تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں ہلاک ہو جائیں گے۔ [1]

قحط کے اثرات کو روکنے کے لیے بیت المال کا کل نقد و جنس صرف کر دیا اور تمام افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ بھیجا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام سے ہزار اونٹ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر سے بیس جہاز غلہ بھیجا۔ ایک ایک جہاز میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا۔ اس کے ملاحظہ کے لیے خود بندرگاہ جار پر تشریف لے گئے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قحط زدوں کا نقشہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے بقید یا باقاعدہ نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار کیے۔ ہر شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دستخط شدہ ایک چٹ دی جس کے مطابق غلہ ملتا تھا۔ [2] اس کے علاوہ مدینہ میں ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس میں بیس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے۔ [3] یہ تو قحط کے زمانہ کا انتظام تھا' عام حالات میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ رعایا کا کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے' چنانچہ

---

[1] یہ تمام واقعات کنز العمال ج۔۶' ص۔۳۲۶ و مابعد حالات عمر میں ہیں۔

[2] یعقوبی جلد۔۲' ص ۱۷۷۔ [3] کنز العمال جلد۔۶ ص ۳۴۳۔

ملک میں جس قدر معذور و مجبور اور از کار رفتہ آدمی تھے۔ بلا قید ملت و مذہب بیت المال سے سب کے روز ینے مقرر تھے' غیر مسلم معذوروں کے وظائف اور خبر گیری کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ لقطہ یعنی لاوارث بچوں کی پرورش کا انتظام بھی بیت المال سے تھا جن کی مائیں انہیں راستوں پر پھینک جاتی تھیں' ایسے بچوں کے لیے ابتدا میں دو سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر ان کی عمر بڑھنے کے ساتھ اس میں سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی۔ [1] جو یتیم صاحب مال جائیداد ہوتے تھے۔ ان کے مال کی حفاظت اور اسے تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے بڑھانے کا انتظام تھا' غرض عہد فاروقی میں کوئی لاوارث محتاج' معذور اور از کار رفتہ بھوکا نہ رہنے پاتا تھا' یہ وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر اس ترقی یافتہ دور میں بھی نہیں مل سکتی۔

مساوات

اس دور کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام بے جا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا اور بلند و پست کو ایک سطح پر کر دیا تھا۔ اس کا عملی نمونہ خود ان کی ذات تھی۔ امیر المومنین اور عام رعایا کے حقوق میں کوئی فرق نہ تھا۔ عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اور رعایا کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کریں' ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں اس کا لحاظ رکھتے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنوایا' آپ کو اطلاع ہوئی تو لکھ بھیجا کہ کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اوپر۔ [2]

ایک دفعہ کچھ لوگ مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔ جب وہ اٹھے تو لوگ تعظیماً ان کے ساتھ ہو گئے۔ اتفاق سے اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے۔ یہ امتیازی شان دیکھ کر ابی رضی اللہ عنہ کو کوڑا لگایا۔ انہوں نے حیرت سے پوچھا خیر تو ہے؟ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی تعظیم متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔ [3]

شام کا ایک نامور فرمانروا جبلہ ابن ایہم غسانی مسلمان ہو گیا تھا۔ طواف میں اس کی چادر کا کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے پڑ گیا' جبلہ نے اسے تھپڑ مارا۔ اس شخص نے برابر کا جواب دیا۔ جبلہ نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی' آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا۔ جبلہ نے پندار امارت میں کہا ہم وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] یعقوبی جلد ۲' ص ۱۷۱۔ [2] کنز العمال جلد ۶ حالات عمر رضی اللہ عنہ۔
[3] مسند دارمی ص ۱۷' ابن سعد تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ۔

فرمایا ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا' لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔ جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کا امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

غلاموں کو ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے عار ہے۔ غلاموں کے ساتھ عمال کے برتاؤ کی تحقیقات کرتے رہتے تھے۔ ایک عامل کو صرف اس جرم پر معزول کر دیا تھا کہ اس نے غلام کی عیادت نہیں کی تھی۔ [1] غلاموں کے وظائف ان کے آقاؤں کے برابر مقرر کیے' اس قبیل کے دو چار نہیں سینکڑوں واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔

اس مساوات نے مسلمانوں میں حریت اور آزادی کی وہ روح پھونک دی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برسر عام ٹوک دیتے تھے جس کے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

بیت المال کی حفاظت

مسلمانوں کی امانت یعنی بیت المال کی حفاظت کا اتنا انتظام تھا کہ آج شاید اس کے واقعات افسانہ معلوم ہوں گے۔ بیت المال کا ایک ایک حبہ بے محل صرف نہ ہونے پاتا تھا۔ اس کی ایک ایک امانت کی حفاظت بہ نفس نفیس فرماتے تھے۔ اس کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیہ کے درج رجسٹر کراتے تھے۔

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی تلاش میں نکلے۔ عین اسی وقت ایک رئیس احنف بن قیس رضی اللہ عنہ آپ سے ملنے کے لیے آئے۔ دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ دامن چڑھائے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر فرمایا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو' ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا' امیر المومنین آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں' کسی غلام کو حکم دے دیجئے' وہ ڈھونڈ لائے گا فرمایا (ای عبد اعبد منی) یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔ [2]

بیت المال میں قیصر و کسریٰ کے خزانے لدے چلے آ رہے تھے' لیکن اس میں آپ کا حصہ صرف بقدر کفایت روزینہ تھا' اس کے علاوہ اس سے ادنیٰ فائدہ اٹھانا بھی اپنے لیے حرام سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑے' لوگوں نے دوا میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا' بہت معمولی سی چیز تھی

---

[1] طبری ص ۲۷۷۵۔ [2] کنز العمال ج۔ ۶' ص ۳۵۴۔

لیکن بغیر مسلمانوں سے اجازت لیے ہوئے اسے لینا طبیعت نے گوارہ نہ کیا۔ مسجد نبوی میں جا کر مسلمانوں سے کہا اگر آپ لوگ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔ ❶

ایک دفعہ مال غنیمت آیا آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آ کر عرض کیا امیر المؤمنین میرا حق مجھ کو دیجئے میں ذوی القربیٰ میں ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جان پدر تیرا حق میرے ذاتی مال میں ہے' یہ تو غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا یہ خشک جواب سن کر وہ غریب لوٹ گئیں۔ ❷ آپ کو اپنے مرحوم بھائی زید رضی اللہ عنہ کی بچی سے والہانہ محبت تھی' ایک دن اس نے بیت المال کے زیورات سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی۔ آپ اسے آزردہ نہ کرنا چاہتے تھے' اس لیے پیار کر کے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر میں ڈال دی۔ ❸

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ طرفین میں خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ آپ کی اہلیہ ام کلثوم نے قیصر کی ملکہ کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں اس نے جواب میں شیشیوں میں جواہرات بھر کر بھیجے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے بیوی کو بلا کر فرمایا' گو عطر تمہارا تھا' لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا تھا وہ سرکاری اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے تھے' یہ کہہ کر جواہرات بیت المال میں داخل کرا دیئے اور بیوی کو ایک دینار معاوضہ دے دیا۔ ❹

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس میں صرف ایک دینار نکلا۔ انہوں نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیوں پڑا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بچہ کو دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا تم کو مدینہ میں آل عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا' تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدی کا مطالبہ میری گردن پر رہے۔ ❺

ایک مرتبہ ایک فربہ اونٹ بازار میں بکتے ہوئے دیکھا' دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ان سے پوچھا یہ اونٹ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا' اب فربہ ہو گیا ہے' اس لیے بیچتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے تم اتنی ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں خریدا تھا اور زائد

---

❶ طبقات ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص ۱۹۸۔ ❷ کنز العمال ج۔۶' ص ۳۵۰۔
❸ کنز العمال ج۔۶' ص ۳۴۸۔ ❹ کنز العمال ج۔۶' ص ۳۵۶۔ ❺ کنز العمال جلد۔۶' ص ۳۵۷۔

قیمت لے کر بیت المال میں داخل کردی۔ ❶

ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے قرض مانگا۔ انہوں نے کہا آپ امیر المؤمنین ہیں' بیت المال سے قرض لے سکتے ہیں' آپ نے فرمایا میں بیت المال سے نہیں لوں گا' کیونکہ اگر میں ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو تم لوگ میرے ورثاء سے مطالبہ نہ کرو گے اور یہ بار میرے سر جائے گا اس لیے ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو۔ ❷ اس قبیل کے بکثرت واقعات ہیں۔

فضل وکمال

ذاتی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت ذہین' طباع' بالغ نظر' مدبر اور صاحب رائے تھے۔ جاہلی اور اسلامی دونوں علوم میں آپ کو یکساں کمال حاصل تھا۔ فصاحت و بلاغت' انشاء و خطابت' شاعری ولسانی' سپہ گری اور بہادری وغیرہ ان تمام اوصاف وکمالات میں جو عرب میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے' آپ کو وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کی بہت سی تقریریں اور تحریریں کتابوں میں محفوظ ہیں جن سے آپ کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاعری کا نہایت بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے' خود بھی شعر کہتے تھے' مگر بہت کم۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار نقل کیے ہیں لیکن ناقد اور سخن سنج بڑے اعلیٰ درجہ کے تھے۔ ابن رشیق کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے شعر کے سب سے بڑے نقاد اور اداشناس تھے۔ ❸ مشہور ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد کے سب سے بڑے سخن سنج تھے۔ ❹ س عرب کے تمام بڑے بڑے شعرا کا کلام حفظ تھا اور اس پر ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔ امراء القیس' نابغہ اور زہیر کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ان کی سخن سنجی کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آپ نے عرب کی شاعری کی بڑی اصلاح کی' عربی شعرا' اشعار میں علانیہ عورتوں کے نام لے کر اپنی عشق ومحبت کی داستانیں بیان کرتے تھے' کسی شریف آدمی کی ہجو کہہ دینا معمولی بات تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں باتوں کی ممانعت کردی۔ ❺

آپ کے والد خطاب قریش کے بڑے مشہور نساب تھے۔ یہ فن آپ نے انہی سے سیکھا تھا۔ چنانچہ نسب کے متعلق تمام معلومات اپنے والد ہی کے حوالہ سے بیان کرتے تھے۔ ❻ لکھنے پڑھنے کا

---

❶ کنز العمال جلد ۶' ص ۳۵۷ ❷ ابن سعد جلد ۳' ق ۱' ص ۱۹۹۔
❸ کتاب العمدہ ص ۱۳۔ ❹ کتاب البیان والتبین ج ۱' ص ۹۷۔
❺ اسد الغابہ تذکرہ حمید بن ثور۔ ❻ کتاب البیان والتبین ج ۱' ص ۱۱۷۔

ذوق آپ کو ابتدا سے تھا اور آپ اس زمانہ سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب قریش میں صرف سترہ آدمی لکھے پڑھے تھے۔ (1) مسند دارمی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی۔ ایک مرتبہ آپ آنحضرت ﷺ کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے گئے اور پڑھنا شروع کیا۔ یہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت ﷺ کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ (2)

ذہانت طباعی اور اصابت رائے کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ آپ کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں۔ اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز سے قائم ہوا۔ متعدد امور میں وحی الٰہی نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ چنانچہ اسیران بدر کے ساتھ طرز عمل، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پردہ، شراب کی حرمت اور مقام ابراہیم علیہ السلام کو مصلیٰ بنانے میں قرآن نے آپ کی رائے کی تائید کی۔ (3) ذہانت طباعی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہایت نکتہ رس اور دقیقہ سنج بنا دیا تھا۔ آپ کی نگاہ احکام شریعت کے ایسے باریک نکتوں تک پہنچتی تھی جن پر عام صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر مشکل سے پہنچ سکتی تھی۔ علم اسرار دین کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی۔

قرآن پاک کے احکام و مسائل میں بڑا فکر و تدبر کرتے تھے۔ جو پیچیدہ مسائل حل نہ ہوتے انہیں رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے۔ کلالہ کی وراثت کا مسئلہ آپ نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ آپ ﷺ نے تنگ آ کر فرمایا کہ اس بارہ میں سورۂ نساء کی آخری آیت کافی ہے۔ (4) اس غور و فکر اور تلاش و جستجو نے آپ میں کلام اللہ کی تفسیر و تاویل اور آیات قرآنی سے استنباط احکام اور استدلال کا فطری ملکہ پیدا کر دیا تھا۔ حدیثوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں سے بعض اوپر گزر چکی ہیں۔ اگرچہ آپ کا شمار کثیر الروایہ صحابہ میں نہیں ہے، آپ کی مرفوع روایات کی تعداد کل سترہ ہے، لیکن حدیث کے علم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ قلت روایت کا سبب آپ کی شدت احتیاط تھی۔ کلام رسول کو بیرونی آمیزش سے پاک رکھنے کے لیے آپ کے شدت اہتمام کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ ورنہ نفس علم حدیث میں وہ کسی بڑے سے بڑے محدث صحابی سے کم نہ تھے۔ اپنے زمانہ میں انہوں نے جتنے احکام صادر فرمائے وہ سب حدیث ہی کی سند پر تھے۔ البتہ احتیاط کی بنا پر ان کو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب نہیں کیا۔ احادیث نبوی ﷺ کی جو خدمت انہوں نے کی اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

---

(1) بلاذری ص ۴۷۷۔ (2) مسند دارمی ص ۶۲۔ (3) یہ واقعات بخاری کے مختلف ابواب میں ہیں۔
(4) تفسیر ابن جریر ج۔ ۶، ص ۴۵۔

فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا بلکہ فقہ کا فن آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جو اساطین فقہ میں ہیں آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے زمانہ میں ہزاروں نئے مسائل پیش آئے' آپ نے انہیں اپنی قوت اجتہاد سے حل کیا۔ آپ کے فقہی مسائل کی تعداد کئی ہزار ہے جن میں ایک ہزار مہمات مسائل ہیں۔ [1] اصول فقہ کا فن آپ ہی کی ایجاد ہے۔ آپ نے تنہا جزئیات کی تدوین نہیں کی بلکہ تفریع واستنباط مسائل کے اصول و ضوابط بنا کر آئندہ آنے والوں کے لیے اجتہاد وفکر کی ایک وسیع شاہراہ قائم کر گئے' غرض اپنی فطری ذہانت اور دینی بصیرت سے فقہ کے تمام متعلقات کو ایک مستقل فن بنا دیا۔ آپ کے علمی کمالات کی فہرست بہت طویل ہے لیکن مقصود اختصار ہے' اس لیے تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

سیرۃ الفاروق

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلامی تعلیمات کی مجسم تصویر تھے۔

خشیت الٰہی

تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے۔ اللہ کا خوف آپ کے رگ و پے میں جاری وساری تھا۔ اس کے مواخذہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا جنتی ہے تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔ [2]

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا کاش میں بھی خس وخاشاک ہوتا' کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا' کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔ [3]

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا' کیوں ابوموسیٰ تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام' ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے طفیل میں برابر سرابر پر چھوٹ جائیں' نہ عذاب ملے نہ ثواب۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو اس پر راضی نہیں ہوں۔ ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں۔ اس کے صلہ کی امید رکھتے ہیں۔ فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے' میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤں۔ [4]

---

[1] اعلام الموقعین جلد اول ص ۱۳۔ [2] کنز العمال ج۔ ۶' ص ۳۴۵۔
[3] کنز العمال ج۔ ۶' ص ۳۴۵۔ [4] بخاری باب ایام الجاہلیہ۔

آیات قرآنی سے تاثر

نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے تھے جن میں قیامت کی ہولناکی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا۔ انہیں پڑھ کر زار و قطار روتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں ابواب الصلوۃ کے تحت میں اس کے بہت سے واقعات ہیں۔

حب رسول ﷺ

ذات نبوی سے والہانہ شیفتگی تھی۔ جان، مال، اولاد، ہر محبوب چیز آنحضرت ﷺ پر فدا تھی۔ جب آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر چند دنوں کے لیے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوی ﷺ پر حاضر ہوئے لیکن بار بار اذن طلب کرنے پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو پکار کر عرض کیا اللہ کی قسم میں حفصہ (رضی اللہ عنہا) ام المؤمنین (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی) کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اگر رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو اس کا سر قلم کر دوں۔ [1] آنحضرت ﷺ کی وفات پر غلبہ محبت میں آپ پر جو وارفتگی طاری ہو گئی تھی اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ آپ کے وصال کے بعد جب عہد مبارک یاد آ جاتا تو روتے روتے بے تاب ہو جاتے تھے۔ شام کے سفر میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ [2] وصال نبوی ﷺ کے بعد گو عرب کی سرزمین میں سونے چاندی کی گنگا بہنے لگی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی پرعسرت زندگی کی یاد میں اچھا کھانا نہ کھاتے تھے۔

متعلقین رسالت ﷺ کا لحاظ

جناب رسالت مآب ﷺ کے تمام متعلقین کا پاس و لحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے، جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر کرنے چاہے تو اکابر صحابہ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المؤمنین کے آپ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ تعلق کے قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم، پھر ان میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھا، اس کے بعد بنی امیہ بن عبد شمس پھر بنی نوفل بن عبد العزیٰ۔ اپنے قبیلہ بنی عدی کو پانچویں نمبر پر رکھا۔ تنخواہوں کی تعداد میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔

---

[1] فتح الباری ج۔۹، ص ۲۵۱۔ [2] فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس۔

سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھیں۔ اگرچہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ان میں سے نہ تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بدری صحابہ کے برابر مقرر کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے وظیفے بارہ بارہ ہزار مقرر کیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو بدری صحابی تھے' زیادہ مقرر کی' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عذر کیا تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو تجھ سے اور اسامہ (رضی اللہ عنہ) کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے۔ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس تعلق کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپ کسی کام میں سنت نبوی سے تجاوز نہ کرتے تھے' عبادات و معاملات کا ذکر نہیں' روزانہ کی زندگی میں اتباع سنت کا پورا اہتمام تھا۔ عمال کو پابندی سنت کے تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا کھایا۔ معمولی کھانوں کے بعد جب عمدہ قسم کے کھانے لائے گئے تو ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی جان ہے اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو اللہ تم کو جادۂ مستقیم سے ہٹا دے گا۔ [2] وسعت کے باوجود اتباع سنت کے خیال سے بڑی تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے' ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لیے آپ کو نرم کپڑوں اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا جان پدر! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کی زندگی بھول گئیں' اللہ کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو۔ [3]

زہد وقناعت

آپ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب زہد وقناعت اور سادگی وتواضع ہے۔ آپ کا زہد اکابر صحابہ میں مسلم تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قدامت اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے لیکن زہد وقناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ حکومت کے تخت جلال پر بیٹھ کر جس زہد وقناعت کا نمونہ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا' اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ آپ کی زندگی کا ایک رخ یہ ہے کہ ایران پر فوجیں بھیج رہے ہیں' قیصر وکسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے' خالد رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے باز پرس ہو رہی ہے۔ فاتح ایران ومصر کے نام فرامین جاری ہو رہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا

---

[1] کتاب الخراج ص۔ ۲۴' ۲۵۔ [2] کنز العمال ج۔ ۶' ص ۳۵۴۔ [3] بخاری باب الزہد۔

ہوا کرتا ہے' سر پر پھٹا ہوا عمامہ' پاؤں میں بوسیدہ چپل' اسی حالت میں بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے کاندھے پر مشک ہے یا کسی وقت مسجد کے گوشہ میں کام سے تھک کر فرش خاک پر نیند آ گئی ہے۔ [1] ابن سعد اور کنز العمال میں آپ کے زہد کے بہت سے واقعات ہیں۔

سادگی

سفر میں بھی خیمہ وخرگاہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ جہاں منزل ہوتی درخت کے سایہ میں پڑے رہتے۔ [2] آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگوں کو جن کی نگاہیں شان وشوکت ڈھونڈتی تھیں' آپ کو پہچاننے میں دقت ہوتی تھی۔ شام کے سفر میں جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المؤمنین کو ایسی معمولی حالت میں دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہ ہمارے لیے کافی ہے۔

احتساب نفس

جب کبھی دل میں عجب وغرور کا شائبہ پیدا ہوتا تو فوراً اس کا تدارک کرتے تھے۔ ایک دن خطبہ دیا اور صرف یہ فرمایا' صاحبو! میں ایک زمانہ میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کے لیے پانی بھر دیا کرتا اور وہ اس کے بدلے میں چھوہارے دیتے تھے' وہی کھا کر میں زندگی بسر کرتا تھا' یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے' لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کون سی بات تھی۔ آپ نے خود ہی جواب دیا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آ گیا تھا' یہ اس کی دوا تھی۔ [3]

مزاج

مزاج فطرۃً تیز وتند واقع ہوا تھا۔ اسلام سے پہلے تو قہر مجسم تھے۔ اسلام کے بعد بھی سختی قائم رہی۔ بات بات پر تلوار بے نیام ہو جاتی تھی لیکن خلافت کا بار پڑنے کے بعد بہت نرم ہو گئے تھے' پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا تھا۔ درحقیقت ان کی درشتی بھی ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی۔ وہ حق کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی تند مزاجی کے جتنے واقعات ہیں وہ سب حمایت حق کے ہیں ورنہ اپنی ذات کے لیے وہ نہایت متحمل اور بردبار تھے۔ معاملات ملکی میں لوگ اختلاف کرتے

---

[1] دیکھو ابن سعد ج۔۲ حالات عمر رضی اللہ عنہ و کنز العمال ج۔۶' ص۔۳۴۵ ومابعد۔

[2] ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص۲۰۰۔ [3] ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص۲۰۰۔

تھے' معمولی معمولی باتوں پر ٹوکتے تھے لیکن آپ کی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل اللہ تعالیٰ کے بارہ میں نرم ہو جاتا ہے تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہو جاتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

ذریعہ معاش

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصل ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اسلام کے قبل سے ان کا یہ مشغلہ تھا اور اسلام کے بعد بھی قائم رہا' خیبر کی فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قطعہ اراضی ثمغ نامی مرحمت فرمائی تھی اسی نام کی ایک اور زمین ایک یہودی سے لی تھی لیکن یہ دونوں زمینیں انہوں نے کار خیر کے لیے وقف کر دی تھیں۔ خلافت کے بعد بقدر کفایت وظیفہ مقرر ہوا۔ پھر کبار صحابہ کے وظائف کے ساتھ ان کا بھی پانچ ہزار مقرر ہوا۔

غذا اور لباس

لیکن زندگی کے کسی دور میں آپ کی سادگی میں فرق نہ آیا۔ آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ کے گزارہ کے لیے جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا اس کی تعداد دو درہم روزانہ تھی۔ اسے بھی اس شرط سے قبول کیا تھا کہ جب مالی حالت درست ہو جائے گی تو نہ لیں گے۔ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے مال میں میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال میں متولی کا ہوتا ہے۔ [1] آپ کے لباس میں صرف چند جوڑے موٹے کپڑے ہوتے تھے۔ ان میں بھی پیوند پر پیوند لگے ہوتے۔ [2] ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس بارہ میں گفتگو کی تو فرمایا کہ مسلمانوں کے مال میں سے اس سے زیادہ تصرف نہیں کرسکتا۔

ان ہی کپڑوں میں برسر عام نکلتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے میں نے شمار کیا تو ان کے تہہ بند میں بارہ پیوند تھے۔ [3] کبھی کبھی صرف ایک ہی جوڑا رہ جاتا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔ [4] ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے کہا' امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آپ کو فارغ البال کیا ہے۔ آپ کے پاس بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے وفود آتے ہیں' اس لیے آپ کو اپنی زندگی میں تغیر کرنا چاہیے' فرمایا افسوس تم دونوں امہات المؤمنین

---

[1] ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص ۱۹۸۔ [2] ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' ص ۳۳۷۔
[3] کنز العمال ج۔۶' ص ۳۴۷۔ [4] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۷۔

ہوکر دنیا کی ترغیب دیتی ہو۔ عائشہ! (رضی اللہ عنہا) تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گئیں' جب کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جسے آپ دن میں بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے' حفصہ رضی اللہ عنہا تم کو یاد نہیں کہ ایک مرتبہ تم نے فرش کو دہرا بچھا دیا تھا۔ اس کی نرمی کے سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر سوتے رہے اور جب بلال (رضی اللہ عنہ) نے اذان دی' اس وقت آنکھ کھلی اور آپ نے فرمایا حفصہ تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دوہرا کر دیا کہ میں صبح تک سوتا رہا۔ مجھے دنیاوی راحت سے کیا علاقہ' تم نے فرش کی نرمی کی وجہ سے مجھے غافل کر دیا۔ [1] غذا میں عموماً موٹے بے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا۔ کبھی کبھی گوشت اور اچھی چیز بھی کھا لیتے تھے' کھانے کی سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ کا کھانا دوسرے لوگ بمشکل کھا سکتے تھے۔ ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے ان کے حلق سے نہ اترتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ۔ عتبہ نے عرض کیا' امیر المؤمنین اگر آپ اپنے کھانے' پینے' پہننے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کے مال میں کچھ کمی نہ ہو جائے گی۔ فرمایا افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو۔ [2]

اولیات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر صیغہ میں جو نئی باتیں ایجاد کیں' مؤرخین انہیں اولیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی فہرست یہ ہے: (۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔ (۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔ (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔ (۴) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔ (۶) والٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ (۷) دفتر مال قائم کیا۔ (۸) پیمائش کا طریقہ جاری کیا۔ (۹) مردم شماری کرائی۔ (۱۰) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی۔ (۱۱) نہریں کھدوائیں۔ (۱۲) شہر آباد کرائے۔ (۱۳) ممالک کو صوبوں میں تقسیم کیا۔ (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا۔ (۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔ (۱۶) جیل خانہ قائم کیا۔ (۱۷) درہ کا استعمال کیا۔ (۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا۔ (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ (۲۰) فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ (۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مخبس کی تمیز قائم کی جو عرب میں نہ تھی۔ (۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے۔ (۲۳) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے چوکیاں اور سرائیں بنوائیں۔ (۲۴) راہ پر پڑے ہوئے

---

[1] کنز العمال ج۔۶' ص ۳۵۰۔ [2] کنز العمال ج۔۶' ص ۳۴۸۔

بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے۔(۲۵) قائدہ بنایا کہ اہل عرب غلام نہیں بنائے جا سکتے۔(۲۶) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔(۲۷) مکاتب قائم کیے۔(۲۸) معلموں اور مدرسوں کے مشاعرے مقرر کیے۔(۲۹) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی۔(۳۰) قیاس کا اصول قائم کیا۔(۳۱) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔(۳۲) فجر کی اذان میں ((اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌمِّنَ النَّوْمِ)) کا اضافہ کیا۔(۳۳) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔(۳۴) تین طلاقوں کو اگر ایک ساتھ دی جائیں بائن قرار دیا۔(۳۵) شراب کی حداسی کوڑے مقرر کی۔(۳۶) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔(۳۷) بنی تغلب کے عیسائیوں پر جزیہ کی بجائے زکوٰۃ مقرر کی۔(۳۸) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔(۳۹) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا۔(۴۰) مساجد میں وعظ کا طریقہ جاری کیا۔(۴۱) اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔(۴۲) مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا۔(۴۳) ہجو کہنے والے کے لیے تعزیر کی سزا مقرر کی۔(۴۴) غزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا۔(یہ اولیات طبری' تاریخ الخلفاء اور سیرۃ عمر ابن جوزی میں مذکور ہیں)



حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(۴۴ھ تا ۳۵ھ مطابق ۶۴۵ء تا ۶۵۵ء)

ترجمہ عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کی شادی ہوئی تھی۔ اس لیے آپ "ذوالنورین" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کی مشہور شاخ بنی امیہ سے تھے۔ پانچویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ بنی امیہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز اور مقتدر چلا آتا تھا۔ قریش کے خانوادوں میں بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا مقابل نہ تھا۔ قریش کا مشہور عہدہ عقاب یعنی فوج نشان کی علمداری اسی میں تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مورث اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے بڑے دبدبہ وشکوہ کے رئیس تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی کے سینتالیس (۴۷) سال قبل پیدا ہوئے۔ بچپن کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ معاش کا ذریعہ تجارت تھا اور اس میں اپنی دیانت اور راست بازی سے اتنی ترقی حاصل کر لی تھی کہ قریش کے دولت مند ترین لوگوں میں شمار تھا۔ اپنی ثروت کی وجہ سے غنی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ کی عمر کا چونتیسواں سال تھا کہ اسلام کا ظہور ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نہایت گہرے تعلقات وروابط تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ نے انہیں اسلام کی طرف مائل کر لیا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہو گئے۔ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا عقد ان کے ساتھ کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان یعنی بنو امیہ اسلام اور مسلمانوں کے نہایت سخت دشمن تھے۔ ان کا غصہ غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا حکم اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے اسلام کے جرم میں بھتیجے کو باندھ کر مارا۔ تمام اعزہ نے منہ موڑ لیا۔ کچھ دن تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے پھر اذن ہجرت کے بعد اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو لے کر حبشہ چلے گئے اور ہجرت اولیٰ میں اولیت کا شرف حاصل کیا۔ چند سال کے بعد قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر مکہ واپس آئے۔ ان کے اور ساتھی تو پھر حبشہ لوٹ گئے مگر یہ مکہ میں مقیم ہو گئے پھر چند دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے۔ [2]

---

[1] اصابہ ج۔۸ تذکرہ سعدی بنت کریز واسعد الغابہ تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ [2] ابن سعد جلد۔۳ ق۔اول ص ۳۸۔

بیر رومہ کی خریداری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت دولت مند تھے' ان کی دولت سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملک میں تھا۔ اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ غریب مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ (1)

مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمان تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ بدر میں حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم کو شرکت کا اجر اور غنیمت میں دونوں کا حصہ ملے گا۔ (2) احد میں بھی شریک تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا از خود رفتہ کر دیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی انہی میں تھے ان کو اس کا سخت قلق تھا۔ جب وحی الٰہی نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو بری قرار دیا اس وقت آپ کو اطمینان ہوا۔ غزوۂ ذات الرقاع میں مدینہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔ (3) غزوۂ حدیبیہ میں بھی ہمرکاب تھے' چنانچہ سفارت کی خدمت آپ ہی کے سپرد تھی' جس کے حالات عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گزر چکے ہیں۔ یہ وہ اعزاز ہے جو آپ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہیں ہوا۔ غزوۂ تبوک کے زمانہ میں عرب میں سخت قحط سالی تھی' عین ان حالات میں غزوۂ تبوک پیش آیا' تمام صاحب مقدرت صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگی اخراجات کے لیے روپیہ دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آدھی یا تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے' اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ' ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور سامان رسد کے پیش کیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس خدمت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوا کہ آپ ان کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (4) غرض عثمان غنی کی جان اور ان کی ساری دولت اسلام کے لیے وقف تھی۔

خلافت اور فتوحات

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور اپنے مفید مشوروں سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ ان کی خدمات اسلامی اور سبقت فی الاسلام کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت ان چھ آدمیوں میں جنہیں آپ نے اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد کیا

---

(1) استیعاب ج۔۲' ص ۴۸۸۔ (2) بخاری مناقب عثمان رضی اللہ عنہ۔

(3) ابن سعد جلد۔۱' ق۔۳' ص ۳۹۔ (4) مستدرک حاکم جلد۔۳' ص۔۱۰۳ و ترمذی مناقب عثمان رضی اللہ عنہ۔

تھا ایک نام آپ کا بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کو مسور بن مخرمہ کے گھر میں یکجا کیا۔ مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انتخاب کی صورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو اور کم کر دیا جائے اور جو شخص جسے زیادہ اہل سمجھتا ہو اس کا نام پیش کر دے۔ اس تجویز پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا' لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اور حضرت زبیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ اس تحریک پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صرف دو نام رہ گئے ہیں' ان دونوں میں سے جو شخص کتاب اللہ' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت شیخین پر عمل کرنے کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر آپ دونوں حضرات اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیں تو زیادہ مناسب ہے۔ دونوں راضی ہو گئے۔ ان سے اجازت لینے کے بعد انہوں نے مسجد نبوی میں مسلمانوں کو جمع کر کے ایک موثر تقریر کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ کی بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھایا۔ آپ کے بیعت کرتے ہی خلقت ٹوٹ پڑی۔ بیعت عام کے بعد محرم ۲۴ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ [1] ابتدا میں کچھ دن تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فاروقی نظام میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ صرف مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق کوفہ کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور تمام عہدیداران حکومت اور افسران فوج کے نام فرامین جاری کیے جن میں عمال کو رعایا پروری کی ہدایت' جلب زر کی ممانعت' مسلمانوں اور ذمیوں کے حقوق کی حفاظت' افسران فوج کو فوجی نظام کی پابندی' تحصیلداروں کو واجبی محاصل سے زیادہ وصول کی ممانعت' امانتداری' یتیموں اور ذمیوں کے مال میں انصاف و دیانت کی تاکید تھی۔ ان ہدایتوں کے علاوہ عوام کے لیے بھی اس فرمان میں مفید ہدایات تھیں۔ [2]

پہلا مقدمہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد آپ کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے قصاص کا پیش ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت

---

[1] ابن سعد جلد ۳' ق۔ اول' ص ۴۳' ۴۲ یہ واقعات طبقات اور تاریخ کی تمام کتابوں میں ہیں۔

[2] ابن سعد میں یہ پورا فرمان منقول ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤ نے آپ کو شہید کرنے کے بعد فوراً خودکشی کر لی تھی لیکن بعض واقعات کی بنا پر عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شک تھا کہ ابولؤلؤ کے ساتھ دو اور آدمی جفینہ اور ہرمزان قتل کی سازش میں شریک تھے۔ انہوں نے جوش غضب میں ان کو قتل کر دیا۔ بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ قصاص میں قتل کرنا چاہیے' لیکن دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مخالفت کی کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کل عمر رضی اللہ عنہ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو تلوار کے حوالہ کیا جائے' اس اختلاف رائے پر آپ نے قصاص کی سزا کو دیت سے بدل دیا اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کی۔ [1]

اسکندریہ کی بغاوت

مصر کا علاقہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے رومی حکومت کا نہایت اہم حصہ تھا اس لیے قیصر کو برابر اس کی واپسی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اسکندریہ میں رومیوں کی بڑی تعداد آباد تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ۲۵ھ میں قیصر نے انہیں خفیہ بھڑکا کر بغاوت کرا دی اور قسطنطنیہ سے جنگی بیڑا مدد کے لیے بھیجا لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فوراً پہنچ کر رومیوں کو نہایت فاش شکست دی۔ قبطی سابق مصالحت پر قائم تھے۔ انہوں نے اس بغاوت میں حصہ نہ لیا تھا' اس لیے رومیوں نے بھاگتے ہوئے انہیں خوب لوٹا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد یہ لوگ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس فریاد لے کر گئے۔ جہاں تک مل سکا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کا مال واپس کر دیا۔ [2] اس کے بعد آئندہ بغاوت کے خطرہ سے حفاظت کے لیے شہر پناہ مسمار کرا دی۔

آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوت اور بعض فتوحات

اسی سنہ میں آذربائیجان اور آرمینیہ کے علاقے صلح توڑ کر باغی ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کو بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا۔ انہوں نے فوج کشی کر کے آذربائیجان کو مطیع بنایا اور سلمان بن ربیعہ باہلی کو آرمینیہ بھیجا۔ ابھی یہ برسرپیکار تھے کہ معلوم ہوا کہ ایشیائے کوچک میں رومیوں نے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے۔ یہ اطلاع پا کر یہ ادھر بڑھے اور راستے میں کئی قلعے فتح کیے۔ دوسری طرف حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ کچھ تو جزیہ دے کر یہیں رہ گئے اور کچھ جلاوطن ہو گئے۔ اسی دوران میں ایشیائے کوچک کے بطریق

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹۔ [2] ابن اثیر ج ۳' ص ۳۱۔

اعظم نے اسی ہزار فوجیں حبیب کے مقابلہ کے لیے بھیجیں۔ حبیب نے انہیں شکست دے کر ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور بہت سے علاقوں کو مطیع اور اران اور گرجستان کے بعض علاقوں کو فتح کیا۔ اسی سنہ میں امیر معاویہ نے ایشیائے کوچک پر فوج کشی کی اور بروسہ تک بڑھتے چلے گئے۔ اور انطاکیہ اور طرطوس کے درمیان جس قدر قلعے تھے سب میں اسلامی نوآبادیاں قائم کر دیں۔ [1] اسی سال میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر نے افریقہ پر حملہ کے انتظامات کیے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مصر کے والی تھے۔ اس کا ایک حصہ جو سعید مصر کہلاتا ہے' عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق تھا' شعبہ خراج میں بھی ابن ابی سرح کے کچھ اختیارات تھے۔ اس دوعملی کی وجہ سے دونوں میں بنتی نہ تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرے کی شکایت کرتے تھے۔ ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو شکایت تھی کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خراج کی رقم گھٹا دی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ابن ابی سرح نے فوجی قوت کمزور کر دی۔ مصر کے خراج کی کمی کی شکایت کی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اس میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ اونٹنی اس سے زیادہ نہیں دے سکتی۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے ابن ابی سرح کو پورے صوبہ کا والی بنا دیا۔ انہوں نے خراج کی آمدنی میں کافی اضافہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا' عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

طرابلس کی فتح

عبداللہ بن ابی سرح نہایت حوصلہ مند نوجوان تھا' شمالی افریقہ کے خوش سواد علاقے طرابلس الغرب' تونس' مراکش اور الجزائر مصر کے ہم سرحد اور بالکل سامنے تھے اور ۲۵ھ ہی سے اس پر عبداللہ کی نگاہیں پڑ رہی تھیں اور وہ اسی زمانہ میں اس کا جائزہ لینے کے لیے ایک سرسری چکر لگا آیا تھا۔ ۲۷ھ میں اس نے باقاعدہ شمالی افریقہ پر فوج کشی کی' اس کے طرابلس الغرب کی حدود میں داخل ہونے کے بعد یہاں کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا۔ دونوں میں عرصہ تک جنگ ہوتی رہی' لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب زیادہ عرصہ لگ گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۲' ۳۳ و فتوح البلدان بلاذری ص ۲۰۵' ۲۰۶۔

زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ مدد کے لیے بھیجا۔ ان کے بعد بھی کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اُسی دن فوج کا ایک حصہ ایک مقام پر چھوڑ دیا اور ایک حصہ لے کر مقابلہ میں آئے اور دن بھر نہایت شدت کی جنگ ہوتی رہی۔ آخر میں جب دونوں تھک کر الگ ہو گئے اس وقت وہ فوج جو آرام کر رہی تھی دفعۃً پہنچ کر حملہ آور ہو گئی' طرابلسی بالکل چور ہو چکے تھے' اس لیے مزید مقابلہ نہ کر سکے اور جرجیر نے پچیس ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ [1] طرابلس کی فتح کے بعد تونس' مراکش اور الجزائر وغیرہ تمام علاقے آسانی کے ساتھ زیر نگیں ہو گئے۔

اسپین پر حملہ

شمالی افریقہ کی تسخیر کے بعد بحر روم کا دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ ۲۷ھ میں عبداللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا' لیکن اس وقت مستقل فوج کشی کا خیال نہ تھا اس لیے صرف یورپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر لوٹ آئے۔

قبرص کی فتح

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی سے صوبہ دمشق کے والی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں پورے شام کا والی بنا دیا تھا۔ انہوں نے طرابلس' شام' عموریہ اور ملطیہ وغیرہ فتح کیے۔ قبرص پر جو ساحل شام کے قریب ہی نہایت زرخیز اور شاداب جزیرہ ہے' فاروقی عہد سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر تھی۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے اس پر فوج کشی کی اجازت بھی مانگی تھی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے خلاف تھے۔ اس لیے اجازت نہ دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی شروع میں احتیاط برتی لیکن جب اس کا یقین ہو گیا کہ بحری جنگ میں کوئی خطرہ نہیں ہے تو اجازت دے دی' مگر یہ شرط کر دی کہ جو شخص بخوشی شرکت کرنا چاہے اسے شریک کیا جائے' کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ اجازت ملنے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر حملہ کیا۔ یہاں کے باشندے نہایت نرم خو تھے' جنگ و جدال سے گھبراتے تھے۔ اس لیے انہوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ اس صلح میں یہ شرط تھی کہ مسلمان ان کی پوری حفاظت کریں گے اور رومیوں کے مقابلہ کے لیے اہل قبرص مسلمانوں کو اپنے جزیرہ سے گزرنے دیں گے اور رومیوں کے حالات کی مسلمانوں کو خبر کرتے رہا کریں گے۔ کئی سال تک یہ صلح قائم رہی لیکن ۳۲ھ میں اہل قبرص نے مسلمانوں کے خلاف رومیوں کو مدد دی اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۵۔

دوبارہ فوج کشی کر کے قبرص کو اسلامی مقبوضات میں شامل کر لیا اور مسلمانوں کی یہاں نو آبادی قائم کر دی۔ ❶

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی

۲۹ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی حکومت سے معزول کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے خلاف چلی آ رہی تھی' لیکن صولت فاروقی کی وجہ سے علانیہ مخالفت کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس جماعت نے قوت حاصل کر لی' سوئے اتفاق سے اسی زمانہ میں کردوں نے بغاوت کی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جہاد پر وعظ کیا اور راہ للہ میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے۔ بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے لیکن ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی مخالف جماعت نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے۔ دیکھیں ہمارا امیر کس شان سے چلتا ہے۔ اگر اس کا قول و فعل مطابق ہے تو ہم بھی اس کے پیچھے پیادہ چلیں گے۔ اتفاق سے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جس وقت روانہ ہوئے ان کی سواری میں ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا اور چالیس خچروں پر ان کا سامان بار تھا۔ ایک شخص نے بڑھ کر باگ روک لی اور کہا قول و فعل میں یہ اختلاف؟ اب ہم کو سواری دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی یورش دیکھ کر کوڑا مارا' یہ لوگ شکایت لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ ان کے مطالبہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو والی مقرر کیا۔ ❷

ایران کی بغاوت اور فارس پر مکمل قبضہ

عہد فاروقی کی فتوحات میں گزر چکا ہے کہ ایران کی فتح کے بعد یزدگرد ترکستان بھاگ گیا تھا۔ اس وقت سے وہ برابر ایران میں بغاوت کرانے کی سازشیں کرتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ۲۹ھ میں فارس اور کرمان سے لے کر خراسان تک سارے عجم میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کی طرف توجہ کی اور عبیداللہ بن معمر کو فارس کی مہم پر مامور کیا' لیکن وہ ناکام ہو کر مارے گئے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی بصرہ نے اس مہم

---

❶ فتوح البلدان ص۔ ۱۵۹' ۱۶۰ وابن اثیر ج۔ ۳' ص۔ ۴۷' ۱۰۷۔ ❷ ابن اثیر جلد۔ ۳' ص ۳۷۔

کو سر کرنے کا بیڑا اٹھایا اور بصرہ سے فارس پہنچا' اہل فارس نے پوری قوت اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن ابن عامر نے انہیں شکست دے کر فارس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی معزولی

۳۰ھ میں ایک سازش کے ماتحت جس کی تفصیل آئندہ کسی موقع پر آئے گی' ولید بن عقبہ والی کوفہ معزول کر دیئے گئے اور ان کی جگہ سعید بن العاص کا تقرر ہوا۔

طبرستان کی فتح

اہل طبرستان نے عہد فاروقی میں صلح کر لی تھی۔ عجم کی بغاوت کے سلسلہ میں انہوں نے بھی صلح توڑ دی تھی۔ اس لیے ۳۰ھ میں سعید بن العاص نے طبرستان پر فوج کشی کی۔ حضرت امام حسن' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمر وغیرہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اس مہم میں شریک ہوئے تھے۔ سعید بن عامر سیدھے جرجان پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے دو لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ جرجان کے بعد پورے طبرستان کو فتح کر لیا۔

خراسان

سعید کے ساتھ ہی عبداللہ بن عامر خراسان روانہ ہوئے تھے۔ راستے سے انہوں نے مجاشع بن مسعود سلمی کو کرمان اور ربیع بن زیاد کو سجستان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا اور خود خراسان پہنچے اور اس کے پورے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں۔ انہوں نے باخرز' جوین' بیہق وغیرہ فتح کیے اور ابن عامر نے خواف' اسفرائن اور ارغیان پر قبضہ کر کے نیشاپور کا محاصرہ کر لیا۔ ایک مہینہ کے بعد نیشاپور کے مرزبان نے صلح کر لی۔ نیشاپور پر قبضہ کے بعد خراسان کے اور بڑے بڑے مقامات نساء' سرخس اور ابیورد وغیرہ آسانی کے ساتھ قبضہ میں آ گئے۔ یزدگرد اس زمانہ میں یہیں تھا' بغاوت فرو ہونے کے بعد مایوس ہو کر بھاگا' مسلمان عرصہ تک اس کا تعاقب کرتے رہے۔ مہینوں وہ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر میں ایک دہقانی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کی موت کے بعد ساسانی خاندان اور اسی کے ساتھ اس کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہو گیا۔

طخارستان کی فتح

خراسان پر تسلط قائم ہو جانے کے بعد ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان بھیجا۔ انہیں

دیکھ کر طالقان' جوز جان اور فاریاب وغیرہ قرب و جوار کے سارے علاقوں کے باشندے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے امنڈ آئے' لیکن احنف نے بڑی خونریز جنگ کے بعد ان سب کو شکست دی۔ کچھ شکست خوردہ فوجوں نے طالقان اور جوز جان میں اجتماع کیا۔ اس لیے احنف خود طالقان اور فاریاب کو صلحاً مطیع کر کے بلخ کی طرف بڑھے اور اقرع بن حابس کو دوسری سمت جوز جان بھیجا۔ انہوں نے جوز جان پہنچ کر انہیں شکست دے کر جوز جان پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں احنف طالقان اور فاریاب کو صلحاً مطیع کر کے بلخ کی طرف بڑھے لیکن جیحون پار نہ کر سکے۔ ماوراء النہر کے بعض امرا نے ان کے پاس آ کر اظہار اطاعت کیا اور قیمتی ہدایا پیش کیے۔

کرمان اور سجستان پر قبضہ

اوپر گزر چکا ہے کہ ابن عامر نے کرمان اور سجستان کی مہمیں علی الترتیب مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ربیع بن زیاد رضی اللہ عنہ کے متعلق کی تھیں' چنانچہ مجاشع نے اسی سنہ میں کرمان کے شہر سیرجان پر قبضہ کر کے یہاں کی شورش پسند آبادی کو نکال دیا۔ یہاں سے نکل کر یہ لوگ قفص میں جمع ہوئے۔ مجاشع نے قفص جا کر بھی انہیں شکست دی اور کرمان کے علاقہ پر قبضہ ہو گیا۔ دوسری طرف ربیع بن زیاد سجستان کی طرف بڑھے اور چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو مطیع کرتے ہوئے سجستان کے صدر مقام زرنج پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے۔ ربیع نے محاصرہ کر لیا۔ آخر میں یہاں کے مرزبان نے محاصرہ سے گھبرا کر صلح کر لی اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ زرنج پر قبضہ کے بعد ربیع ایک سال تک یہاں مقیم رہے پھر اپنا ایک نائب چھوڑ کر ابن عامر کے پاس لوٹ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد زرنج کے باشندے ان کے نائب کو نکال کر پھر باغی ہو گئے۔ اس مرتبہ ابن عامر نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بھیجا۔ انہوں نے پہنچتے ہی زرنج کا محاصرہ کر لیا۔ مرزبان نے پھر سپر ڈال کر صلح کر لی۔

کش اور دوار کی فتوحات

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بڑے حوصلہ مند تھے' سجستان کو قابو میں لانے کے بعد کابل کی سمت فوجیں بڑھا دیں اور رخج سے لے کر دوار کے علاقہ تک قبضہ کر لیا۔ دوار کے باشندے کوہ روز میں جمع ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے انہیں گھیر لیا' ان لوگوں میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے صلح کر لی۔ اس پہاڑ پر ٹھوس سونے کا ایک بت نصب تھا' اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں' عبدالرحمٰن نے اس کے ہاتھ کاٹ کر آنکھیں نکال لیں۔ پھر مرزبان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی' صرف یہ دکھانا تھا کہ بت کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

غزنہ کی فتح

اب زابلستان یعنی غزنہ کا علاقہ سامنے تھا۔ کوہ روز کے بعد عبدالرحمٰن نے ادھر کا رخ کیا اور غزنہ سے لے کر کابل تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ یہ تمام فتوحات ابن عامر کی امارت کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔ ان کی تکمیل کے بعد وہ ان کے شکرانہ میں حج کو روانہ ہو گئے۔ [1]

سواحل شام پر رومیوں کا حملہ

اگرچہ مسلمانوں نے رومیوں کو پیہم شکستیں دے کر ان کی قوت بہت کمزور کر دی تھی' لیکن ہاتھوں سے نکلے ہوئے ملک کا غم ان کے دل سے نہ بھولتا تھا۔ چنانچہ آخری آزمائش کے لیے ۳۱ھ میں قیصر روم نے پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ سواحل شام پر ہجوم کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے نہایت کامیاب مدافعت کی اور رومیوں کو نہایت فاش شکست دی اور وہ باحال تباہ قسطنطنیہ لوٹ گئے۔

متفرق فتوحات

ان اہم معرکوں اور فتوحات کے علاوہ عہد عثمانی میں اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ ۳۲ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور ۳۳ھ میں اناطولیہ کے قلعہ حصن المراۃ پر قبضہ کر لیا۔ ۳۴ھ میں افریقہ میں بڑی زبردست بغاوت ہوئی' لیکن عبداللہ نے پوری مستعدی سے فرو کر دی۔ غرض دس سال کے عرصہ میں اسلامی حکومت کے حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کے صدر دروازہ تک وسیع ہو گئے۔

انقلاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

دور عثمانی کے ابتدائی پانچ چھ سال نہایت امن وسکون سے گزرے۔ فتوحات کی وسعت' مال غنیمت کی فراوانی' محاصل وخراج کی زیادتی' وظائف کی کثرت اور زراعت وتجارت کی ترقی نے ملک کو فارغ البالی اور عیش وتنعم کے سامانوں سے معمور کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم ونتائج بغض وحسد اور شک وروابط کا قدم بھی آیا اور ان اندرونی تغیرات اور بیرونی اسباب نے مل کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایسا انقلاب بپا کیا جس نے نظام خلافت کو درہم برہم کر دیا۔ اس انقلاب کے

---

[1] تمام حالات طبری اور ابن اثیر اور فتوح البلدان بلاذری سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

خارجی اسباب حسب ذیل تھے:

① کبار صحابہ رضی اللہ عنہم جو اسلام کے سچے خدمت گار اور شیدائی تھے اٹھتے جاتے تھے اور ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی تھی۔ بہت سے بزرگ ضعف پیری کی وجہ سے عملی کاموں میں حصہ لینے کے قابل نہ رہ گئے تھے۔ ان کی جگہ نئی نسل لے رہی تھی، جن میں ان کے اسلاف کے جیسا خلوص وولولہ تو کجا مال و دولت کی فراوانی نے ان میں رشک وحسد کا مادہ پیدا کر دیا تھا۔

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے عاقبت اندیش تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں اکابر قریش کو جن کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا، مدینہ سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ قید اٹھا دی، یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے تو خاندان رسالت کے تعلق سے لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بن گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں بھی اپنی جلالت شان کا احساس پیدا ہو گیا اور مفتوحہ اقوام نے ان میں خلافت کے جذبات پیدا کر دیئے۔

③ اسلام نے جن اقوام و مذاہب کو مغلوب کیا تھا، ان میں مخفی مگر نہایت سخت منتقمانہ جذبات موجود تھے۔ انہوں نے خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے سازش کا نہایت وسیع جال بچھا دیا۔

④ قریش اپنے خاندانی اعزاز کی وجہ سے اپنے آپ کو عام عربوں سے بلند سمجھتے تھے۔ انہیں بڑی بڑی جاگیریں ملی تھیں۔ ان کے اس غرور و امتیاز کو وہ قومیں جن کی تلواریں ملکوں کے فتح کرنے میں برابر کی شریک تھیں، ناپسند کرتی تھیں۔

⑤ بنی ہاشم خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے۔ ان میں اور بنی امیہ میں قدیم چشمک تھی جو عہد نبوی میں دب گئی تھی، اس کے بعد پھر ابھر آئی۔

⑥ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے نرم خو اور کنبہ پرور تھے۔ اپنی جیب خاص سے بنی امیہ کی بڑی مدد کرتے تھے۔ اسی کنبہ پروری میں اپنے بہت سے عزیزوں کو جن میں حکومت کی اہلیت نہ تھی یا آپ کو ان کا تجربہ نہ تھا، حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز کر دیا تھا۔ ان کی بے عنوانیوں پر لوگوں کو نکتہ چینی کا موقعہ مل گیا۔

⑦ اپنی فطری نرمی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معمولی بے عنوانیوں سے چشم پوشی کر جاتے تھے۔ اس لیے ناتجربہ کار اموی عمال کی بے عنوانیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقع مل گیا اور قریش کے ان نوجوانوں نے جنہیں آپ سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا تھا برملا نکتہ چینی شروع کر دی اور آپ کی کنبہ پروری کو نہایت بدنما شکل میں مشہور کرنا شروع کر دیا، جس کا دوسروں پر نہایت ناگوار اثر پڑا۔

ان حالات کی وجہ سے یہودیوں اور مجوسیوں کو جن کی حکومت اور جن کے مذہبی وقار کو اسلام نے مٹایا تھا' بدلہ لینے کا موقع مل گیا' چنانچہ اس انقلاب کی اصل بانی یہی دونوں قومیں تھیں۔

عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی

ان مخالفین میں سب سے بڑا فتنہ انگیز بلکہ دشمن اسلام ایک بظاہر نومسلم لیکن منافق یہودی عبداللہ بن سبا تھا۔ اسلام نے سب سے زیادہ صدمہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچایا تھا' اس لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ اور عہد نبوی ہی سے اس کی بیخ کنی کے درپے تھے۔ لیکن عہد فاروقی تک ان کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب نظام خلافت میں وہ استواری باقی نہ رہی اور اموی عمال کی بعض بے عنوانیاں اور دوسرے مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نکتہ چینی شروع ہوئی۔ اس وقت عبداللہ بن سبا کو یہودیوں کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع مل گیا۔ یہ بڑا ذہین' طباع اور سازشی دماغ رکھتا تھا' چونکہ یہودی مذہب پر قائم رہ کر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا' اس لیے اس نے اسلام کا لباس پہن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف ایک وسیع سازش شروع کر دی۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں پرانی چشمک چلی آ رہی تھی۔ گو اسلام نے اس کو دبا دیا تھا' لیکن وہ دلوں سے مٹی نہ تھی۔ ابن سبا نے سب سے پہلے اسے ابھارا اور محبّ اہل بیت کے لباس میں ان کی حمایت کے ساتھ ساتھ خلفائے ثلاثہ خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے اور ان میں تفریق پیدا کرنے کے لیے ان کے اوصاف و سادہ عقائد میں خرافات شامل کر دیئے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ایک دن اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پورا نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ظلم سے خلافت حاصل کی ہے وغیرہ ذالک من الخرافات. تفریق کا یہ بیج بونے کے بعد اس نے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے حسب ذیل طریقے اختیار کیے:

① امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پرفریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا۔

② عثمانی عمال کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنا۔

③ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنبہ پروری کی داستان مشہور کرنا۔

اس سازش کا جال اس نے تمام اسلامی مرکزوں میں بچھا دیا اور ہر جگہ دعاۃ اور خفیہ خط و کتابت

کے ذریعہ ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کیا کہ چند ہی دنوں میں سارے ملک کی فضا خراب ہوگئی۔ [1]

ابن سبا کی کامیابی کے اسباب

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے' مختلف اسباب اور مختلف اغراض کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک جماعت پہلے سے موجود تھی۔ اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نشانہ ملامت بنانے کے لیے ایک بہانہ ملنا چاہیے تھا' اس لیے اس جماعت میں ابن سبا کی دعوت بہت کامیاب ہوئی۔ یہودیوں کے بعد مسلمانوں کے دوسرے دشمن اہل عجم تھے۔ جن کی حکومت انہوں نے مٹائی تھی۔ ان کی فطرت میں شاہ پرستی تھی۔ ابن سبا اہل بیت کے داعی کے لباس میں تھا۔ اس لیے سرزمین عجم میں اس کی تحریک کو بڑا فروغ ہوا۔ گو عجمیوں کا نقطہ نظر اس سے مختلف تھا۔ ابن سبا کا مقصد مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم کرنا تھا اور اہل عجم چاہتے تھے کہ اسلامی خلافت ایسے موروثی قالب میں ڈھل جائے کہ ان کی خدمات یعنی حمایت اہل بیت کے صلہ میں ان کو حکومت میں زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل ہو جائیں اس لیے عراق وغیرہ میں ابن سبا کی تحریک زیادہ بارآور ہوئی۔

ان طبقوں کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی اس کے فریب میں اس طرح آ گئے کہ بعض نوجوان عثمانی عمال میں جو عہد سعادت کے فیض تربیت سے محروم تھے' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جیسا اخلاص و تدین نہ تھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں فاروقی صولت نہ تھی' جس سے بڑے بڑے مدبرین تھراتے تھے۔ بلکہ آپ فطرتاً نہایت نرم خو' حلیم الطبع اور متحمل مزاج تھے۔ آپ میں عفو و درگزر کا مادہ زیادہ تھا۔ اس لئے آپ کے عمال سے جو بے عنوانیاں سرزد ہوتی تھیں' گو علم کے بعد آپ ان کا پورا تدارک کرتے تھے' لیکن کبھی کبھی چشم پوشی بھی کر جاتے تھے۔ دونوں صورتوں میں مخالفین کو بدنام کرنے کا بہرحال موقع مل جاتا تھا۔ اس لیے بعض مخلص اور خیر خواہ خلافت مگر سادہ مزاج بزرگوں کے دلوں میں بھی شکوک پیدا ہو گئے۔

ابن سبا نے دعاۃ کے ذریعہ اور تحریری پروپیگنڈہ کے علاوہ خود عراق اور مصر وغیرہ جا کر خفیہ جماعتیں قائم کیں۔ سب سے اول ۲۳ھ میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی بصرہ کو اس کی سازش کا علم ہوا۔ انہوں نے اس کو اپنے یہاں سے نکالا۔ یہاں سے نکل کر وہ کوفہ پہنچا' کوفہ سے بھی نکالا تو آخر میں مصر کو اپنا مستقر بنایا۔ [2] غرض مذکورہ اسباب کی بنا پر قریب قریب ہر جگہ ابن سبا کے پروپیگنڈہ کا کچھ نہ کچھ اثر پڑا۔ خصوصاً عراق' جس میں مختلف قوموں کی مخلوط آبادی کی وجہ سے شر و فساد کی فطری صلاحیت تھی'

---

[1] طبری ص ۲۹۴۲۔ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۵۔

اس فتنہ کا مرکز بن گیا' چنانچہ کوفہ اور بصرہ میں علانیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف پیدا ہو گئے۔

کوفہ میں مخالفت

کوفہ میں انقلاب پسندوں کے سرغنہ اشتر نخعی' جندب بن کعب' ابن ذی الحنکہ' صعصعہ' ابن الکواء' کمیل اور عمیر بن صابی تھے۔ ان کا کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنا تھا۔ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے۔ ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آ کر سعید بن العاص اور اشراف کوفہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ کوفہ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے انہیں یہاں سے نکال دیا جائے۔ آپ نے قیام امن کے خیال سے ان لوگوں کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہیں۔ ان کی اصلاح کی کوشش کرو' اگر باز نہ آئیں تو میرے پاس بھیج دو۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف پہلا عملی اقدام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے عمال کے خلاف نکتہ چینی تو عرصہ سے شروع ہو گئی تھی۔ لیکن کسی کو آپ کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ سبائیوں کی قوت مضبوط ہونے کے بعد سب سے اول ۳۴ھ میں کوفہ کے ایک انقلابی یزید بن قیس نے اس کی جرأت کی اور سبائیوں کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ چلا لیکن قعقاع بن عمرو نے پکڑ لیا۔ گرفتار ہونے کے بعد اس نے کہا میں صرف سعید بن العاص والی کوفہ کا تبادلہ چاہتا ہوں' اس لیے قعقاع نے اسے چھوڑ دیا اور یزید نے خط لکھ کر کوفہ کے سب سے بڑے سرغنہ اشتر نخعی کو بلا لیا۔ اس کے کوفہ پہنچنے کے بعد یہاں شورش شروع ہو گئی۔ اشتر نخعی نے سعید بن العاص کے ایک غلام کو قتل کر دیا۔ سعید نے جب دیکھا کہ مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لیے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انہوں نے خود جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے بجائے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امن و امان کے خواہاں تھے۔ اس لیے سعید رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا اور اہل کوفہ کو لکھا کہ میں نے سعید کو معزول کر کے جس کو تم چاہتے ہو اس کو مقرر کر دیا۔ اللہ کی قسم میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا۔ تمہارے مقابلہ میں صبر سے کام لوں گا اور تمہاری اصلاح میں پوری کوشش کروں گا۔ [2]

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص ۵۳۔ [2] ابن اثیر ج۔۳' ص ۵۷۔

عمال سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مشورہ

لیکن مفسدین کی اصل غرض انقلاب برپا کرنا تھا اور کوفہ بصرہ سارے عراق میں یہی حال تھا۔ اس لیے کوئی اصلاح کارگر نہ ہوسکتی تھی۔ جب ہر طرف سے اس قسم کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ، عبداللہ بن سعد، سعید بن العاص، عبداللہ بن عامر اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم وغیرہ تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا کر ان سے موجودہ صورت حال کی اصلاح کے متعلق مشورہ کیا۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا لوگوں کو جہاد میں لگا دیجئے۔ اس کی مشغولیت میں ان سب کی توجہ دوسری طرف ہٹ جائے گی۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ شورش چند لوگوں کی وجہ سے ہے۔ اگر ان کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ خود بکھر جائے گا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہر حاکم اپنے اپنے صوبہ میں امن وامان کا ذمہ دار قرار دیا جائے، شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ یہ سب بندۂ زر ہیں۔ روپیہ دے کر ان کا منہ بند کر دیجئے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بولے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے منشا کے خلاف کام کرتے ہیں، عدل وانصاف سے کام لیجئے، یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے، ورنہ پھر ہمت کر کے جو دل میں آئے، کیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے متعجب ہو کر ان سے پوچھا تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے، عمرو خاموش رہے۔ جب لوگ چلے گئے تو کہا، امیر المؤمنین میں نے جو کچھ کہا تھا، وہ دراصل میرا خیال نہیں ہے کہ آپ کی ذات اس سے بلند ہے۔ یہ میں نے اس مصلحت کی بنا پر کہا تھا کہ مخالفین پس پردہ ہماری گفتگو کے تجسس میں تھے، اس لیے میں نے یہ باتیں کیں تاکہ وہ لوگ مجھے اپنا ہم خیال سمجھ کر راز دار بنائیں اور مجھے آپ کو ان کے شر سے بچانے کا موقع ملے [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مشورہ

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے، عثمانی عمال کی بعض بے عنوانیوں کی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان سے شکایات تھیں لیکن ان کا مقصد صرف عمال کی اصلاح تھا، چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف زیادہ شورش بڑھی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اصلاح کے لیے قدم اٹھایا اور حضرت زید بن ثابت انصاری، ابواسید ساعدی، کعب بن مالک اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم نے

---

[1] طبری ص۔۲۹۳۲، ۲۹۳۳۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس صورت حال پر گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے جا کر کہا کہ مجھے لوگوں نے آپ کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں' آپ خود کسی چیز سے ناواقف نہیں' جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز قریب ہیں' ان کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے جو ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب کو بھی حاصل نہیں تھا' کسی امر میں ان کو آپ پر تقدم حاصل نہیں ہے اس لیے آپ ان سے زیادہ عمل بالحق کے مستحق ہیں۔ اس خوش آئندہ طریقہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خیالات پیش کیے' اور اصلاح حال کے متعلق مفید مشورے دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا مناسب جواب دیا۔ اور عام مسلمانوں کے سامنے مسجد میں موجودہ حالات کے متعلق تقریر کی۔ [1]

تحقیقاتی کمیشن

اس گفتگو کے بعد ۳۵ھ میں اہل مدینہ کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک کمیشن مقرر کیا' کہ وہ ملک کا دورہ اور موجودہ حالات کی تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ چنانچہ علی الترتیب کوفہ' بصرہ' مصر اور شام کی تحقیقات محمد بن مسلمہ' اسامہ بن زید' عمار بن یاسر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے متعلق ہوئی۔ ان بزرگوں نے یہاں کے اکابر اور عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب نے بالاتفاق یہ بیان دیا کہ **ما انکرنا شیئا ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم** ''یعنی ہم نے اور ان مقامات کے سربرآوردہ لوگوں اور عام مسلمانوں نے تحقیقات کی۔ انہوں نے کوئی قابل اعتراض بات نہیں پائی''۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سادہ دل بزرگ تھے۔ وہ سبائیوں کے دام فریب میں مبتلا ہو گئے' **استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منھم عبداللہ بن السوداء و خالد بن ملجم وغیرھم** ''یعنی (سبائی) لوگوں نے مصر میں انہیں پھسلا لیا اور عبداللہ ابن السوداء اور خالد بن ملجم وغیرہ ان کے ساتھ ہو گئے''۔ [2]

اعلان عام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تنہا اس تحقیقات پر بس نہیں کیا' بلکہ تمام ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ ''میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا۔ جب سے خلافت

---

[1] طبری اور ابن اثیر میں اس گفتگو کی پوری تفصیل ہے طبری ص ۲۹۳۷' ص ۲۹۳۰۔ [2] طبری اور ابن اثیر ص ۲۹۴۳_۲۹۴۴

کی ذمہ داری میرے متعلق ہوئی ہے' اس وقت سے میں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے اور میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات پہنچائے جاتے ہیں ان کا تدارک کرتا ہوں۔ رعایا کے اسی مال میں میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے جو اس کے مصارف سے بچ رہے' جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے یا صدقہ کر دے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یہ اعلان ایسا موثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دیئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کی۔ [1]

عمال کی طلبی

اس اعلان کے ساتھ ہی آپ نے تمام عمال کو حج کے موقع پر طلب کیا۔ امیر معاویہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما وغیرہ تمام بڑے بڑے عمال حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آتی ہیں؟ اللہ کی قسم مجھے خوف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری کرنے والے تم ہی لوگ نہ ہو' ان بزرگوں نے جواب دیا کہ آپ خود ان افواہوں کی تحقیقات کرا چکے ہیں اور تحقیق کرنے والوں کا بیان بھی آپ کے سامنے ہو چکا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے کوئی شکایت نہیں پیش کی۔ یہ تمام افواہیں بے بنیاد ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں۔ محض افواہ اور شہرت عام پر مواخذہ کرنا جائز نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے۔ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے' اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ جب آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں' تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے رقبہ حکومت میں سب امن وامان ہے' وہاں آپ کو کسی فتنہ کی خبر نہ ملے گی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں اور لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ لوگوں کو دیتے ہیں' ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ کو اختیار کیجئے' سختی کے موقع پر سختی کیجئے اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے۔ یہ مشورہ سن کر پیکر حلم وعفو نے جواب دیا کہ ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے' اس امت کے لیے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آ کر رہے گا' اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا۔ لیکن میں اس کو نرمی سے بند کروں گا۔ البتہ حدود اللہ میں نرمی نہ برتوں گا۔ اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی حجت باقی نہ رہ

[1] طبری ص ۲۹۴۳' ۲۹۴۴۔

جائے گی۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کوتاہی نہیں کی۔ فتنہ کی چکی چلنے والی ہے۔ اگر عثمان رضی اللہ عنہ اس حالت میں فوت ہوگیا اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے بشارت ہے' تم لوگ لوگوں میں سکون پیدا کروان کے حقوق پورے کرو' اللہ کے حقوق میں کسی قسم کی مداہنت نہ کرو۔ [1]

غرض آپ نے فتنہ رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی' لیکن یہ تباہ کن فتنہ شمع خلافت کو بجھا کر رہا۔

اس حادثہ عظمیٰ کے حالات لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ان اعتراضات پر ایک نظر ڈال لی جائے' جن کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو موردِ طعن بنایا جاتا ہے۔

مخالفین کے اعتراضات اور اس کی حقیقت

حامیان انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کیے جاتے تھے وہ یہ ہیں:

① اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا' مثلاً مغیرہ بن شعبہ' ابوموسیٰ اشعری' سعد بن ابی وقاص' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن ارقم اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو ان کے عہدوں سے برطرف کیا گیا۔

② بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوذر غفاری' عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔

③ بیت المال کا روپیہ بے جا طور سے صرف کیا گیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمیں دیں' مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دے دیا۔ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو خمس کا پانچواں حصہ عطا کیا' عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کو پچاس ہزار دیئے۔

④ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور عام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا۔

⑤ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا۔

⑥ حدود کے اجراء میں تغافل برتا۔

⑦ ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے۔

⑧ بعض نئی بدعتیں جاری کیں۔ مثلاً سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت شیخین رضی اللہ عنہما کے خلاف منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی۔

⑨ فرائض میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا' حالانکہ شیخین پوری توثیق کے بغیر روایتوں کو قبول نہ کرتے تھے۔

---

[1] طبری ص۔ ۲۹۴۵' ۲۹۴۶۔

⑩ حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ ﷺ نے جلاوطن کر دیا تھا' دوبارہ مدینہ بلا لیا۔
⑪ مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔

یہ وہ اعتراضات ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی جانب سے آپ کے اوپر کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض تو بالکل غلط ہیں' بعض میں واقعات کو مسخ کر کے بدنما شکل میں پیش کیا گیا ہے اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہیں' ان کی اصل حقیقت یہ ہے:

ا۔ پہلے اعتراض کے دو حصے ہیں' ایک یہ کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کیا۔ دوسرے یہ کہ ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانوں کو مقرر کیا' لیکن ان میں سے ایک بات بھی قابل اعتراض نہیں۔ اگر کسی صحابی کی معزولی کے معقول اسباب ہوں تو اس کا معزول کرنا کوئی جرم نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن کا عدل و تدبر مسلم ہے' خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا۔ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر کی معزولی کی وصیت کرتے گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کیا ان کی معزولی کے معقول اسباب موجود تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی۔ ① ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ بصرہ کی رعایا ان کے خلاف ہو گئی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا ② پھر بصرہ سے معزولی کے چند برسوں کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنا دیا۔ ③ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک رقم قرض لی تھی' جس کو ادا نہ کر سکے' مہتمم بیت المال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تقاضے پر سخت کلامی کی نوبت پہنچ گئی۔ ④ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ضعف پیری کی وجہ سے معزول کیا تھا' جس کی تصریح عزل کے وقت کر دی تھی۔ پھر ان کی جگہ ایک صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی کا تقرر کیا۔ ⑤ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کا سبب اوپر گزر چکا ہے' کہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر گھٹتی جاتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم پر بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اضافہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی' درآنحالیکہ اس کی گنجائش موجود تھی' چنانچہ ان کے جانشین عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے چند دنوں میں بڑھا کر دونا کر دیا۔ ⑥ دوسرا الزام عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر یہ تھا کہ انہوں نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں پر بعض ناروا زیادتیاں کی تھیں اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو آزاد کر کے پھر واپس کر دیا۔ ⑦

---

① طبری ص ۲۸۰۲۔ ② طبری ص ۲۰۲۸۔ ③ طبری ص ۲۹۳۰۔ ④ طبری ص ۲۸۱۱۔
⑤ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۳۲۔ ⑥ یعقوبی ج ۲' ص ۱۸۹۔ ⑦ یعقوبی ج ۲' ص ۱۸۹۔

اس اعتراض کا دوسرا ٹکڑا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بجائے اپنے نوجوانوں اور ناتجربہ کار اعزہ کو مقرر کیا محض ایک بے معنی مغالطہ ہے۔ عمال کے عزل ونصب کا اصل معیار حکومت وجہانبانی کی صلاحیت ہے۔ اس اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کا انتخاب کیا وہ ان عہدوں کے لیے موزوں ترین تھے۔ ان کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے اسپین، چین اور ہندوستان سے ملا دیئے، جن کی تفصیلات اوپر فتوحات میں گزر چکی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ شرف صحابیت بھی ایک بڑا معیار ہے، لیکن مذہبی اور سیاسی کسی نقطہ نظر سے بھی عمال کے لیے صحابیت کی شرط ضروری نہیں تھی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اکثر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکے تھے، جب کہ ضعف پیری کی وجہ سے وہ کسی بڑی خدمت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لائق نہ رہ گئے تھے۔ پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو معزول کر کے تمام تر نوجوانوں کو مقرر کیا۔ اس کے خلاف مثالیں بھی ہیں۔ مثلاً کوفہ سے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس لیے یہ اعتراض کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی جگہ نوجوانوں کا تقرر کیا، کسی حیثیت سے بھی قابل توجہ نہیں رہتا۔

۲۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدسلوکی کے سلسلہ میں شہرت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کر دیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیادتی کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ بند کر دیا۔

پہلا واقعہ بالکل غلط ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلاوطن نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود ایک ویرانہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جائز سرمایہ داری کے بھی خلاف تھے ان کے مشرب میں کل کے لیے کچھ اٹھا رکھنا جائز نہ تھا وہ شام میں سرمایہ داری کے خلاف وعظ کہتے پھرتے تھے۔ اس سے بدامنی پھیلنے کا اندیشہ تھا، اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ ان کو شام سے بلا لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امن عام کے خیال سے اپنے پاس بلا لیا اور فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیئے آپ کی کفالت میں کروں گا۔ لیکن وہ ایک بے نیاز بزرگ تھے۔ جواب دیا مجھے تمہاری دنیا کی ضرورت نہیں ہے اور خود مدینہ کے قریب ایک ویرانہ ربذہ میں سکونت اختیار کر لی۔ [1]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں ہوئی، لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی فہمائش ضرور

[1] ابن سعد ج ۴ ق۔ اول، ص ۱۶۷۔

کی اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاسی مصالح کی بنا پر عمال کو علانیہ سزا دی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ ضرور بند کیا' لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کو ایک قرآن پر متحد رکھنے کے لیے عہد صدیقی کے مصحف کے سوا باقی تمام مصاحف ضائع کرا دیئے تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علیحدہ ایک مصحف تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا مصحف بھی طلب کیا' لیکن وہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سختی سے کام لینا پڑا۔ درحقیقت تمام امت کو ایک قرآن پر متحد کر دینا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایسی خدمت ہے جس کے احسان سے امت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف خواہ انہیں کتنا ہی عزیز کیوں نہ رہا ہو لیکن جس مصلحت کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے طلب کیا تھا اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا قطعاً نامناسب تھا۔

۳۔ بیت المال میں تصرف کرنے کا الزام بالکل غلط بلکہ مہمل ہے' جس فیاض غنی نے اسلام کے عہد عسرت میں اس کے مصالح کے لیے اپنی بے دریغ دولت لٹائی ہو وہ بیت المال پر کیا نگاہ ڈالتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں بھی بڑے صاحب ثروت تھے' انہیں بیت المال سے فائدہ اٹھانے کی احتیاج ہی نہ تھی' بلکہ خلفا میں وہی ایک ایسے بزرگ تھے جو اپنے واجبی مصارف کے لیے بھی بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے۔

اس شہرت کی بنیاد اس غلط فہمی پر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے صاحب ثروت تھے اور ثروت کے ساتھ اللہ نے فیاض بھی بنایا تھا۔ اس لیے وہ اپنے ذاتی روپیہ سے اپنے غریب اعزہ کی مدد کرتے تھے۔ اسے مخالفین دوسرے رنگ میں مشہور کرتے تھے' اس غلط فہمی کو آپ نے خود ایک تقریر میں دور فرمایا تھا' وہ تقریر یہ ہے:

> ''لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو دیتا لیتا ہوں' لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں' جو کچھ میں ان کو دیتا ہوں وہ اپنے ذاتی مال سے' مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی دوسرے کے لیے' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی اپنے ذاتی مال سے ان کو بڑی بڑی رقمیں دیتا تھا' حالانکہ اس زمانہ میں بخیل و حریص تھا اور اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں' زندگی ختم ہونے کے قریب ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں' اللہ کی قسم میں نے کسی ملک پر خراج کا کوئی مزید

بار نہیں ڈالا ہے' کہ اس قسم کا الزام مجھ پر عائد کیا جائے' جو آمدنی ہوئی وہ انہی لوگوں کی ضرورت وفلاح میں صرف ہوئی۔ میرے پاس صرف خمس آتا ہے' اس میں سے بھی میں کچھ لینا جائز نہیں سمجھتا' اسے مسلمان جس مصرف میں مناسب سمجھتے ہیں صرف کرتے ہیں' اس میں میرا مشورہ تک نہیں ہوتا۔ اللہ کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں کیا جاتا' حتیٰ کہ میں کھانا بھی اپنے ذاتی مال سے کھاتا ہوں''۔ ❶

بیت المال میں تصرف کے سلسلہ میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں وہ نہایت مسخ شدہ شکل میں ہیں۔ اصل شکل میں وہ قابل اعتراض نہیں۔ مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا کوئی حصہ آپ نے عطا نہیں کیا تھا' بلکہ اس نے پانچ لاکھ میں خریدا تھا۔ ❷

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو خمس کا پانچواں حصہ البتہ دیا تھا' لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو آپ نے واپس کرا دیا۔ اس کی شکل بھی یہ تھی کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے جب طرابلس پر فوج کشی کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے وعدہ فرمالیا کہ اگر تم نے یہ مہم سر کی تو تم کو مال غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا۔ چنانچہ طرابلس کی فتح کے بعد یہ وعدہ پورا کیا لیکن مسلمانوں کو اس پر اعتراض ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا' آپ نے فرمایا اگر تم لوگ رضامند ہو تو رہنے دیا جائے' ورنہ واپس کر دیا جائے' لوگ راضی نہ ہوئے تو آپ نے اسی وقت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو واپس کرنے کا حکم لکھ دیا۔ ❸

عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی خدمات کے صلہ میں پچاس ہزار دیئے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اعتراض کیا تو اسے بھی واپس کرا دیا۔ ❹

۴۔ بقیع کی چراگاہ کو اپنے لیے مخصوص کرنے کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بعض چراگاہیں عہد فاروقی سے بیت المال کے مویشیوں کے لیے مخصوص تھیں' اس کی تصریح خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک بیان میں فرمائی ہے:

''میں نے انہی چراگاہوں کو مخصوص کر دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھیں۔ میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں ہیں' حالانکہ خلافت سے پہلے میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج دو اونٹوں کے سوا جو حج کے سفر کے لیے رکھ چھوڑے ہیں، میرے پاس ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے''۔ ❺

---

❶ طبری ص ۲۹۵۲۔ ❷ ابن خلدون ج ۲' ص ۱۲۹۔ ❸ طبری ص ۲۸۱۵۔
❹ طبری ص ۲۹۴۹۔ ❺ طبری ص ۲۹۵۲۔

۵۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا تدارک نہیں کیا۔ اس باب میں آپ کے طرز عمل کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ آپ کے علم میں جو بے عنوانی آتی تھی آپ اس کا تدارک فرماتے تھے' چنانچہ انقلاب کے سلسلہ میں جب عمال کے خلاف شکایتیں پہنچیں تو آپ نے ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ ہر سال حج کے موقع پر اپنے تمام عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا۔ میں نے آغاز خلافت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا نصب العین بنایا ہے۔ میرے یا میرے عمال کے پاس جو شکایت پہنچتی ہے' میں اس کا پورا تدارک کرتا ہوں۔ میرے پاس یہ شکایت پہنچی ہے کہ کچھ لوگوں کو مارا جاتا ہے اور گالی دی جاتی ہیں' اس خفیہ ضرب وشتم پر مجھ کو افسوس ہے' جس کو اس قسم کی کوئی شکایت ہو وہ میرے پاس حج کے موقع پر پیش کرے اور مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق لے یا معاف کر دے کہ اللہ معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ [1]

جب کسی عہدہ دار کے خلاف لوگوں کو شکایت ہوئی اور انہوں نے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فوراً معزول کر دیا' چنانچہ اہل کوفہ کی شکایت پر سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ صحابی کو مقرر کیا۔

۶۔ اجرائے حدود میں تغافل کے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

ایک یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے ہرمزان اور جفینہ کے قتل کا قصاص نہیں لیا۔ دوسرے ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد میں تاخیر کی گئی۔

پہلے واقعہ کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص لینے کی رائے دی لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کیا اور کہا یہ مناسب نہیں ہے کہ کل عمر رضی اللہ عنہ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو قتل کیا جائے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ امیر المؤمنین! اگر آپ عبیداللہ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ اللہ آپ سے اس کا مواخذہ نہ کرے گا۔ اس اختلاف رائے پر آپ نے فرمایا کہ چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اس لیے میں بحیثیت ولی کے قصاص کو دیت کے بدلے دیتا ہوں اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا فرمائی۔ [2]

ظاہر ہے کہ اس خاص شکل میں سب سے زیادہ دانشمندانہ فیصلہ یہی ہو سکتا تھا' جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی حد میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن غفلت نہیں برتی گئی' اس تاخیر کا

---

[1] طبری ص ۲۹۴۴۔ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۔

سبب یہ تھا کہ پوری شہادت مہیا نہیں ہوئی تھی' شہادت ملنے کے فوراً بعد حد جاری کی گئی۔ [1]

۷۔ ساتواں اعتراض کہ آپ نے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف ضائع کر دیئے' نہایت لغو اور مہمل ہے۔ یہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی مذہبی خدمت اور امت اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے پوری امت کو ایک قرآن پر متحد کر دیا' ورنہ دوسرے اہل کتاب کی طرح ان کا بھی حشر ہوتا۔

۸۔ بدعات میں صرف یہ بدعت بیان کی جاتی ہے کہ منیٰ میں خلاف سنت دو رکعت نماز پڑھنے کے بجائے چار رکعتیں پڑھیں۔ اس کی وجہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیان فرما دی تھی کہ جب میں مکہ پہنچا تو یہاں قیام کی نیت کر لی تھی۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کرے تو اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہیے۔ [2]

۹۔ نویں الزام کے ثبوت میں کوئی واقعہ نہیں پیش کیا جاتا۔ آپ نے کسی مسئلہ میں متواتر روایات کو چھوڑ کر شاہ پر عمل نہیں کیا' ممکن ہے کسی اجتہادی مسئلہ میں آپ کی رائے عام رائے سے مختلف رہی ہو اور یہ کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے۔

۱۰۔ حکم بن العاص کو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا لیکن آخر زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی [3] جس کا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا۔

۱۱۔ مصریوں کے ساتھ بدعہدی کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

ان الزاموں کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہیں لیکن وہ لائق اعتنا نہیں' ان الزاموں کی حقیقت ظاہر ہو جانے کے بعد ناظرین کو انقلاب کے حالات کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے سے انکار

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر تمام عمال کو طلب کر کے فتنہ کے انسداد کی آخری کوشش کی تھی' پھر مدینہ آنے کے بعد حضرت علی' طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو بلا کر ان سے رائے لی۔ ان بزرگوں نے خیر خواہانہ مشورے دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا اور ان بزرگوں نے بھی اظہار طمانیت کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ سے ساتھ آئے تھے۔ شام واپس جاتے وقت انہوں نے عرض کیا کہ یہاں کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔ آپ میرے ساتھ شام چلے چلئے' وہاں آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ''خواہ میرا

---

[1] طبری ۲۸۲۹۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۲۔ [3] اصابہ تذکرہ حکم بن العاص۔

سرتن سے جدا ہو جائے لیکن میں جوار رسول نہیں چھوڑ سکتا"۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر آپ کی حفاظت کے لیے وہاں سے فوجیں بھیج دوں؟ فرمایا میں ہمسائیگان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فوج کے مصائب میں مبتلا نہ کروں گا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چلتے چلتے پھر کہا کہ مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے۔ فرمایا (حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ) [1] اس جواب کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر تنہا شام واپس ہو گئے۔

مدینہ پر باغیوں کی یورش

ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اصلاح حال کی تدبیروں میں مصروف تھے۔ دوسری طرف کوفہ، بصرہ اور مصر کے باغی آپس میں خفیہ خط و کتابت کر کے مدینہ پر یورش طے کر چکے تھے، چنانچہ ۳۴ھ کے آخر میں جب کہ موسم حج کی وجہ سے مدینہ خالی ہو جاتا تھا، تینوں مقاموں کے باغیوں نے حج کے بہانہ سے مدینہ کا رخ کیا اور قریب پہنچ کر مدینہ سے چند میل باہر ٹھہرے، یہ تینوں مقاموں کے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی معزولی پر تو متفق تھے، لیکن ان کے آئندہ جانشین کے بارے میں ان کی آراء مختلف تھیں۔ کوفی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو چاہتے تھے، بصری حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اور مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، چنانچہ تینوں نے ان بزرگوں سے مل کو خلافت قبول کرنے کی درخواست کی، لیکن تینوں نے انہیں ڈانٹ کر واپس کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ

اس کے بعد جمعہ کا دن پڑتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حسب معمول نماز کے لیے مسجد تشریف لائے اور نماز کے بعد باغیوں کو فہمائش کی، لیکن اب ان کی سرکشی فہمائش کی حدود سے گزر چکی تھی۔ انہوں نے پتھر مار مار کر نمازیوں کے مسجد سے نکال دیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ منبر سے گر کر بیہوش ہو گئے، لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ باغیوں کی یہ جسارت دیکھ کر حضرت سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت ابو ہریرہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے پہنچے لیکن آپ نے ان سب کو واپس کر دیا۔

مصریوں کی یورش

اس واقعہ کے بعد ہی مصر کے بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر وقت فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے ہر اصلاحی صورت کو قبول

---

[1] ابن اثیر ج۔۳، ص ۶۰۔

کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ آپ جو کچھ مشورہ دیں میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں' آپ باغیوں کو واپس کر دیجئے' چنانچہ تیس مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں سمجھا بجھا کر واپس کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے عام مسلمانوں کے سامنے تقریر کر کے اور آئندہ کے متعلق اپنا طرز عمل بتایا' یہ تقریر اتنی موثر تھی کہ سارے سامعین رو دیئے۔ [1]

دوسری یورش اور خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ

لیکن ابھی اس خوش آئند خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعتہً مصر کے باغیوں کا گروہ پہنچ گیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے جا کر ان سے واپسی کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا ہم کو راستہ میں ایک سرکاری ہرکارہ مصر کی طرف جاتے ہوئے ملا' ہم کو شک ہوا' تلاشی لی' تو اس کے پاس والی مصر کے نام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ملا' جس میں ہم لوگوں کو قتل کرنے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا آپ نے بالکل لاعلمی ظاہر فرمائی کہ نہ ایسا حکم میں نے لکھا نہ کسی سے لکھوایا اور نہ اس کے متعلق مجھے کوئی علم ہے' سب نے اس بیان کی تصدیق کی' باغیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے' لیکن وہ تو آپ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے' اس واقعہ سے ان کے گمان کے مطابق ایک سند بھی ان کے ہاتھ آ گئی تھی' چنانچہ انہوں نے کہا کہ جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین لکھے جائیں ان پر اس کی مہر لگائی جائے اور سرکاری ہرکارہ اسے لے کر جائے اور اس کو اس کی خبر تک نہ ہو' ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے۔ اس لیے آپ خلافت سے دست بردار ہو جایئے۔ آپ نے جواب دیا۔ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے جو خلعت پہنایا ہے اسے میں اپنے ہاتھوں سے نہ اتاروں گا۔ البتہ جو کچھ ہو چکا ہے اس پر ندامت ہے اور آئندہ اس کی تلافی کے لیے تیار ہوں''۔ [2] لیکن باغی کوئی معذرت سننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ ''اگر تم خلافت سے دستبردار نہ ہوئے تو ہم تم کو قتل کر کے چھوڑیں گے۔ اور جو شخص مزاحم ہو گا اس کا مقابلہ بھی کریں گے۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''میں سر دے دوں گا لیکن اللہ کی بخشی ہوئی خلافت کو نہ چھوڑوں گا۔ تم کو کسی سے مقابلہ اور جنگ کی ضرورت نہیں' اس لیے کہ میں کسی کو تم سے لڑنے کی اجازت نہ دوں گا۔ جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا۔ اگر میں جنگ ہی کرنا چاہتا تو میرے حکم پر ہر طرف سے فوجوں کا ہجوم ہو جاتا یا

---

[1] یہ واقعات طبری ص۔ ۲۹۵۶ تا ۲۹۶۱ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ [2] طبری ص ۲۹۹۴۔

میں خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا۔'' ❶

محاصرہ

اس مرتبہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی نہ کسی طرح باغیوں کو ہٹا دیا لیکن اب سب کے سروں پر خون سوار تھا۔ اس لیے آپ کے واپس جاتے ہی اتنی سختی سے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا کہ باہر سے کوئی شے اندر نہ جانے پاتی تھی۔ اس وقت بھی جان نثاروں کی ایک جماعت آپ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی' لیکن آپ نے باصرار سب کو واپس کر دیا' چند نوجوان حضرت امام حسین' ابن عباس' محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ واپس نہ گئے۔ آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لیے گئے' لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان میں خطا و ثواب کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی۔ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ادب و احترام نہ کیا۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ناملائم الفاظ استعمال کیے اور آپ کی سواری کے خچر کو زخمی کر کے گرا دیا' چند آدمیوں نے آپ کو وہاں سے علیحدہ کیا۔ ❷

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی' باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا۔ ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے۔ یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے۔ کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے' لیکن آخر میں وہ بھی مجبور ہو گئے تھے' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا اور آپ نے جانے کا قصد کیا تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا۔ آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا' جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر کہہ دو۔ ❸

اتمام حجت کیلئے تقریریں

درحقیقت یہ انقلاب انگیز شورش تنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے لیے اس کے تباہ کن نتائج نظر آ رہے تھے' اس لیے محاصرہ کی حالت میں بھی ان کی شیرازہ بندی کو بار بار بچانے کی کوشش کی۔ ایک دن قصر خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی:

''لوگو! میرے قتل کے کیوں درپے ہو' میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں' اللہ کی قسم

---

❶ طبری ص۔ ۲۹۹۷' وابن اثیر ج۔ ۳' ص ۶۶۔

❷ طبری ص ۳۰۱۰۔ ❸ ابن سعد ج۔ ۳' ق۔ اول' ص ۴۷۔

جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی' لیکن بہرحال میں انسان ہوں' اس لیے اصابت رائے کے ساتھ لغزشیں بھی ہوئیں۔

یاد رکھو! واللہ! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے''۔ [1]

یہ تقریر درحقیقت پیشین گوئی تھی' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے وحدت اسلامی میں جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک بند نہ ہو سکا۔

ایک دن آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:

''میں اللہ کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو مسجد بہت تنگ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس زمین کے قطع کو کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے' اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی۔ اس وقت میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کیا' آج تم اس مسجد میں مجھے دو رکعت نماز پڑھنے سے روکتے ہو' میں اللہ کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں' کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کنواں نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے' اس کو جنت میں اس سے بہتر ملے گا تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا اور آج تم مجھے اسی کنواں کا پانی پینے سے روکتے ہو' کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے ہی جیش عسرت کا پورا سامان کیا تھا۔'' سب نے کہا ہاں سچ ہے''۔ [2] لیکن کسی پر اس کا اثر نہ ہوا' اس لیے آپ نے پھر ایک دن تقریر فرمائی:

''میں ان لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' قسم دے کر پوچھتا ہوں' کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ اُحد پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا' آپ نے ٹھوکر مار کر فرمایا' اُحد ٹھہر جا! کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی' ایک صدیق اور شہید ہے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' لوگوں نے اس کی تصدیق کی' پھر آپ نے فرمایا' میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں' جو بیعت رضوان میں موجود تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تھا تو اپنے دست

---

[1] ابن سعد ج۔۳ ق۔ اول' ص ۴۷۔ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۰' ۷۵' ۷۶۔

مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی تھی؟ سب نے کہا ہاں سچ ہے"۔ ❶

جب آپ نے دیکھا کہ خیرہ چشم کسی طرح آپ کے قتل سے باز نہیں آتے تو آخری تقریر فرمائی:

"اے لوگو! آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں' اسلام کے بعد جو مسلمان مرتد ہو جائے' یا پاکدامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو یا کسی کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اور ان تینوں سے میرا دامن پاک ہے۔ اللہ کی قسم جب سے اللہ نے مجھے ہدایت دی میں نے اپنے مذہب کے مقابلہ میں کسی مذہب کو پسند نہیں کیا۔ نہ زمانہ جاہلیت میں بدکاری کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام کے بعد کسی کو قتل کیا' پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو؟ ❷

جان نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لیے اجازت طلبی

جب باغیوں پر کسی افہام و تفہیم کا اثر نہ ہوا اور وہ اپنی خیرہ سری پر اڑے رہے تو ہوا خواہان امت نے حاضر ہو کر جان نثاری کی اجازت طلب کی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصار کی جماعت کو لے کر پہنچے اور عرض کیا کہ انصار دروازہ پر حاضر اجازت کے منتظر ہیں کہ دوبارہ اپنے انصار اللہ ہونے کا ثبوت دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دوں گا۔ ❸

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' قصر خلافت میں ہم لوگوں کی خاصی تعداد ہے اجازت ہو تو میں جان بازی کے جوہر دکھاؤں' فرمایا اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لیے خون ریزی نہ کی جائے۔ ❹ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ امام امت ہیں اور اس حال میں مبتلا ہیں' اس لیے تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمایئے۔ آپ کے پاس کافی قوت ہے' ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلئے اور مقابلہ کیجئے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر' یا پھر صدر دروازہ کو' جس میں باغیوں کا ہجوم ہے' چھوڑ کر ہم آپ کے لیے عقب سے دروازہ توڑ دیتے ہیں۔ آپ سواری پر بیٹھ

---

❶ مسند احمد بن حنبل ج۔۱' ص ۵۹۔ ❷ مسند احمد بن حنبل ج۔۱' ص ۶۱۔

❸ ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' اول' ص ۴۸۔ ❹ ابن سعد ج۔۳' ق۔۱' اول' ص ۴۹۔

کر مکہ نکل جائیے' وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کریں گے' یا پھر شام چلے جائیے' وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) موجود ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مقابلہ نہ کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا' جس کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خونریزی کا آغاز ہو' مکہ بھی نہ جاؤں گا کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی خونریزی سے باز نہ آئیں گے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق بننا نہیں چاہتا کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا اور اس پر ساری دنیا کا آدھا عذاب ہوگا' شام کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہ بھی وہاں موجود ہیں' لیکن دارالہجرۃ اور جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ چھوڑوں گا۔ [1] غرض یہی خواہ امت نے کسی درجہ پر بھی اپنے بچاؤ کے لیے مسلمانوں کی خونریزی پسند نہ کی بلکہ فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روکے رکھے۔ [2]

شہادت کی تیاری

جتنا وقت گزرتا جاتا تھا حاجیوں کی واپسی کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ بعض مقاموں سے فوجوں کے آنے کی بھی خبر تھی' اس لیے باغیوں نے جلد سے جلد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شمع حیات بجھا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی شہادت کا پورا یقین تھا اور آپ صبر و استقامت کے ساتھ ہر وقت اس کے منتظر تھے' اس لیے باغیوں کی سرگرمی دیکھ کر آپ نے شہادت کی تیاری شروع کر دی' جمعہ کے دن سے روزہ رکھا ایک پائجامہ جسے آپ نے پہلے کبھی نہ پہنا تھا' زیب تن کیا۔ [3] بیس غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت تک قصر خلافت کے پھاٹک پر حضرت امام حسین' عبداللہ بن زبیر' محمد بن مسلمہ اور بہت سے صحابہ زادے رضی اللہ عنہم باغیوں کو روکے ہوئے تھے' کچھ معمولی سا کشت و خون بھی ہوا' جب انہیں اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے پھاٹک میں آگ لگا دی اور کچھ لوگ قصر خلافت کے متصل دوسرے مکانوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت میں مصروف تھے' لیکن ہمت نہ پا کر لوٹ آئے' اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑے دشمنوں میں سے تھے' بڑھ کر ریش مبارک پکڑ لی اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا بھتیجے! ''اس کو چھوڑ دو' تمہارے والد کبھی ایسا نہ کرتے تھے۔ اگر وہ دیکھتے تو ان کو تمہارا یہ فعل کبھی پسند نہ آتا''۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہ کلمات سن کر محجوب ہو کر

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج۔۱ ص ۶۷۔ [2] ابن سعد ج۔۳ ق۔۱ ص ۴۸۔ [3] مسند احمد بن حنبل ج۔۱ ص ۶۷۔

لوٹ گئے۔ [1]

شہادت

ان کے بعد ایک غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا اور کلام پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ [2] ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹھ ماری کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے۔ زبان مبارک سے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ نکلا اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہوگیا۔ اس کے بعد ہی عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کیے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا سے نہ دیکھا گیا' وہ بے تابانہ بچانے کے لیے دوڑیں' ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ یہ تلاوت فرما رہے تھے' ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.﴾ [۲/البقرۃ:۱۳۷] [3]

تجہیز و تکفین

یہ حادثہ جمعہ کے دن ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا۔ مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا۔ بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ دو دن تک لاش مبارک بے گور و کفن پڑی رہی۔ دوسرے دن سنیچر کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز و تکفین کی' شہادت کی طہارت غسل سے بے نیاز تھی' چنانچہ انہی خون آلود کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اٹھایا' باختلاف روایت حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ یا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا۔ [4] شہادت کے وقت ۸۲ سال کی عمر شریف تھی۔ مدت خلافت چند دن کم بارہ سال۔

صحابہ رضی اللہ عنہم پر اثر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت عظمیٰ معمولی واقعہ نہ تھا۔ آپ کی زندگی میں لوگوں نے آپ پر نکتہ چینیاں بھی کیں اور مخالفتیں بھی ہوئیں' لیکن اس حادثہ کے پیش آ جانے کے بعد ہر مسلمان دم بخود' صحابہ رضی اللہ عنہم مضطرب و بے قرار اور مخالفین نادم و پشیمان تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس وقت یہ خبر سنی

---

[1] طبری ص ۳۰۲۱۔ [2] طبری ص ۳۰۱۸۔ [3] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۱ و ۵۲۔
[4] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۱۔ ۵۲ و طبری و ابن اثیر وغیرہ۔

دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ ''الٰہی! میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے۔'' حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''لوگو! اگر تمہاری بداعمالی کی سزا میں کوہ احد تم پر پھٹ پڑے تو بھی بجا ہے'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہو گیا ہے جسے پہاڑ بھی بند نہیں کر سکتا''۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا''۔ ثمامہ بن عدی کو معلوم ہوا تو بے اختیار رو کر کہا ''آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا خاتمہ ہو گیا۔ اب بادشاہت کا دور شروع ہو گا''۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار تھیں' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حادثہ کا ذکر کر کے زاروزار روتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ ''عثمان رضی اللہ عنہ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک صاف ہو گئے۔'' جن لوگوں نے کسی اثر کے ماتحت مخالفت بھی کی تھی وہ بھی منفعل و پشیمان تھے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین سے کہتے تھے کہ ''ہم نے ابن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور ان سے راضی تھے' تم لوگوں نے ان کو شہید کیوں کیا''۔ ایک شخص عبداللہ بن حکیم جو آپ کی زندگی میں آپ کی برائی کر کے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا' شہادت کے بعد اتنا نادم و شرمسار ہوا کہ اس نے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی خلیفہ کے قتل میں معاون نہ ہو گا۔ [1]

شہادت کے نتائج

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت درحقیقت تنہا آپ کی شہادت کا واقعہ نہ تھا بلکہ وحدت اسلامی کی شکست اور مسلمانوں کے شیرازہ کی برہمی کا حادثہ تھا۔ اس حادثہ سے مسلمانوں میں جو تفریق پیدا ہوئی وہ تا قیامت نہ مٹے گی اور اس وقت جو تلوار بے نیام ہوئی تھی' وہ ہمیشہ بے نیام رہے گی' مسلمان شیعہ' سنی' خارجی اور عثمانی فرقوں میں بٹ گئے اور جو متحدہ قوت غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگی اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا اس کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔

ازواج و اولاد

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ ان سب سے بہت سی اولادیں ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے

[1] یہ تمام اقوال ابن سعد ج۔۳ ق۔۱ ص۔۵۶ ۵۷ سے ماخوذ ہیں۔

آپ کے عقد میں آئیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک صاحبزادے عبداللہ تھے۔ آپ کی کل اولادوں کی تعداد سترہ اٹھارہ ہے۔

عہد عثمانی پر تبصرہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اگرچہ اطمینان وسکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع صرف پانچ سال ملا لیکن اس قلیل مدت میں آپ نے امت اسلامیہ کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں اور بہت سے ممالک زیر نگیں ہوئے۔ نظام خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں کسی ترمیم واضافہ کی بہت کم گنجائش تھی۔ تاہم جو گوشے تشنہ تکمیل رہ گئے تھے ان کی تکمیل ہوئی اور رفاہ عامہ کے بہت سے کام انجام پائے۔

بغاوتوں کا استیصال

اوپر تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ہی ملک کے مختلف گوشوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں۔ ایران کے متعدد صوبے باغی ہو گئے۔ خراسان' آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقوں نے اطاعت کا جوا اتار پھینکا۔ مصر واسکندریہ میں رومیوں نے بغاوت بپا کر دی۔ قیصر روم اسکندریہ پر چڑھ آیا' غرض ہر طرف خلفشار بپا ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہایت مستعدی اور سرگرمی سے ان تمام بغاوتوں کا استیصال کیا۔

فتوحات

بغاوتوں کے استیصال کے علاوہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے غیر مفتوحہ علاقوں ایشیائے کوچک' ترکستان' کابل اور سندھ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔ بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ ہوا اور اسپین پر حملہ ہوا اور اسلامی حکومت کے حدود سندھ اور کابل سے لے کر یورپ کی سرحد تک وسیع ہو گئے۔

نظام خلافت

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے' نظام خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں ترقی کی گنجائش بہت کم تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو علی حالہ قائم رکھا البتہ انتظامی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور جن شعبوں میں ترقی کی گنجائش تھی ان کو ترقی دی۔

مجلس شوریٰ

گو عثمانی دور میں عہد فاروقی کی طرح شوریٰ کا اہتمام نہ رہ گیا تھا' لیکن مہمات امور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور عمال حکومت سے مشورہ فرماتے تھے۔ اوپر انقلاب کے حالات میں ملک کی صلاح وفلاح اور فتنہ وفساد کی بیخ کنی کے لیے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور عمال حکومت سے صلاح ومشورہ کے واقعات گزر چکے ہیں۔

بعض تبدیلیاں

صوبوں کی تقسیم قریب قریب وہی رہی جو عہد فاروقی میں تھی' البتہ شام کے ملک کو جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا' ایک صوبہ بنا دیا گیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پورے صوبہ کے والی مقرر ہوئے جس سے فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچا۔ نئے مفتوحہ ملکوں کے نئے صوبے بنائے گئے۔

عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی

عثمانی عمال کی بے عنوانیوں اور ان سے احتساب کے سلسلہ میں ایک امر خاص طور سے پیش نظر رکھنے کے لائق ہے' جسے نظر انداز کر دینے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر اسے ملحوظ رکھا جائے تو بہت سے شکوک وشبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فطرتاً نہایت حلیم الطبع' نرم خو اور خطا پوش تھے۔ آپ میں عفو ودرگزر کا پہلو غالب تھا۔ اس لیے آپ میں مواخذہ واحتساب کی وہ سختی نہ تھی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طغرائے امتیاز تھا۔ آپ بعض ایسے امور سے چشم پوشی فرما جاتے تھے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے سے بڑے عہدہ دار کو لے ڈالتے تھے۔ یہ فرق ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے عہد صدیقی میں بعض بے عنوانیاں سرزد ہوئیں' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نظر انداز کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیہم اصرار کے باوجود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ایک دو مرتبہ کی تنبیہ کے بعد فوراً معزول کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمال کی شان وشوکت کو سخت ناپسند کرتے تھے' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان چیزوں سے تعرض نہیں کرتے تھے اور اس قبیل کے معاملات میں دونوں کے طرز عمل میں فرق تھا جو ان کی افتاد طبع کا نتیجہ تھا۔ اس طبعی فرق کی وجہ سے گو عہد عثمانی میں عہد فاروقی کے جیسا سخت احتساب نہ رہ گیا تھا۔ پھر بھی آپ کسی ایسی بے عنوانی کو نظر انداز نہ کرتے تھے' جس سے اصول اسلام' اخلاق عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو' جب کسی والی کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی آپ فوراً معزول کر دیتے تھے' چنانچہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیت المال کا قرض ادا نہ کرنے کے الزام میں معزول کر دیا' ولید رضی اللہ عنہ کو شراب نوشی کے جرم میں عہدہ سے برطرف کر کے حد جاری کی' سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو رعایا کی شکایت پر علیحدہ کیا' جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ حج کے موقع پر تمام عمال طلب کیے جاتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اسے پیش کرے' چنانچہ شکایتیں سن کر آپ ان کا تدارک فرماتے تھے۔ ❶

بیت المال کے محاصل و مصارف

عثمانی عہد میں بہت سے نئے ملک فتح ہوئے اور خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔ اس کے علاوہ آپ کے عمال کے حسن انتظام سے پرانے محاصل میں کافی اضافہ ہوا' چنانچہ مصر کے خراج کی مقدار دونی ہوگئی۔ ❷

آمدنی میں اضافہ کے ساتھ آپ نے لوگوں کے وظائف میں اضافہ فرمایا' جن لوگوں کو رمضان کے مصارف کے لیے نقد ملتا تھا ان کا کھانا بھی مقرر کیا۔ ❸ ان کے علاوہ قومی مصارف اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

صیغۂ فوج

صیغۂ فوج میں بعض تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئیں۔ بعض صوبوں میں انتظامی اور فوجی شعبے جو اب تک ایک چلے آتے تھے الگ کر دیئے۔ سپاہیوں کی تنخواہ میں سو سو روپے کا اضافہ ہوا۔ ❹ نئے مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں بحر روم کے ساحل پر انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں بسا دیں ❺ فاروقی عہد میں جہاد کے گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں کے لیے متعدد چراگاہیں بنائی گئی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان میں اور اضافہ کیا اور ان کے متعلق چشمے جاری کرائے' یہ چراگاہیں اتنی وسیع تھیں کہ صرف ایک ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ ❻

بحری فوج اور اسلامی بیڑہ

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں اور اہم ترقی بحری فوج کا قیام ہے۔ عہد فاروقی میں فارس کی

---

❶ طبری ص ۲۹۴۴۔ ❷ یعقوبی ج ۲' ص ۱۸۹۔ ❸ طبری ص ۲۸۰۴۔
❹ طبری ص ۲۸۰۴۔ ❺ ابن اثیر ج ۳' ص ۳۳ ❻ وفاء الوفاء میں چراگاہوں کی تفصیل ہے۔

بحری جنگ میں مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے خلاف ہو گئے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بارہا بحر روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی لیکن فارس کے تلخ تجربہ کے بعد آپ نے اجازت نہ دی۔ آپ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی' آپ نے بھی پہلے انکار کیا' لیکن پھر ان کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ بحری جنگ میں شرکت کے لیے کسی کو مجبور نہ کیا جائے' جو اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ جا سکتا ہے۔ [1] چنانچہ حصول اجازت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ کیا' جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ قبرص کی فتح سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ والی افریقہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے چند برسوں کے اندر اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ وہ اس عہد کے سب سے طاقتور رومی بیڑے سے بڑھ گیا' چنانچہ ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے چھ سو جہازوں کے ساتھ سواحل شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے رومی بیڑے کو نہایت فاش شکست دی۔ [2] بحری بیڑے کے قیام کے بعد بحر روم مسلمانوں کی آماجگاہ بن گیا۔ بنی امیہ تلوار کے دھنی اور بڑے شجاع اور اولوالعزم تھے' اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قدرۃً فوجی صیغہ کو بڑی ترقی ہوئی' جس کی شاہدان کے عہد کی فتوحات ہیں۔ اگر درمیان میں سیاسی انقلاب نہ برپا ہو گیا ہوتا تو عہد عثمانی میں فتوحات کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ ہوتا۔

رفاہ عام کے کام

عثمانی عہد میں رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے۔ خصوصاً تعمیرات میں بڑا اضافہ ہوا' دفاتر کے لیے وسیع عمارتیں تعمیر ہوئیں' رعایا کی آسائش کے لیے سڑک' پل اور مسافر خانے بنوائے' کوفہ میں عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک وسیع مہمان خانہ بنوایا۔ [3] مدینہ اور نجد کی راہ میں ایک سرائے تعمیر کرائی اور اس کے متعلق ایک بازار بسایا اور شیریں پانی کا ایک کنواں کھدوایا۔ اس کے علاوہ بیئر سائب' بیئر عامر اور بیئر عریس کئی کنویں کھدوائے۔ [4]

بند مہروز

مدینہ' خیبر کی سمت سے نشیب میں ہے اس لیے کبھی کبھی یہاں سیلاب آ جاتا تھا' جس سے شہر کو بڑا نقصان پہنچتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلے پر مدری کے قریب بند بندھوایا

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص۔۳۶ و فتوح البلدان ذکر فتح قبرص۔ [2] ابن اثیر ج۔۳' ص ۴۵۔

[3] طبری ص ۲۸۴۲۔ [4] وفاء الوفاء ج۔۲' ص ۲۵۴۔

اور نہر کھدوا کر سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس سے مدینہ کی آبادی بالکل محفوظ ہوگئی۔ [1]

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر

تعمیرات اور مذہبی خدمات کے سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے روشن کارنامہ مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی توسیع کرائی تھی۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو آپ نے ۲۹ھ میں اس کی دوبارہ تعمیر و توسیع کرائی۔ عمارت کے لیے چونا اور پتھر بطن نخلہ سے منگایا۔ ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال کیے' ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے طول میں ۲۰ گز کا اور عرض میں ۳۰ گز کا اضافہ کیا۔ [2]

مصحف صدیقی کی اشاعت

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں آپ کا سب سے اہم کارنامہ مسلمانوں کو ایک قرأت اور ایک مصحف پر متحد کرنا ہے۔ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ کتابی صورت میں کلام اللہ کی تدوین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی۔ کلام اللہ کے بعض الفاظ کی املا اور ان کا تلفظ مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے' چنانچہ مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم املاء اور تلفظ مختلف طریقوں سے کرتے تھے لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ [3] اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس خفیف فرق کی کوئی اہمیت نہ تھی' لیکن نومسلم عجمیوں میں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی' اس کی بڑی اہمیت ہوگئی۔ ہر مقام کے لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط سمجھنے لگے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ایک جہاد میں شریک ہوئے۔ انہوں نے اہل عجم کا یہ اختلاف دیکھا تو انہیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں قرآن میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے' چنانچہ انہوں نے واپس آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا' امیر المؤمنین! اگر جلد اس کا تدارک نہ کیا گیا تو عیسائیوں اور رومیوں کی طرح مسلمان بھی اللہ کی کتاب میں اختلاف پیدا کر دیں گے۔ ان کے توجہ دلانے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عہد صدیقی کا مدون کیا ہوا نسخہ جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا منگایا اور اس کی نقلیں کرا کے تمام ممالک

---

[1] وفاء الوفاء ج۔۲' ص ۲۱۷۔ [2] ابن اثیر ج۔۳' ص۔۳۹ و یعقوبی ج۔۲' ص۔۱۹۱' وفا الوفاء میں اس تعمیر کی پوری تفصیل ہے۔ [3] یعنی بعض الفاظ ایک سے زیادہ طریقوں سے لکھے جا سکتے ہیں اور اسی طریقہ سے ان کا تلفظ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اور مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ .

اسلامیہ میں بھجوائیں۔ اس کے علاوہ اور کلام اللہ کے جو نسخے تھے انہیں تلف کرا دیا۔ [1] اس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ایک قرآن پر ہو گیا۔

مؤذنوں کی تنخواہ

مساجد کے لیے تنخواہ دار مؤذن مقرر کیے۔ [2]

متفرق واقعات

خلیفہ وقت کا ایک اہم فرض مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ان کی اخلاقی اصلاح و تربیت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں اس فرض کو بہ نفس نفیس انجام دیتے تھے۔ مسلمانوں کو مذہبی مسائل بتاتے تھے۔ انہیں اس کی عملی تعلیم دیتے تھے، جس کے واقعات حدیث کی کتابوں میں ہیں۔

دولت کی فراوانی اور فارغ البالی کی وجہ سے اہل مدینہ میں لہو ولعب کے مشاغل پیدا ہو چلے تھے، چنانچہ کبوتر بازی اور غلیل بازی خوشحال لوگوں کا دلچسپ مشغلہ ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں مشاغل کو روک دیا۔ [3]

فضل وکمال

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاص حاشیہ نشینان بساط نبوت میں تھے۔ اس لیے شیخین کی طرح آپ کی ذات بھی علم وعمل کا نمونہ تھی۔ کان ممن جمع بین العلم والعمل [4] آپ کو ابتدا سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، چنانچہ زمانہ جاہلیت سے آپ نوشت وخواند سے واقف تھے۔ [5] تحریر میں مہارت کی وجہ سے کتابت وحی کی جلیل القدر خدمت آپ سے متعلق تھی۔ [6] تقریر وخطابت میں آپ کو کوئی خاص امتیاز نہ تھا، لیکن تحریر دلکش ہوتی تھی، آپ کی تحریر کے نمونے تاریخوں میں مذکور ہیں۔ مذہبی علوم میں آپ کا پایہ بلند تھا۔

کلام اللہ کے ساتھ خاص شغف تھا۔ اس کی تعلیم انہوں نے خاص زبان نبوت سے حاصل کی تھی۔ [7] ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے۔ [8] بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] بخاری اور فتح الباری ابواب جمع القرآن میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۱۶۴۔
[3] تاریخ الخلفاء ص ۱۶۵۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص ۸۔
[5] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۷۷۔ [6] روضۃ المنظر تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔
[7] تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص ۸۔ [8] ابن سعد ج۔۳ ق۔۱ ص ۵۳۔

آپ نے خود بھی کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ [1] اس شوق و ذوق کی وجہ سے کلام اللہ پر آپ کی نظر بہت وسیع ہوگئی تھی۔

احادیث نبوی ﷺ کے بھی ممتاز حافظ وروی جملۃ کثیرۃ من العلم [2] لیکن کلام رسول میں تغیر و تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے' چنانچہ فرماتے تھے کہ احادیث بیان کرنے میں یہ امر مانع آتا ہے کہ ممکن ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں حدیث کو زیادہ صحیح محفوظ نہ رکھتا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے اس کو چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنانے کے لیے تیار رہے۔ [3] اس خطرہ سے آپ بہت کم روایتیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرفوع روایات کی کل تعداد ۱۴۶ ہے۔

فقہ میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے برابر نہ تھا' لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے اجتہاد سے استناد کرتے تھے۔ [4] آپ کے فقہی اجتہاد کے بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ علم فرائض میں آپ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز تھے۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس فن کے دو بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا۔ شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو حل یہی دونوں حضرات کرتے تھے۔ اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ [5]

اخلاق و سیرت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت سے صاحب ثروت تھے۔ لاکھوں روپے کا تجارتی کاروبار تھا' لیکن زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن تمول کے برے نتائج سے آلودہ نہ ہوا۔

خشیت الٰہی اور رقت قلب

آپ نہایت رقیق القلب تھے۔ آپ کا دل ہمیشہ خوف الٰہی سے معمور رہتا تھا' جب کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو اتنی رقت طاری ہوتی کہ روتے روتے ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ [6]

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۴۸۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج۔۱' ص ۱۸۔
[3] مسند احمد ج۔۱' ص ۶۵۔ [4] بخاری کتاب الغسل و مسند احمد بن حنبل وغیرہ۔
[5] کنز العمال ج۔۶' ص ۷۲۔ [6] کنز العمال ج۔۶' ص ۳۷۲۔

مواخذہ قیامت کا خوف

آخرت کے مواخذہ کا اتنا خوف غالب تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو یہ علم ہو کہ مجھے جنت ملے گی یا دوزخ تو میں اس کا فیصلہ ہونے کے مقابلہ میں خاک ہو جانا پسند کروں گا۔ [1] اس خوف کا اثر آپ کے ہر عمل میں نمایاں تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گوناگوں تعلقات اور آپ کی خدمات اسلامی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ اس تعلق کی بنا پر آپ نے دو مرتبہ ان کو شرف مصاہرت سے سرفراز فرمایا اور اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے ساتھ بیاہ دیا' لیکن یہ دولت بہت جلد آپ سے چھن گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کا بڑا قلق ہوا۔ ان کی پریشانی دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا' عثمان کیا حالت ہے؟ عرض کی بِاَبِی اَنْتَ وَاُمِّی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بڑھ کر مصیبت کیا ہو سکتی ہے کہ ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسکین خاطر کے لیے دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا اگر میرے سو لڑکیاں ہوتیں اور وہ مرتی جاتیں تو میں برابر یکے بعد دیگرے عثمان کے ساتھ بیاہتا چلا جاتا۔ [2]

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ذات رسالت کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاجوئی کے لیے اپنی کل کائنات نثار کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی دن فقر و فاقہ سے گزر گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو بے چین ہو کر رونے لگے اور اسی وقت کئی بورے گیہوں' آٹا' کھجور' بکری کا گوشت اور تین سو درہم نقد لے جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ جب اس قسم کی ضرورت پیش آئے تو عثمان کو یاد فرمایا جائے۔ [3]

---

[1] کنز العمال ج۔۶' ص۳۷۲۔ [2] کنز العمال ج۔۶' ص۔۳۷۵ اس میں دو روایتوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔
[3] کنز العمال ج۔۶' ص۳۷۶۔

احترام رسول ﷺ

ذات نبوی کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی' اسے تاعمر محل نجاست سے مس نہیں کیا۔ ❶

اتباع سنت و پاس فرمان رسول ﷺ

اس محبت واحترام کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی سرتاپا اتباع سنت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ کا فرمان ہر دم ہر لحظہ پیش نظر رہتا تھا۔ آپ کے اتباع سنت کے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ آپ کے فرمان کا اتنا لحاظ رکھا کہ جان دے دی لیکن دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

انفاق فی سبیل اللہ

آپ کا طغرائے امتیاز راہ للہ میں فیاضی ہے۔ جیسا اللہ نے آپ کو غنی بنایا تھا ویسے ہی آپ نے اس کی راہ میں بے دریغ دولت لٹائی۔ اس کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ دو لاکھ اشرفی مالیت کی مستقل جائیداد راہ اللہ میں وقف کی تھی۔ ❷

فیاضی

آپ طبعاً فیاض و سیر چشم تھے' سینکڑوں بیواؤں' یتیموں اور اپنے غریب اعزہ کی پرورش کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ ❸ آپ کی غیر معمولی فیاضی ہی کی وجہ سے آپ کے دشمنوں کو آپ کے خلاف غلط واقعات مشہور کرنے کا موقع ملا۔

حیا

آپ کا دوسرا امتیازی وصف حیا ہے۔ آپ طبعاً اتنے باحیا تھے کہ رسول اللہ ﷺ آپ کی حیا کا لحاظ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے اور زانو مبارک سے کپڑا اہٹا ہوا تھا۔ آپ نے اسے بند نہ کیا' تھوڑی دیر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انہیں دیکھ کر آپ ﷺ نے کپڑا برابر کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا سبب پوچھا' فرمایا کہ عثمان کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔ ❹

---

❶ ابن سعد ج۔۳' ق۔ا تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ ❷ ابن سعد ج۔۳' ق۔ا' تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ ص ۵۳۔
❸ نزہۃ الابرار قلمی۔ ❹ بخاری مناقب عثمان رضی اللہ عنہ۔

صبر وتحمل

تیسرا وصف صبر وتحمل اور عفو ودرگزر ہے۔ آپ حلم وعفو کا پیکر تھے۔ آپ میں اس وصف کا اتنا غلبہ تھا کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ اموی عمال کی بے عنوانیاں آپ کے اسی وصف کا نتیجہ تھیں۔ کسی حالت میں حلم وصبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ آپ کے خلاف کتنا طوفان بپا ہوا' مخالفین نے رو در رو گستاخیاں کیں' لیکن اس پیکر حلم نے سوائے صبر وتحمل کے کوئی جواب نہ دیا۔ اگر آپ چاہتے تو باغیوں کے خون کی ندیاں بہہ جاتیں' لیکن آپ نے جان دے دی' مگر صبر وحلم کے جادۂ مستقیم سے نہ ہٹے۔

تواضع

آپ کے پاس لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اپنے کاموں کے لیے ان کی راحت میں خلل نہ ڈالتے تھے۔ شب کو تہجد کے وقت کسی غلام کو نہ جگاتے' خود ہی پانی لے کر وضو کر لیتے عرض کیا گیا' آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں' کسی غلام کو جگا لیا کیجئے' فرمایا رات کا وقت ان کے آرام کے لیے ہے۔ [1]

ذریعہ معاش

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش مکہ بلکہ عرب کے دولت مند ترین لوگوں میں تھے۔ لاکھوں روپیہ کا آپ کا تجارتی کاروبار تھا۔ اپنی غیر معمولی ثروت کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے۔ نقدی دولت کے علاوہ متعدد علاقے تھے۔ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جاگیر عطا فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے بعض زمینیں خریدی تھیں۔ آپ کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ زندگی میں لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی شہادت کے وقت علاوہ جائیداد کے پینتیس لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد چھوڑے۔ [2]

غذا اور لباس

آپ شروع سے لے کر آخر تک دولت وثروت کے گہوارہ میں رہے۔ زندگی کے کسی دور میں عسرت وتنگ دستی سے سابقہ نہ پڑا۔ اس لیے سخت اور پرمحن زندگی کے عادی نہ تھے۔ آرام وآسائش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ خوش خوراک وخوش لباس تھے۔ دسترخوان وسیع تھا' لیکن اس میں

---

[1] ابن سعد ج۔۳ ق ا ص ۴۱۔ [2] ابن سعد ج۔۳ ق۔ ا ص ۵۳۔

زیادہ اہتمام نہ تھا۔ اچھے لباس کے ساتھ معمولی کپڑے بھی پہنتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کل چار پانچ درہم کی تہبند میں مسجد آتے تھے۔ [1]



[1] مستدرک حاکم ج۔۳ ص ۹۶۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(۳۵ھ تا ۴۰ھ مطابق ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء)

ترجمہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے۔ آپ کے خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی چچا تھے لیکن آپ کو جو تعلق خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب کے ساتھ تھا وہ کسی کے ساتھ نہ تھا۔ ابوطالب اس زمانہ میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے مشرکین مکہ کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے' آپ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے تھے۔ ان کی بیوی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بھی آپ پر بڑی شفقت کرتی تھیں۔ اس لیے آپ کو ابوطالب اور ان کی اولاد کے ساتھ خاص انس و محبت تھی۔ ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دامن پرورش میں لے لیا تھا۔ اس طرح ابتدا ہی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آغوش نبوت میں پرورش پائی۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اول اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے اسی نوعمر لڑکے نے لبیک کہا' چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابتدا ہی سے تربیت صالحہ ملی تھی اس لیے زمانہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے آپ کا دامن محفوظ رہا۔ قبول اسلام کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ وعظ و پند کے جلسوں اور تبلیغ اسلام کے مجمعوں میں ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعمیل کے لیے کوہ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ ''اے بنی مطلب! میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے''۔ تو اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ ''گو میں عمر میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپ کا معاون و مددگار اور قوت بازو بنوں گا''۔ یہ آواز علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا' اس کے جواب میں ہر مرتبہ علی رضی اللہ عنہ ہی کی آواز آئی' اس صلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ ''تم میرے وارث اور بھائی ہو''۔ یہ صرف زبانی دعویٰ نہ تھا' عمل کچھ اس سے بڑھ کر ہی تھا۔ ہجرت کے واقعات میں تم اس کی تفصیل پڑھ چکے ہو۔

مدینہ آنے کے بعد ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ اس وقت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مستقل زندگی شروع ہوئی۔ ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان تمام غزوات بدر، احد، خندق، بنی قریظہ اور حنین وغیرہ میں کارہائے نمایاں دکھائے، جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں، اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ متعدد سرایا آپ کی ماتحتی میں بھیجے گئے، جنہیں آپ نے کامیابی کے ساتھ سرانجام پہنچایا۔ آنحضرت ﷺ کی آخری خدمت یعنی آپ ﷺ کے غسل اور تجہیز و تکفین وغیرہ کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی، غرض شروع سے آخر تک آپ رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے ساتھ گوناگوں تعلقات و خصوصیات کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ قدرۃً خلافت نبوی ﷺ کے متوقع تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب سے آپ کو آزردگی پیدا ہوئی۔ لیکن پھر بہت جلد دور ہوگئی اور آپ تینوں خلفا کے دور میں مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ آپ کے مفید مشوروں پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ نے اپنے مشوروں سے خلافت اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ جب تک بس چلا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت کرتے رہے۔ ان سب کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

خلافت

بیعت خلافت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی، مدینہ میں شور قیامت بپا تھا۔ ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے، لیکن خلافت کا انتظام بہرحال ضروری تھا۔ اس وقت اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہوسکتا تھا، چنانچہ مہاجرین و انصار نے جن میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے، جسے تم منتخب کروگے، میں بھی اسے قبول کرلوں گا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس منصب کا مستحق نہیں ہے۔ اس لیے آپ کے علاوہ ہم کسی دوسرے کو منتخب ہی نہیں کرسکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلہ میں مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے۔ آخر میں لوگوں نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ غرض مسلمانوں کے

اصرار سے مجبور ہو کر اور امت اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپ نے قبول فرمایا اور مجمع عام میں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ [1] اس بیعت میں مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ [2] بیعت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ نے مسند خلافت پر قدم رکھا۔

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی تلاش میں ناکامی اور اس کے نتائج

بیعت خلافت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے اہم مرحلہ اور آپ کا سب سے مقدم فرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان سے قصاص لینا تھا۔ لیکن چند در چند اسباب کی بنا پر اس میں ناکامی ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی گئی، لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین طور سے کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی۔ حادثہ شہادت کے وقت گھر میں صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نائلہ رضی اللہ عنہا تھیں، وہ ایک پردہ نشین خاتون تھیں۔ گھر میں گھسنے والوں میں وہ صرف محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو پہچانتی تھیں، لیکن وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک جملہ سے مجوب ہو کر لوٹ گئے تھے اور قتل میں شریک نہ تھے۔ ان کے علاوہ نائلہ رضی اللہ عنہا اور کسی کو نہ پہچانتی تھیں۔ پھر قاتل جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس پر کوئی قابو نہ تھا۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبور ہو گئے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت کا دلوں پر اتنا اثر تھا کہ عوام تو عوام بہت سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم تک صرف قصاص چاہتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجبوریوں پر ان کی نظر نہ جاتی تھی، چنانچہ حضرت طلحہ، زبیر اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں جو جماعت شریک ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میں اس سے غافل نہیں ہوں، لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کروں جس پر میرا کوئی قابو نہیں ہے۔ [3] بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اس لیے آگے چل کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو خود اپنے طور پر اس سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہو گیا، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل ہوئی، جس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی اور ان کی بغاوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ایک دشوار مرحلہ تو تھا ہی کہ آپ کی بعض سیاسی فروگذاشتوں سے ایک دوسری نازک صورت پیدا ہو گئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عثمانی عہد کے اکثر عمال

---

[1] طبری ص۔ ۶۶ ۳۰ ابن اثیر ج۔ ۳، ص ۷۴۔ [2] ابن سعد ج۔ ۳، ق۔ ۱، ص ۲۰۔ [3] طبری ص ۳۔

خصوصاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام کے سخت خلاف تھے۔ اس لیے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے ان سب کو معزول کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ کے عاقبت اندیش خیر خواہوں نے اس کی مخالفت کی۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جو سیاست و تدبر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم پایہ تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ ابھی آپ معاویہ اور دوسرے عثمانی عمال کو ان کے عہدوں سے نہ ہٹائیے' جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں' اس وقت جو دل میں آئے کیجئے گا' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی سے انکار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے بھی سمجھایا کہ ابھی معاویہ کو معزول نہ کیجئے' اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو پھر انہیں اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ کون خلیفہ ہے' لیکن اگر وہ معزول کر دیئے گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور سارے شام و عراق کو آپ کے خلاف کر دیں گے' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا مشورہ بھی قبول نہ فرمایا [1] اور ۳۶ھ میں تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کیے۔ اسی سلسلہ میں شام پر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا تقرر ہوا اور وہ شام روانہ ہو گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود بڑے مدبر تھے۔ پھر بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آ رہے تھے۔ یہاں ان کا بڑا اثر تھا۔ انہیں معزول کرنا آسان نہ تھا' چنانچہ انہوں نے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو شام کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا اور شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس کر دیا۔ [2] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بیعت کے لیے علیحدہ ایک خط لکھا تھا۔ اس وقت بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت خصوصاً آپ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنے سے سخت متاثر تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرا دیں۔ اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے' لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و زار روتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد کو روک لیا تھا۔ یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا اور اس کے ہمراہ اپنا قاصد ایک سادہ لفافہ دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ آپ نے اسے کھولا تو کچھ نہ تھا۔ آپ کو حالات کا کچھ اندازہ ہو چلا تھا۔ قاصد سے پوچھا شام میں کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمان رضی اللہ عنہ کے پیراہن پر رو رہے ہیں اور قصاص لینے کا عہد کر چکے ہیں' اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حقیقت واضح ہوئی' آپ نے فرمایا الٰہی! میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں۔ [3]

---

[1] ابن اثیر ج ۳' ص ۷۷ و اخبار الطوال ص ۱۵۱۔ [2] طبری ص ۳۰۸۳ و ۳۰۸۴۔ [3] طبری ص ۳۰۹۱۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واقعات کا پورا اندازہ ہو گیا اور آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں بے نیام ہونے والی تھیں۔ اس لیے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی شرکت کے بارہ میں متردد تھے۔ بہتوں نے اس کی مخالفت کی یا کم از کم غیر جانبدار رہے' چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص' عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ مجھے تم لوگوں کی جانب سے ناپسندیدہ خبریں ملی ہیں۔ کیا واقعہ ہے؟ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر جنگ میں آپ میری شرکت چاہتے ہیں تو ایسی تلوار عنایت کیجئے جو کافر و مسلم میں امتیاز کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ ایسی چیز میں شرکت کے لیے مجھ کو مجبور نہ کیجئے جس کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں جانتا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار کو مشرکوں کے مقابلہ میں استعمال کروں اور جب مسلمانوں سے جنگ کا وقت آئے تو اس کو کوہ احد کے پتھر پر پٹک کر توڑ دوں' چنانچہ کل میں نے اس کو توڑ دیا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس میں شرکت سے معاف رکھا جائے' میں نے عہد کیا ہے کہ کلمہ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کروں گا۔ [1] حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے' غرض بہت سے محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس میں شرکت سے احتراز کیا' تاہم بعضوں نے اپنی خدمات بھی پیش کیں۔

اصلاح و قصاص کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آمادگی

ابھی حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ دوسری طرف اس سے بھی زیادہ سخت اور نازک صورت حال پیدا ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ میں ہی تھیں۔ یہیں آپ کو واقعہ شہادت کی اطلاع اور اس کے بعد پیہم مدینہ میں بدامنی کی خبریں ملیں' مکہ سے واپسی میں راستہ میں آپ کے ایک قریبی عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے اور مدینہ میں بدامنی بپا ہے۔ [2]

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۲۔ [2] طبری ص ۳۰۹۸۔

یہ اطلاع پا کر آپ مکہ لوٹ گئیں۔ اس کے بعد ہی حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما پہنچ گئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگے چلے آ رہے ہیں' مدینہ میں لوگ حیران و سرگرداں ہیں' ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ باطل سے گریز کر سکتے ہیں اور نہ ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے۔ [1] یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون بے گناہی کے قصاص اور فتنہ و فساد کی اصلاح کی دعوت دی۔ آپ کے واپس آنے کی خبر سن کر بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ آپ نے ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی:

''لوگو! مختلف ملکوں کے عوام' اجنبیوں اور اہل مدینہ کے غلاموں نے چند معمولی باتوں پر اس شخص (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو مظلوم شہید کر دیا' ان کے پاس اس فعل کی کوئی حجت نہ تھی۔ انہوں نے سرکشی کر کے حرام خون بہایا' بلد حرام اور شہر حرام کو حلال کیا' ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا۔ اللہ کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی ان جیسے سارے روئے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے۔

میں اس لیے واپس آئی ہوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کر دیئے گئے اس شور و غوغا اور فتنہ فساد کی اصلاح اس طرح نہ ہو گی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لے کر اسلام کو معزز کرو''۔ [2]

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی زبان سے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان سرفروشی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ سب سے پہلے عبداللہ بن عامر حضرمی رضی اللہ عنہ والی مکہ نے اس دعوت کا جواب دیا۔ اموی خاندان کے وہ تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے' ساتھ ہو گئے۔ ایک رئیس یعلیٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کیے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زاد راہ کا سامان نہ ہو' اس کو پورا سامان دیا جائے گا۔ چنانچہ چھ سو سواریوں اور ان کے پورے اخراجات کا انتظام کیا۔ حرمین کے ایک ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا اور شرفا کی مجموعی تعداد تین ہزار ہو گئی۔ ان کے علاوہ تمام امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہو گئیں۔ [3]

اس تیاری کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی کہ اصل مقصد مدینہ کے حالات کی اصلاح ہے اور سبائی جماعت اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی وہیں ہے۔ اس لیے سیدھے مدینہ

---

[1] طبری ص ۳۰۹۹۔ [2] طبری ص ۳۰۹۷' ۳۰۹۸ ملخصاً۔ [3] ابن اثیر ج ۳' ص ۹۰۔

چلنا چاہیے' کچھ لوگوں کا مشورہ شام چلنے کا تھا' لیکن آخر میں بصرہ جانے کی رائے قرار پائی' مدینہ جانے میں امہات المؤمنین بھی ساتھ دینے کے لیے آمادہ تھیں' لیکن بصرہ کا ارادہ ہونے کے بعد انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔ صرف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہاں بھی ساتھ دینا چاہا' لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روک دیا۔ درحقیقت مسلمانوں کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں بے نیام ہونے والی تھیں اس لیے محتاط بزرگ اس میں شرکت پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو شرکت کی جب دعوت دی گئی تو انہوں نے انکار کیا اور کہا میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں جو وہ کریں گے ان کی تقلید کروں گا۔ یہ مسئلہ ایسا نازک تھا کہ محتاط لوگ بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف ام المؤمنین تھیں' مظلوم اور شہید خلیفہ کے خون بے گناہی کی دعوت تھی' دوسری طرف خلیفہ وقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔

بصرہ کی روانگی

غرض صفر ۳۵ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے روانہ ہوگئیں۔ رخصت ہوتے وقت مسلمان اس نازک گھڑی پر زار زار روتے تھے۔ طبری کے یہ الفاظ ہیں کہ "اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے"۔ اور اس دن کا نام ہی "یوم النحیب" یعنی یوم گریہ پڑ گیا۔ [1] جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے نکلی ہیں' چپ وراست مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ [2] جیسا کہ عموماً ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے' اس ہجوم میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ بہت سے مفسد بھی شامل ہو گئے تھے' جن کا کام جنگ کی آگ کو بھڑکانا تھا۔

راستہ میں حواب کے چشمہ پر قافلہ پہنچا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں' پوچھا یہ کون سا چشمہ ہے؟ معلوم ہوا حواب' یہ سن کر فرمایا مجھے یہیں سے واپس کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "تم ان میں سے نہ ہونا جن پر حواب کے کتے بھونکیں گے"' لیکن چالیس آدمیوں نے قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ حواب کا چشمہ نہیں ہے اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے بڑھیں۔ [3] بصرہ کے قریب پہنچیں تو عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ کا حاکم تھا' عمران بن حصین اور ابوالاسود دؤلی کو تحقیق حال کے لیے بھیجا۔ انہوں نے حاضر ہو کر والی بصرہ کی جانب سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ ان کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ

---

[1] طبری ص ۳۱۱۴۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۳۔ [3] یعقوبی ج ۲' ص ۲۱۰۔

تقریر فرمائی:

''اللہ کی قسم میرے رتبہ کے لوگ اپنے ارادہ کو نہیں چھپاتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے کوئی حال چھپاتی ہے' واقعہ یہ ہے کہ عوام اور جھگڑالو لوگوں نے حرم رسول (مدینہ) پر حملہ کیا اور اس میں فتنہ وفساد برپا کر کے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دے کر اپنے کو اللہ اور رسول کی لعنت کا مستحق بنالیا۔ انہوں نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا' معصوم خون بہایا' اس مال کو لوٹا جو ان کے لیے حرام تھا۔ مقدس شہر اور مقدم مہینہ کی بے حرمتی کی' لوگوں کی آبروریزی کی' مسلمانوں کو مارا' ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے' جو ان کے رکھنے کے روادار نہ تھے' انہوں نے نقصان پہنچایا' مسلمانوں میں نہ ان سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ وہ ان سے محفوظ ہیں' میں مسلمانوں کو لے کر اس لیے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے' اللہ فرماتا ہے ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ [۴/النسآء:۱۱۴] ''لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے مگر یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم دیں اور لوگوں کے درمیان اصلاح کریں'' ہم اصلاح کے لیے اٹھے ہیں' جس کا اللہ اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن ومرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تم کو روکنا چاہتے ہیں''۔ [1]

یہ جواب سن کر عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے ایک قاصد عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ان جھگڑوں سے الگ ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بزور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو روکنے کا ارادہ کیا۔ بعض لوگوں نے سمجھایا کہ تمہارے اس طرز عمل سے ایسی نازک صورت پیدا ہو جائے گی کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ جب تک علی رضی اللہ عنہ نہ آ جائیں اس وقت تک نرمی اور صلح وآشتی سے کام لینا چاہیے' لیکن عثمان نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کے لیے نکلے۔ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما بھی مقابلہ کے لیے بڑھے۔ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر ایک تقریر کی:

''لوگ عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں بیان کرتے تھے اور مدینہ آ کر ہم سے شکایتیں بیان کر کے مشورہ چاہتے تھے۔ ہم ان

---

[1] طبری ص ۳۱۱۶۔

شکایتوں پر غور کرتے تو عثمان رضی اللہ عنہ کو نیکوکار' پرہیز گار اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار' غدار اور جھوٹا پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ' جب ان کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس گئے اور بغیر کسی سبب اور عذر کے معصوم خون بہایا اور قابل عزت شہر کی بے حرمتی کی۔

خبردار ہو جاؤ کہ جو کام تمہیں کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا ناسزا ہے' وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجراء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ [۳/آل عمران:۲۳] ''یعنی کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی جانب ان کو دعوت دی جاتی ہے''۔ [1]

سامعین کے دلوں پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ خود عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک حصہ نے یہ کہہ کر کہ ام المؤمنین سچ فرماتی ہیں' ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ [2] لیکن عثمان اس وقت بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے ہی جنگ ہوگئی۔ عثمان شکست کھا کر گرفتار ہوئے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔ عثمان کے شکست کھانے کے بعد ان کی جماعت کے بہت سے سبائی اور قاتلین عثمان کی جماعت کے آدمی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے۔ اس سے بصرہ میں ایک جماعت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ہوگئی۔ [3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیاریاں

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی دعوت اور آپ کے بصرہ جانے کی خبر ملی' یہ اطلاع پا کر آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ مسئلہ نہایت نازک تھا' اگر وہ خاموش رہتے تھے تو نظام خلافت پر اثر پڑتا تھا اور نکلتے تھے تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا مقابلہ تھا۔ لیکن قیام نظم کے لیے نکلنا ناگزیر تھا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ مفسد بھی ہوا خواہی کے پردہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان کے شر کو دبانے کے لیے آپ کو چار و ناچار مقابلہ کا عزم کرنا پڑا' لیکن جیسا کہ آئندہ

---

[1] طبری ص۔۳۱۱۹' ابن اثیر ج۔۳' ص۸۳۔ [2] ابن اثیر ص۳۱۲۔

[3] اس جنگ کی تفصیلات طویل ہیں۔ ہم نے صرف نتیجہ لکھ دیا ہے۔

واقعات سے معلوم ہوگا آخر تک آپ صلح و آشتی کے خواہاں رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی کوشش تھی لیکن فتنہ پرستوں نے کامیاب نہ ہونے دیا۔

محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم کی روش

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی یہ دشواری تھی کہ اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس خانہ جنگی کے خلاف تھے اور کم از کم خود اس میں شرکت کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جس وقت آپ نے بصرہ جانے کا عزم کیا تو اہل مدینہ نے اس میں شرکت سے اپنا پہلو بچایا۔ فاشتد الامر علیٰ اهل المدينة فتثاقلوا [1] یعنی اہل مدینہ کے لیے یہ مسئلہ بہت مشکل ہوگیا اور انہوں نے پہلو بچایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میرا ساتھ دو' انہوں نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے چکے تھے کہ میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں' جو وہ کریں گے وہی میں بھی کروں گا۔ اہل مدینہ کہتے تھے کہ یہ مسئلہ مشتبہ ہے' ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا' جب تک بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ [2]

مدینہ سے روانگی

تاہم کچھ انصار اور چند بدری صحابہ رضی اللہ عنہم نے ساتھ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ صحابی کو خبر ہوئی تو انہوں نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا ''امیر المؤمنین! آپ مدینہ سے نہ نکلئے' اگر اس وقت نکلے تو اللہ کی قسم پھر آپ یہاں واپس نہ آئیں گے اور مدینہ سے مرکز حکومت نکل جائے گا'' [3] لیکن اب صورت حال ایسی پیدا ہوگئی تھی کہ ان کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سات سو آدمی تھے' جن میں زیادہ تعداد اہل کوفہ اور بصرہ کی تھی' لیکن راستہ میں برابر لوگ ساتھ ہوتے گئے۔

کوفہ اور بصرہ کی مدد

ذی قار پہنچ کر آپ نے منزل کی اور کوفہ اور بصرہ سے مدد کے لیے دعاۃ بھیجے اور اہل کوفہ کو لکھا کہ ہمارا مقصد اصلاح ہے' ہم چاہتے ہیں کہ اس امت میں پھر قوت و وحدت پیدا ہو جائے۔ [4] حضرت امام حسن' عمار بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ

---

[1] طبری ص ۳۰۹۳۔ [2] طبری ص ۳۰۹۳۔ [3] طبری ص ۳۱۰۶۔ [4] طبری ص ۳۱۴۰۔

اشعری رضی اللہ عنہ وعظ و پند کے ذریعہ لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے ہیں' کہ لوگو! میرا کہنا مانو' تم عرب کی بیخ و بنیاد بن جاؤ کہ مظلوم تمہارا سہارا پکڑیں اور خوف زدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں' لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا' جب گزر جاتا ہے تب اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے' معلوم نہیں کہ اس فتنہ کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹا ہے' اپنی تلواروں کو نیام میں کرلو' نیزوں کے پھل اتار ڈالو' کمانوں کی تانت کاٹ دو' لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا اس میں پڑ جانے والے سے بہتر ہے۔ ان کے اس وعظ کا بڑا اثر پڑ رہا تھا' اس لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انہیں مسجد سے نکال دیا اور خود لوگوں کو تقریر کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد پر آمادہ کیا' آپ کی تقریر پر دس ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مصالحت

کوفہ کے رؤسا میں ایک بزرگ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ صحابی اور خیر خواہ امت تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس مفاہمت کی گفتگو کے لیے بھیجا۔ انہوں نے بصرہ جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا۔ اماں جان! آپ کس غرض سے یہاں تشریف لائی ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بیٹا! لوگوں میں اصلاح کے لیے۔ قعقاع نے کہا تو ذرا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کو بلا لیجئے کہ وہ بھی میری اور آپ کی گفتگو سن لیں۔ یہ دونوں بزرگ بلا کر آئے' قعقاع نے ان سے کہا کہ میں نے ام المؤمنین سے دریافت کیا کہ وہ کس غرض سے تشریف لائی ہیں؟ انہوں نے فرمایا اصلاح کے لیے' اب آپ دونوں کیا کہتے ہیں' ام المؤمنین کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں یا مخالفت؟ انہوں نے کہا تعمیل' قعقاع نے کہا تو پھر بتائیے اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ اگر وہ ہم کو معلوم ہو جائے تو ضرور اصلاح کریں گے اور اگر ہمیں نہ معلوم ہو سکا تو کبھی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا' قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص' اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو قرآن کو چھوڑ دیا گیا' اور اسے لیا گیا تو قرآن کو زندہ کیا گیا۔ اس کے جواب میں قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلین عثمان کو قتل کر چکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار بصریوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ پھر جب آپ لوگوں نے حرقوص بن زہیر کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو یہی چھ ہزار آدمی مزاحم ہوئے اور آپ لوگ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اس کو خود چھوڑ چکے' اگر آپ لوگوں نے جنگ کا خیال ترک نہ کیا تو وہی لوگ جو آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں آپ کے خلاف لڑیں گے۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۴۵۔

غرض قعقاع نے حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما کو جنگ سے روکنے کی پوری کوشش کی۔ ان کی باتیں سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر تمہاری کیا رائے ہے' انہوں نے کہا میرے نزدیک تو بہتر طریقہ امن وسکون ہے' جب حالات سکون پذیر ہو جائیں گے تو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی پریشانی ہوگی اور ان سے قصاص بھی لیا جائے گا' اس کی صورت یہ ہے کہ آپ لوگ بیعت کر لیجئے کہ یہ امت کے لیے فال نیک اور رحمت ہے اور قصاص کی بھی یہی صورت ہے اور اگر اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ تو امن وامان قائم ہوگا اور نہ قصاص لیا جائے گا' جس طرح آپ لوگ ہمیشہ امت کے لیے امن وعافیت کی کنجی تھے' ویسے ہی اب بھی بنئے' ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمائش میں مبتلا نہ کیجئے کہ آزمائش دونوں کو برباد کر دے گی۔ یہ ایک آدمی یا چند آدمی یا ایک جماعت کے قتل کا معاملہ نہیں' بلکہ ساری امت کا سوال ہے۔

قعقاع کی یہ تقریر اتنی موثر اور معقول تھی کہ حضرت عائشہ' طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم تینوں نے اسے پسند کیا اور فرمایا تم بالکل بجا کہتے ہو' علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان کی بھی رائے لو' اگر وہ بھی تمہارے ہم خیال ہوں تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ قعقاع رضی اللہ عنہ نے واپس ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مژدہ سنایا۔ آپ سن کر بہت مسرور ہوئے اور مخلص مسلمانوں کی بڑی جماعت مصالحت کے لیے تیار ہوگئی اور قعقاع نے مسلمانوں کے سامنے تقریر کی اور ان سے کہا اب معاملات روبہ اصلاح ہو گئے ہیں اس لیے میں کل لوٹ جاؤں گا' تم لوگ بھی واپس جاؤ' لیکن جن لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں کسی قسم کی شرکت کی ہے انہیں نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہیے اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔ [1]

سبائیوں کی فتنہ انگیزی

یہ رنگ دیکھ کر وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا اور دوسرا فتنہ ابھارنا چاہتے تھے' سخت مضطرب ہوئے۔ چنانچہ ان کے چند سرغنہ اشتر نخعی' ابن السوداء' خالد بن ملجم' علباء بن ہیثم' شریح بن ابی اوفی وغیرہ سبائی جماعت کے افراد نے باہم مشورہ کیا۔ اشتر نخعی نے کہا کہ علی مدعیان قصاص سے کتاب اللہ سے زیادہ واقف اور اس پر عامل بھی ہیں' یعنی وہ یقیناً خون عثمان کا قصاص لیں گے' طلحہ وزبیر کی رائے ہم لوگوں کے بارہ میں کھلی ہوئی ہے' لیکن علی کی رائے اب تک نہیں معلوم۔ اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہم لوگوں کی خیر نہیں۔ ہم میں سے کسی کی جان نہ بچے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ سب مل کر علی کو بھی عثمان کے پاس پہنچا دیں کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے' طبری کے یہ

---

[1] طبری میں یہ واقعات زیادہ تفصیل سے ہیں۔ ہم نے صرف ضروری حصے نقل کیے ہیں۔

الفاظ ہیں:

وان یصلحوا مع علی فعلی ومائتا فهلمو نتارب علیٰ علی فنلحقه بعثمان. [1]

لیکن اس رائے سے لوگوں نے اختلاف کیا اور دوسرے ارکان نے مختلف رائیں دیں' کسی پر اتفاق نہ ہوا' آخر میں ابن السوداء نے کہا کہ علیؓ' طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کو مزید غور وفکر کا موقع ہی نہ دو اور مصالحت کی تکمیل سے پہلے فوج کے عوام کو ملا کر جنگ چھیڑ دو۔ جب ایک مرتبہ شعلہ بھڑک جائے گا تو پھر علی رضی اللہ عنہ اپنے بچاؤ کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ [2]

مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علی اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کی مصالحانہ روش

سبائیوں کے علاوہ بھی دونوں طرف کچھ لوگ تھے جو جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے۔ ان کی کوششیں الگ جاری تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت ذی قار میں تھے اور بصرہ آنے کا قصد کر رہے تھے کہ ایک شخص ابوالجرباء نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جنگی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی فوج سے ملیں ایک ہزار آدمی انہیں روکنے کے لیے بھیج دینے چاہئیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنگ کے یہ ہتھکنڈے میں بھی جانتا ہوں' لیکن انہوں نے ہم کو مصالحت کی دعوت دی ہے' پھر یہ ایک نئی صورت حال ہے جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہیں ہے' اس لیے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ جو فریق بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کرے گا' قیامت کے دن وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ ابھی مصالحت کی گفتگو ہو چکی ہے اور امید ہے کہ اس کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ہم سب کو صبر کے ساتھ اس خوش آئند وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے شخص صبرہ ابن یشمان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس قسم کا شر انگیز مشورہ دیا' اس کو بھی آپ نے ویسا ہی جواب دیا۔ [3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے جنگجو بھی پیش دستی کے لیے بے چین تھے' چنانچہ کوفیوں کی جماعت نے جنگ کی اجازت طلب کی' آپ نے فرمایا کہ ''ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی کوشش کرنی چاہیے' وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہیں' ممکن ہے اللہ ہمارے ہی ذریعہ سے جنگ ختم کر کے اس امت کا شیرازہ مجتمع کر دے''۔ اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا ''اگر وہ پیام صلح کا جواب نہ دیں تو'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت ہم ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کریں گے جو وہ ہمارے

[1] طبری ص ۳۱۶۴۔ [2] طبری ص ۳۱۶۵۔ [3] طبری ص ۳۱۶۶۔

ساتھ کریں گے۔ اعور نے کہا اگر وہ لوگ ہمیں نہ چھوڑیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو ہم بھی مدافعت کریں گے۔ ابوسلامہ دولانی نے کہا اگر ان لوگوں کے دعوی قصاص میں اخلاص اور حسن نیت ہو تو کیا وہ اللہ کے نزدیک قابل قبول ہوگا؟ فرمایا کیوں نہیں۔ ابوسلامہ نے کہا تو اس کی تاخیر میں آپ کے لیے کیا حجت ہے؟ فرمایا جس چیز میں کچھ پتہ نہ چلتا ہو اس میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہیے جو زیادہ وسیع ہو اور اس کا فائدہ زیادہ عام ہو۔ ابوسلامہ نے کہا کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا دونوں میں سے جو بھی خالصتاً للہ صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا' وہ جنت میں جائے گا۔ ❶ اپنی جماعت کو پرامن رکھنے کے لیے ایک دن آپ نے تقریر فرمائی کہ ان لوگوں (حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو' اور پیش دستی سے بچو۔ آج جو شخص جنگ کی ابتدا کرے گا کل اللہ کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا۔ ❷ غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے۔ اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ چنانچہ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیحدہ ہو گئے۔

صلح کا انعقاد

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے۔ آپ کے آنے کے بعد آپ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی اور مختلف فیہ مسائل پر بحث و مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے۔ مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر مسرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ سوئے۔ ❸

سبائیوں کی فتنہ انگیزی

سبائیوں کے لیے یہ صلح بڑی شاق تھی اور وہ برابر اندر اندر فتنہ انگیزی میں مصروف تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر یہ شب بخیر گزر گئی تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہو جائے گا اور لوگ اپنا اپنا راستہ لیں گے۔ اس لیے انہوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے۔ دونوں فریق کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے' چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا۔ ❹ اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اس غیر متوقع

---

❶ طبری ص ۳۱۶۷۔ ❷ طبری ص ۳۱۶۸۔ ❸ طبری ص ۳۱۸۰۔ ❹ طبری ص ۳۱۸۲۔

حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا۔ کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا واقعہ ہے۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو! رک جاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لیے پہنچیں' لیکن اس ہنگامہ میں کون کسی کی سنتا۔ اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی۔ اس لیے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بدعہدی کی۔ غرض صبح ہوتے ہوتے رات کا دل آویز خواب پریشان ہو گیا اور امن و صلح کے پیامی فوج کی قیادت پر مجبور ہو گئے۔ فریقین اپنی اپنی فوجیں لے کر صف آراء ہو گئے اور خون ریز جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی علیحدگی اور شہادت

عین ہنگامہ کارزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ انہوں نے ان سے کہا' ابو عبداللہ تم کو یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تم سے پوچھا تھا کہ تم علی (رضی اللہ عنہ) کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا' ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑو گے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں مجھے یاد آ گیا۔ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی یاد آنے کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کر لیا اور اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو اس جنگ میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت میں پیش پیش تھے' فرمایا کہ اس جنگ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا اور علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی بات یاد دلا دی ہے جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی۔ اس لیے اب میں واپس جاتا ہوں' تم بھی لوٹ چلو' لیکن انہوں نے انکار کیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تنہا لوٹ گئے۔ [2] واپسی میں ایک سبائی عمرو بن جرموز آپ کے ساتھ ہو گیا۔ وادی سباع میں نماز کا وقت آ گیا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہر گئے۔ ابن جرموز نے بھی اقتدا کی' جیسے ہی آپ سجدہ میں گئے' ابن جرموز نے ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار میں آپ شہید ہو گئے۔ آپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے آپ کا سر' گھوڑا اور زرہ کو لے کر خوش خوش حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ آپ نے فرمایا ابن صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو' اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کی تلوار ہے جس نے اس کے ذریعہ بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے حزن و ملال کے آثار دور کیے۔ یہ سن کر ابن جرموز بولا کیا میری جانثاری کا یہی صلہ ہے کہ میں تو آپ کے دشمنوں کا خاتمہ کروں اور آپ مجھے دوزخ کی بشارت دیں۔ [3]

---

[1] مستدرک حاکم ج۔۳' فضائل زبیر رضی اللہ عنہ۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۷۔ [3] اخبار الطوال ص ۱۵۸ و طبری۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی واپسی کا قصد کر لیا۔ مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر میں آپ کا کام تمام ہو گیا۔ ❶

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے گرد جاں نثاروں کی جانبازی

لیکن ان دونوں بزرگوں کے بعد بھی لڑائی کا زور ختم نہ ہوا' فریقین نے نہایت پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوج کے درمیان اونٹ پر بیٹھی ہوئی جان نثاروں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ تیروں کی کثرت سے محمل ساہی بن گیا تھا۔ جاں نثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔ قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار سات سو از د اور دو ہزار بنی ضبہ نے جانیں فدا کیں۔ ❷ اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا لیکن جان نثاروں نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا۔ جیسے ہی ایک گرتا تھا' فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا۔ اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ ❸

جنگ کا خاتمہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا اس وقت تک یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے۔ اس حکم پر چند آدمی بڑھے اور ایک شخص اعین بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیئے۔ وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی۔ ❹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے' نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے' نہ کسی کا مال لوٹا جائے' جو شخص ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کرے وہ مامون ہے۔ ❺ یہ اعلان ہوتے ہیں آپ کی فوج نے ہاتھ روک لیے' بعض آدمیوں نے حضرت

---

❶ اخبار الطوال ص ۱۵۷۔ ❷ یعقوبی ج ۲' ص ۲۱۲۔
❸ طبری میں جنگ جمل کی تفصیلات بہت طویل ہیں۔ انہیں غیر ضروری سمجھ کر صرف نتیجہ لکھ دیا گیا ہے۔
❹ اخبار الطوال ص ۱۶۱ و یعقوبی ج ۲' ص ۲۱۳۔ ❺ اخبار الطوال ص ۱۶۱ و یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۳۔

علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا' امیر المؤمنین جب ان کا مال ہمارے لیے جائز نہیں تو پھر ان سے جنگ کیسے جائز ہوئی؟ فرمایا کسی مسلمان کو نہ قیدی بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کے مال کو غنیمت' ہاں جن اسلحہ سے جنگ کی ہے ان پر قبضہ کر سکتے ہو۔ تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو اور جس بات کو نہیں جانتے اسے چھوڑ دو۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حاضری

اختتام جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جا کر دیکھیں کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو زخم چشم تو نہیں پہنچا اور انہیں لے کر عبداللہ بن خلف خزاعی کے محل میں ٹھہرائیں۔ [2] اس کے بعد خود مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے اور پوچھا اماں مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھی ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ ہم دونوں کو معاف فرمائے' اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے۔ [3] چند دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آرام کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عزت و احترام کے ساتھ آپ کو مکہ پہنچا دیں اور سواری' زاد راہ' نقد و جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں میں سے جن لوگوں نے ساتھ جانا چاہا انہیں اجازت دی۔ بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ہمرکاب کیا اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے فرمایا' میرے بچو! یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی' اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہیے' میرے اور علی (رضی اللہ عنہ) کے درمیان جو ساس داماد میں کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی' وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں ہیں۔ ام المؤمنین کے اس ارشاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سچ فرماتی ہیں' اللہ کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی' وہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم ہیں۔ اس خوش آئند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چند میل تک خود مشایعت کی۔ اس کے بعد حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ [4] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔ جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۱۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۶۱۔
[3] طبری ص ۳۲۳۰۔ [4] طبری ص ۳۲۳۱ و ابن اثیر ج ۳۔

ہوا ہوگا کہ اس جنگ کی تمہید غلط اطلاعات اور غلط فہمی سے شروع ہوئی۔ آغاز سبائیوں کی فتنہ انگیزی سے ہوا اور خاتمہ فریقین کی صفائی قلب پر۔ دونوں بزرگوں کی نیت نیک تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تاعمر اس کی ندامت رہی۔ جب اس کا تذکرہ آتا تھا تو زاروزار رونے لگتی تھیں اور فرماتیں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے دنیا ہی سے اٹھ گئی ہوتی۔ [1]

شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں یہ الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے نقل کیے ہیں۔ [2]

کوفہ کا دارالخلافہ قرار پانا

جنگ جمل کے اختتام کے بعد رجب ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ واپس تشریف لائے اور مدینہ کے بجائے اس کو مرکز خلافت قرار دیا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی توہین ہوئی۔ اس لیے آئندہ اس کو شر وفتن سے بچانے کے لیے آپ نے سیاسی مرکز یہاں سے ہٹا دینا مناسب سمجھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی بڑی تعداد عراق میں تھی۔ اس لیے سیاسی حیثیت سے کوفہ آپ کے لیے زیادہ اہم تھا۔ اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتائج سے محفوظ ہوگیا اور اس کے بعد جو سیاسی ہنگامے ہوئے ان کا مرکز عراق رہا۔ اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت اور مرکزیت جاتی رہی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے جس کے نتائج ان کے لیے کچھ مفید ثابت نہیں ہوئے۔

عمال کا تقرر

کوفہ آنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نئے سرے سے ملک کا نظم ونسق قائم کیا۔ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم بنایا، قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر کی ولایت پر مامور کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ پر مقرر کیا۔ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کو آذربائیجان کی ولایت پر برقرار رکھا، یزید ابن قیس ارحبی کو مدائن پر، عمرو بن ابی سلمہ کو بحرین پر، مصقلہ بن ہبیرہ کو اردشیر خرہ پر، منذر بن جارود کو اصطخر پر، زیاد بن ابیہ کو فارس پر، قدامہ بن عجلان کو کسکر کے علاقہ پر، عدی بن حاتم کو بہرہ سرسیر پر، ربعی بن کاس کو سیستان کے علاقہ پر، خلید بن کاس کو خراسان کے صوبہ پر، اشتر نخعی کو موصل، نصیبین، دارا، بجرد، سنجار، آمد، میافارقین، ہیت، عانات اور شام کے مقبوضات پر مامور کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عامل ضحاک بن قیس

---

[1] مسند احمد بن حنبل۔ [2] ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص ۳۸۳۔

نے انہیں روکا' انہوں نے مقابلہ کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے بھیجا۔ اشتر موصل لوٹ آئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمال کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔ [1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی اور آپ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ درمیان میں جنگ جمل پیش آ جانے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے' اس سے فراغت کے بعد آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو خط دے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ جن لوگوں نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' انہوں نے میری بیعت کر لی ہے' اس کے بعد کسی کے لیے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین و انصار کو ہے۔ ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا اس سے بزور لی جائے گی۔ مہاجرین و انصار کی طرح تم بھی بیعت کر لو۔ عافیت اور سلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ' قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت آڑ بنا چکے۔ بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو' میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔ [2] اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چند در چند مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ جو ان کے شدید مخالفین میں تھے' قید خانہ سے نکل بھاگے تھے۔ رومی علیحدہ سواحل شام پر حملہ کے لیے فوجیں جمع کر رہے تھے۔ اسی درمیان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ تہدیدی خط پہنچا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا محمد بن ابی حذیفہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں ہے۔ انہیں تلاش کراؤ' اگر مل جائیں تو فبہا' ورنہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ قیصر روم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے صلح کر لو' اس شرط پر وہ فوراً آمادہ ہو جائے گا۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا معاملہ البتہ اہم ہے' مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا' انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں اعانت کی ہے اور فتنہ برپا کر کے امت میں پھوٹ ڈالی ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ بھی ہو لیکن تم کو ان کے مقابلہ میں سبقت اسلام اور قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل نہیں ہے اور میں خواہ مخواہ تمہاری کامیابی میں کیوں مدد کروں؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو؟ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بولے' مصر کی حکومت۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا مصر بھی تو عراق سے کم نہیں ہے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' لیکن یہ مطالبہ اس وقت ہے جب ساری دنیائے اسلام تمہارے زیر نگیں

---

[1] عمال کی تفصیل اخبار الطوال اور یعقوبی سے لی گئی ہے۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۶۷۔

ہوگی۔عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سارے عرب میں تدبر و سیاست میں فرد تھے۔اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر قیمت پر ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے' چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ان سے مصر کی حکومت دینے کا تحریری وعدہ کر لیا۔ [1]

شام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈہ

اس وعدہ کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ بغیر کسی معقول سبب اور بنیاد کے علی رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی مخالفت میں بڑے خطرات ہیں۔اس لیے پہلے عمائد شام کو اس کا یقین دلاؤ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں علی رضی اللہ عنہ کی شرکت تھی۔شام کے سب سے بااثر آدمی شرحبیل بن سمط کندی ہیں۔پہلے ان کے دل میں یہ بات بٹھاؤ' پھر ان کے ذریعہ سے آسانی کے ساتھ اس کی اشاعت ہو جائے گی' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کر کے شرحبیل کو یقین دلا دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں علی (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ بھی شامل تھا۔شرحبیل کو اس کا اتنا یقین ہو گیا کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم نے علی (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کی تو تم کو ہم شام سے نکال دیں گے۔امیر نے جواب دیا میں تو آپ کا متبع ہوں۔آپ کی مخالفت کیوں کرنے لگا۔ شرحبیل کو ہم خیال بنانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ یہ مسئلہ بغیر رائے عامہ کے ہموار کیے ہوئے حل نہیں ہو سکتا۔آپ شام کا دورہ کر کے اس کی تبلیغ کیجئے' چنانچہ شرحبیل نے شام کے تمام شہروں کا دورہ کر کے یہاں کے عمائد و اعیان سے کہا کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے پورے ملک پر قبضہ کر لیا ہے صرف تمہارا ملک باقی رہ گیا ہے۔وہ شمشیر بکف یہاں بھی آئیں گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ ان کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔اس لیے خلیفہ مظلوم کے قصاص میں ان کا ساتھ دو۔شرحبیل رضی اللہ عنہ کے اس دورہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کا پورا ملک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔ [2]

دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی بیوی نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیوں کی' جن کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جامع دمشق میں آویزاں کرا دیا تھا' نمائش برابر جاری رہی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف شامی فوجوں کے جذبات بھڑکانے کے لیے انہیں دمشق طلب کیا گیا۔یہ منظر ایسا دردانگیز تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و زار روتے تھے' چنانچہ فوج سے لے کر امراء و عوام تک سب کے

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۸۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۷۰۔

جذبات بھڑک اٹھے اور اہل شام نے قسم کھائی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کے خون کا بدلہ نہ لیں گے اس وقت تک نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حالات کی اطلاع

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک روکے رکھا تھا' یہ تمام حالات مشاہدہ کرانے کے بعد انہیں واپس کیا۔ انہوں نے جا کر بیان کیا کہ سارا شام معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہے۔ وہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے پیراہن پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے اور ان کے قاتلوں کو پناہ دی ہے اور یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جان دے دیں گے یا جان لے کر رہیں گے۔ [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیاریاں اور مصالحت کی کوششیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ پوری طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے لیے آمادہ تھے' صرف ان کے آخری جواب کا انتظار تھا۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی واپسی کے بعد آپ کے لیے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا' چنانچہ اس کے انتظامات شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر کہ ابھی جنگ جمل کا بہا ہوا خون بھی خشک نہ ہونے پایا کہ پھر مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہونے والی ہیں' بعض مخلص اور خیر خواہ امت مسلمانوں نے اسے روکنے کی تدبیریں کیں اور شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہو۔ تم کو سبقت اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے' پھر کس بنیاد پر تم کو ان کی برابری کا دعویٰ ہے؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ ہم ان کی خلافت تسلیم کریں گے۔ ابو مسلم خولانی نے کہا تم اسے لکھ کر دے دو' میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر جاؤں گا' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط لکھا:

''امابعد! خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کیے گئے' تم ان کے گھر کا شور وغل سنتے رہے اور اپنے قول وعمل سے نہ روکا۔ میں سچی قسم کھا کر کہتا

---

[1] طبری ص ۳۲۵۵۔ [2] طبری ص ۳۲۵۵۔

ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کیے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت بازو، تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے مشیر کار ہیں۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے برأت کرتے ہو۔ اگر تم اس میں سچے ہو تو قاتلوں کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لیے تیار ہیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہے۔ اللہ احد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کریں گے یا خود جان دے دیں گے''۔

ابو مسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہیں، اگر آپ اس کے حقوق پورے کریں تو اللہ کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے پسند نہیں کرتے۔ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے، ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالہ کیجئے۔ آپ ہمارے امیر ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار رہیں گے اور آپ کے لیے بھی دلیل اور معقول عذر ہو جائے گا۔ یہ مطالبہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم کو ٹھہرا لیا اور فرمایا کل اس کا جواب دوں گا۔ دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ میں آپ سے ملے۔ یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے ہیں کہ ''ہم سب عثمان کے قاتل ہیں''۔ یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں میرے آنے کا سبب معلوم ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ہر چند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی، لیکن قاتلوں کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی میں نہ تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ:

''عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہو گیا، مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمان کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا''۔

اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''دنیا کی حرص چھوڑ کر اپنے طرز عمل سے باز آؤ، معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلط روی میں ان کا

ساتھ دے کر اپنے اعمال برباد نہ کرو'' [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روانگی

لیکن ان خطوط کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ضد پر اڑے رہے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چار و ناچار مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا اور آپ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام بنا کر ذی الحجہ ۳۶ھ میں اسی ہزار فوج کے ساتھ شام کی طرف بڑھے' اس فوج میں عام مسلمانوں کے علاوہ ستر بدری صحابہ' سات سو بیعت رضوان کے جان نثار اور چار سو عام مہاجر و انصار صحابی تھے۔ [2] فرات کو عبور کرنے کے بعد زیاد بن نضر اور شریح ابن ہانی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔

عراقی اور شامی مقدمۃ الجیش کا سامنا

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے سے جنگ کے لیے نکل چکے تھے۔ ان کا مقدمۃ الجیش حالات کا پتہ چلانے کے لیے ابوالاعور اسلمی کی قیادت میں آگے آگے تھا۔ دوسری طرف زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی آ رہے تھے' سور روم میں دونوں کا سامنا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اشتر نخعی کو زیاد کی مدد کے لیے بھیجا' ابوالاعور لوٹ گیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عراقی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دی۔

صفین میں شامیوں کی مورچہ بندی

یہ اطلاع پانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر صفین کے میدان میں فرات کے ساحل پر فوجیں اتاریں اور تمام مناسب اور اہم جگہوں پر قبضہ کر کے مورچہ قائم کر دیا اور ابوالاعور کو دس ہزار فوج کے ساتھ فرات کے چشمہ پر متعین کر دیا کہ عراقی فوجیں پانی تک نہ پہنچنے پائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ورود اور پانی کیلئے کشمکش

اس دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے اور شامی فوجوں کے قریب ہی فوجیں اتار دیں۔ شامیوں نے پہلے سے اہم مقاموں پر قبضہ کر کے پانی پر پہرہ لگا دیا تھا۔ اس لیے حضرت

---

[1] اخبار الطوال ص۔ ۱۷۳، ۱۷۴ میں یہ حالات کسی قدر تفصیل سے ہیں ہم نے خلاصہ لکھا ہے۔

[2] یعقوبی ج۔ ۲ ص ۲۱۸۔

علی رضی اللہ عنہ کی فوج کو پانی کے لیے بڑی دشواری پیش آئی۔ آپ نے پہلے زبانی پیام بھیجا کہ پانی کی بندش مناسب نہیں ہے' لیکن شامی پانی دینے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ آخر میں مجبور ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بزور پانی لانے کا حکم دینا پڑا۔ چنانچہ عراقی فوج کا ایک دستہ چشمہ پر پہنچا۔ ابوالاعور نے روکنا چاہا' دونوں میں مقابلہ ہوا' عراقی دستہ نے شکست دے کر چشمہ پر قبضہ کر لیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شامیوں کا پانی بند نہیں کیا' بلکہ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ پانی لے کر لوٹ آئیں۔ [1] اس واقعہ کے بعد فریقین میں اتنا ارتباط بڑھ گیا کہ وہ بے خوف وخطر آپس میں ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے لشکر گاہ میں آنے جانے لگے اور معلوم ہوتا تھا کہ صلح ہو جائے گی۔

میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش

دونوں فوجوں میں غوغا پسند عوام کے علاوہ بہت سے مخلص' خیر خواہ امت علما' صلحا اور حفاظ قرآن بھی تھے۔ ان کی کوششوں سے تین مہینہ تک جنگ رکی رہی۔ اس درمیان میں بارہا فریقین نے جنگ چھیڑنے کا ارادہ کیا' لیکن یہ لوگ درمیان میں پڑ کر روک دیتے تھے۔ التوائے جنگ کے ساتھ ساتھ صلح کے لیے خط وکتابت بھی ہو رہی تھی' لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی کوششوں کا ہو چکا تھا۔ [2]

جنگ کا آغاز

جمادی الاول ۳۷ھ سے باقاعدہ جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ آخر جمادی الثانی تک قائم رہا' لیکن کوئی بڑی خونریز جنگ نہ ہوئی۔ بلکہ ایک دستہ میدان میں آتا تھا اور صبح وشام معمولی جھڑپ ہو جاتی تھی۔ رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی شہر حرم کی حرمت میں جنگ روک دی گئی۔

مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی

التوائے جنگ کے بعد خیر خواہان امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کر دیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو' چنانچہ ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں' پھر تم ان سے کیوں جنگ کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کے لیے' ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلوں کو پناہ دی ہے' اگر وہ انہیں ہمارے حوالہ کر دیں تو میں سب سے

---

[1] طبری ص ۳۲۶۹۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۸۰' ۱۸۱ میں اس کی تفصیلات ہیں۔

پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کروں گا''۔ ان دونوں بزرگوں نے واپس جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ سنایا۔ اسے سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمان (رضی اللہ عنہ) کے قاتل ہیں' یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا۔ ❶

خونریز لڑائیوں کا سلسلہ

غرض صلح کی جتنی کوششیں ہوئیں سب ناکام رہیں اور شہر حرام کے ختم ہوتے ہی فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور خونریز جنگ شروع ہوگئی' جس کا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رہا۔ ان کی تفصیلات بہت طویل ہیں اور انہیں لکھنا بیکار ہے۔ مختصر یہ کہ فریقین کے درمیان کم وبیش نوے معرکے ہوئے۔ ان میں پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے۔ ❷ ہزاروں عورتیں بیوہ، لاکھوں بچے یتیم ہوگئے' درمیان میں مردوں کی تجہیز وتکفین کے لیے ایک ایک دو دو دن جنگ ملتوی ہوتی رہتی تھی۔

لیلۃ الحریر کی فیصلہ کن جنگ

ان تمام لڑائیوں میں فریقین نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا' دونوں کا پلہ قریب قریب برابر تھا۔ لیلۃ الحریر کا آخری معرکہ بڑا خونریز تھا۔ اس میں رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ میدان جنگ میں کشتوں کے انبار لگ گئے اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ دوسرے دن صبح کو مردوں کی تجہیز وتکفین کے لیے جنگ ملتوی ہوگئی۔ اس سے فراغت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ اس معرکہ سے پہلے کی لڑائیوں میں فریقین کا پلہ برابر رہا تھا' لیکن لیلۃ الحریر کے خونریز معرکہ میں شامی کمزور پڑ گئے تھے اور عراقی بھی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے تھے اور دونوں فریق کے عاقبت اندیش لوگوں کو نظر آ رہا تھا کہ اگر یہ خونریز جنگ قائم رہی تو مسلمانوں کی قوت تباہ ہو جائے گی اور ان میں غیر مسلموں کے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہے گی' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر یہ جنگ قائم رہی تو رومی شام سے ہمارے اہل وعیال کو قید کر لیں گے اور فارس کے دہقان عراقیوں کے بال بچوں کو پکڑ لے جائیں گے۔ ❸ علوی فوج کے ایک مدبر سردار اشعث بن قیس کندی نے بھی یہ خطرہ محسوس کیا اور اپنی جماعت سے کہا کہ گذشتہ خونریز جنگ کے بعد اگر آئندہ

---

❶ اخبار الطوال ص۔ ۱۸۰' ۱۸۲۔ ❷ ابوالفداء جلد اول ص ۱۷۵۔ ❸ اخبار الطوال ص ۲۰۱۔

پھر جنگ ہوئی تو عرب تباہ ہو جائے گا اور ہماری عظمت و حرمت اٹھ جائے گی۔ [1] لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ اب شامی کوئی دم میں میدان چھوڑنا چاہتے ہیں' اس لیے لیلۃ الحریر کی صبح کو اپنی فوج کے سامنے ایک پر جوش تقریر کی اور کہا کہ لوگو! اب جنگ آخری حد کو پہنچ چکی ہے' تمہارا حریف آخری سانسیں لے رہا ہے' فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایک تدبیر اور علوی فوج میں اختلاف

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی فوجی حالت کا اندازہ ہو چکا تھا' انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا' انہوں نے کہا ایسے وقت کے لیے میں نے پہلے سے یہ تدبیر سوچ رکھی تھی کہ ہم لوگ قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دیں' اس کے قبول اور انکار دونوں صورتوں میں علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ [2] چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان میں آئے تو دمشق کے مصحف اعظم کو پانچ شامی آگے آگے نیزے پر اٹھائے تھے' اس کے پیچھے ہزاروں قرآن نیزوں پر بلند تھے' فضل بن ادہم شریح جذامی اور وقاء بن معمر نے پکار کر علوی فوج سے کہا یا معشر عرب! اللہ کے لیے اپنی عورتوں اور بچوں کو فارس اور روم سے بچاؤ۔ [3] اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیوں سے شام کی حفاظت کون کرے گا اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو اہل عجم سے عراق کو کون بچائے گا۔ [4] آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں' اس کا فیصلہ ہم دونوں کے لیے واجب التسلیم ہو۔ یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کے بعض دوسرے عاقبت اندیش افسروں نے مخالفت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''یہ محض فریب ہے''۔ لیکن ایک بڑی جماعت پر یہ جادو چل گیا' اس نے کہا کہ شامیوں کو اسی کتاب کا پابند بنانے کے لیے تو ہم ان سے لڑ رہے تھے۔ اب جبکہ وہ خود ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں تو ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے' بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ اگر آپ نے قرآن کو حکم ماننے سے انکار کیا تو ہم آپ سے لڑیں گے اور آپ کو بھی عثمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس پہنچا دیں گے۔ [5] دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ جنگ بہت طول کھینچ گئی ہے۔ ہم میں سے ہر فریق اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل پر تصور کرتا ہے اس جھگڑے کو چکانے کے لیے ہم نے قرآن کو حکم ماننے کی دعوت دی ہے۔ اگر اسے وہ لوگ قبول کریں گے تو فبہا' ورنہ پھر ہماری حجت تمام ہو چکی۔ اس اعلان کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی لکھا کہ ''اس خونریزی کا مواخذہ میرے اور تمہارے سر ہے اب میں تم کو اس کے بند کرنے' الفت و محبت قائم

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۰۱۔ [2] طبری ص ۳۳۲۹ و اخبار الطوال ص ۲۲۱۔
[3] اخبار الطوال ص ۲۰۲۔ [4] طبری ص ۳۳۲۹۔ [5] طبری ص ۳۳۳۰۔

کرنے اور بغض وعناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہوں''۔ ❶

تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ انکار کی صورت میں خود ان کی فوج میں پھوٹ پڑ رہی ہے تو چار و ناچار تحکیم کے لیے آمادہ ہو گئے اور جنگ روک دی۔ آپ کے بعض ہوا خواہوں پر جنگ کا التوا سخت شاق تھا۔ ان میں اور قرآن کی تحکیم پر اصرار کرنے والوں میں سخت گفتگو ہو گئی اور قریب تھا کہ عراقی فوج میں آپس ہی میں تلواریں نکل آئیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ ❷ التوائے جنگ کے بعد طے پایا کہ دونوں فریق کی جانب سے ایک حکم مقرر کیا جائے' یہ دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو اور جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے' حکم اس کے خلاف دوسرے کو مدد دیں۔ اس قرارداد کے بعد شامیوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے ان لوگوں نے جو تحکیم کی حمایت میں تھے۔ اپنی جانب سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے اختلاف تھا۔ آپ نے فرمایا مجھ کو ان پر اعتماد نہیں ہے۔ وہ ہماری مخالفت کر چکے ہیں۔ لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتے تھے' ان کے فہم و تدبر پر بھی ہمیں بھروسہ نہیں ہے۔ اس لیے ان کے بجائے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا جائے' لیکن جب لوگوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تھا تو اس تجویز پر انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کے خاص عزیز ہیں' حکم غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر اشتر نخعی کو بنایا جائے۔ اشعث بن قیس نے کہا کہ انہی نے یہ آگ بھڑکائی ہے' اس لیے وہ کس طرح حکم ہو سکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن جائے گا تو چار و ناچار ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر راضی ہو گئے۔ ❸ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خانہ جنگی سے بچنے کے لیے نواح شام میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ وہاں سے بلا کر لائے گئے' وہ بڑے سادہ دل بزرگ تھے' اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض مشیروں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس کام کے نہیں ہیں۔ اس لیے کسی دوسرے کو منتخب کیجئے۔ آپ نے فرمایا لوگ ان کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی نہ ہوں گے۔

تحکیم کا عہد نامہ

---

❶ اخبار الطوال ص ۲۰۴۔ ❷ طبری ص ۳۳۳۲۔ ❸ طبری ص ۳۳۳۲ و اخبار الطوال ص ۲۲۵۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد تحکیم کا معاہدہ لکھا گیا۔ کتابت شروع ہوئی ہی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ امیر المؤمنین لکھنے پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ اعتراض ہوا کہ اگر ہم انہیں امیر المؤمنین ہی مانتے تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض حامیوں کو اس پر اصرار تھا' آپ نے فرمایا یہ تو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے' حدیبیہ کے معاہدہ میں ''رسول اللہ'' کے لفظ پر مشرکین کو اسی قسم کا اعتراض ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھ دیا تھا' اس لیے امیر المؤمنین کو کاٹ کر علی بن ابی طالب لکھا جائے' چنانچہ امیر المؤمنین کا لفظ کاٹ دیا اور ایک طویل عہد نامہ مرتب ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے:

''علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر کیا ہے۔ یہ دونوں کسی فریق کی رو رعایت کے بغیر امت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جو فیصلہ کر دیں گے وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کرے گا حکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دیں گے' لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو یا کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہوگا۔ فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے گی اور کامل امن وامان قائم رکھا جائے گا' اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل دونوں امیروں اور حکموں میں سے کوئی امیر یا حکم مر جائے تو اس کی جماعت کو اس کی جگہ دوسرے امیر اور حکم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا۔ دونوں حکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا۔ رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہونا چاہیے' لیکن اگر حکم اس میں کچھ تاخیر کرنا مناسب سمجھیں تو اس مدت میں توسیع کر سکتے ہیں' اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو از سر نو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا۔'' [1]

اس عہد نامہ پر فریقین کے تمام لوگوں کے دستخط ہو گئے اور عراق کی سرحد پر دومۃ الجندل کا مقام فیصلہ کے اعلان کے لیے مقرر ہوا' تکمیل کے بعد معاہدہ کا مضمون دونوں فریق کی فوجوں میں مشتہر کر دیا گیا۔ اسے سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہو گیا' جس نے بعد میں خارجی

---

[1] یہ عہد نامہ طبری اور اخبار الطوال سے ملخصاً ماخوذ ہے۔

فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

حکمین کی گفتگو

معاہدہ کی کتابت کے بعد دونوں کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بڑے مدبر اور دانشمند تھے۔ انہوں نے پہلے ہی سے تعظیم و تکریم کے ذریعہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر اثر ڈالنا شروع کر دیا۔ خود خاموش رہتے' ہر معاملہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ آپ میرے بزرگ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدر صحابی ہیں' پہلے آپ اپنا خیال ظاہر فرمائیے' بہرحال دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی:

ابوموسیٰ اشعری: ابن العاص! ہم کیوں نہ ایسے شخص کو منتخب کریں جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور امت کی فلاح دونوں باتیں حاصل ہوں۔

عمرو بن العاص: کس کو؟

ابوموسیٰ اشعری: عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کو جن کا دامن ان ہنگاموں سے بالکل پاک ہے۔

عمرو بن العاص: امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟

ابوموسیٰ اشعری: معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا کیا رتبہ ہے' وہ کس طرح اس کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

عمرو بن العاص: یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے' ان کے بعد معاویہ (رضی اللہ عنہ) ان کے گھر کے متولی اور ان کے قصاص کے دعویدار ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری: ہاں یہ صحیح ہے۔

عمرو بن العاص: اگر لوگوں کو ان پر اعتراض ہو کہ وہ قدامت اسلام کے شرف سے محروم ہیں تو اس کے جواب میں آپ کے پاس قرآن کی یہ دلیل موجود ہے:

﴿مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا﴾ [۱۷/الاسرآ:۳۳]

''جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو' ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا حق دیا ہے۔''

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں

ابوموسیٰ اشعری:

''ابن العاص! اللہ سے ڈرو' اگر یہی شرف ہے اور استحقاق خلافت کے لیے اسی قسم کے شرف کافی ہو سکتے ہیں تو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سلاطین یمن کی اولاد میں ابرہہ بن صباح ہوتا' جن کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ کوئی

شرف نہیں ہے۔ خلافت صاحب فضل اور اہل دین کا حق ہے۔ پھر شرف میں علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا کیا مقابلہ؟ اگر میں سب سے افضل و اشرف قریشی کے حق میں فیصلہ کرنے والا ہوتا تو علی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں کرتا۔ تمہارا یہ کہنا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) قصاص عثمان (رضی اللہ عنہ) کے ولی ہیں' تو اس کا حق سب سے زیادہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لڑکے عمرو کو ہے۔ مہاجرین اولین کے مقابلہ میں کسی طرح معاویہ کو خلیفہ نہیں بنا سکتا۔ ہاں اگر تم چاہو تو عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کو خلیفہ بنا کر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام زندہ کر دیں۔''

عمرو بن العاص: تو پھر میرے لڑکے عبداللہ میں کیا خرابی ہے۔ اس کے علم و فضل اور شرف و مناقب سے آپ واقف ہیں۔

ابوموسیٰ اشعری: بیشک تمہارا لڑکا صالح اور اہل ہے' لیکن اس فتنہ میں شرکت سے اس کا دامن داغدار ہو گیا ہے' آؤ طیب بن طیب عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کو خلیفہ بنا دیں۔

عمرو بن العاص: خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے جو ایک ڈاڑھ سے خود کھائے اور دوسری سے دوسروں کو کھلائے۔

ابوموسیٰ اشعری: آپس میں خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد مسلمانوں نے یہ معاملہ ہمارے سپرد کیا ہے' اب ان کو دوبارہ اس فتنہ میں نہ ڈالو۔

عمرو بن العاص: پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟

ابوموسیٰ اشعری: میری رائے تو یہ ہے کہ ان دونوں کو معزول کر کے مسلمانوں کو نئے سرے سے انتخاب کا حق دیا جائے۔

عمرو بن العاص: مجھے اس سے اتفاق ہے' امت کی بھلائی اسی میں ہے۔ [1]

فیصلہ کا اعلان

اس قرارداد کے بعد دونوں حکم فیصلہ سنانے کے لیے دومۃ الجندل آئے۔ دونوں فریق نے چند سو آدمی اپنے اپنے حکم کے ساتھ کر دیئے تھے۔ یہ فیصلہ امت کی قسمت کا فیصلہ تھا۔ اس لیے ہزاروں مسلمان اور بہت سے اکابر صحابہ حضرت عبداللہ بن عمر' مغیرہ بن شعبہ اور سعد بن ابی

[1] اس گفتگو میں طبری اور اخبار الطوال کے بیانات میں بعض جزوی اختلاف ہیں' ہم نے دونوں کے بیانات جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

وقاص رضی اللہ عنہم وغیرہ جو اس جنگ میں غیر جانبدار تھے' فیصلہ سننے کے لیے آئے۔ بعض عاقبت اندیش اور سمجھدار لوگوں کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سادہ دلی اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس پر قائم نہ رہیں گے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس خطرہ سے آگاہ کیا کہ اگر آپ دونوں کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہوں' تو اس کے اعلان میں خود پیش قدمی نہ کیجئے گا' بلکہ عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) سے اعلان کرائیے گا' وہ چالاک آدمی ہیں' مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کیا تو عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) دھوکہ دے جائیں گے' لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی سادگی کی بنا پر سب کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے' فرمایا یہ نہیں ہوسکتا' ہم دونوں ایک فیصلہ پر متفق ہو چکے ہیں۔ [1] غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حکموں نے جامع مسجد میں فیصلہ سنایا۔ ہزاروں مسلمان اس کے اشتیاق میں جمع تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا' پہلے تم سناؤ' انہوں نے کہا آپ فضل و منقبت میں مجھ سے افضل ہیں۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں اس کی جرأت نہیں کرسکتا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر یہ جادو چل گیا' چنانچہ انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا:

''امابعد! لوگو ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا۔ اس امت کے اتفاق و اتحاد اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کر لیں۔ اس لیے میں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو معزول کرتا ہوں' آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ''۔

ان کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سنایا

''امابعد! لوگو! ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا۔ انہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا میں بھی اس کو معزول کرتا ہوں' لیکن میں اپنے آدمی معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو برقرار رکھتا ہوں' وہ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں' اس لیے ان کی قائم مقامی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔

یہ فیصلہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چلائے کہ یہ غداری ہے۔ اب تیر کمان سے چھوٹ چکا تھا اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس فیصلہ سے قدرۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۴۔

سخت برہمی پیدا ہوگئی۔ شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسانا شروع کر دیئے لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا دیا۔ شامی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاش میں تھے' وہ یہ رنگ دیکھ کر مکہ نکل گئے۔ اس فیصلہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے انہیں باضابطہ خلیفہ تسلیم کرلیا۔ [1]

خوارج کی سرکشی

یہ فیصلہ ایسا نامنصفانہ تھا کہ اسے کوئی حق پسند تسلیم نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے فیصلہ کے اعلان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ابھی اس میں مشغول تھے کہ خارجیوں نے عراق میں اتنی سازش اور بدامنی پھیلائی کہ آپ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کا ارادہ ملتوی کر کے پہلے ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ شروع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کی تجویز کی مخالفت کی تھی' لیکن پھر اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی ضد سے اس کے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے' مگر پھر تحکیم کی تجویز طے ہو جانے کے بعد آپ ہی کے حامیوں میں سے ایک جماعت اس کے خلاف ہوگئی اور تحکیم کو کفر قرار دیا۔ یہی جماعت بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئی۔ اسی زمانہ میں دو آدمیوں زرعہ بن برج الطائی اور حرقوص بن زہیر سعدی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ کے علاوہ کسی انسان کو حکم نہیں بنایا جا سکتا۔ آپ اس غلطی سے توبہ کیجئے اور ہمارے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیجئے' لیکن تحکیم کا عہد نامہ لکھا جا چکا تھا۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود اس کی مخالفت کی تھی' لیکن تم ہی لوگوں نے مجھے مجبور کیا۔ اب عہد نامہ لکھ چکا ہوں' اس کو نہیں توڑ سکتا۔ اللہ فرماتا ہے کہ ''جو عہد کرو اسے پورا کرو'' خوارج نے ان کو بہت مجبور کیا لیکن آپ آمادہ نہ ہوئے' آخر میں انہوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم اللہ کے لیے آپ سے لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا تمہاری لاشیں خاک وخون میں تڑپیں گی۔ [2]

یہ واقعہ تحکیم کے قبل کا ہے' اسی وقت سے خارجی فرقہ کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ فیصلہ کے اعلان کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عملی مخالفت شروع کر دی۔ اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں انسان کو حکم بنانا کفر ہے اور حکم اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں اور ان سے جہاد فرض ہے ان عقائد کی اشاعت کر کے کوفہ' بصرہ' مدائن اور عراق کے دوسرے شہروں میں ایک معتدبہ جماعت اپنی ہم خیال بنالی اور کوفہ کے خوارج خفیہ نہروان روانہ ہو گئے اور دوسرے شہروں کے خوارج کو اس کی اطلاع دے دی۔ مدائن کے والی سعید بن مسعود کو

---

[1] اخبار الطوال ص۔۲۱۴ وطبری۔ [2] اخبار الطوال ص۔۲۱۶ وابن اثیر ج۔۳ ص۱۳۔

ان کی نقل وحرکت کی اطلاع ہوگئی۔ انہوں نے تعاقب کیا۔ کرخ میں دونوں کا سامنا ہوا۔ سعید کے ساتھیوں نے کہا کہ ان کے بارہ میں امیر المؤمنین کا کوئی حکم نہیں۔ اس لیے اس وقت ان سے مزاحمت نہ کیجئے۔ پہلے امیر المؤمنین سے لکھ کر دریافت کر لیجئے۔ اس مشورہ پر سعید نے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔

نہروان میں اجتماع

کوفہ سے نکلنے سے قبل ان لوگوں نے بصرہ وغیرہ کے خارجیوں کو نہروان میں اجتماع کی خبر دے دی تھی' چنانچہ بصرہ سے پانچ سو کی جماعت روانہ ہوئی۔ یہاں کے والی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے ابوالاسود دؤلی کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ انہوں نے تستر میں انہیں پکڑ لیا۔ لیکن رات ہو چکی تھی اس لیے خارجی نکل گئے اور نہروان میں اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ راستہ میں انہیں جو مسلمان ملتا تھا' اس سے سوال کرتے تھے کہ حکمین کے بارہ میں کیا رائے ہے۔ اگر وہ برأت ظاہر کرتا تو چھوڑ دیتے ورنہ قتل کر دیتے۔ [1]

خوارج کو دعوت اتحاد

یہ وہ زمانہ تھا' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ حالات سن کر آپ نے خوارج کو خط لکھا:

''ہم نے جن آدمیوں کو حکم بنایا تھا' انہوں نے اپنے نفس کی پیروی کر کے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے اس لیے ہم نے اس فیصلے سے برأت ظاہر کی اور آپ پھر پہلی حالت پر آ گئے۔ (یعنی جنگ) ہم اپنے اور تمہارے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے جا رہے ہیں۔ اللہ تم پر رحم کرے تم بھی ہمارا ساتھ دو۔ ہم اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ نہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

خوارج نے اس خط کا جواب دیا:

''تم کو اس فیصلہ پر اللہ کے لیے نہیں بلکہ اپنے نفس کی خاطر برہمی ہے۔ اگر تم تحکیم کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کر کے توبہ کرو تو ہم تمہارے سوال پر غور کرنے کے لیے تیار ہیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہم تم سے لڑیں گے۔ اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کی ہدایت نہیں کرتا''۔ [2]

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۹۔ [2] اخبار الطوال ص ۲۲۰۔

اس جواب کے بعد بھی آپ نے تیاریاں جاری رکھیں اور صوبوں کے عمال کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا۔ آپ کے فرمان پر اسی ہزار فوجیں جمع ہو گئیں۔

لیکن اس درمیان میں خارجیوں کی فتنہ انگیزی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی' کسی مسلمان کی جان ان کے ہاتھ سے محفوظ نہ تھی۔ جو شخص ان کے خیالات کی تائید نہ کرتا اسے بے دریغ قتل کر دیتے۔ چنانچہ ایک صحابی عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ کو اسی جرم میں شہید کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بے دردی سے قتل کر دیا۔ قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو مار ڈالا۔ [1] ان کی یہ فتنہ انگیزی دیکھ کر لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا' امیر المؤمنین آپ اس فتنہ انگیزی کے لیے خارجیوں کو آزاد چھوڑ کر کہاں کا قصد فرما رہے ہیں؟ آپ کی عدم موجودگی میں یہ اور دلیر ہو جائیں گے۔ پہلے ان کی سرکوبی کیجئے اور انہیں مطیع بنا کر مسلمانوں کو ان کے مظالم سے بچائیے اس کے بعد شام کا قصد فرمائیے گا۔

اتمام حجت

خارجی یہاں پہلے سے جمع تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پہنچتے ہی صف آرائی شروع ہو گئی۔ جنگ چھڑنے سے پہلے آپ نے خارجیوں کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ:

''تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کر دو' تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ شاید اللہ تم کو راہ راست پر لے آئے''۔

ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے قتل کیا ہے اور ہم تمہارا اور ان کا دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں۔ [2]

اس جواب کے بعد آپ نے حضرت ابوایوب انصاری اور قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہما کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ ان دونوں بزرگوں نے ہر چند راہ راست پر لانے کی کوشش کی' لیکن خوارج برابر اپنی ضد پر قائم رہے' آخر میں آپ خود اتمام حجت کے لیے تشریف لے گئے اور ان کے سامنے تقریر کی:

''اے وہ گروہ جسے محض اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور خواہش نفس نے اسے قبول حق سے روکا ہے' تم لوگ شبہ اور غلطی میں مبتلا ہو' میں تم کو اس سے متنبہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ رب تعالیٰ کے سامنے تمہارے لیے کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے سر پنچوں سے یہ

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص ۱۳۶۔ [2] اخبار الطوال ص ۲۲۰۔

شرط لی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ میں نے تم کو اسی وقت آگاہ کر دیا تھا کہ تحکیم کی تجویز محض فریب ہے' لیکن تم ہی نے اس کے قبول کرنے پر اصرار کیا۔ میں نے اسی شرط پر اسے منظور کیا تھا کہ دونوں حکم اس چیز کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اور اس کو ختم کریں گے جس کو قرآن نے ختم کیا ہے' لیکن حکموں نے خواہش نفس پر عمل کر کے کتاب وسنت کی مخالفت کی۔ اس لیے ہم نے ان کے فیصلہ کو رد کر دیا۔ اب ہم پھر پچھلی حالت پر لوٹ آئے''۔

خوارج نے اس کا یہ جواب دیا:

''جب ہم نے حکم کی تجویز قبول کی تھی' اس وقت کافر ہو گئے تھے۔ اب ہم نے توبہ کر لی ہے۔ اگر تم بھی ہماری طرح توبہ کر لو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ورنہ پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں کفر کا اقرار کر لوں تو گمراہی میں مبتلا ہوں گا' مناسب صورت یہ ہے کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس گفتگو کے لیے بھیجو اگر وہ مجھے قائل کر دے تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کر لوں گا اور اگر وہ قائل ہو جائے تو تم کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔'' [1]

اس تجویز پر خارجیوں نے عبداللہ بن الکواء کو گفتگو کے لیے بھیجا۔ دونوں میں مباحثہ ہوا لیکن خوارج اپنی رائے سے بالکل ہٹنا نہ چاہتے تھے' اس لیے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور ہو کر مقابلہ میں آنا پڑا۔ تاہم آغاز جنگ سے پہلے ایک مرتبہ پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو امان کا حکم دے کر اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس علم کے نیچے آ جائے یا لوٹ جائے یا خارجیوں کا ساتھ چھوڑ دے وہ مامون ہے۔ اس اعلان پر ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے پاس علی (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے' اس لیے لوٹ جانا چاہیے اور اس وقت تک حصہ نہ لینا چاہیے جب تک ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کر لینے میں سے کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں' چنانچہ وہ پانچ سو آدمیوں کو لے کر لوٹ گیا۔ ایک اور جماعت کوفہ واپس چلی گئی۔ ایک ہزار حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے جھنڈے کے نیچے آ گئے اور عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ بہت تھوڑی تعداد رہ گئی۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۱' ۲۲۲۔

جنگ اور خوارج کی شکست

اس وقت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمیوں کو جنگ کی ابتدا کرنے سے روکے رکھا' تا آنکہ خود خارجیوں نے لا حکم الا اللہ کا نعرہ لگا کر اس زور سے حملہ کر دیا کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیدل دستہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور خارجی علوی فوج کے میمنہ میسرہ پر ٹوٹ پڑے اور اس شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ ان کے اعضاء کٹ کر الگ ہو جاتے تھے' لیکن اس حالت میں بھی وہ لڑتے رہتے تھے۔ ایک خارجی شریح بن ابی اوفی کا ایک پاؤں کٹ گیا' وہ اس حالت میں لڑتا رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے بھی پوری شجاعت سے مقابلہ کیا بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو نہایت فاش شکست ہوئی اور وہ ایک ایک کر کے مارے گئے۔

شام کا قصد اور علوی فوج کی کمزوری

خارجیوں کی مہم سے فراغت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے ابھارا کہ ''اللہ نے تم کو ایک دشمن کے مقابلہ میں کامیاب کیا ہے۔ اب یہیں سے اپنے دوسرے دشمن کے مقابلہ میں روانہ ہو جاؤ'' لیکن اس وقت ہمت پست ہو رہی تھی۔ اشعث بن قیس کندی نے عرض کیا' امیر المؤمنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں تلواریں کند ہو گئی ہیں' نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں' اس لیے اس وقت گھر لوٹ چلئے تا کہ ہم دشمن کے مقابلہ کے لیے اچھی طرح تیاری کر لیں' ان کے اس عذر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوچ کا حکم دیا۔ مقام نخیلہ میں فوج نے منزل کی' یہاں سے لوگوں نے اپنے اپنے گھر کا راستہ لینا شروع کیا اور آپ کے ہمراہ کل ایک ہزار آدمی رہ گئے' یہ صورت دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ لوٹ آئے۔ [1]

مصر پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبضہ

عثمانی عمال کو معزول کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر کی ولایت پر حضرت قیس بن سعد کو جو ایک مقتدر صحابی تھے' مقرر کیا تھا۔ یہ بڑے مدبر اور مصلحت شناس تھے۔ انہوں نے بڑی ہوشیاری سے مصریوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت لے لی تھی۔ صرف ایک مقام خربتا کے باشندوں نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے زیادہ متاثر تھے بیعت نہیں کی۔ قیس نے انہیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا دیا کہ ہم تم کو بیعت پر مجبور نہیں کرتے اور تمہاری ہر خدمت کے لیے آمادہ

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص ۱۳۹۔

ہیں' ان کی اس پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ گو اہل خربتا نے بیعت نہیں کی لیکن خراج دینے میں کوئی تامل نہیں کیا' یہ واقعہ جنگ جمل سے پہلے کا ہے۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ عرب کے نامور مدبر تھے' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرح انہیں بھی ملانا چاہا' چنانچہ ان کو خط لکھا کہ ''تم بھی قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو' اگر ان کا ساتھ چھوڑ کر طالبین قصاص کے زمرہ میں شامل ہو جاؤ تو ہم تمہارا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہیں اور تمہاری زندگی بھر عراق کی حکومت تمہارے لیے مخصوص رہے گی۔ حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہوگا' جس کو چاہنا حاکم بنانا۔ اس کے علاوہ اور جو تم چاہو میں سب پورا کرنے کے لیے تیار ہوں' اگر تم کو یہ منظور ہے تو اپنی رائے لکھو''۔

اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کشمکش کا آغاز تھا۔ ملک کی حالت مذبذب تھی۔ اس لیے قیس نے گول مول جواب دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے جہاندیدہ تھے وہ سمجھ گئے۔ انہوں نے لکھا کہ:

> ''تم نے ایسا جواب دیا ہے کہ اس سے نہ تم کو دوست ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ تمہاری طرف سے اطمینان رکھا جائے اور نہ دشمن یقین کیا جا سکتا ہے کہ تم سے مقابلہ کیا جائے۔ میرے جیسا شخص تمہارے فریب میں نہیں آ سکتا۔ میرے پاس کافی قوت ہے''، قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کا نہایت سخت جواب دیا کہ
>
> ''مجھ کو تمہاری عقل پر حیرت ہے' تم مجھ کو ایک مستحق خلافت' حق گو' حق پرست سب سے زیادہ ہدایت یاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب عزیز کے مقابلہ میں ایک جھوٹے' گم کردہ راہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو' تم مجھے اپنی قوت کی دھمکی دیتے ہو۔ یاد رکھو کہ تم کو خود اپنے لالے پڑ جائیں گے''۔

قیس رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مصالح کے بالکل خلاف تھا۔ ان کی موجودگی میں مصر ان کے قبضہ میں نہیں آ سکتا تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قیس رضی اللہ عنہ طمع اور خوف سے ان کے دام میں آنے والے نہیں تو مشہور کرنا شروع کر دیا کہ قیس رضی اللہ عنہ ہمارے خاص آدمی ہیں اور شامیوں کو منع کر دیا کہ ان کو برا بھلا نہ کہو۔ وہ ہمارے ساتھ ہیں' خفیہ ان کی خیر خواہی کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ دیکھو ہمارے ہم خیال خربتا والوں کے ساتھ ان کا سلوک کتنا بہتر ہے۔ ان کے روزینے اور عطیے جاری ہیں۔ اس شہرت کے ساتھ اپنے نام قیس رضی اللہ عنہ کا ایک فرضی

خط بھی سنا دیا' جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی دعوت پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ شام کے علوی جاسوسوں نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر بن ابی طالب کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچا دیا۔ آپ کو اس کے یقین کرنے میں تامل ہوا' لیکن ان دونوں نوجوانوں نے قیس رضی اللہ عنہ کی معزولی پر اصرار کیا' اسی دوران میں قیس رضی اللہ عنہ بن سعد کا ایک خط پہنچا اس میں انہوں نے اہل خربتا کی حالت اور ان کے ساتھ اپنے طرز عمل کی اطلاع دی تھی۔ اس سے گویا محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ کو قیس رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک دلیل ہاتھ آ گئی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے قیس رضی اللہ عنہ کے نام اہل خربتا سے جنگ کرنے کا فرمان لکھوا دیا۔ قیس رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا ..... ''آپ ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہیں جو اب تک غیر جانبدار ہیں' جہاں ان کو چھیڑا گیا' وہ آپ کے دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے۔ میرا مشورہ قبول کیجئے' ان سے تعرض نہ فرمائیے''۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے پر دونوں نوجوان غالب آ گئے تھے۔ محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو مصر بھجوا دیا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو یہ فطرتاً ناگوار ہوا۔ انہوں نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ ''امیر المؤمنین نے مصر کی حکومت میں کسی اور کو بھی شریک کیا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا نہیں' حکومت آپ ہی کے ہاتھوں میں رہے گی' لیکن ظاہر ہے کہ یہ دوعملی نہیں چل سکتی تھی۔ خصوصاً جبکہ ابن ابی بکر قیس رضی اللہ عنہ کی پالیسی کے خلاف تھے' اس لیے قیس رضی اللہ عنہ مستعفی ہو کر مدینہ چلے گئے۔ [1] محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بالکل ناتجربہ کار تھے' جوانی کا جوش تھا۔ پالیسی سے کام لینے کی بجائے خربتا والوں پر فوج کشی کر دی۔ یہ لوگ بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو فاش شکست ہوئی۔ ان کی اس ناتجربہ کاری سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ پہلے ایک مقام کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے' محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل نے اور لوگوں کو بھی مخالف بنا دیا اور معاویہ بن خدیج کندی نے جو مصر کے ایک مقتدر رئیس تھے' علانیہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی دعوت شروع کر دی۔ اس طرح مصر کی فضا مسموم ہو گئی۔ [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اشتر نخعی کو ان کی مدد کے لیے بھیجا لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ سے راستہ ہی میں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ اشتر نخعی کو ختم کرانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی سے مصر پر فوج کشی کے بارہ میں خط و کتابت کی۔ انہوں نے لکھا تم فوراً آؤ' ہم سب تمہارے منتظر ہیں۔ تم کو ضرور کامیابی ہو گی۔ یہ جواب آنے کے بعد امیر

---

[1] یہ تمام حالات ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۰۷ و ۱۰۸ سے ماخوذ ہیں۔ [2] طبری ص ۳۳۹۱' ۳۳۹۲۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے مشورہ سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا۔ یہاں کا عثمانی گروہ سرحد پر ان سے مل گیا۔ انہوں نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمہارے خلاف ہو چکے ہیں اور تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں' اگر جنگ کی نوبت آئی تو وہ تم کو ہمارے حوالہ کر دیں گے۔ اس لیے میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم مصر چھوڑ دو۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تم کو کوئی نقصان پہنچے۔ ❶

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے یہ خط حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔ وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ چار ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لیے نکلے۔ مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ بن بشر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ بڑے شجاع و بہادر تھے۔ بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ شامیوں کا مقابلہ کیا' جو دستہ آگے بڑھتا تھا اسے پسپا کر دیتے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ بن خدیج کو اشارہ کیا۔ انہوں نے کنانہ کو گھیر لیا اور ہر طرف سے شامی ان پر ٹوٹ پڑے۔ کنانہ نے گھوڑے سے اتر کر لڑنا شروع کر دیا' لیکن تنہا ایک شخص کا ایک جم غفیر سے مقابلہ کرنا مشکل تھا۔ بالآخر وہ لڑتے لڑتے مارے گئے۔ کنانہ رضی اللہ عنہ مصری فوج کے قوت بازو تھے۔ ان کے قتل ہوتے ہی مصریوں نے میدان چھوڑ دیا۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ روپوش ہو گئے' لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ بن خدیج نے ڈھونڈ نکالا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرا دیا۔ ❷ اور مصر پر ۳۸ھ میں ان کا قبضہ ہو گیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کے مطابق عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا والی بنا دیا۔

حضرت علیؓ کے مقبوضات پر امیر معاویہؓ کی پیش قدمی اور اس کے نتائج

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں صرف شام و مصر تھے۔ ان کے علاوہ سارا عرب و عجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر نگین تھا۔ اس لیے مصر پر قبضہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے مقبوضات کی طرف قدم بڑھایا۔ اس کی تفصیل بیان کرنا محض تطویل ہے' مختصر حالات یہ ہیں:

سب سے اول ۳۹ھ میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا یہاں کے علوی حاکم مالک بن کعب نے شکست دی۔

اسی سنہ میں سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار و مدائن روانہ کیا۔ وہ ہیت ہوتے ہوئے انبار پہنچے اور یہاں کی محافظ سپاہ کے افسر اشرف بن حسان البکری کو قتل کر کے انبار میں جو کچھ ملا لوٹ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے سعید بن قیس کو سفیان بن عوف کے

---

❶ طبری ص ۳۴۰۱۔ ❷ ابن اثیر ج ۳' ص ۱۴۳۔

تعاقب میں روانہ کیا' مگر وہ جا چکے تھے۔ عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو اہل بادیہ سے صدقہ وصول کرنے کے لیے تیماء روانہ کیا' وہ یہ فرض انجام دیتے ہوئے مکہ اور مدینہ پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ نے مسیّب بن نجیہ فزاری کو مقابلہ کے لیے بھیجا' تیماء میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ کچھ شامی بھاگ نکلے۔ مسیّب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے آگ لگا دی' لیکن پھر عبداللہ کے پناہ مانگنے پر چھوڑ دیا اور وہ باقی ماندہ ساتھیوں کو لے کر لوٹ گئے۔ اسی سنہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ واقوصہ کے نشیبی علاقہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باجگزار اعراب پر تاخت کرنے کے لیے بھیجا۔ یہ ثعلبیہ پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ تدمر میں دونوں کا سامنا ہوا۔ حجر نے ان کے انیس آدمیوں کو قتل کیا اور شامی رات کی تاریکی میں نکل گئے۔

ذی الحجہ ۳۹ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر مکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عامل کو نکالنے اور وہاں کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کے لیے بھیجا۔ یہاں کے علوی حاکم قثم بن عباس کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لیے ابھارا۔ لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا۔ اس لیے قثم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے کر مکہ چھوڑ دینا چاہا' لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روکا۔ اس دوران میں شامی پہنچ گئے۔ لیکن کسی سے تعرض نہیں کیا۔ قثم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے چکے تھے' وہاں سے ریان بن ضمرہ اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فوجیں لے کر مقابلہ کے لیے پہنچے لیکن ابن شجرہ نے خود ہی اعلان کر دیا کہ ہم حرم کے امن و امان میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے' اس سے البتہ جنگ کریں گے جو ہم سے لڑے گا اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ میں حرم میں تفریق پسند نہیں کرتا۔ میرے اور قثم کے علاوہ کسی ایسے تیسرے آدمی کو امام بنا دیجئے جس پر سب کا اتفاق ہو۔ یہ تجویز معقول تھی' اس لیے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے قثم سے کہا' وہ الگ ہو گئے اور لوگوں نے شیبہ بن عثمان کو امیر بنایا' چنانچہ ۳۹ھ کا حج ان ہی کی امارت میں ادا ہوا۔ اختتام حج کے بعد ابن شجرہ واپس گئے۔ اسی سنہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ بھیجا۔ یہاں کے حاکم شبیب بن عامر نصیبین میں تھے۔ انہوں نے کمیل بن زیاد کو اطلاع دی۔ وہ چھ سو سواروں کا دستہ لے کر مدد کو پہنچے اور عبدالرحمٰن کو نہایت سخت شکست دی۔ شامیوں کی بڑی تعداد کام آئی اور ان کا کل سامان کمیل کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد

شبیب بھی پہنچ گئے۔ اس وقت شامی شکست کھا کر واپس جا چکے تھے۔ شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً حبیب بن مسلمہ کو شبیب کے مقابلہ کے لیے بھیجا' لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے شبیب واپس ہو چکے تھے۔ اسی سنہ میں زبیر بن مکحول کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنی جانب سے عبداللہ اشجعی کو کلب اور بکر بن وائل سے صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ ان میں اور زبیر میں جنگ ہوئی' جعفر کام آئے۔

دومۃ الجندل کے باشندے غیر جانبدار تھے۔ انہوں نے اب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کی بیعت نہ کی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقبہ کو ان سے بیعت لینے کے لیے بھیجا' لیکن یہ لوگ آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے مالک بن کعب کو اپنی بیعت کے لیے بھیجا۔ ان میں اور مسلم بن عقبہ میں جنگ ہوئی' مسلم شکست کھا کر لوٹ گئے۔ اس کے بعد مالک نے بیعت لینی چاہی۔ دومۃ الجندل والوں نے کہا کہ جب تک کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے گا اس وقت تک ہم کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے۔ اس جواب پر مالک نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور لوٹ آئے۔

ابھی تک حجاز' جس کی بیعت و حکومت پر خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں تھا۔ ۴۰ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور جفاکار بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا۔ وہ سیدھا مدینہ پہنچا۔ یہاں کے علوی والی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حرم نبوی کے احترام کے خیال سے مزاحمت مناسب نہ سمجھی اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔ بسر بن ابی ارطاۃ نے مدینہ میں داخل ہو کر تقریر کی کہ ''ہمارے شیخ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) جن سے ہم نے بیعت کا عہد کیا تھا' کہاں ہیں؟ اگر میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے عہد نہ کر چکا ہوتا تو اللہ کی قسم یہاں ایک بالغ کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ جب تک تم لوگ جابر بن عبداللہ کو میرے حوالے نہ کرو گے اس وقت تک امان کے دروازے تمہارے لیے بند ہیں۔ جابر نے یہ اعلان سنا تو وہ چھپ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور عرض کیا اگر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کرتا ہوں تو گمراہی کی بیعت ہے اور اگر نہیں کرتا تو جان سے ہاتھ دھوتا ہوں۔ انہوں نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا۔ ان کے ارشاد پر جابر نے بیعت کر لی۔ اس کے بعد بسر اہل مدینہ کے دلوں میں ہیبت بٹھانے کے لیے چند گھروں کو مسمار کرا کے مکہ پہنچا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کے خوف سے مکہ چھوڑ دیا۔ بسر نے بزور اہل مکہ سے بیعت لی۔ ان سے

بیعت لینے کے بعد یمن روانہ ہوگیا۔ یہاں کے علوی والی حضرت عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے یمن پہنچ کر عبدالمدان اور اس کے لڑکے اور عبیداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دو صغیر السن بچوں کو قتل کیا۔ یہ مظالم ڈھانے کے بعد شام واپس ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب ابن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ بسر اس وقت نجران میں تھا۔ علوی فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا۔ جاریہ اور وہب بسر کی جماعت کے چند آدمیوں کو قتل کر کے مکہ پہنچے اور اہل مکہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت لے کر اہل مدینہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت لی اور چند دن مدینہ میں ٹھہر کر کوفہ واپس گئے [1]

فریقین میں مصالحت

اس مسلسل خانہ جنگی، خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں صلح کر لی۔ اس صلح کی رو سے حجاز و عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور شام اور مصر و مغرب کا حصہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔

فتوحات

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا زمانہ خانہ جنگیوں میں گزرا۔ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ کو ایک دن کے لیے بھی اندرونی جھگڑوں سے فرصت نہ ملی، اس لیے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا آپ کو موقع ہی نہ ملا۔ تاہم سیستان اور کابل میں بعض فتوحات حاصل ہوئیں۔ ۳۸ھ میں بحری راستہ سے کوہ کن پر حملہ ہوا۔ [2]

بغاوتوں کا استیصال

مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عجم میں جا بجا بغاوتیں بپا ہوگئی تھیں۔ کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے تھے۔ بعض اور علاقوں میں بھی بغاوت کے آثار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود زیاد بن ابیہ کو مامور کیا۔ اس نے بغاوت فرو کر کے باغی علاقوں کو قابو میں کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

---

[1] یہ حالات طبری ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں۔ [2] فتوح البلدان بلاذری۔

۴۰ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کے معرکہ میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے اس جماعت کے تین آدمیوں عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے باہم مشورہ کیا کہ نہروان کے مقتولین کے بعد زندگی بیکار ہے۔ معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما دونوں میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں۔ ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلق اللہ مصیبت میں مبتلا ہے۔ بغیر انہیں ختم کیے ہوئے امن وسکون قائم نہیں ہوسکتا، چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، برک بن عبداللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ ابن ملجم نے اپنے کام میں ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کرلیا اور تینوں نے ایک ہی دن رمضان ۴۰ھ کو نماز فجر کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ اتفاق سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بجائے اس دن ایک اور شخص نماز پڑھانے کے لیے آیا تھا۔ ان کے دھوکے میں وہ مارا گیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اوچھا وار لگا۔ اس لیے وہ علاج معالجہ سے بچ گئے۔ ابن ملجم اور شبیب ابن بجرہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گزرگاہ پر چھپ رہے۔ جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لیے نکلے تو دونوں نے حملہ کردیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کاری زخم آیا۔ آپ نے آواز دی لوگ دوڑ پڑے۔ شبیب تو نکل گیا لیکن ابن ملجم گرفتار ہوگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے جعدہ بن ہبیرہ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ابن ملجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس سے چند سوالات کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے۔ [1] اور لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکا تو اللہ کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کردینا اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کروں گا اور اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میرے بعد میرے ایک خون کے بدلہ میں مسلمانوں کا خون نہ بہانا۔ صرف میرا قاتل قتل کیا جائے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر میں مرجاؤں تو ایک ضرب کے بدلہ میں قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ [2]

خنجر زہر آلود تھا، اس لیے بہت جلد سمیت بدن میں پھیل گئی اور حالت خراب ہونے لگی۔ حضرت امام حسن وحسین اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم کو بلایا اور باہم اتحاد واتفاق اور دین ودنیا میں خیر وبرکت کی وصیتیں فرمائیں۔ آپ کی زندگی سے مایوسی تھی اس لیے جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کے بعد ہم حسن (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟ فرمایا میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں۔ تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو۔ [3]

---

[1] ابن سعد ج۔۳، ص ۲۴۔ [2] طبری ص۔۳۴۶۱، ابن اثیر ج۔۳، ص ۱۵۶۔ [3] طبری ص ۳۴۶۱۔

زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۱ رمضان شب یکشنبہ ۴۰ھ کو انتقال فرمایا۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے غسل دیا۔ حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رشد و ہدایت کے اس آفتاب و عالم تاب کو کوفہ کے عزی نامی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ انتقال کے وقت بروایت صحیح تریسٹھ سال کی عمر تھی۔ مدت خلافت ۴ سال ۹ مہینے۔

ازواج واولاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان سے بکثرت اولادیں ہوئیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت حسن و حسین و محسن رضی اللہ عنہم تھے۔ محسن رضی اللہ عنہ کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا اور صاحبزادیوں میں زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما تھیں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا۔ خولہ کے بطن سے محمد بن علی رضی اللہ عنہ تھے جو محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یہ بڑے نامور فرزند تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی اولادیں تھیں، جن کا نہ کوئی کارنامہ ہے اور نہ انہوں نے کوئی خاص شہرت حاصل کی۔

عہد مرتضوی پر ایک نظر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا عہد خلافت خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑوں میں بسر ہوا۔ ایک دن کے لیے بھی آپ کو ملکی نظم و نسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ اس لیے تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشروؤں کے مقابلہ میں ناکام رہا اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا، جن میں آپ کو منصب خلافت ملا تھا اور جو بعد میں پیش آتے رہے۔ ایسے مخالف حالات میں بڑے سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا۔ ان حالات کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ اس لیے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان کے اسباب پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض اسباب تو وہی تھے جنہوں نے عثمانی خلافت کا نظام درہم برہم کیا تھا اور بعض نئے تھے۔ اس کا اندازہ عہد صدیقی کے ابتدائی حالات کے موازنہ سے زیادہ صحیح ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس وقت تخت خلافت پر قدم رکھا اس وقت سارا عرب پر آشوب ہو رہا تھا۔ بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے تھے۔ بعضوں نے اسلام کے رکن اعظم زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جھوٹے مدعیان نبوت علیحدہ انقلاب پر آمادہ تھے۔ غرض عرب کی اندرونی حالت سخت تشویش ناک تھی۔

لیکن ان حالات کے مقابلہ کا پورا سامان موجود تھا۔ عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے مسلمانوں میں اسلامی روح زندہ تھی۔ سب کے سب ایک غرض اور ایک مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے متحد تھے۔ ان میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہوا تھا۔ حصول مقصد کے وسائل پر اختلاف رائے ہوتا تھا لیکن اصل مقصد پر سب متفق تھے۔ گو خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے لیکن خلافت کا نظام ان صاحب تدبیر و سیاست صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے چلتا تھا جنہوں نے شجر اسلام کو اپنے خون سے سینچا تھا۔ اس لیے ان کی عزیز ترین متاع اسلام تھا۔ ذاتی حیثیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تحمل، آپ کی نرمی اور تواضع و انکساری لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا اور خلافت کے رکن رکین حضرت کا دبدبہ و شکوہ کسی کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ دیتا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر عربوں میں غیر عنصر کی آمیزش نہ ہوئی تھی۔ یعنی وہ قومیں جنہوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرا، مسلمان نہ ہوئی تھیں اور جو قلیل تعداد مسلمان بھی ہوئی تھی، اس نے مسلمانوں میں اتنا اعتماد نہ پیدا کیا تھا کہ ان کے نظام شوریٰ میں دخیل ہو سکے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتحاد و اتفاق اور صولت فاروقی کے مقابلہ میں مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کی ہمت نہ ہوئی اور نہ کامیاب ہو سکتی تھی۔ اسلامی فوجوں میں غیر قوموں کا عنصر شامل نہ تھا۔ جدید الاسلام عربوں تک کی باگ جو غیر اقوام کے مقابلہ میں متحد تھے، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں رہتی تھی اس لیے کسی پہلو سے غیر قوموں کو دخل اندازی کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت جلد مخالف حالات پر قابو حاصل کر لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہ خصوصیات قائم رہیں۔ اس لیے اس زمانہ تک نظام خلافت کو جنبش نہ ہونے پائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ٹلنے لگیں۔ جس کے نتائج انقلاب کی شکل میں ظاہر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں قریب قریب سب ختم ہو گئیں۔ عہد رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضمحل ہو چکی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جو خلافت کے رکن اعظم تھے، اٹھ چکے تھے اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی، جس میں اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچا جوش و ولولہ نہ تھا۔ ان کے اغراض بالکل مختلف تھے۔ متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حالات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جدا کر دیا تھا۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جو عشرہ مبشرہ میں تھے، آپ سے الگ ہو گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو بزرگوار تھے، ان کا دین و تقویٰ مسلم، لیکن ان میں بہت کم صاحب تدبیر و سیاست تھے۔ پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صاحب تدبیر و سیاست بزرگوں کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کو آغاز خلافت میں مشورہ دیا کہ بغیر

بیعت لیے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول نہ کیجئے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیں گے' لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا' جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ جیسے مدبر کو محض نوجوانوں کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنے خلاف بنا لیا۔ آپ کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نوجوان نسل' جدید الاسلام عرب اور نومسلم عجمی بھی تھے' جن کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی تڑپ نہ تھی' بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لیے ساتھ تھے۔ آپ میں نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا تحمل اور تواضع تھا جو مخالفین کو بھی اپنا بنا لیتا تھا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا دبدبہ و شکوہ تھا' جس سے بڑے بڑے لوگ تھراتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو طلب کرتے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا' لیکن وہی معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے خلاف اٹھ کر انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہیں۔ آپ میں خود اعتمادی بہت تھی۔ جو رائے قائم کر لیتے تھے' پھر اس میں کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے' جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نومسلم عجمی تھے جو محبت اہل بیت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کیا اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی۔ بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لیے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ان ہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے مسلمانوں میں خانہ جنگی کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی۔ اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل اور صفین کے واقعات پیش نہ آتے۔ یہی لوگ تھے' جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باوجود آپ کو تحکیم جیسی پرفریب تجویز قبول کرنے پر مجبور کیا۔ پھر خود ہی اس کے خلاف ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف محاذ جنگ قائم کیا۔ پھر انہی میں سے وہ لوگ تھے جنہوں نے امیر معاویہ کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ غرض کسی موقع پر بھی انہوں نے وفاداری کا ثبوت نہ دیا۔ ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے۔ گو یہ صداقت کا بڑا درجہ ہے اور اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمانروا کے لیے مصلحت وقت کا لحاظ ضروری ہے' لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحت وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے۔ مثلاً عمالان عثمانی کی معزولی' خصوصاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی' لیکن آپ نے تخت نشین

ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا جو کل آپ کے خلاف ہو گئے۔ آپ جس تقویٰ' دینداری اور عدل کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے حالات کے تغیر سے لوگوں میں اسے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی۔ ایک طرف آپ تھے کہ نازک سے نازک حالات میں بھی حق وصداقت کے جادہ سے نہ ہٹتے تھے اور بیت المال کا ایک حبہ بھی بے جا نہ صرف ہونے دیتے تھے' دوسری طرف آپ کے حریف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی کامیابی کے لیے ہر جائز و ناجائز وسیلہ اختیار کرتے تھے اور اپنے حامیوں کے لیے خزانہ کا منہ کھول دیتے تھے۔

آپ بیت المال کی کوڑی کوڑی کا حساب رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے اعزہ خاص تک آپ سے کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی داد و دہش مخالفین تک کا منہ بند کر دیتی تھی۔ ان تمام باتوں پر مستزاد یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ مرتدوں' منکرین زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیان نبوت سے تھا' جن کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کا بچہ بچہ متحد تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے تھا' خصوصاً ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا معاملہ نہایت نازک تھا' جس میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم متردد ہو گئے تھے' گو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آپ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ تھی' پھر بھی وہ ایک معزز صحابی اور عرب کے نامور مدبر تھے اور غلط ہی سہی، لیکن عوام کو بھڑکانے کے لیے خون عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقام کا ایک ذریعہ ان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان مخالف حالات کا جتنا بھی مقابلہ کیا اور جس حد تک بھی نظام خلافت کو قائم رکھ کر اس کی اصلاح کی وہ دوسرے سے ممکن نہ تھا۔ اس پر آشوب دور میں آپ نے بغاوتیں بھی فرو کیں اور فتوحات میں بھی کچھ نہ کچھ اضافہ فرمایا۔

نظام خلافت کی اصلاح

ان سب سے بڑھ کر نظام خلافت کی اصلاح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں اموی نوجوانوں کے غلبہ سے خلافت کا نظام خلافت راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اسے صراط مستقیم پر لانے کی کوشش کی۔ گو مخالف حالات نے آپ کو اس کا پورا موقع نہ دیا' تاہم جہاں تک آپ کے بس میں تھا' آپ نے دوبارہ شیخین رضی اللہ عنہما کے دور کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ عثمانی دور میں جو بے عنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں' انہیں دور کر کے عہد فاروقی کے نظم و نسق کو علیٰ حالہ قائم رکھا' اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی۔ نجران کے یہودیوں نے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجاز سے نجران جلاوطن کر دیا تھا' دوبارہ حجاز میں بسنے کی درخواست کی۔ آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا

عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون صاحب الرائے ہوسکتا ہے [1] صوبوں کی تقسیم وہی رہی البتہ عمال سب بدل دیئے تھے اور دارالخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا۔

فوج

حضرت علی رضی اللہ عنہ فطرتاً سپاہی اور میدان جنگ کے مرد تھے اس لیے فوج کی جانب خاص طور سے آپ کی توجہ رہی۔ صفین کے معرکہ میں اسی ہزار فوج آپ کے ہمراہ تھی، گو مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے آپ کو فوجی نظام کو ترقی دینے کا موقعہ نہ ملا، تاہم آپ نے حسب ضرورت چھاؤنیاں قائم کیں اور قلعے تعمیر کرائے، اصطخر کا حصین زیادہ آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوا تھا۔ [2]

صیغہ مال

آپ نے صیغہ مال میں بھی بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ آپ کے دور سے پہلے جنگلات سے کوئی مالی فائدہ نہیں حاصل کیا جاتا تھا۔ آپ نے انہیں قابل محصول قرار دیا۔ چنانچہ صحرائے برس سے چار ہزار سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ [3] اس کے علاوہ اور جنگل بھی تھے۔ بعض چیزوں پر سے محصول اٹھا دیا۔ عہد رسالت میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اس کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی تو آپ نے اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے منسوخ کر دیا۔ [4]

عمال کی اخلاقی نگرانی

عہد فاروقی کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی میں بڑا اہتمام تھا۔ وقتاً فوقتاً ان کو قیام عدل اور رعایا کے ساتھ لطف وشفقت کے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ان کے اعمال وافعال کا احتساب فرماتے تھے۔ ان کے طرز حکومت کی تحقیقات کراتے تھے اور ان کی غلط روی کا تدارک فرماتے تھے۔

منذر بن جارود والی اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر وشکار میں صرف کرتے ہیں اور فرائض منصبی میں غفلت برتتے ہیں، انہیں لکھا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر وشکار میں نکل جاتے ہو اور کتوں سے کھیلتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو اس کا بدلہ دوں گا۔ تمہارے گھر کا جاہل بھی تم سے

---

[1] کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف۔ [2] طبری ص ۳۴۵۰۔
[3] کتاب الخراج ص ۶۹۔ [4] کتاب الخراج ص ۶۹۔

بہتر ہے' چنانچہ انہیں طلب کر کے معزول کر دیا'' ❶

ایک اور عامل کے متعلق مختلف شکایتیں وصول ہوئیں۔ اسے بڑا طویل خط لکھا' جس کا ضروری اقتباس یہ ہے:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہو۔ بخورات اور روغنیات کا زیادہ استعمال کرتے ہو' تمہارے دسترخوان پر الوان نعمت ہوتے ہیں۔ منبر پر تم صدیقین کا وعظ کہتے ہو اور خلوت میں اہل اباحت کا عمل ہے' اگر یہ شکایتیں صحیح ہیں تو تم نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا اور مجھے تادیب پر مجبور کیا۔ تم بیواؤں اور یتیموں سے حاصل کیے ہوئے مال سے عیش و تنعم میں ڈوب کر اللہ سے صالحین کے اجر کی توقع کس طرح رکھتے ہو' گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو اور اللہ کے حقوق ادا کرو''۔ ❷

تحریری باز پرس کے علاوہ کمیشن مقرر کر کے عمال کے طرز عمل کی تحقیقات کراتے تھے' چنانچہ ایک مرتبہ کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور فرمایا اور یہ ہدایت کی:

''تم چند آدمیوں کو ساتھ لے کر عراق جاؤ اور ہر ہر ضلع میں جا کر وہاں کے عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر نظر ڈالو''۔ ❸

خراج کی آمدنی کا احتساب

عمال سے محاصل و خراج کی آمدنی کا نہایت سختی کے ساتھ احتساب کرتے تھے۔ مقررہ وقت سے اگر زیادہ تاخیر ہو جاتی تو فہمائشی احکام جاری کرتے۔ ایک مرتبہ یزید بن قیس ارحبی نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو آپ نے لکھا:

''تم نے خراج کے بھیجنے میں تاخیر کی۔ اس تاخیر کا سبب مجھے معلوم نہیں ہوا' لیکن میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس سے ڈراتا ہوں کہ ایسا کام نہ کرو جس سے تمہارا اجر برباد اور تمہارا جہاد باطل ہو جائے' اللہ سے ڈرو اور اپنے نفس کو حرام مال سے پاک رکھو اور مجھ کو اس کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ مسلمانوں کو معزز کرو' لیکن اہل معاہدہ پر زیادتی نہ ہو۔ اللہ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس کو حصول آخرت کا ذریعہ بناؤ اور دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کرو''۔ ❹

---

❶ یعقوبی ج۔۲' ص۲۴۰۔ ❷ یعقوبی ج۔۲' ص۲۳۸۔ ❸ کتاب الخراج ص۹۔ ❹ یعقوبی ج۔۲' ص۲۳۷۔

ایک اور عامل نعمان بن عجلان کو جو بحرین کا خراج لے کر کہیں چل دیئے تھے' لکھا:

''جس نے امانت میں خیانت کی اور اپنے نفس اور اپنے دین کو نہ بچایا اس نے دنیا میں بھی اپنے کو نقصان پہنچایا اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے زیادہ تلخ' اس سے زیادہ بدبختانہ اور اس سے زیادہ دیرپا ہے۔ اللہ کا خوف کرو' تم صالح خاندان سے ہو' اس لیے خوش گمانی کا موقع دو۔ مجھ کو جو خبر ملی ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو' خراج ادا کردو''۔ [1]

بیت المال کی حفاظت

بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی طرح اہتمام تھا۔ اوپر جو واقعات لکھے گئے' وہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی امانت ہی کی حفاظت کے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو واپس کرنے کے لیے لکھا۔ انہوں نے انکار کیا' ان کے انکار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فہمائش کرا کے واپس کرا دیا' اور اس کے متعلق مفید نصیحتیں فرمائیں۔ [2] اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اصفہان کا خراج لائے۔ اس میں شہد اور چربی بھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے مانگ بھیجا۔ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی بھیج دی۔ دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے۔ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے سختی کے ساتھ پوچھا' انہوں نے بتا دیا۔ آپ نے اسی وقت دونوں پیپے منگا لیے اور اس میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا' اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کر دی۔ [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ بیت المال کے نگران تھے۔ انہوں نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر پہچان لیا۔ پوچھا یہ موتی کہاں سے آیا؟ میں اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کر دوں گا۔ ابورافع رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیوں سے آراستہ کرتے ہو' جب فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی' جس پر رات کو سوتا تھا اور دن کو اس پر مویشی کو چارہ دیتا تھا۔ ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا۔ [4]

---

[1] یعقوبی ج۔۲' ص۲۳۷۔ [2] یعقوبی ج۔۲' ص۲۴۲۔
[3] ابن اثیر ج۔۳' ص۱۶۰۔ [4] ابن اثیر ج۔۳' ص۱۵۹۔

ذمیوں کے ساتھ نرمی

ذمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔عمال کو ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی ہدایت فرماتے تھے۔ذمیوں کے ایک عامل عمرو بن مسلمہ رضی اللہ عنہ' جس کی درشت مزاجی کی شکایت تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے علاقہ کے ذمی دہقانوں کو تمہاری درشت مزاجی کی شکایت ہے۔اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔تم کو سختی اور نرمی دونوں سے کام لینا چاہئے' لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے اور نرمی نقصان کی حد تک۔ان پر جو مطالبہ ہو اسے وصول کیا کرو' لیکن ان کے خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو''۔ [1]

ذمیوں کی آبپاشی کی ایک نہر پٹ گئی تھی۔اس کے عامل قرظہ بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو لکھا:

''تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے' جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے' تم اسے دیکھ کر درست کرا کے آباد کرادو۔میری عمر کی قسم مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے' بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائیں' یا عاجز و درماندہ ہو جائیں' یا ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں''۔ [2]

اہل عجم کے ساتھ اس لطف و کرم کا برتاؤ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کردی۔

عدل و مساوات

آپ کے ایوان عدالت میں بلا امتیاز مذہب و ملت' خویش و بیگانہ' امیر و غریب سب برابر تھے۔اگر خود آپ کسی مقدمہ میں فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا اور اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپ کے خلاف فیصل ہوتا۔ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں دعویٰ کیا۔نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کی زرہ ہے۔قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا۔اس فیصلہ کا نصرانی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور کہا یہ تو انبیا کے جیسا انصاف ہے کہ امیر المؤمنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی

---

[1] یعقوبی ج۔۲' ص۲۳۹۔ [2] یعقوبی ج۔۲' ص۲۴۰۔

کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔ ❶

بازار کی نگرانی

بازار کی نگرانی اور نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال خود کرتے تھے۔ درہ لے کر بازار نکل جاتے اور بیچنے والوں کو حسن معاملات اور ناپ تول میں ایمانداری کی ہدایت فرماتے۔ ❷

فضل وکمال

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچپن سے دامن نبوت میں پرورش اور تعلیم وتربیت پائی۔ جوانی میں شرف مصاہرت سے سرفراز ہوئے اور وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک دامن دولت سے وابستہ رہے۔ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ آپ میں تحصیل علم وکسب کمال کی فطری صلاحیت اور اس کا ذوق تھا۔ اس لیے مکتب نبوت سے جو فیض آپ کو پہنچا وہ کم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے حصہ میں آیا۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ جملہ دینی علوم کا دریا تھے۔ آپ کی جلالت علمی پر سب کا اتفاق ہے **کان من العلوم بالمحل العالی** ❸ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو خود حبر الامۃ تھے، فرماتے تھے کہ علم کے دس حصوں میں سے اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کو نو حصے عطا فرمائے تھے اور دسویں میں بھی آپ شریک تھے۔ ❹ زبان نبوت سے آپ کو "انا مدینة العلم وعلی بابها" کی سند ملی۔ ❺

کلام الٰہی سے آپ کو خاص شغف تھا۔ اس کے حافظ تھے اور اس کی تعلیم آپ نے زبان وحی و الہام سے حاصل کی تھی۔ کلام اللہ پر آپ کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے مخفی نہ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارہ میں، کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی۔ ❻

فہم قرآن اور اس سے احکام ومسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا۔ تفسیر کی کتابیں اور احادیث کے ابواب تفسیر آپ کی روایتوں سے معمور ہیں جنہیں نقل کرنے کا یہ موقع نہیں۔ تفسیر میں حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ نے آیتوں اور سورتوں کی نزولی ترتیب پر کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔ ❼ ابن ندیم نے فہرست میں اس ترتیب کی تفصیل دی ہے۔ ❽

---

❶ ابن اثیر ج۔۳ ص۱۶۰۔ ❷ ابن سعد ج۳ ص۱۸۔ ❸ تہذیب الاسماء نووی ص۳۴۵۔
❹ تہذیب الاسماء نووی ص۳۴۶۔ ❺ یہ روایت صحاح کی ہے گو بعض محدثین اسے ضعیف مانتے ہیں۔
❻ ابن سعد ج۲ ق۔۲ ص۱۰۱۔ ❼ ابن سعد ج۳ ق۲ ص۱۰۱۔ ❽ فہرست ابن ندیم۔

آپ کو ذات نبوی ﷺ کے ساتھ گونا گوں خصوصیات کی بنا پر سماع حدیث کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ پھر وصال نبوی ﷺ کے بعد ۳۰ سال تک تعلیم وارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے اس لیے حفظ حدیث اور روایت حدیث دونوں لحاظ سے آپ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہایت ممتاز تھے۔ آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے۔ گو کثیر الروایہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرویات کے مقابلہ میں یہ تعداد کم ہے' لیکن یہ آپ کی احتیاط کا نتیجہ ہے۔ آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جن بزرگوں نے احادیث نبوی قلمبند کیں' ان میں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے' چنانچہ آپ نے فقہی احکام کی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا نام صحیفہ تھا۔ [1]

کلام اللہ اور احادیث نبوی ﷺ میں وسعت علم کے ساتھ آپ میں اسی درجہ کی ذہانت' طباعی' دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی تھی۔ آپ کی ذہانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ اصول و کلیات سے فروعی اور جزوی احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا۔ اس لیے فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا اور جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم فقہی مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ سے سوالات کرنا اور مشکل مسائل میں آپ کے فتویٰ اور اقوال کی طرف رجوع کرنا مشہور واقعات ہیں۔ [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو خود مجتہد اور امام فقہ تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرتے تھے۔ آپ کے حریف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ غرض آپ کی ذات فقہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مرجع تھی۔ فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کے فتویٰ پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے' آپ کے فیض یافتہ تھے۔

فقہی کمال کا ایک اور پہلو قضا یعنی فصل مقدمات ہے۔ اس میں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کا کوئی مقابل نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کو "اقضاهم علی" (صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے قاضی علی ہیں) کی سند عطا فرمائی تھی اور قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے' چنانچہ اہل یمن کے قبول اسلام کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا اور رخصت کرتے وقت فصل مقدمات کے متعلق اصول تلقین فرمائے۔ [3]

فرائض یعنی تقسیم میراث کے فن میں آپ مدینہ کے ممتاز علما میں تھے۔

شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اہم مقدمات میں آپ کا مشورہ شریک ہوتا تھا۔ آپ کی اصابت

---

[1] بخاری کتاب العلم۔ [2] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۴۶۔ [3] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۹۔

رائے سے قضا میں بڑی مدد ملتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک پاگل زانیہ پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روک دیا کہ مجنون حد شرعی سے مستثنیٰ ہے۔ [1] مختلف قسم کے مقدمات میں آپ کے فیصلے کتابوں میں محفوظ ہیں' جن سے آپ کی ذہانت طباعی اور انتقال ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے۔ تصوف کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ صوفیہ کے تمام بڑے بڑے سلاسل حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے آپ ہی پر منتہی ہوتے ہیں' گو محدثین کے نزدیک حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لقا ثابت نہیں ہے' لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو قاطبۂ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نسبت ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے۔ لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ اہل تصوف کی تائید کی ہے''۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فیض پایا تھا'' [2] خلافت سے پہلے آپ کو تصوف میں بہت انہماک تھا' پھر خلافت کے بعد اس کی مصروفیتوں کی وجہ سے اس فن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ ملا'' [3]

آپ فصحائے عرب میں تھے' آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں۔ شریف رضی نے نہج البلاغت کے نام سے آپ کے خطبات جمع کیے ہیں' گو ان سب کا انتساب آپ کی جانب صحیح نہیں ہے' تاہم ان میں بہت سے آپ کے خطبات ہیں۔ ان کے علاوہ طبری' اخبار الطوال' مسعودی اور یعقوبی وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بہت سے خطبات محفوظ ہیں' جو عربی ادب کے نصاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گو اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے' چنانچہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین لکھتے تھے' ان میں ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔ آپ کے خطوط اور تحریریں ادب و انشاء کا دلکش نمونہ ہیں۔

شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ ایک پورا دیوان آپ کی جانب منسوب ہے جو عام طور سے بازاروں میں ملتا ہے' لیکن وہ شاعری کے لحاظ سے اتنا پست ہے کہ کسی عربی شاعر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا' چہ جائیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لیکن اس حد تک صحیح ہے کہ آپ کو

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۹۔ [2] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۸ و ۳۱۔ [3] ازالۃ الخفاء ص ۲۷۴۔

شاعری سے ذوق تھا۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کی زبان سے بعض اشعار منقول ہیں' چنانچہ معرکہ خیبر کا رجز بخاری میں ہے۔ [1] مستدرک نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مرثیہ کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ [2] ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کے چند اشعار لکھے ہیں۔ [3] فن نحو کی بنیاد آپ ہی نے رکھی۔ سب سے اول اپنے اصحاب میں سے ایک شخص ابوالاسود دؤلی کو چند اصول تلقین فرمائے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کسی عجمی کو کلام مجید غلط پڑھتے سنا تو اس کی تصحیح کے لیے نحو کی ضرورت محسوس ہوئی' چنانچہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں نحو کے چند موٹے موٹے قواعد مرتب کیے۔ [4] غرض آپ کو مذہبی علوم اور اس عہد کے تمام مروجہ فنون میں کمال حاصل تھا۔

سیرۃ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فطرتاً سلیم تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش میں تربیت پائی تھی' اس لیے آپ کی ذات خلق نبوی کا پیکر اور تعلیمات اسلامی کی تصویر تھی۔

زہد

آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں زہد وتقویٰ ہے۔ آپ کی پوری زندگی اس طرح زہد وورع میں ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کر کے دکھانا مشکل ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا۔ زہد کے بارہ میں آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا مردار ہے۔ جو اسے حاصل کرنا چاہے اسے کتوں کی صحبت کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ [5]

آپ پر غربت اور امارت کے مختلف دور گزرے' لیکن کسی دور میں مزخرفات دنیاوی کی جانب آنکھ نہیں اٹھائی۔ ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی آپ کو عیش وراحت کے سامان میسر آ گئے تھے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں آپ کی آمدنی اتنی ہوگئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوٰۃ ہوتی تھی' لیکن اس زمانہ میں بھی فاقوں کی نوبت آ جاتی تھی۔ [6]

معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ [7] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھیں' اس پر تا عمر کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ آپ کے ساز وسامان میں ایک مینڈھے

---

[1] بخاری غزوۂ خیبر۔ [2] مستدرک حاکم ج۔۳' ص۱۶۳۔ [3] کتاب العمدہ ابن رشیق ص۱۴۔
[4] فہرست ابن ندیم ص۶۰۔ [5] نووی ج۔۱' ص۳۴۶۔ [6] مسند احمد بن حنبل ج۔۱' ص۱۲۵۔
[7] تہذیب الاسماء ص۳۴۶۔

کی کھال تھی، جو بستر کا کام دیتی تھی۔ ❶ اوراوڑھنے کے لیے ایک مختصری چادر تھی کہ اگر سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا تھا اور پاؤں ڈھانکتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا۔ ❷ کوئی ملازم نہ تھا' گھر کا سارا کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے۔ کئی کئی دن تک گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔ ایک مرتبہ کئی فاقوں کی نوبت آ گئی۔ بھوک کی حالت میں مزدوری کی تلاش میں نکلے اور اطراف مدینہ میں ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں۔ ❸ ایک مرتبہ گھر میں کچھ نہ تھا' اپنی تلوار بیچ کر خورد ونوش کا سامان کیا۔ ❹

عبادت وریاضت

عبادت وریاضت آپ کا مشغلہ تھا۔ زبیر بن سعید قریشی کا بیان ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی عبادت گزار نہ تھا۔ ❺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ (علی رضی اللہ عنہ) قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ ❻ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کلام اللہ کی اس آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ [۴۸/الفتح:۲۹] الآیتہ میں ﴿رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ❼ آپ کی عبادت وریاضت کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ

انفاق فی سبیل اللہ آپ کا امتیازی وصف تھا۔ چالیس ہزار سالانہ زکوٰۃ کے بقدر آمدنی رکھنے کے باوجود پرعسرت زندگی آپ کے انفاق ہی کا نتیجہ تھی۔ آپ کے در سے کبھی کوئی سائل ناکام واپس نہیں گیا۔ قوت لایموت تک سائلوں کو دے دیتے تھے اور خود فاقہ سے سو رہتے تھے۔ کلام اللہ کی یہ آیت ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ [۷۶/الدھر:۸] اسی قسم کے ایک واقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ ❽

امانت ودیانت

آپ امین امت تھے' جس دیانت کے ساتھ آپ مسلمانوں کی امانت بیت المال کی حفاظت کرتے تھے' اس کے بعض واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ ہر طرح کی تکلیفیں اٹھاتے تھے' لیکن اپنے حق

---

❶ کنز العمال ج۶' ص۴۰۹۔ ❷ ازالۃ الخفاء تذکرہ علی رضی اللہ عنہ۔ ❸ مسند احمد بن حنبل ج۔۱' ص۱۲۵۔
❹ کنز العمال ص۴۰۹۔ ❺ مستدرک ج۔۳' ص۱۰۸۔ ❻ ترمذی کتاب المناقب علی رضی اللہ عنہ۔
❼ تفسیر فتح البیان ج۹ ص۴۸۔ ❽ ابن جریر تفسیر آیت مذکور۔

سے زیادہ ایک حبہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ تیز سردی میں ایک معمولی پرانی چادر اوڑھے تھے۔ بدن کانپ رہا تھا۔ ایک شخص نے عرض کیا امیر المؤمنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حق ہے۔ آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں' فرمایا میں تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا' اگر میں اپنے حصہ سے زیادہ لوں تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوگی یہ چادر میں مدینہ سے لایا تھا۔ [1] آپ کی یہ تکلیفیں دیکھ کر ایک مرتبہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال کے مال سے آپ کے لیے سونے چاندی کے کچھ برتن علیحدہ کر لیے اور آپ سے عرض کیا کہ بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حق ہے' لیکن آپ کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔ اس لیے میں نے آپ کے لیے ایک چیز چھپالی ہے۔ فرمایا وہ کیا؟ قنبر نے عرض کیا چل کر ملاحظہ فرمالیجئے۔ آپ نے جا کر دیکھا تو سونے اور چاندی کے برتن تھے۔ انہیں دیکھ کر فرمایا' تیری ماں تجھ کو روئے' تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا اور اسی وقت کل برتن تول تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ [2] اس قبیل کے بہت سے واقعات ہیں۔

شجاعت

شجاعت وشہامت آپ کا خاص وصف تھا' غزوات میں آپ کی شجاعت کے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔ آپ کی زندگی شروع سے آخر تک شجاعانہ کارناموں سے معمور ہے۔ اس لیے واقعات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

سادگی

آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ جاہ وحشم کا کیا ذکر' تکلف کا معمولی شائبہ تک نہ تھا۔ اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے' حتیٰ کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے تھے۔ زمانہ خلافت میں تنہا بازاروں میں گھومتے پھرتے' بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے' کمزوروں اور ناتوانوں کی مدد کرتے اور تاجروں اور دکانداروں کو یہ آیت ﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ﴾ [۲۸/القصص:۸۳] سنا کر فرماتے کہ یہ آیت عادل' متواضع اور صاحب قدرت والوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ [3]

لباس وغذا

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص ۱۵۹۔ [2] کنز العمال ج۔۶' ص ۴۹۔ [3] کنز العمال ج۔۶' ص ۴۹۔

غذا بہت معمولی اور لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن زریر نامی ایک شخص آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ کھانا بہت سادہ اور معمولی تھا۔ ابن زریر نے عرض کیا امیر المؤمنین آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہیں ہے؟ فرمایا خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال سے صرف دو پیالیوں کا حق ہے۔ ایک خود کھائے اور ایک اپنے اہل وعیال کو کھلائے اور باقی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے سامنے پیش کرے۔ ❶ نفیس غذاؤں سے احتراز فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا۔ فرمایا کتنا خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے' لیکن میں نفس کو ایسی غذاؤں کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا' جس کا وہ عادی نہیں ہے۔ ❷

سیرۃ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ایک جامع تبصرہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک حاشیہ نشین ضرار صدائی نے آپ کے حسب ذیل اوصاف بیان کیے تھے' جو آپ کی سیرت پر ایک جامع تبصرہ ہے۔ ''وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے' فیصلہ کن بات کہتے تھے' عادلانہ فیصلہ کرتے تھے' ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا اور حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے وحشت کرتے تھے۔ رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے انس رکھتے تھے۔ عبرت پذیر اور بہت غور وفکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے۔ ہم میں ہم ہی لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اس کا جواب دیتے تھے' باوجود یکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے' لیکن ہم ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ وہ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے۔ غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ ان کے سامنے طاقتور باطل میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا تھا۔ بعض مواقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رات گزر رہی ہے' ستارے جھلملا رہے ہیں' وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کہہ رہے ہیں۔ ''اے دنیا! کسی اور کو فریب دے' تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے؟ میری مشتاق ہے؟ افسوس! افسوس! میں نے تجھے تین طلاقیں دیں' تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے' ہائے ہائے سفر طویل' راستہ وحشت ناک اور زاد سفر تھوڑا ہے۔'' ❸ یہ اوصاف سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رو دیئے اور کہا اللہ ابوالحسن (علی رضی اللہ عنہ) پر رحم کرے' واللہ! وہ ایسے ہی تھے۔

---

❶ مسند احمد بن حنبل ج۔۱' ص ۷۸۔ ❷ کنز العمال ص ۶۱۰۔
❸ روضۃ النظرہ ج۔۲' ص ۲۱۲۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

(۴۰ھ تا ۴۱ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۶۶۲ء)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین ہوئے۔

ترجمہ حسن رضی اللہ عنہ

حسن نام' ابو محمد کنیت' ریحانۃ النبی لقب' حضرت حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اولادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی تھیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ ان میں بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے خاص انس و تعلق تھا اور ان کی بڑی ناز برداری فرماتے تھے۔ حسن رضی اللہ عنہ صورتاً نانا سے بہت مشابہ تھے۔ آٹھ سال تک نانا کے دامن محبت میں پرورش پائی۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد کسی میدان میں آپ کا قدم پیچھے نہ رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدافعت میں زخمی ہوئے' جنگ جمل و صفین میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے۔

خلافت

اوپر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات میں گزر چکا ہے کہ دم آخر آپ سے لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے بارہ میں پوچھا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ ''میں نہ حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں' تم لوگ اسے زیادہ بہتر سمجھتے ہو'' گو آپ نے جمہور مسلمانوں کے حق انتخاب کا لحاظ کر کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نامزد نہیں فرمایا اور جانشینی کے مسئلہ کو عام مسلمانوں پر چھوڑ دیا' لیکن اوصاف و کمالات کے لحاظ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے خلف الصدق تھے۔ اس لیے وابستگان دامن مرتضوی کی نظر اور کسی جانب نہیں اٹھ سکتی تھی' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی اور تمام شرائط پر حاوی ہے۔ [1] قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد تمام

---

[1] طبری ج۔ ۷' ص ۲۔

اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

پہلی تقریر

تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ نے خطبہ دیا:

''لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائیوں میں اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے۔ وہ کسی جنگ میں ناکام نہ لوٹا۔ میکائیل و جبرائیل علیہما السلام چپ وراست اس کے جلو میں ہوتے تھے۔ اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے' سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا۔ یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لیے جمع کیے تھے''۔ [1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جارحانہ اقدام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام کے دل میں عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی۔ اس لیے انہوں نے جنگ بھی کی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بڑے نرم خو' متحمل مزاج' صلح جو اور امن پسند تھے۔ جنگ و جدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا اندازہ تھا' اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کو اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع ملا' چنانچہ انہوں نے فوراً عراق پر فوج کشی کر دی اور ان کا مقدمۃ الجیش عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں عین التمر سے ہوتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا۔ [2]

مقابلہ کے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روانگی اور عراقی فوج کی غداری

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ نے قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے آگے بھیج دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوئے۔ طبری کا بیان ہے کہ عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔ یہ خبر اڑتے ہی عراقی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور جس فرش پر آپ بیٹھے تھے اسے چھین لیا' فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ترجمہ علی رضی اللہ عنہ۔ [2] اخبار الطوال ص ۲۲۳۔

لیے آمادہ ہو گئے۔ [1]

دینوری کا بیان ہے کہ ساباط پہنچ کر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی کا اندازہ ہوا' اس لیے آپ وہیں رک گئے اور فوج کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی:

''لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا' اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں' جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہوں۔ میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اسے مسترد نہ کرو گے۔ جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو' وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے' جسے تم چاہتے ہو' میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور کمزوری دکھا رہے ہیں۔ اس لیے میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا''۔

یہ خیالات سن کر لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ خارجیوں کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی۔ اس نے کہا حسن (رضی اللہ عنہ) بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے۔ ان میں سے کچھ آدمیوں نے آپ کا مصلیٰ اور کپڑے چھین لیے۔ ان کا نرغہ دیکھ کر آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی۔ انہوں نے دوڑ کر خارجیوں کو ہٹا دیا اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے جو آپ کی تاک میں چھپا ہوا تھا' لپک کر حملہ کر دیا۔ آپ کی ران میں زخم آیا' خارجی کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں داخل ہو گئے اور زخم بھرنے تک یہاں ہی مقیم رہے۔

زخم اچھا ہونے کے بعد دوبارہ فوج کے مقابلہ کے لیے جو عبداللہ بن عامر کی ماتحتی میں مدائن کے قریب پڑی ہوئی تھی' نکلے۔ اس میدان میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی فوجیں لے کر انبار پہنچ گئے تھے۔ یہاں قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ پہلے ہی موجود تھے۔ اب گویا دو مورچے الگ الگ تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں۔ گو تاریخوں میں اس کی تصریح نہیں لیکن واقعات و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقی فوج میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مخفی اثر کام کر رہا تھا اور اس کا ایک حصہ ان کے فسوں کا شکار ہو چکا تھا' چنانچہ جب شامیوں کے مقابلہ کا موقع آیا عراقیوں نے غداری کا ثبوت دیا۔ ایک واقعہ اوپر گزر چکا ہے' دوسرا یہ ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آئے تو اس نے عراقی فوج میں اعلان کر دیا کہ میں جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ میری حیثیت تو معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور

[1] طبری ج۔ ۷' ص ۹۔

وہ خود انبار پہنچ چکے ہیں۔ ابو محمد (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) کو سلام کے بعد میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ اللہ کے لیے اپنے اور اپنی جماعت کے حال پر رحم کریں۔

یہ پیام سن کر عراقیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھا تو جنگ کا خیال ترک کر کے مدائن چلے گئے۔ آپ کے واپس آنے کے بعد عبیداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کر لیا۔ ❶

مصالحت اور دست برداری

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو فوج تھی، اس نے ہر موقع پر غداری کی، لیکن قیس بن سعد رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جمے ہوئے تھے اور ان کے ماتحت بارہ ہزار سپاہ کٹنے مرنے کے لیے تیار، ابو عریق کا بیان ہے کہ شامیوں کے لیے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا، جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر ہوئی تو شدت غم سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ جائے گی۔ ❷ آپ کی ہمراہی فوج کے علاوہ چالیس ہزار کوفی آپ کے ایک اشارے پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے۔ ❸ خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے، جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے ❹ لیکن جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا، آپ مسلمانوں کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آ رہی تھیں۔ ملک کا امن و امان اٹھ گیا تھا۔ اس لیے چند شرائط پر آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کے لیے آمادہ ہو گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی شرطیں لکھ کر بھیج دیں۔

شرائط صلح

مختلف تاریخوں میں شرائط کی دفعات و تفصیلات میں اختلاف ہے۔ دینوری کا بیان اس باب میں زیادہ مستند ہے اور قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق مصالحت کی دفعات یہ تھیں:

---

❶ یہ واقعات اخبار الطوال میں ص۔ ۲۳۰، ۲۳۲ سے ماخوذ ہیں۔

❷ استیعاب ج۔ ۱، ص۔ ۴۳ و مستدرک حاکم ج۔ ۳ ترجمہ حسن رضی اللہ عنہ۔

❸ ابن عساکر ج۔ ۲، ص ۲۱۹۔

❹ مستدرک حاکم ج۔ ۳، ص ۱۷۰۔

① کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے۔
② بلا استثنا سب کو امان دی جائے۔
③ اہل عراق کی بدزبانیوں کو انگیز کیا جائے۔
④ دارابجرہ کا پورا خراج حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔
⑤ امام حسین رضی اللہ عنہ کو دو لاکھ سالانہ دیئے جائیں۔
⑥ وظائف میں بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دی جائے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اس پر مہر کر کے اکابر شام کی شہادتیں لکھوا کر عبیداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔ [1] طبری نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ پہلی مستند روایت یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تین شرطیں پیش کیں:

① کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دے دیا جائے گا۔
② دارابجرہ کا خراج آپ کے لیے مخصوص کر دیا جائے گا۔
③ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس طرح برسر عام سب وشتم نہ کیا جائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کانوں تک پہنچے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں شرطیں منظور کر لیں۔ [2]

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو شرطیں لکھ کر بھیجی تھیں ان کے پہنچنے سے قبل ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سادہ کاغذ پر مہر کر کے آپ کے پاس بھیج دیا تھا کہ آپ جو شرطیں چاہیں لکھ دیں سب منظور کی جائیں گی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ کاغذ ملا تو آپ نے پہلی شرطوں کی دوگنی شرطیں لکھ بھیجیں لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں نہیں مانا اور دست برداری کے بعد کوئی شرط پوری نہیں کی' لیکن یہ بالکل غلط واقعہ ہے۔ تمام مؤرخین کا ایفائے عہد پر اتفاق ہے' بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرائط کے علاوہ وقتاً فوقتاً اور بھی سلوک کرتے رہتے تھے۔ بعض کتابوں میں ایک شرط یہ بھی ملتی ہے کہ ''امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے'' لیکن یہ محض گھڑی ہوئی ہے۔ طبری' یعقوبی' مسعودی' ابن اثیر' کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ آئندہ واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ روایت محض حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے زہر خورانی کے واقعہ کو جس کی تفصیل آئندہ آئے گی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر تھوپنے کے لیے گھڑی گئی ہے۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۱۔ [2] طبری ج ۷ ص ۴۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کئی برس پہلے ہوا تھا اور زہر کے اثر سے ہوا تھا۔ اگر یہ شرط مان لی جائے تو زہر خورانی کی نسبت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب قرین قیاس ہو جاتی ہے' لیکن اگر یہ شرط ہوئی ہوتی تو آئندہ کسی موقعہ پر جو بار ہا پیش آئے' کسی کی زبان سے سنی جاتی' لیکن کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے یہ دلیل تو دی کہ یہ طریقہ خلفائے راشدین کے طریقہ کے خلاف ہے' یا قیصر و کسریٰ کی سنت ہے لیکن یہ کسی نے نہیں کہا کہ تمہارے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ اس لیے اب ان کی اولاد کو ہونا چاہیے۔ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے استحقاق اور یزید کی مخالفت میں بہت سی دلیلیں دیں' لیکن کسی موقع پر اس شرط کا ذکر نہیں کیا' حالانکہ یزید کی مخالفت کی یہ بھی ایک دلیل ہو سکتی تھی' بہرحال اس شرط کی تاریخی اور عقلی حیثیت سے کوئی اصل نہیں۔

شرائط کی زبانی تصدیق

شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں تھے' صلح کی اطلاع دے کر انہیں مدائن واپس آنے کا حکم دیا۔ انہوں نے فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ اب صرف دو صورتیں ہیں' یا بغیر امام کے جنگ جاری رکھیں یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کر لیں۔ یہ فوج بڑی سرفروش تھی' لیکن اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم کے خلاف لڑنا مناسب نہ سمجھا اور جنگ روک کر قیس رضی اللہ عنہ مدائن چلے آئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کوفہ واپس ہو گئے۔ آپ کے کوفہ جانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں آ کر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کر دی۔ [1]

مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان

مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دست راست حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان کو مشورہ دیا کہ حسن رضی اللہ عنہ سے مجمع عام میں دستبرداری کا اعلان کرا دو تا کہ لوگ خود ان کی زبان سے سن لیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی خوشی سے دست بردار ہوئے ہیں اور ان کی جانب سے آئندہ کوئی خطرہ نہیں ہے اس لیے انہیں یہ پسند نہیں تھا' مگر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اصرار پر مجبور ہو کر انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے دست برداری کے

---

[1] اخبار الطوال ص۔ ۲۳۱' ۲۳۲۔

اعلان کی درخواست کی' آپ کو کیا عذر ہوسکتا تھا' آپ نے ان الفاظ میں اعلان فرمایا:

''امابعد! لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خونریزی کرائی' دانائیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ اور عجز میں سب سے بڑا عجز بداعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے۔ یا وہ اس کے واقعی حقدار ہیں یا میں ہوں' دونوں صورتوں میں محمد ﷺ کی امت کی اصلاح اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لیے اس سے دست بردار ہوتا ہوں پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' یہ خلافت تمہارے لیے چند روزہ سرمایہ ہے۔''

یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے بس کیجئے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا' تمہارا مقصد حاصل ہوگیا' تم یہی سنوانا چاہتے تھے۔ [1]

مدینہ کا قیام

اس خاتم الفتن دستبرداری کے بعد آپ کوفہ چھوڑ کر مدینۃ الرسول ﷺ لوٹ گئے اور تاعمر اپنے جدامجد کے جوار میں بسر کردی۔ آپ کی مدت خلافت چھ مہینے سے لے کر سات مہینہ تک ہے۔ آپ کی تخت نشینی کا زمانہ تو رمضان ۴۰ھ متعین ہے لیکن دستبرداری کے زمانہ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے' اس لحاظ سے آپ کی مدت خلافت چھ ماہ بنتی ہے۔

قیس بن سعد اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں مصالحت

قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے مخالف اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پرجوش حامیوں میں تھے۔ یہ عرب کے نامور مدبر تھے' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شروع سے ان کو ملانے کی کوشش میں تھے' مگر کامیاب نہ ہوئے' جب تک قیس مصر کے حاکم رہے اس وقت تک وہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زور نہ چل سکا۔ ان کے ہٹتے ہی مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ اس کی تفصیل اوپر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد قیس اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے وفادار رہے۔ عراقی فوج کی قیادت ان ہی کے ہاتھوں میں تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم سے مجبور ہوکر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن لوٹ تو آئے تھے' لیکن ان کی امارت کسی

---

[1] استیعاب واسد الغابہ ترجمہ حسن رضی اللہ عنہ۔

طرح تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ ایک جماعت بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے ان کے ساتھ ہوگئی تھی۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ملانے کی بڑی فکر تھی اور وہ ہر قیمت پر ان سے صلح کے خواہش مند تھے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا بھی کہ قیس سے مصالحت کی کوشش نہ کرو، بزور قوت ان کو مطیع بناؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آسانی کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے جب تک شامیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھینٹ نہ چڑھا دیں۔ جب تک ان سے لڑنا ناگزیر نہ ہو جائے گا' اس وقت میں ان سے نہ لڑوں گا۔ آخر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بھی مہر شدہ سادہ کاغذ بھیجا کہ وہ جو شرائط چاہیں لکھ دیں' سب منظور کیے جائیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دستبردار ہو ہی چکے تھے' قیس بے سہارا کب تک لڑتے' اس لیے آخر میں انہوں نے بھی چند شرائط پر صلح کر لی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی تمام شرطیں منظور کر لیں اور ان کی راہ میں کوئی کانٹا باقی نہ رہ گیا۔ [1]

مصلحت کے اثرات ونتائج

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے نتائج ملک وملت کے لیے بہت مفید ثابت ہوئے۔ مسلمانوں کی خونریزی کا سلسلہ جو مدتوں سے چلا آ رہا تھا' بند ہو گیا۔ ملک میں امن وسکون پیدا ہوا اور جو طاقت خانہ جنگی میں پارہ پارہ ہو رہی تھی' وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی اور بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح وترقی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس لیے اس سنہ کو ''عام الجماعۃ'' یعنی اتفاق و اتحاد کا سال کہتے ہیں۔ لیکن شیعیان علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بڑی سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ آپ کو مذل المؤمنین ''مسلمانوں کو رسوا کرنے والے'' مسود وجوہ المؤمنین ''مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے'' عار المسلمین ''ننگ مسلمین'' کے القابات سے یاد کرتے تھے۔ آپ نے نہایت صبر وسکون کے ساتھ ان تمام گستاخیوں کو برداشت کیا لیکن کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔

وفات

دستبرداری کے ۹ سال بعد ۵۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ سے دیا گیا تھا' لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ امیر کے مخالفین کا پروپیگنڈہ ہے۔ ہم نے سیرۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم کے چھٹے حصہ میں مفصل بحث کی ہے' لیکن اتنا صحیح ہے کہ

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۶۳۔

آپ کی وفات زہر سے ہوئی تھی۔ زہر نہایت قاتل تھا' اس لیے زہر کھاتے ہی صاحب فراش اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا' فرمایا نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ عرض کیا قتل کروں گا۔ فرمایا اگر میرا گمان صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ بہتر بدلہ لینے والا ہے اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔

آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی اجازت مانگ بھیجی۔ آپ نے نہایت مسرت سے مرحمت فرمائی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً پھر وصیت کر دی کہ میرے بعد دوبارہ اجازت لینا ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے دے دی ہو' اگر اس وقت بھی وہ اجازت دے دیں تو روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنا' مجھ کو خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے' اگر یہ صورت پیش آئے تو روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گورغریباں میں دفن کر دینا۔ [1] زہر کھانے کے تیسرے دن باختلاف روایت ۵۰ھ یا ۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔

جنازہ پر جھگڑا

وفات کے بعد وصیت کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت چاہی۔ آپ نے اسی فراخدلی سے مرحمت فرمائی' لیکن بنی امیہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا ''حسن کسی طرح روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن نہیں کیے جا سکتے۔ ان لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسن رضی اللہ عنہ کو دفن کرنا چاہتے ہیں' یہ نہیں ہو سکتا''۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بزور دفن کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریب تھا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور چلائے کہ ''یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے روکا جاتا ہے''۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت یاد دلائی کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس یاددہانی پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ سعید بن العاص والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اقلیم صلح و مسالمت کے تاجدار اور حلم و بردباری کے پیکر کو اس کی ماں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ [2]

---

[1] استیعاب ج۔۱ ص۔۱۴۵ و مروج الذہب ج۔۳ ص۔۸۰۔

[2] استیعاب و اسد الغابہ ترجمہ حسن بن علیؓ۔

ماتم

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے خلق عظیم کی بنا پر اتنے محبوب و مقبول تھے کہ ان کی وفات پر سارے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ بازار بند ہو گئے' گلیوں میں سناٹا چھا گیا۔ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں فریاد و فغان کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ ''لوگو! آج خوب رولو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا۔'' [1]

جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اس کی مثال نہ ملتی تھی۔ ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو کثرت اژدہام سے زمین پر نہ گر سکتی تھی۔ [2]

حلیہ

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ صورت اور سیرت دونوں میں ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھے۔

ازواج و اولاد

آپ نے بکثرت شادیاں کیں۔ عام روایتوں کے مطابق تو آپ کی بیویوں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے' لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کے حبالہ عقد میں بہت سی عورتیں آئیں۔ ان سے آٹھ لڑکے تھے: حسن' زید' عمر' ابوبکر' قاسم' عبدالرحمٰن' طلحہ' عبیداللہ۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عظیم الشان کارنامہ

دنیا کے تمام حکمرانوں کے کارنامے حکومت کے استحکام' فتوحات کی وسعت اور فوجوں کی کثرت کے معیار سے جانچے جاتے ہیں۔ اس معیار کو ذرا اور اونچا اور موجودہ مذاق کے مطابق کر دیا جائے تو ملک و قوم کی اصلاح و ترقی اس کا پیمانہ ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ کوئی معیار نہیں' لیکن حسن رضی اللہ عنہ نے دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کیا۔ آپ نے نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی نہ ممالک فتح کیے' نہ فوج و خزانہ جمع کیا' بلکہ ان تمام چیزوں اور ایک ایسی عظیم الشان حکومت کو جس کا ایک سرا سندھ تھا اور دوسرا جبرالٹر' مسلمانوں کے خون سے بچنے اور امت کی صلاح و فلاح کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے تاریخ پیش کر سکتی ہے۔ حکومت کے بقا و تحفظ اور اس کی توسیع کے لیے تو دنیا کا ہر فرمانروا جنگ کرتا ہے بلکہ قصر حکومت کی تعمیر ہی جنگ کی ہولناکی اور انسانی خون سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج۔۲' ص ۳۰۱۔ [2] تہذیب الکمال ص ۸۹۔

ہوتی ہے۔ اپنی قوم کے چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لیے تخت حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات میں سے ہے۔

ظاہری حالات سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر حکومت چھوڑی۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ہوا خواہوں میں سے ہر شخص دست برداری کے خلاف تھا' چنانچہ جس وقت آپ نے دست برداری کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' خدارا معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی تصدیق کر کے والد کو قبر میں نہ جھٹلایئے۔ آپ نے فرمایا تم خاموش رہو' میں معاملات کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔ [1]

اس چند ہزار سپاہ کے سوا جس نے کسی مخفی اثر کے تحت غداری کی تھی، باقی سارا عراق آپ کے ساتھ تھا۔ عرب کے نامور مدبر قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ آپ کے مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے اور آخر تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ سے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے علاوہ چالیس ہزار آدمی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لیے تیار تھے۔ [2] بلکہ سارا عرب آپ کے ساتھ تھا اور صلح و جنگ میں آپ کے حکم کے تابع تھا۔ [3]

لیکن مسلمانوں کی پچھلی خونی تاریخ آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خونریزی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ کسی طرح بند ہونے میں نہ آتا تھا۔ مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی۔ ملک میں بدامنی بپا تھی۔ آپ نے دیکھا کہ تخت حکومت کی قیمت میں آپ کو بھی ہزاروں مسلمانوں کی جان ادا کرنا پڑے گی۔ یہ سودا آپ کے لیے بہت گراں تھا۔ آپ کے نزدیک مسلمانوں کا خون خلافت و حکومت سے زیادہ عزیز تھا' اس لیے امت کی بھلائی کے لیے آپ نے اس عظیم الشان منصب کو چھوڑ دیا۔

سب سے پہلی مرتبہ آپ نے جب اپنے عزیز خاص حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سے دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا سبب یہ بتایا کہ ''میں نے ایک رائے قائم کی ہے۔ امید ہے کہ تم بھی اس کی تائید کرو گے۔ ملک میں فتنہ و فساد برابر بڑھتا جاتا ہے' خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں' عزیز کو عزیز کا پاس نہیں' قطع رحم کی گرم بازاری ہے' راستے خطرناک ہو رہے ہیں' سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں' اس لیے میں خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ چلا جانا چاہتا ہوں۔'' [4]

ایک موقع پر جب کہ بعض لوگوں نے آپ کو خواہش خلافت سے متہم کیا تھا' آپ نے فرمایا

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص۱۶۱۔ [2] ابن عساکر ج۔۳' ص۲۱۹۔
[3] مستدرک ج۔۳' ص۱۷۰۔ [4] ابن عساکر ج۔۴' ص۔۲۲۱' ۲۲۲۔

''عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے' جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے' لیکن میں نے خالصتاً اللہ اور مسلمانوں کے خون سے بچنے کے لیے خلافت چھوڑ دی'' [1] جو لوگ اس دست برداری کے خلاف تھے' وہ طرح طرح کے خطابات سے آپ کو یاد کرتے۔ مذل المؤمنین یعنی مسلمانوں کو رسوا کرنے والے' آپ کا لقب ہو گیا تھا۔ آپ جواب میں فرماتے ''میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا' البتہ ملک کی ہوس میں مسلمانوں کی خونریزی پسند نہیں کی''۔ [2]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں'' چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور وہ سات مہینہ حجاز' یمن' عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلہ کے لیے اٹھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی نکلے' جب دونوں کا سامنا ہوا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس کا اندازہ ہوا کہ جب تک مسلمانوں کی بڑی تعداد کام نہ آ جائے گی اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے' اس لیے چند شرائط پر وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کی تصدیق ہو گئی کہ میرا یہ لڑکا سردار ہے' اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائے گا۔ [3]

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا شروع ہی سے جنگ کا ارادہ نہ تھا۔ طبری کا بیان ہے کہ آپ کا ارادہ جنگ کا تھا ہی نہیں بلکہ شروع سے آپ نے قصد کر لیا تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنا گزارہ مقرر کرا کے ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جائیں گے۔ [4]

فضل و کمال

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے مجمع العلم کے فرزند تھے اور اسی گہوارہ علم میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ اس لیے آپ کو بھی اپنے اسلاف کی علمی وراثت سے حصہ ملا تھا۔

حدیث میں آپ کی روایات کی تعداد کل تیرہ ہے' جن میں سے اکثر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ آپ کے زمرۂ رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی ہے' فقہ میں آپ کو اتنا درک تھا کہ مدینہ کی صاحب علم و افتا جماعت کے ایک رکن تھے [5] خطابت میں آپ کو کوئی امتیازی کمال حاصل نہ تھا۔ آپ کی طبیعت کی مناسبت سے آپ کے خطبات' متانت' سنجیدگی اور پندو

---

[1] مستدرک حاکم ج۔۳' ص۔۷۰۔ [2] استیعاب و مستدرک' تذکرہ حسن رضی اللہ عنہ۔
[3] تہذیب الاسماء ج۔۱' ص۔۱۵۹۔ [4] طبری ج۔۷' ص۔۱۔ [5] اعلام الموقعین ج۔۱' ص۔۱۲۔

موعظت کی کتاب ہوتے تھے' جس کے بعض نمونے اوپر گزر چکے ہیں۔ شاعری سے ذوق تھا۔ ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

فضائل اخلاق

مکارم اخلاق میں آپ خلق رسول ﷺ کا نمونہ تھے۔

استغنا و بے نیازی

آپ کے فضائل اخلاق میں استغنا و بے نیازی سرفہرست ہے۔ خلافت جیسے جلیل القدر منصب سے دست بردار ہو کر استغنا و بے نیازی کا جو بلند نمونہ آپ نے پیش کیا وہ تاریخ میں بے مثال ہے۔

حلم

آپ کا دوسرا امتیازی وصف ضبط و تحمل ہے۔ آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی۔ انتہائی غصہ کی حالت میں بھی کسی کے متعلق "رَغِمَ اَنْفُهٗ" (اس کی ناک خاک آلود ہو) سے زیادہ کچھ نہ کہتے۔ [1] دست برداری کے بعد مخالفین آپ کے رو در رو مسلمانوں کے رسوا کرنے والے اور ننگ مسلمین کہتے تھے۔ آپ صرف اس قدر جواب دیتے کہ میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا' البتہ حکومت کے لیے ان کی خون ریزی پسند نہیں کی۔

مروان برسر عام منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتا تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سن کر پی جاتے تھے اور کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ [2] ایک مرتبہ دونوں میں گفتگو ہو رہی تھی' مروان نے آپ کی شان میں نہایت درشت کلمات استعمال کیے۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے۔ [3] آپ کے اس ضبط و تحمل کا مروان جیسے شخص پر بھی اتنا اثر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد روتا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا' اب روتے ہو؟ ان کی زندگی میں تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا؟ مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا' میں نے جو کچھ کیا' اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا۔ [4]

عبادت

اللہ کی عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کیے۔ اس نے آپ کے یہ معمولات بتائے۔ "فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک

---

[1] یعقوبی ج۔۲' ص۲۶۹۔ [2] تاریخ الخفاء ص۱۸۹۔
[3] تاریخ الخلفاص۱۸۹۔ [4] ابن عساکر ج۔۴' ص۲۱۶۔

مصلّٰی پر رہتے ہیں۔ پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں۔ دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المؤمنین کے سلام کو جاتے ہیں اور گھر ہوتے ہوئے پھر مسجد آ جاتے ہیں۔'' [1] سواریوں کے ہوتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے' متعدد حج پاپیادہ کیے' فرماتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پاپیادہ نہ گیا ہوں۔ [2]

اصلاح عقائد

دین کی بنیاد عقائد کی صحت پر ہے۔ اسی زمانہ سے اہل بیت کی غلط محبت کے دعویداروں نے اہل بیت کے نام سے مذہب میں خرافات داخل کرنا شروع کر دیئے تھے۔ جب آپ کو اس قسم کے فاسد عقائد کی اطلاع ہوئی تو آپ اس کی تردید فرماتے تھے۔ شیعیان علی رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور قیامت سے پہلے وہ زندہ ہو جائیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ایسے لوگ ہرگز شیعہ نہیں ہو سکتے' اگر ہم کو اس کا یقین ہوتا کہ علی رضی اللہ عنہ عنقریب ظاہر ہوں گے تو ہم نہ ان کی میراث تقسیم کرتے اور نہ ان کی بیویوں کا عقد ثانی ہونے دیتے۔ [3]

فیاضی و سیر چشمی

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کا خاندانی وصف تھا۔ آپ بھی اپنی دولت اللہ کی راہ میں بڑی دریا دلی سے صرف کرتے تھے۔ عمر میں تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا آدھا اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا اور تنصیف میں اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی دے دیا۔ [4]

آپ کے دوست و دشمن دونوں آپ کی فیاضی سے یکساں متمتع ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک دشمن کے پاس زادِ راہ اور سواری نہ تھی' اس نے اہل مدینہ سے سوال کیا۔ لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا پتہ دیا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دونوں چیزوں کا انتظام کر دیا۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ اپنے اور اپنے والد کے دشمن کے ساتھ سلوک کرتے ہیں؟ فرمایا کیا ان سے اپنی آبرو نہ بچاؤں۔ [5] اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخوں میں ہیں۔

اہل حاجت کی حاجت برآری

---

[1] ابن عساکر ج۔۴' ص ۲۰۶۔ [2] تہذیب الاسماء ج۔۱' ص ۱۵۸۔
[3] طبقات ابن سعد تذکرہ علی بن حسینؓ۔ [4] اسد الغابہ ج۔۲' ص ۱۳۔ [5] ابن عساکر ج۔۴' ص ۲۱۴۔

حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کو نفل عبادت پر ترجیح دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے۔ ایک حاجت مند آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اعتکاف کے دائرہ سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کر دی' اور فرمایا میرے نزدیک کسی بھائی کی حاجت پوری کرنا ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ [1]



[1] ابن عساکر ج۔۴' ص ۲۱۴۔

تاریخِ اسلام



حصّہ دوم

تالیف

شاہ معین الدین احمد ندوی

مکتبہ اسلامیہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
بنی امیہ	335
خاندان بنی امیہ	335
معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان ۴۱ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۵۹ھ مطابق ۶۷۹ء	339
ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ	339
خلافت	340
شیعیان علی	341
شیعیان بنی امیہ	341
خارجی	341
خارجیوں کی شورش	341
زیاد بن ابی سفیان	343
بصرہ کی ولایت	343
کوفہ کی ولایت	344
حجر رضی اللہ عنہ بن عدی اور ان کے ساتھیوں کا قتل	344
بغاوتوں کا استیصال	346
فتوحات	346
سندھ کی فتوحات	347
ترکستان کی فتوحات	347
شمالی افریقہ کی فتوحات	348
رومیوں سے معرکے	349
قسطنطنیہ پر حملہ	349

مضامین	صفحہ نمبر
روڈس کی فتح	350
ارواڈ کی فتح	351
یزید کی ولی عہدی	351
علالت	354
وصیتیں اور وفات	355
ازواج واولاد	356
نظام خلافت اور امیر رضی اللہ عنہ کے کارنامے	356
امیر کے مشیر کار	356
صوبے اور ان کا نظام	356
بری فوج	357
بحری فوج	357
امیر البحر	357
جہاز سازی کے کارنامے	357
سرمائی اور گرمائی فوجیں	357
قلعوں کی تعمیر	358
منجنیق کا استعمال	358
پولیس کا صیغہ	358
ڈاک	359
دیوان خاتم	359
رفاہ عام کے کام	359
نہریں	359

مضامین	صفحہ نمبر
شہروں کی آبادی	360
اسلامی نوآبادیاں	360
مجاہدین کے بچوں کے وظائف	360
ذمیوں کے مال وجائیداد کی حفاظت	361
ذمہ دار عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر	361
مذہبی خدمات	361
اشاعت اسلام	361
حرم کی خدمت	362
مسجدوں کی تعمیر	362
امیر رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت اور بعض غلط روایات پر تبصرہ	362
اصول حکمرانی	363
قیام عدل اور رعایا کی دادرسی	364
بیت المال	365
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور غلط واقعات کی شہرت کے اسباب	365
فضل وکمال	367
تاریخ کی پہلی کتاب	367
سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ	367
خوف وخشیت الٰہی	368
دنیاوی ابتلا پر تاسف وپشیمانی	368
امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی خدمت	368
عام فیاضی	368
حلم	369
یزید (اول) بن معاویہ رضی اللہ عنہ ۶۰ھ مطابق ۶۸۰ء تا ۶۴ھ مطابق ۶۸۳ء	370

مضامین	صفحہ نمبر
خلافت	370
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بیعت کا مطالبہ	370
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سفر مکہ	371
اہل کوفہ کے دعوتی خطوط اور مسلم بن عقیل کا سفر کوفہ	371
عبیداللہ بن زیاد کی آمد	372
مسلم بن عقیل کی خفیہ کوششیں	373
ان کی گرفتاری اور قتل	373
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ سے روانگی	374
ابن زیاد کے انتظامات	376
حر بن یزید تمیمی کی آمد	376
خطبہ	377
کربلا میں ورود	377
پانی کے لیے کش مکش	378
شمر ذی الجوشن کی آمد	378
جنگ وشہادت	379
اہل بیت کا سفر شام اور یزید کا تاثر	380
یزید کے گھر میں ماتم	380
نقصان کی تلافی	381
اہل بیت کی واپسی اور یزید کا شریفانہ برتاؤ	381
حجاز میں مخالفت کا آغاز	381
عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا دعویٰ خلافت	

مضامین	صفحہ نمبر
اور حجاز میں انقلاب	383
واقعہ حرہ	383
ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ	384
ان کی ایک سیاسی غلطی	384
فتوحات	385
ترکستان کی فتوحات	385
افریقہ کی فتوحات	385
کسیلہ بن مکرم کی بغاوت اور افریقہ میں انقلاب	386
وفات	387
اولاد	387
معاویہ ثانی بن یزید ۶۴ھ مطابق ۶۸۵ء	388
تخت نشینی اور دست برداری	388
عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم ۶۴ھ مطابق ۶۸۵ء تا ۷۳ھ مطابق ۶۹۵ء	389
۶۴ھ مطابق ۶۸۵ء تا ۶۵ھ مطابق ۶۸۵ء	
ترجمہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	389
ترجمہ مروان بن حکم	389
ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت	390
ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی ایک سیاسی غلطی اور اس کا نتیجہ	391
شام میں مروان کی بیعت	392
مرج راہط کا فیصلہ کن معرکہ اور	

مضامین	صفحہ نمبر
شام پر مروان کا قبضہ	393
مصر پر قبضہ	393
ولی عہدی میں تغیر	394
وفات	394
عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ۶۵ھ مطابق ۶۸۶ء تا ۸۶ھ مطابق ۷۰۷ء	395
ترجمہ عبدالملک بن مروان	395
تخت نشینی	395
توابین کا خروج و خاتمہ	395
مختار بن ابی عبید ثقفی کا خروج اور عراق پر قبضہ	396
محمد بن حنفیہ کی قید اور رہائی	398
قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے انتقام	399
عربوں کی تحقیر اور ان سے جنگ	399
مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مختار کا مقابلہ	400
مختار کا خاتمہ	400
خارجیوں کا ہنگامہ	401
عبداللہ بن الحر جعفی کی مخالفت	402
عمرو بن سعید اموی کا قتل	403
شام پر رومیوں کا حملہ اور ان سے صلح	404
بصرہ پر عبدالملک کی فوج کشی اور مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کا خاتمہ	404
حرم کا محاصرہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا خاتمہ	405
نظام حکومت	407

مضامین	صفحہ نمبر
تعمیر کعبہ	407
فضل وکمال	408
فضائل اخلاق اور مذہبی زندگی	408
پابندی سنت	409
امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی خدمت	409
شجاعت وبہادری	409
جرأت وحق گوئی	409
مالی حالت	410
عبدالملک بن مروان کا خالص دور	411
۷۳ھ مطابق ۶۹۳ء تا ۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء	
خوارج کی انقلاب انگیز شورش	411
افریقی مقبوضات پر دوبارہ قبضہ	419
زہیر کی شہادت اور افریقہ میں	
دوبارہ انقلاب	420
افریقہ پر دوبارہ فوج کشی اور قبضہ	420
حسان کی شکست اور ملکہ دامیہ کا قبضہ	421
آخری فوج کشی اور افریقہ پر قبضہ	421
رتبیل کی بغاوت اور پہلی فوج کشی	422
دوسری فوج کشی اور شکست	423
تیسری فوج کشی اور کامیابی	423
ابن اشعث کی بغاوت اور	
عراق میں انقلاب	424
بصرہ پر ابن اشعث کا قبضہ	424
ابن اشعث کی پہلی شکست	425
کوفہ پر قبضہ	425
ابن اشعث کی شکست اور عراق پر	

مضامین	صفحہ نمبر
حجاج کا قبضہ	426
ابن اشعث کی گرفتاری اور قتل	427
ولی عہدی	427
علالت ووفات	428
اولاد	428
کارنامے	428
اسلامی سکہ	433
عربی زبان کا دفتری زبان بنانا	433
خانہ کعبہ میں ترمیم	434
مذہبی خدمات	434
رفاہ عام کے کام	434
شہروں کی آبادی	434
ذاتی حالات	435
ولید اول بن عبدالملک	437
۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء تا ۹۶ھ مطابق ۷۱۳ء	
قتیبہ بن مسلم کی فتوحات ترکستان وچین	437
سمرقند کی فتح	441
چین پر فوج کشی اور خاقان کی اطاعت	443
محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ	443
طارق بن زیاد کی فتوحات اندلس	452
قرطبہ پر قبضہ	456
تدمیر کی صلح	457
پایہ تخت طلیطلہ پر قبضہ	457
مدینۃ المائدہ	458
موسیٰ بن نصیر کا ورود اندلس	458
قرمونہ پر قبضہ	459

www.KitaboSunnat.com

مضامین	صفحہ نمبر
اشبیلیہ کی فتح	459
ماردہ کا معرکہ اور اس کی تسخیر	459
اشبیلیہ کی بغاوت	460
طارق اور موسیٰ کی ملاقات	
اور شمالی اندلس کی فتوحات	461
شمال مشرقی اندلس کی فتح	461
اہل فرانس سے مقابلہ	461
مغربی صوبوں کی فتوحات	462
موسیٰ کی واپسی	462
مال غنیمت کی فراوانی	463
خاندان شاہی کے ساتھ حسن سلوک	463
مسلمہ بن عبدالملک اور عباس بن ولید	
کی فتوحات شام	464
بحر روم کے جزائر پر حملہ اور فتوحات	465
متفرق فتوحات	465
ملک کی اندرونی حالت	465
حجاج کی وفات	466
ولید کی وفات	466
اولاد	466
ولیدی عہد پر تبصرہ	466
فتوحات پر تبصرہ	466
اسپین کی عام حالت	467
مسلمانوں سے پہلے حکومت کی حالت	467
دربار شاہی میں تعیش کا دور	467
مذہبی پیشواؤں کی حالت	468
کسان، مزدوروں، غلاموں اور رعایا	
کے دوسرے طبقوں کی حالت اور	

مضامین	صفحہ نمبر
اسلامی دور سے اس کا موازنہ	468
یہودیوں کی حالت	469
فوجی نظام میں وسعت و ترقی	471
جہاز سازی کے کارخانے	471
رفاہ عام کے کام	471
سڑکوں کی تعمیر	472
نہروں اور کنوؤں کی تعمیر	472
مہمان خانے	472
شفاخانے	472
معذوروں کی کفالت کا انتظام	472
یتیموں کی پرورش و پرداخت	472
بازار کے نرخ کی نگرانی	472
روزہ داروں کے لیے کھانا	473
علمی و تعلیمی خدمات	473
تعمیرات	473
مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر	473
جامع دمشق کی تعمیر	474
دوسری مسجدیں	476
روضہ نبوی ﷺ کی مرمت	476
ایک ناگوار واقعہ	476
ذاتی حالات	477
مذہبی زندگی	477
بھائیوں کے ساتھ سلوک	477
سخت گیری	477
سلیمان بن عبدالملک	
۹۶ھ مطابق ۷۱۴ء تا ۹۹ھ مطابق ۷۱۷ء	478

مضامین	صفحہ نمبر
قتیبہ بن مسلم کی بغاوت اور اس کا قتل	479
محمد بن قاسم کی گرفتاری اور قتل	480
موسیٰ بن نصیر پر عتاب	480
عبدالعزیز بن موسیٰ کا قتل	482
فتوحات	482
قسطنطنیہ پر حملہ اور ناکامی	484
علالت، ولی عہدی اور وفات	486
اولاد	488
سلیمانی دور پر تبصرہ	488
مذہبی اصلاحات	489
مکہ میں چشمہ کا اجرا	489
رملہ کی آبادی	489
قریش اور اہل مدینہ کے وظائف	489
سب سے بڑا کارنامہ	490
ذاتی حالات	490
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	
۹۹ھ مطابق ۷۱۷ء تا ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۹ء	491
خلافت	492
خلافت سے دستبرداری پر آمادگی	493
غصب شدہ مال اور جائیداد کی واپسی	494
فدک کا فیصلہ	495
خاندان بنوامیہ کی برہمی	496
بیت المال کی آمدنی اور اس کے مصارف کی اصلاح	497
بیت المال کی حفاظت کا انتظام	498

مضامین	صفحہ نمبر
مصارف میں اصلاح	499
رعایا کی خوشحالی	500
ظالم عہدیداروں کا تدارک اور مظالم کی اصلاح	500
ذمیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل	502
محاصل میں اضافہ	503
رفاہ عام کے کام	504
احیائے شریعت اور مذہبی خدمات	504
انسداد شراب نوشی	505
اخلاق کی اصلاح	505
ایک بری بدعت کا خاتمہ	506
اشاعت اسلام	507
فتوحات	508
خانہ جنگی اور خونریزی کا خاتمہ	508
علالت	509
یزید بن عبدالملک کو وصیت	509
اولاد کے متعلق ارشاد	510
وفات	511
ازواج و اولاد	511
حلیہ	511
مختصر تبصرہ	511
خلافت کو اسلامی بنانا چاہتے تھے	512
ملوکیت کے امتیازات کا استیصال	512
فضل و کمال	514
علما کی قدردانی اور ان سے مشورہ	514

مضامین	صفحہ نمبر
تعلیمی خدمات	514
ایک اہم دینی خدمت	515
مغازی اور مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم واشاعت	516
بعض یونانی تصانیف کی اشاعت	516
فضائل اخلاق	516
خشیت الٰہی	516
ذمہ داری کا احساس اور مؤاخذہ کا خوف	517
تقوی وتورع	517
تواضع ومساوات	519
زہد وورع	519
لباس	520
یزید بن عبدالملک	521
۱۰۱ھ مطابق ۷۱۹ء تا ۱۰۵ھ مطابق ۷۲۳ء	
یزید بن مہلب کی بغاوت اور اس کا خاتمہ	521
قصر باہلی پر ترکوں کا قبضہ	523
صغد پر مسلمانوں کا قبضہ	524
سعید بن ہبیرہ کا تقرر اور دوسرا معرکہ	524
کش اور نسف کی اطاعت	525
خزر پر حملہ	525
متفرق فتوحات	526
خوارج	526
ولی عہدی	527
وفات	527
اولاد	527

مضامین	صفحہ نمبر
عراق کا بندوبست	527
ہشام بن عبدالملک	528
۱۰۵ھ مطابق ۷۲۳ء تا ۱۲۵ھ مطابق ۷۴۳ء	
ترکستان کی مہمات	528
آرمینیہ اور آذربائیجان کا محاذ	533
ایشیائے کوچک کی فتوحات	536
سندھ کی مہمات	536
فرانس کو فتح کرنے کی کوشش	538
پہلی کوشش	538
دوسرا حملہ	538
تیسرا حملہ	539
چوتھا اہم حملہ اور ناکامی	540
آخری حملہ	542
شمالی افریقہ اور اس کے ماتحت علاقے	
اندلس وغیرہ کے حالات	543
سوس اقصی اور سوڈان پر حملہ	543
سردانیہ پر حملہ	544
صقلیہ پر حملہ	544
افریقہ میں بربر کی بغاوت	544
اندلس کے حالات	546
خوارج	549
زید بن علی کا خروج اور قتل	550
بنی عباس کی دعوت	551
وفات	552
ہشامی عہد پر تبصرہ	553
افتادہ زمینوں کی آبادی	554

مضامین	صفحہ نمبر
بیت المال کی اصلاح	554
دفاتر کی تنظیم	554
عدالت	554
شعبۂ فوج	555
شہروں کی آبادی	555
حوض اور تالاب کی تعمیر	555
ریشمی کپڑوں کی صنعت	555
مذہبی خدمات	555
رعایا کی اخلاقی نگہداشت	556
گھوڑوں کی پرورش و پرداخت و ترقی	556
علمی خدمات	556
اخلاق و سیرت	557
ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک	558
۱۲۵ھ مطابق ۷۴۳ء تا ۱۲۶ھ مطابق ۷۴۴ء	
یحییٰ بن زید کا خروج اور قتل	558
عباسی دعوت	559
ولید کی ناعاقبت اندیشی اور اس کے نتائج	559
یزید کی بیعت اور ولید کا قتل	560
بعض قابل ذکر اوصاف	560
گھوڑوں کا شوق	561
بعض غلط واقعات کی تنقید	561
نماز کا التزام	561
قرآن کی تلاوت	561
قتل	561
یزید ثالث بن ولید المعروف بہ یزید الناقص	562
۱۲۶ھ مطابق ۷۴۴ء	
یزید کی مخالفت	562
حمص میں بغاوت	563
فلسطین اور اردن کی بغاوت	563
مروان بن محمد کا جزیرہ پر قبضہ	564
وفات	564
ابراہیم بن ولید بن عبدالملک	565
۱۲۶ھ مطابق ۷۴۴ء تا ۱۲۷ھ مطابق ۷۴۵ء	
مروان بن محمد کی مخالفت	565
ابراہیم کی شکست	565
مروان ثانی بن محمد بن مروان المعلقب بہ حمار	567
۱۲۷ھ مطابق ۷۴۵ء تا ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۹ء	
شام کی بغاوت اور اس کا خاتمہ	567
عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کا خروج	568
خوارج	568
عباسی تحریک	571
ابومسلم خراسانی	571
عربوں کی خانہ جنگی	573
ابومسلم کی مداخلت	574
امام ابراہیم کی گرفتاری اور قتل	575
امام ابوالعباس بن عبداللہ کی جانشینی اور عباسیوں کا خروج	576

مضامین	صفحہ نمبر
عربوں میں مصالحت ابومسلم کی چالاکی سے دوبارہ اختلاف	577
خراسان پر ابومسلم کا قبضہ	578
علی بن کرمانی اور اس کے بھائی عثمان کا قتل	578
عراق عجم پر قبضہ	579
عراق پر قبضہ	579
ابوالعباس عبداللہ بن علی کی بیعت	580
مروان کی شکست اور اس کا قتل	580
بنی عباس کا انتقام اور بنی امیہ کا قتل عام	582
اموی حکومت کے زوال کے اسباب	582
پہلا سبب	582
دوسرا سبب	584
تیسرا سبب	584
چوتھا سبب	585
اموی دور کی علمی حالت	586
عہد جاہلیت کے علوم	587
شاعری	587
خطابت	588
انساب	588
تاریخ یا اخبار عرب	589
طب	589
نجوم	589
قیافہ شناسی	590
مختلف فنون	590
عہد رسالت کے علوم	590
خلافت راشدہ کے علوم	592
اموی دور کی علمی ترقی	596
شاعری	596
خطابت	597
کتابت وانشاء	597
تفسیر	597
قرأت	598
حدیث	598
فقہ	600
مغازی وسیرت	601
انساب	603
لغت	603
نحو	604
نظام تعلیم	604
کتب خانے	606

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ اسلام

حصہ دوم

بنی اُمیہ

خلافت راشدہ کے بعد خاندان بنی امیہ کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے قیام کے حالات اس کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکے ہیں۔ اس جلد میں اس حکومت کی تاریخ ہوگی۔

خاندان بنی امیہ

قبیلہ قریش کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں۔ (۱) بنی ہاشم (۲) بنی امیہ (۳) بنی نوفل (۴) بنی عبدالدار (۵) بنی اسد (۶) بنی تیم (۷) بنی مخزوم (۸) بنی عدی (۹) بنی جمح اور (۱۰) بنی سہم۔ یہ دسوں شاخیں نسبی اعزاز میں قریب قریب برابر تھیں' ان سب میں قریش کے نظام اجتماعی کا کوئی نہ کوئی عہدہ تھا۔ لیکن بنی ہاشم اور بنی امیہ دنیاوی وجاہت اور عظمت وشان میں ان سب میں ممتاز تھے۔ بنی ہاشم تولیت کعبہ کی وجہ سے سارے عرب میں معزز اور محترم سمجھے جاتے تھے اور بنوامیہ کو امارت اور کثرت تعداد کی بنا پر عظمت وشان حاصل تھی۔ ان دونوں شاخوں کی بنیاد عبدمناف سے پڑتی ہے۔ یہ قصی کی اولاد میں بڑے نامور تھے۔ ان کے متعدد اولادیں تھیں' جن میں ہاشم اور عبدشمس بڑے نامور تھے۔ انہیں سے یہ دونوں خاندان چلے۔ بنی امیہ کے مورث اعلیٰ امیہ عبدشمس کے لڑکے تھے' بنی عبدمناف کی عظمت انہی دونوں سے وابستہ تھی۔ ابتدا میں قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ بنی مخزوم میں تھا' لیکن عبدشمس کے زمانے سے یہ منصب بنی امیہ میں منتقل ہوگیا تھا اور پھر ان کی نسل میں ان کا سلسلہ چلا۔ عکاظ' فجار اول' فجار دوم اور ذات نکیف کی لڑائیوں میں جو زمانہ جاہلیت میں قریش اور دوسرے خاندانوں کے درمیان ہوئیں عبدشمس کے پوتے حرب بن امیہ سپہ سالار تھے۔ [1] حرب کے بعد ان کے لڑکے ابوسفیان اس عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ ظہور اسلام کے زمانہ میں یہی سپہ سالار تھے۔ قریش اور مسلمانوں کی پہلی جنگ بدر میں ابوسفیان قریش کے کاروان تجارت کے ساتھ گئے ہوئے تھے اس لیے

[1] عقد الفرید ج۔۲' ص ۳۱۔

ان کے بجائے عتبہ بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض انجام دیئے تھے۔ اس کے بعد احد اور غزوۂ احزاب وغیرہ میں ابوسفیان حسب معمول اس عہدہ پر تھے۔ ❶

ابوسفیان کی اسلام دشمنی کا ایک سبب ان کے عہدہ کی ذمہ داری بھی تھی' مسلمانوں کے علاوہ اگر کسی اور جماعت سے قریش کا مقابلہ ہوتا تو ان کے مقابلہ میں بھی ابوسفیان کی یہی سرگرمی ہوتی۔ قریش کے اور خانوادوں کی طرح بنی امیہ بھی تجارت پیشہ تھے۔ ان کا بڑا وسیع کاروبار تھا' مصر و شام تک ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ ہرقل فرمانروائے سعر کے نام جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کا خط لکھا تھا' اس زمانہ میں ابوسفیان تجارت کے سلسلہ میں سعر میں موجود تھے۔ چنانچہ ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے متعلق انہی سے تحقیقات کی تھیں۔ ❷

تجارت کے شغل کی وجہ سے بنی امیہ بڑے صاحب ثروت تھے اور ان کی ثروت قومی کاموں میں صرف ہوتی تھی۔ جنگ فجار کی صلح میں حرب بن امیہ نے مقتولین کی دیت اپنے پاس سے ادا کی تھی۔ اس میں انہیں اتنی زیر باری ہوئی کہ اپنے لڑکے ابوسفیان کو رہن رکھنا پڑا۔ ❸

دو ممتاز اور برابر کے خاندانوں کی طرح بنی امیہ اور بنی ہاشم میں بھی چشمک تھی' مگر ظہور اسلام سے قبل تک چونکہ دونوں کی دنیاوی وجاہت و اعزاز میں کوئی بڑا فرق نہ تھا' اس لیے یہ چشمک ہلکی تھی' لیکن جب اللہ نے بنی ہاشم کو نبوت کے شرف سے نوازا اور بنوامیہ کے مقابلہ میں ان کا پلہ بھاری ہو گیا تو بنی امیہ کی چشمک تیز ہو گئی اور چونکہ فوج کی سرداری بنی امیہ میں تھی اس لیے ان کی مخالفت زیادہ نمایاں ہوئی' ورنہ بنوامیہ کو بنی ہاشم یا آنحضرت ﷺ کے ساتھ کوئی خاندانی عناد نہ تھا' البتہ وہ عام سردارانِ قریش کی طرح اسلام اور مسلمان کے دشمن تھے۔ تاہم دونوں خاندانوں میں باہم جو قدیم رشتہ داریاں اور عزیزانہ تعلقات تھے' وہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں قائم رہے۔ خود آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابوالعاص ابن ربیع اموی سے بیاہی ہوئی تھیں۔ ❹ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں منسوب ہوئیں۔ خود ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سب سے بڑے مخالف تھے' لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ فتح مکہ کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے انہیں لے جا کر عفو تقصیر کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا بلکہ ابوسفیان کی حمایت میں' ان میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں جھڑپ بھی ہو گئی تھی۔ بنی امیہ میں

---

❶ تاریخ مکہ ازرقی ج۔ اول' ص ۶۶۔ ❷ بخاری کے مختلف ابواب میں اس کی پوری تفصیل ہے۔
❸ ابن اثیر ج۔ ۱' ص ۲۱۷۔ ❹ سیرت ابن ہشام ج ۲' ص ۲۷۶۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کی ساری دولت اسلام کے دور عسرت میں اس کی خدمت کے لیے وقف تھی' البتہ یہ ضرور ہے کہ بنی امیہ کے اکثر ارکان اسلام کے غلبہ تک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب کفار قریش کا زور ٹوٹا' اس وقت قریش کے اکثر خانوادوں کی طرح بنی امیہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو لے جا کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا' ان کے دماغ میں ریاست کی بو تھی اور فخر پسند آدمی تھے' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اعزاز بڑھانے کے لیے ان کے گھر کو دارالامن قرار دیا کہ جو شخص ان کے گھر میں چلا جائے وہ مامون ہے۔ [1] ان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی بنایا' ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی تالیف قلب کے لیے ان کو حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ عطا فرمائے۔ فتح مکہ کے بعد اموی خاندان کے ایک رکن عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا عامل مقرر کیا اور فرمایا: عتاب! تم کو معلوم ہے کن لوگوں کا میں نے تم کو عامل بنایا ہے؟ اہل اللہ کا' اگر مکہ والوں کے لیے تم سے زیادہ موزوں آدمی نظر آتا تو اس کو بناتا۔ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کے اعزاز کا خیال رکھا چنانچہ شام کی فوج کشی میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کو فوج کے ایک حصہ کا سردار بنایا۔ ان لوگوں نے بھی تلافی مافات کی پوری کوشش کی اور گذشتہ لغزشوں کا حق ادا کر دیا۔ شام کے جہاد میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ' وہ خود' ان کے دونوں بیٹے یزید و معاویہ رضی اللہ عنہ' ان کی بیوی ہند رضی اللہ عنہا تک شریک تھیں۔ وہ میدان جنگ میں مسلمانوں کو ابھارتی تھیں۔ [3] شام کی لڑائیوں میں آل ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بڑے کارنامے دکھائے۔

دمشق کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یزید رضی اللہ عنہ کو یہاں کا حاکم بنایا' چند ہی دنوں کے بعد عمواس کے تاریخی طاعون میں ان کا انتقال ہو گیا' تو ان کی جگہ ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں ان کو پورے صوبہ شام کا والی بنایا۔ ان دونوں زمانوں خصوصاً عہد عثمانی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے' اس کے حالات جلد اول میں گزر چکے ہیں۔

غرض بنی امیہ کا گھرانہ ہر دور میں نہایت ممتاز تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی' اس کی تفصیل اس کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکی ہے۔ اس کا اجمالی ذکر اس کتاب میں بھی آئے گا۔

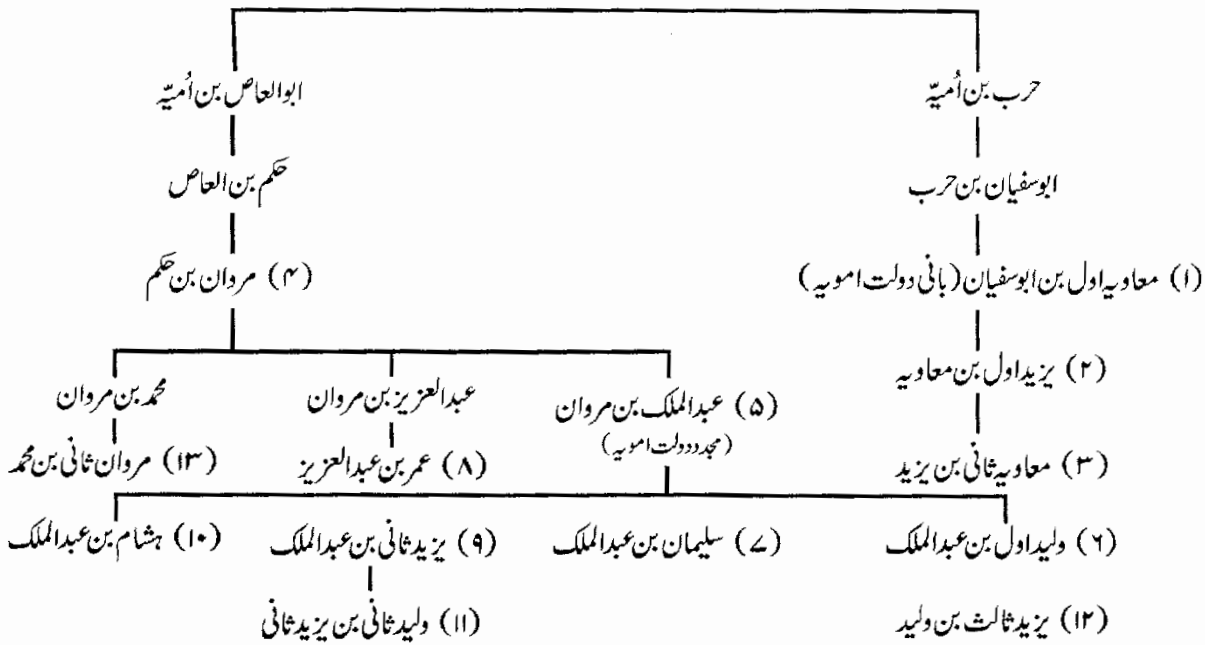
بنی امیہ کی حکومت قریب قریب ایک صدی تک رہی اور اس میں بارہ فرمانروا ہوئے۔

ذیل کے نقشہ سے ان کا شجرہ معلوم ہو گا۔

---

[1] بخاری کتاب المغازی ابواب فتح مکہ۔ [2] اسد الغابہ ج۔۳' ص ۳۵۸۔ [3] فتوح البلدان ص ۱۴۲۔

اُمیّہ بن عبدشمس بانی خاندان بنی اُمیّہ



معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (بانی دولت امویہ)

(۴۱ھ تا ۵۹ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۶۶۹ء)

ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ ان کا نسب پانچویں پشت عبدمناف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے' نسب نامہ یہ ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف اموی قریشی۔

ظہور اسلام کے زمانہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ سپہ سالاری کے عہدہ پر تھے۔ اس لیے کفار مکہ اور مسلمانوں کی لڑائیوں میں وہ پیش پیش رہتے تھے' لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام اس سلسلہ میں کہیں نظر نہیں آتا۔ غالباً اس کا سبب ان کی کمسنی تھی۔ فتح مکہ میں اپنے والد کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے' یہ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری زمانہ تھا' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو زیادہ صحبت وخدمت کا موقع نہ مل سکا' البتہ کتابت وحی کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقی سے ہوتا ہے۔ شام کی فوج کشی میں ان کا پورا گھر شریک تھا۔ ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوج کے ایک حصے کے افسر تھے' ان کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی کارنامے دکھانے کا موقع ملا اور بعض موقع پر انہوں نے فوج کی قیادت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ [1]

صیدا' عرقہ اور بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی مہم میں یزید کی ماتحتی میں مقدمۃ الجیش کی کمان معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھی' عرقہ تمام تر انہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ [2] ساحلی علاقہ کے بہت سے قلعے فتح کیے۔ قیساریہ کا معرکہ' جس میں اسی ہزار رومی مارے گئے تھے انہی نے سر کیا تھا۔ [3]

۱۸ھ میں جب ان کے بھائی یزید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا' اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا۔ [4] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں ان کو پورے شام کا والی بنادیا۔ اس دور میں انہوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے' جس کی تفصیل اس کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکی ہے' اس لیے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں' مختصر یہ کہ اپنے دور امارت

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳۔ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۳۔
[3] طبری ص ۲۳۹۷۔ [4] استیعاب ج۔۱ ص ۲۱۶۔

میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام کے تمام سرحدی علاقوں کو فتح کر کے اس کو رومیوں کے حملہ سے محفوظ کر دیا۔ طرابلس الشام انہی کے دور میں فتح ہوا' عموریہ پر فوج کشی ہوئی' ملطیہ پر قبضہ ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت سے بحری بیڑا قائم کر کے جزیرۂ قبرص فتح کیا۔ یہ بیڑا اس دور کے عظیم الشان بیڑوں میں تھا۔ پہلے رومیوں کے بحری حملوں کا مسلمانوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس بیڑے سے مسلمانوں کی بحری طاقت بھی مضبوط ہوگئی۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے خون کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہوا' دونوں میں مدتوں جنگ جاری رہی۔ آخر میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکم قرار پائے۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو معزول کر دیا' لیکن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو معزول کر دیا لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس نامنصفانہ فیصلہ کو نہ مانا اور پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے آمادہ ہوئے لیکن آپ کی فوج نے ساتھ نہ دیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے آزاد حکمران ہو گئے' اس کے بعد انہوں نے حضرت علی کے مقبوضات پر تاخت شروع کی جس کا سلسلہ دو سال تک جاری رہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام اور مغرب کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایران اور عراق وغیرہ مشرقی ملکوں کے حکمران رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے۔ ان کی تخت نشینی کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عراق پر فوج کشی کر دی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے نکلے' لیکن عراقیوں نے کمزوری دکھائی۔ حسن رضی اللہ عنہ بڑے نرم خو' حلیم و بردبار تھے' جنگ وجدال اور خونریزی سے ان کو طبعی نفرت تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ بغیر ہزاروں مسلمانوں کا خون بہے ان کی خلافت قائم نہیں رہ سکتی' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنا گزارہ مقرر کرا کے ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ ان سب کی تفصیل پہلے حصہ میں گزر چکی ہے۔

خلافت

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد ۴۱ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سارے عالم اسلام کے خلیفہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں تمام اندرونی اور بیرونی مخالف طاقتوں کا قلع قمع کیا۔ اسلامی حکومت کا رقبہ بڑھایا اور اس کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دی۔ ان کے زمانہ میں مسلمانوں میں تین

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۶۰۔

سیاسی پارٹیاں تھیں۔

شیعیان علی رضی اللہ عنہ

یہ خلافت کو صرف اہل بیت کا حق سمجھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف تھے' لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد ان کی ہمت پست ہو چکی تھی' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زیادہ تر خاموش رہے' اگر کہیں کسی معمولی سازش کا پتہ چلا تو فوراً اس کا تدارک ہو گیا۔ کوئی شورش و انقلاب کی صورت نہ پیدا ہونے پائی۔

شیعیان بنی امیہ

یہ گروہ بنی امیہ کا حامی تھا۔

خارجی

حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو گمراہ اور ان کے حامیوں کو مباح الدم سمجھتے تھے۔ یہ اپنے عقائد میں بڑے پختہ اور بڑے بہادر اور جانباز تھے۔

خارجیوں کی شورش

یہ تیسرا گروہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بڑے زور شور سے اٹھا اور ۴۱ھ میں ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل نے کوفہ کے قریب علم بغاوت بلند کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں۔ فروہ نے انہیں شکست دی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گمان تھا کہ اس میں اہل کوفہ کا بھی ہاتھ ہے اس لیے انہوں نے ان کو بھی لکھ بھیجا کہ ''اس کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔ اگر تم لوگ فروہ کو گرفتار کر کے حوالہ نہ کرو گے تو اس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا''۔ اس حکم پر اہل کوفہ نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس کی گرفتاری کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الحوساء کو سردار بنا لیا۔ کوفیوں نے اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد جوثرہ بن وداع نے اس کی جگہ لی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عوف کو مقابلہ کے لیے بھیجا' جوثرہ مارا گیا لیکن خارجیوں کی جانبازی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایک سردار مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ اس طرح ان کی شورش کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ خارجیوں کا زور دیکھ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو جو بڑے آزمودہ کار اور نامور مدبر تھے۔ خارجیوں کی طاقت توڑنے کے لیے کوفہ کا والی مقرر کیا۔ ان کے آنے کے بعد بھی کچھ دنوں تک خوارج کی

شورش قائم رہی اور شبیب بن بجرہ، معین بن عبداللہ، ابی مریم اور ابی لیلیٰ وغیرہ اٹھے لیکن مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک سال کے اندر ان کا زور توڑ دیا۔ کچھ دنوں تک امن رہا۔ ۴۳ھ میں ایک خارجی سردار مستورد بن علقمہ نے خفیہ سازش کی کہ یکم شوال ۴۳ھ کو جب لوگ نماز عید کے لیے جائیں تو دفعۃً حملہ کر دیا جائے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر مل گئی۔ انہوں نے فوراً اس کا تدارک کیا اور جس گھر میں یہ سازش ہو رہی تھی۔ اس کا محاصرہ کرا لیا۔ مستورد تو نکل گیا اور اس کی جماعت کے چند آدمی گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ طبعاً خون ریزی پسند نہ کرتے تھے اور آخری درجہ پر تلوار اٹھاتے تھے، چنانچہ انہوں نے اہل کوفہ کو جمع کر کے حسب ذیل تقریر کی۔

''لوگو! میں ہمیشہ تمہارے لیے عافیت پسند کرتا ہوں اور تکلیفوں اور مصیبتوں کو تم سے روکتا ہوں، مجھ کو خطرہ ہے کہ میرے اس طرز عمل سے احمق لوگ بدآموز نہ ہو جائیں۔ البتہ اچھے اور حلیم لوگوں سے اس کی امید نہیں ہے۔ اللہ کی قسم مجھے ڈر ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ، بھلے اور ناکردہ گناہ لوگوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں۔ اس سے پہلے کہ تم پر کوئی عام مصیبت آئے اپنے احمقوں کو روکو، مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ نفاق اور مخالفت کا بیج بو رہے ہیں۔ اللہ کی قسم وہ لوگ عرب کے جس قبیلہ سے ہوں گے میں ان کو ہلاک کر ڈالوں گا اور ان کو ان کے بعد والوں کے لیے عذاب کا نمونہ بناؤں گا'' [1]

ان کی اس تقریر پر ایک سردار معقل بن قیس نے کہا، آپ ایسے لوگوں کا ہم کو پتہ بتائیے اگر وہ ہماری جماعت سے ہیں تو آپ اطمینان رکھیں، ہم خود اس کا تدارک کر لیں گے اور اگر ہم میں سے نہیں ہیں تو ہم ان کے قبائل کو حکم دیں گے کہ وہ اپنے ناعاقبت اندیش لوگوں کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر کریں۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے ان لوگوں کا نام نہیں معلوم، معقل نے کہا تو پھر ہر قبیلہ کا سردار اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لے اور میں اپنے قبیلہ کا ذمہ لیتا ہوں۔ یہ تجویز معقول تھی، اس لیے مغیرہ رضی اللہ عنہ نے سرداران قبائل کو طلب کر کے ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے ذمہ دار ہو، ورنہ اس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا۔ اس دھمکی پر قبائل کے سرداروں نے اپنے اپنے قبیلہ کے ناعاقبت اندیش لوگوں کی روک تھام شروع کر دی۔ یہ صورت دیکھ کر مستورد اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر اپنے اتباع کے ساتھ نکل گیا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے مقابلہ کے لیے معقل کی ماتحتی میں فوجیں روانہ کیں۔ ان میں اور مستورد میں بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ ان سب میں خارجی غالب رہے اور آخر میں معقل اور

[1] ابن اثیر ج ۳، ص ۱۷۰۔

مستورد دونوں نے ایک دوسرے کا خاتمہ کر دیا۔ ان معرکوں میں خارجیوں کی بڑی تعداد کام آئی۔ مستورد کے قتل کے بعد بڑی حد تک خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا۔

زیاد بن ابی سفیان

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرب کے تمام نامور مدبروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ صرف زیاد جو ابوسفیان کا لڑکا کہا جاتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں رہ گیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سخت مخالف تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے فارس کا والی چلا آ رہا تھا۔ اس نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم نہ کی تھی' وہ اسے ہر طرح ملانے کی کوشش کر چکے تھے' مگر کامیاب نہ ہوئے تھے' آخر میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس کو حسن تدبیر سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا اور ۴۲ھ میں وہ ان کے پاس چلا آیا اور فارس کی آمدنی اور خرچ کا جو حساب و کتاب پیش کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے مان لیا اور اسے مغیرہ کی مدد کے لیے کوفہ بھیج دیا' پھر ۴۴ھ میں بعض شہادتوں کی بنا پر کہ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیت میں اس کی ماں کے ساتھ نکاح کیا تھا' اسے اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کر لیا۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ محض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پولیٹکل تدبیر تھی' ورنہ درحقیقت وہ ابوسفیان کا لڑکا نہ تھا' بہرحال زیاد کے ملنے سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک اور مدبر کی حمایت حاصل ہو گئی۔

بصرہ کی ولایت

عراق کا پورا خطہ شورش پسند واقع ہوا تھا۔ کوفہ کی حالت تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے درست کر لی تھی لیکن بصرہ کی حالت نہایت خراب تھی۔ یہاں کے والی عبداللہ بن عامر اتنے نرم خو اور حلیم الطبع تھے کہ مفسدوں پر بھی سختی نہ کرتے تھے' زیاد نے انہیں تلوار اٹھانے کا مشورہ دیا' انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے کو بگاڑ کر کسی کی اصلاح کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ کی حالت روز بروز بگڑتی گئی۔ اہل بصرہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہاں کی بدامنی اور ابن عامر کی کمزوری کی شکایت کی۔ انہوں نے ان کو معزول کر کے حارث بن عبداللہ ازدی کو ان کی جگہ مقرر کیا' لیکن بصرہ کی حالت درست کرنے کے لیے کسی سخت گیر والی کی ضرورت تھی' اس لیے چار مہینہ کے بعد ۴۵ھ میں زیاد کا تقرر ہوا۔ اس نے آنے کے ساتھ جامع بصرہ میں ایک شعلہ بار تقریر کی' یہ تقریر زور بیان اور شکوہ الفاظ کے اعتبار سے عربی زبان کی بہترین تقریروں میں شمار کی جاتی ہے اور تاریخوں میں خطبہ بتراء کے نام سے مشہور ہے' اس کے آخر میں اس نے کہا:

''میرے اور قوم کے درمیان جو کینہ تھا' وہ آج میں نے اپنے پیروں کے نیچے دبا دیا۔ میں کسی سے محض دشمنی کی بنا پر مواخذہ نہ کروں گا اور نہ کسی کی پردہ داری کروں گا' تا آنکہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب نہ ہو جائے' بے نقاب ہونے کے بعد بھی میں اس سے چشم پوشی کروں گا۔ تم میں سے جو محسن ہو اس کو اپنے احسان میں زیادتی کرنی چاہیے اور جو برا ہو اسے اپنی برائیوں سے باز آنا چاہیے' اللہ تم لوگوں پر رحم کرے' تم لوگ اطاعت و فرمانبرداری سے میری مدد کرو''۔ [1]

زبانی فہمائش کے ساتھ اس نے پولیس کا بڑا زبردست انتظام کیا' جو راتوں کو گشت لگا کر نگرانی کرتی تھی۔ لوگوں کو رات گئے گھر سے نکلنے کی ممانعت کر دی' مقررہ وقت کے بعد جو شخص باہر نظر آتا' وہ قتل کر دیا جاتا' اس سختی سے بصرہ کی حالت جلد درست ہو گئی۔

کوفہ کی ولایت

۵۰ھ میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اس کے انتقال کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی ولایت بھی زیاد سے متعلق کر دی۔ زیاد پہلا شخص ہے جو کوفہ اور بصرہ دونوں شہروں کا حاکم ہوا' چھ چھ مہینہ وہ ہر مقام پر رہتا تھا' کوفہ آنے کے بعد اس نے بصرہ کی طرح جامع کوفہ میں بھی اپنے آئندہ طرز عمل کے متعلق ایک تقریر کی۔ اہل کوفہ نے اس پر کنکریاں پھینکیں۔ اس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیئے اور چار چار آدمیوں کو بلوا کر ان سے قسم لے کر پوچھتا کہ کس نے کنکریاں پھینکیں تھیں' جو قسم کھا کر یہ برأت ظاہر کرتا اسے چھوڑ دیتا اور جو قسم نہ کھاتا اسے قید کر دیتا۔ ایسے تیس آدمی نکلے' زیاد نے ان کے ہاتھ کٹوا دیئے۔

حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا قتل

کوفہ کے ایک صحابی حجر بن عدی رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے فدائیوں میں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ویسے ہی جان نثار رہے۔ آپ کی دستبرداری سے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو بڑا صدمہ پہنچا تھا اور انہوں نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر ابھارا' لیکن یہ حضرات آمادہ نہ ہوئے۔ [2] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۳۔ [2] اخبار الطوال ص ۲۳۳' ۲۳۴۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے' لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقلید میں وہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو قدرتاً اس سے تکلیف پہنچتی تھی' اس کے جواب میں وہ مغیرہ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے' اس پر مغیرہ رضی اللہ عنہ باز پرس نہ کرتے تھے۔ ❶

ایک مرتبہ حسب معمول مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جناب امیر کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اس پر حجر بن عدی رضی اللہ عنہ نے کنکریاں پھینکیں' زبانی بھی ناملائم الفاظ کہے اور لوگ بھی ان کے ہم نوا ہو گئے' مغیرہ بالکل خاموش رہے اور پانچ ہزار درہم دے کر حجر رضی اللہ عنہ کو راضی کیا۔ ❷

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بعد زیاد کے زمانہ میں بھی یہ رسم جاری رہی اور اس کے ساتھ حجر کا جوابی طرز عمل بھی قائم رہا۔ زیاد نے شروع میں انہیں سمجھا دیا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کا طریقہ چھوڑ دیں، لیکن حجر رضی اللہ عنہ نے نہ سنا' وہ شیعیان علی رضی اللہ عنہ کے سرغنہ اور راہنما بھی تھے۔ زیاد کو اطلاع ملی کہ حجر رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور زیاد کی برائیاں اور ان کے خلاف سازش کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کے خلاف ابھارتے ہیں۔ ❸

اتفاق سے اسی زمانہ میں زیاد کو بصرہ جانے کی ضرورت پیش آئی۔ وہ کوفہ میں عمرو بن الحریث کو اپنا قائم مقام بنا گیا۔ اس نے حسب معمول حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا۔ حجر رضی اللہ عنہ نے اس پر بھی کنکریاں پھینکیں' عمرو بن الحریث خاموش رہا اور زیاد کو اس واقعہ کی اطلاع بھیج دی۔ وہ فوراً کوفہ واپس آیا اور حجر رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا اور ان کو لکھا کہ یہ لوگ فتنہ کی بنیاد ہیں' جب تک قتل نہ کیے جائیں گے فتنہ کی جڑ باقی رہے گی۔ چند آدمیوں نے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے خلاف شہادت دی۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اور ان کے چند ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ ❹

حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے' اس لیے ان کے قتل کا بہت برا اثر پڑا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی گرفتاری کی خبر سننے کے بعد ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی سفارش کے لیے آدمی دوڑائے تھے' لیکن وہ اس وقت پہنچے جب حجر رضی اللہ عنہ قتل کیے جا چکے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ ہوا' چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب اس سال حج کے لیے گئے اور

---

❶ یعقوبی ج ۱۰ ص ۲۷۳ و ابوالفداء ج۔ اول' ص ۱۸۶۔
❷ اخبار الطوال ص ۲۳۶ و ابن اثیر ج ۳' ص ۱۸۷۔
❸ یعقوبی ج ۲' ص ۲۷۴۔ ❹ اخبار الطوال ص ۲۳۷۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے فرمایا' معاویہ رضی اللہ عنہ ! تم کو حجر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے قتل پر اللہ کا خوف نہیں آیا؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا انہیں ان لوگوں نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی تھی۔ [1]

بغاوتوں کا استیصال

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اندرونی شورش کے ساتھ ساتھ متعدد مفتوحہ علاقوں میں بھی بغاوت پھیلی۔ ۴۱ھ میں بلخ' ہرات' بوشنج اور باذغیس کے باشندے باغی ہوگئے۔ مشرقی ولایت کے صوبہ دار عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے قیس بن ہیثم کو خراسان کا والی مقرر کر کے بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا۔ یہ سیدھے بلخ پہنچے اور یہاں کے آتش کدہ کو مسمار کر کے اہل بلخ کو مطیع بنایا' اور عبداللہ بن حازم نے ہرات' بوشنج اور باذغیس کے علاقوں کو قابو میں کیا۔ [2]

۴۳ھ میں کابل کا علاقہ باغی ہوگیا۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ اس کو فرو کرنے کے لیے مامور ہوئے۔ یہ باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل پہنچے اور شہر کا محاصرہ اور سنگ باری کر کے شہر پناہ کی دیواریں شق کر دیں۔ کابلیوں نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ مسلمان انہیں شکست دے کر شہر میں داخل ہوگئے۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ خود شہر پناہ کے دربان نے پھاٹک کھول دیئے تھے۔ [3] کابل پر قبضہ کے بعد مسلمانوں نے بست کو لیا' پھر رزان کی طرف بڑھے۔ اہل رزان نے خود شہر خالی کر دیا اور بغیر جنگ کے اس پر قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد طخارستان کی طرف بڑھے' یہاں کے باشندوں نے بھی سپر ڈال دی اور مسلمان رخج پر قبضہ کرتے ہوئے غزنہ پہنچے' غزنویوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ انہیں بھی شکست ہوئی اور پورے باغی علاقہ پر دوبارہ قبضہ ہوگیا۔ [4]

۴۷ھ میں اہل غور نے بغاوت کی' اسے حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ نے فرو کیا۔ غرض جہاں جہاں بغاوت کے آثار نظر آئے فوراً اس کا تدارک کیا گیا اور مفتوحہ ملکوں کا ایک چپہ بھی ہاتھ سے نہ نکلنے پایا۔

فتوحات

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود بڑے تجربہ کار افسر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے بڑی فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان کا پورا خاندان جنگ آزما تھا' اس لیے ان کے عہد میں فتوحات میں

---

[1] استیعاب ج۔۱' ص ۱۳۸۔ [2] ابن اثیر ج۔۳' ص ۱۶۶۔
[3] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۴ و یعقوبی ج ۲ ص ۲۵۷۔ [4] ابن اثیر ج۔۳' ص ۱۷۴۔

کافی اضافہ ہوا۔

سندھ کی فتوحات

سندھ میں مسلمانوں کا قدم خلافت راشدہ ہی میں پہنچ چکا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دو سمتوں سے ہندوستان پر فوج کشی ہوئی۔ ایک قدیم راستہ سندھ سے دوسرے خیبر کی راہ سے۔ عربی مؤرخوں نے ان دونوں کو باہم اس قدر مخلوط کر دیا ہے' پھر اس زمانہ کا جغرافیہ اور قدیم نام اتنے بدل گئے ہیں کہ آج ان دونوں کو علیحدہ کر کے دکھانا مشکل ہے۔ خیبر کے راستہ سے سب سے اول ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ نے فوج کشی کی اور کابل کو طے کر کے ہندوستان کی سرزمین میں قدم رکھا۔ سرحدی علاقہ کے باشندوں نے مزاحمت کی' مہلب انہیں شکست دیتے ہوئے قیقان (قلات) کی طرف بڑھے۔ یہاں چند ترک سواروں کا مقابلہ ہوا' یہ سب مارے گئے اور مہلب مال غنیمت لے کر لوٹ گئے۔ مہلب کے بعد عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار عبدی کو سرحدی علاقہ کا حاکم بنایا۔ انہوں نے بھی قیقان پر حملہ کیا اور یہاں کے گھوڑے مال غنیمت میں حاصل کر کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر واپس آئے۔ اس مرتبہ جنگ میں کام آ گئے۔ ان کے بعد سنان بن ابی سنان ہذلی کا تقرر ہوا۔ انہوں نے مکران کے صوبہ کو جو باغی ہو گیا تھا' دوبارہ فتح کر کے یہاں نظام حکومت قائم کیا۔ پھر ان کی جگہ راشد بن عمرو ازدی مقرر ہوئے۔ انہوں نے بھی قیقان پر حملہ کیا اور کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی تھی کہ مید قوم کے مقابلہ میں کام آ گئے' اور ان کے بعد پھر سنان بن سلمہ آئے۔ یہ بڑے مدبر اور منتظم تھے' انہوں نے دو سال میں متعدد فتوحات حاصل کیں اور آخر بدھا کے معرکہ میں مارے گئے۔ ان کے بعد زیاد کا لڑکا عباد ان کا قائم مقام ہوا۔ یہ سیستان کے راستے سے سنا رود سے رود کے کنارے کنارے ہند مند (ہلمند) ہوتا ہوا کش پہنچا اور رود کو عبور کر کے قندھار پر حملہ آور ہوا۔ اہل قندھار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا' بہت سے مسلمان شہید ہوئے' لیکن فتح انہی کے ہاتھ میں رہی اور قندھار پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ قندھار کی فتح کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بوقان اور قیقان کے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں۔ اسی دوران میں قصدار کے باشندے باغی ہو گئے۔ منذر نے انہیں قابو میں کر لیا۔ ان کے بعد حری بن حری باہلی آئے' انہوں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں اور یہ سلسلہ برابر قائم رہا[1]

ترکستان کی فتوحات

[1] یہ تمام حالات فتوح البلدان بلاذری ص۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰ اور بعض چچ نامہ سے ماخوذ ہیں۔

۵۴ھ میں عبیداللہ بن زیاد خراسان کا والی مقرر ہوا۔ یہ بڑا حوصلہ مند تھا' اس نے ترکستان کی سرزمین کو جولانگاہ بنایا اور سغد پر فوج کشی کی اور بخارا کے کوہستانی علاقہ کو عبور کر کے رامنی' نصف اور بیکند فتح کیے۔ ❶

۵۵ھ میں عبیداللہ بن زیاد کی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سعید والی مقرر ہوئے۔ انہوں نے عبیداللہ کی مہم کو جاری رکھا اور جیحون کو پار کر کے آگے بڑھے۔ اس زمانہ میں یہاں ایک خاتون قبق حکمران تھی۔ اس نے صلح کر لی' لیکن عام باشندوں نے یہ صلح منظور نہیں کی اور ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں مقابلہ کے لیے نکلے۔ ان کی تیاری دیکھ کر قبق خاتون نے بھی صلح توڑ دی۔ بخارا میں فریقین کا سامنا ہو گیا' لیکن سغدیوں میں باہم پھوٹ پڑ گئی۔ ایک بہادر ترکی غلام اپنی جماعت لے کر الگ ہو گیا اس سے ترک کمزور پڑ گئے' قبق خاتون نے بھی دوبارہ صلح کر لی اور بغیر کسی جنگ کے مسلمان بخارا میں داخل ہو گئے۔ بخارا کے بعد سمرقند کا رخ کیا۔ اس مہم میں قبق خاتون نے مسلمانوں کو ہر طرح کی امداد پہنچائی اور انہوں نے سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن تک اہل شہر پرزور مدافعت کرتے رہے' تیر بازی کا مقابلہ تھا۔ سعید بن العاص اور مہلب بن ابی صفرہ کی ایک ایک آنکھ ضائع ہوئی۔ اہل شہر بھی بہت زخمی ہوئے' لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا' مسلمان نہایت ہمت و استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ سمرقندیوں کو جب اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمان فتح کیے بغیر نہ ٹلیں گے اور بزور شمشیر قبضہ ہونے میں زیادہ کشت و خون ہو گا تو اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ سات لاکھ سالانہ خراج دیں گے اور مسلمان شہر کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جائیں گے۔ مسلمانوں نے نقض عہد کے خطرہ سے عمائد شہر کے چند لڑکے یرغمال بنا لیے۔ اس صلح کے بعد مسلمان ترمذ پہنچے' یہاں کے باشندوں نے بغیر جنگ کے صلح کر لی۔ ❷

شمالی افریقہ کی فتوحات

خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں شمالی افریقہ کا کافی حصہ فتح ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس میں بڑا اضافہ ہوا اور یہاں مسلمانوں کی قوت بہت مضبوط ہو گئی۔ ۴۱ھ میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے فوج کشی کی اور لواتہ اور زناتہ تک پہنچ گئے۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ پھر ۴۲ھ میں انہوں نے غدامس پر قبضہ کیا۔ ۴۳ھ میں سوڈان کے بعض حصے فتح کیے۔ ❸ اسی

---

❶ ابن اثیر ج۔۳' ص۔۱۹۷ و طبری ص ۱۶۹۔ ❷ بلاذری ص۔۴۱۷' طبری کا بیان اس سے مختلف ہے۔
❸ ابن اثیر ج۔۳' ص ۱۶۷۔

زمانہ میں ۴۱ھ میں معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے ایک بڑے اور خوبصورت ساحلی شہر بنزرت کو فتح کیا اور رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے جزیرہ جربہ پر قبضہ کرلیا۔ [1] ۴۵ھ میں معاویہ بن خدیج نے دوبارہ بڑے اہتمام سے فوج کشی کی عبداللہ بن عمرؓ ابن زبیر اور عبدالملک وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکابر قریش ساتھ تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے سوسہ اور عبدالملک نے جلولا فتح کیا۔ [2] افریقہ کے بربری بڑے باغی اور سرکش تھے جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی اس وقت تک وہ مطیع رہتے جیسے ہی آزاد ہوتے فوراً باغی ہو جاتے۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۰ھ میں عقبہ بن نافع کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے دس ہزار عرب فوج اور بہت سے نومسلم بربریوں کو ساتھ لے کر باغی علاقہ میں گھس کر باغیوں کا قلع قمع کر دیا اور آئندہ اس کے انسداد کے لیے شہر قیروان بسایا اور یہاں مسلمان آباد کر کے فوجی چھاؤنی قائم کی۔ [3] اس سے افریقہ میں بغاوت کا خطرہ بہت کم ہو گیا۔

رومیوں سے معرکے

مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف قسطنطنیہ کی رومی حکومت تھی۔ ان کا زیادہ مقابلہ اسی سے رہتا تھا۔ مصر و شام کے ساحلی علاقے اس کی بحری زد میں تھے۔ اسی کی روک کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑا قائم کیا تھا۔ اپنے زمانہ میں رومیوں کے حملہ سے بچاؤ کے لیے انہوں نے بڑے انتظامات کیے۔ بحری بیڑے کے ساتھ ایک مستقل گرمائی فوج قائم کی جو صرف رومیوں سے برسر پیکار رہتی تھی کوئی سال بحری جنگ سے خالی نہ جاتا تھا۔ عبداللہ بن قیس حارثی، جنادہ بن ابی امیہ، عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، بسر بن ابی ارطاۃ، مالک بن ہبیرہ، فضالہ بن عبید اور یزید بن شجرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم مختلف سنوں میں بحری معرکوں میں مشغول رہے لیکن ان میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے۔ [4]

قسطنطنیہ پر حملہ

البتہ قسطنطنیہ پر حملہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ قسطنطنیہ اس زمانہ میں مشرقی یورپ کا قلب تھا۔ ۴۹ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بڑے اہتمام سے اس پر فوج کشی کی اور سفیان بن عوف ازدی کو ایک

---

[1] المونس ص ۲۵۔ [2] بلاذری ص ۲۱۷، جلولا نام کا عراق میں بھی ایک مقام ہے جہاں عہد فاروقی میں بڑا زبردست معرکہ ہوا تھا۔ [3] المونس ص ۲۵ و بلاذری ص ۲۳۶۔

[4] ابن اثیر کے مختلف سنوں میں ان معرکوں کا ذکر ہے۔

بڑی فوج کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے قسطنطنیہ کے فاتحین کو بشارت دی تھی۔ اس لیے بہت سے ممتاز صحابہ میزبان رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاری' عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ اس جہاد میں شریک ہوئے اور اسلامی بیڑا بحر روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا با سفورس میں داخل ہوا۔ قسطنطنیہ مشرقی کلیسا کا مرکز تھا' اس لیے رومیوں نے مدافعت میں پوری طاقت صرف کر دی۔ مسلمانوں نے بھی جوش جہاد میں بڑا پرزور مقابلہ کیا۔ دونوں میں کئی خونریز معرکے ہوئے۔ مسلمانوں کا شوق شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مجاہد عبدالعزیز بن زرارہ کلبی شہادت کی تمنا میں بار بار آگے بڑھتے تھے' لیکن ان کی آرزو پوری نہ ہوتی تھی۔ آخر میں بے محابا دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے۔ رومیوں نے نیزوں سے چھید کر شہید کر دیا۔ [1]

قسطنطنیہ کی فصیل بہت اونچی اور سنگین تھی۔ رومی اس کے اوپر سے آگ برسا رہے تھے اور مسلمان نشیب میں تھے۔ اس لیے انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑا اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد وہ ناکام لوٹ آئے۔ اس محاصرہ کے دوران میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ یزید ابن معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا اگر کوئی وصیت ہو تو فرمائیے' پوری کی جائے گی۔ فرمایا جہاں تک ہو سکے دشمن کی سرزمین میں لے جا کر دفن کرنا' چنانچہ انتقال کے بعد آپ کی نعش قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لے جا کر دفن کر دی گئی۔ [2] اور مسلمانوں نے رومیوں سے کہلا دیا کہ اگر تم نے لاش کی کوئی بے حرمتی کی تو پھر اسلامی سلطنت کے حدود میں کبھی ناقوس نہ بج سکے گا۔ [3] قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ترکان عثمانی نے آپ کے مزار پر مقبرہ اور اس سے متعلق مسجد بنوائی' جو آج تک زیارت گاہ خلائق ہے۔ خلفا کی رسم تاجپوشی اسی مسجد میں ادا کی جاتی تھی۔

روڈس کی فتح

شام کے ساحلی علاقہ کو رومیوں کے حملہ سے محفوظ کرنے کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں بحیرۂ روم کے جزائر پر قبضہ شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ جزیرہ قبرص اسی زمانہ میں فتح کیا تھا۔ اپنے زمانہ میں ایک دوسرے جزیرہ روڈس کی طرف قدم بڑھایا۔ یہ اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے۔ یہاں ہر قسم کے میووں کی پیداوار ہے۔ ۵۲ھ میں جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کیا اور یہاں مسلمانوں کی آبادی قائم کی' اسی

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص ۱۸۲۔ [2] ابن اثیر ج۔۳' ص ۱۸۲۔

[3] استیعاب ج۔۲' ص ۶۳۸۔

زمانہ میں سسلی پر حملہ ہوا مگر فتح نہ ہو سکا۔ [1]

ارواڈ کی فتح

اس کے دو سال بعد ۵۴ھ میں جزیرہ ارواڈ پر قبضہ ہوا' کریٹ پر بھی جنادہ نے حملہ کیا تھا' مگر فتح نہ ہو سکا اور عباسیوں کے زمانہ میں اس پر قبضہ ہوا۔

یزید کی ولی عہدی

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی میں خلافت کا سلسلہ ان کی نسل میں منتقل کر دینا چاہا' چنانچہ یزید کو ادھر توجہ دلائی۔ یزید نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ یہ ان کے دل کی بات تھی' لیکن اسے وہ ناممکن العمل سمجھ کر زبان سے نہ کہہ سکتے تھے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اس تجویز پر اس کا موقع مل گیا' چنانچہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا' انہوں نے کہا:

''عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے مسلمانوں میں جو اختلاف اور خونریزی قائم ہے' وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے' اس لیے میری رائے میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے کر اسے جانشین بنا دینا چاہئے' تاکہ جب آپ کا وقت آئے تو مسلمانوں کے لیے ایک سہارا اور جانشین موجود رہے اور ان میں خونریزی اور فتنہ فساد برپا نہ ہو''۔

گو یہ امیر کی آرزو تھی' لیکن اس کی مشکلات کا انہیں پورا اندازہ تھا' چنانچہ انہوں نے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس مہم کو انجام کون دے گا؟ انہوں نے کہا اس وقت سیاسی حیثیت سے کوفہ و بصرہ اور مذہبی حیثیت سے حجاز مسلمانوں کے مرکز تھے' انہی پر اس قسم کی مہمات کا دارومدار تھا' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کوفہ کی ذمہ داری میں لیتا ہوں' بصرہ کو زیاد ہموار کر لے گا اور حجاز کی ذمہ داری مروان بن حکم کے متعلق کی جائے۔ کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بڑا اثر تھا اور یہاں بنی امیہ کے حامیوں کی بھی ایک جماعت موجود تھی۔ اس لیے مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ جا کر یہاں کے چند معززین کا ایک وفد شام بھجوا دیا۔ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود یزید کی تجویز پیش کی۔ زیاد گو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قوت بازو تھا اور اس کی سخت گیری کے سامنے یہ کوئی مشکل مسئلہ نہ تھا' لیکن اس معاملہ میں اسے بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے معتمد علیہ عبید بن کعب کو بلا کر اسے امیر کا حکم سنایا اور کہا کہ

[1] فتوح البلدان ص ۲۴۴ و معجم البلدان ذکر روڈس۔

وہ اس معاملہ میں لوگوں کی مخالفت سے بھی ڈرتے ہیں اور یزید کی ولی عہدی بھی چاہتے ہیں۔ یہ اسلام کا معاملہ اور بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ یزید جیسا لاابالی ہے' ظاہر ہے اس لیے تم جا کر امیر المؤمنین کو یزید کے مشاغل سے آگاہ کرو اور انہیں سمجھاؤ کہ اس میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ عبید نے کہا امیر المؤمنین کو یزید کی جانب سے بدول کرنا مناسب نہیں ہے' میں جا کر خود یزید کو سمجھاتا ہوں کہ وہ اپنے مشاغل چھوڑ دے کہ لوگوں کو گرفت اور مخالفت کا موقع نہ ملے۔ زیاد نے بھی اس رائے کو پسند کیا' چنانچہ عبید نے جا کر یزید کو سمجھایا۔ اس کے سمجھانے سے اس نے بہت سی قابل اعتراض باتیں چھوڑ دیں۔ کوفہ اور بصرہ سے زیادہ اہم معاملہ حجاز کا تھا۔ یہاں ایسے متعدد بزرگ موجود تھے جو یزید کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور اس کے مدعی ہو سکتے تھے اور جن کی جانب سے اس تجویز کی مخالفت کا خطرہ تھا' اس لیے اس کی ذمہ داری امیر نے مروان بن حکم کے سپرد کی اور اس کو لکھا:

> ''اب میں ضعیف ہو گیا ہوں' میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں' معلوم نہیں کب وقت آ جائے' مجھے خوف ہے کہ میرے بعد پھر امت میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے' اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین بنا جاؤں' اس معاملہ میں تمہارا مشورہ ضروری ہے' اس کو اہل مدینہ کے سامنے پیش کرو اور وہ جو جواب دیں وہ مجھے لکھو''۔

اس حکم پر مروان نے اس مسئلہ کو اہل مدینہ کے سامنے پیش کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط میں کسی جانشین کا نام نہیں لکھا تھا' بلکہ محض جانشینی کی مجمل تجویز تھی۔ مروان نے اسی کے متعلق رائے لی' اس حد تک یہ تجویز نامناسب نہ تھی اس لیے سب نے اس سے اتفاق کیا۔ مروان نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی' اس کے بعد انہوں نے دوسرا حکم جانشین کے اعلان کا بھیجا۔ اس وقت مروان نے یزید کے نام کا اعلان کیا۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے اختلاف کیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اٹھ کر کہا تم اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں غلط کہتے ہو' اس سے امت کی بھلائی مقصود نہیں ہے بلکہ خلافت کو ہرقل کی شہنشاہی بنانا چاہتے ہو' کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل اس کا جانشین ہو۔ ایک روایت یہ ہے کہ مروان نے یہ کہا تھا کہ ''امیر المؤمنین چاہتے ہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرح یزید کو نامزد کر جائیں''۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سنت نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے۔ ان دونوں نے اپنے لڑکوں کو ولی عہد نہیں بنایا' بلکہ اپنے خاندان والوں کو اس سے دور

رکھا' یہ حالات مروان نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجے۔ اس درمیان میں مدینہ' بصرہ اور مختلف مقاموں کے وفود شام پہنچ چکے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلے مدینہ کے ایک بزرگ محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی۔ انہوں نے کہا' ہر راعی اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے' اس لیے جسے آپ امت کا راعی بناتے ہیں اس پر خوب غور کر لیجئے''۔ مدینہ کے وفد کے بعد بصرہ کے رئیس الوفد احنف بن قیس سے جو بڑے مدبر اور بااثر رئیس تھے' رائے طلب کی۔ انہوں نے جواب دیا' اگر ہم سچ کہتے ہیں تو آپ کا ڈر ہے اور جھوٹ بولتے ہیں تو اللہ کا خوف ہے۔ آپ یزید کے شب و روز کے مشاغل اس کے ظاہری اور پوشیدہ حالات سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی اس کو امت محمدی کے لیے آپ بہتر سمجھتے ہیں تو پھر اس میں صلاح و مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر ایسا نہیں سمجھتے تو خود دوسرے عالم کو جاتے ہوئے اس کو دنیا کا توشہ نہ دیجئے' ورنہ یوں تو آپ کا جو حکم ہو ہمارا کام اس کا سننا اور بجالانا ہے۔ لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کی ولی عہدی طے کر چکے تھے۔ یہ محض رسمی کارروائی تھی' اس لیے آخر میں کچھ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور کچھ کو لطف و کرم سے ہموار کر لیا اور عراق و شام کے باشندوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ [1] لیکن اصل معاملہ حجاز کا تھا کہ مہاجرین و انصار کے باقیات اور صحابہ و صحابہ زادے یہیں تھے' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود مکہ اور مدینہ کا سفر کیا۔ اس وقت یہاں پانچ بزرگ ایسے تھے' جن کی جانب سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخالفت کا خطرہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن زبیر' حسین اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سب سے الگ الگ مل کر ہر ایک سے کہا کہ تم پانچوں آدمیوں کے علاوہ سب نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی ہے اور تم ان چاروں کی رہبری کر رہے ہو۔ ان میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہر ایک نے جواب دیا کہ میں کسی کی رہبری نہیں کر رہا ہوں' آپ چاروں آدمیوں سے کہیے' اگر وہ لوگ بیعت کر لیں تو مجھے بھی کوئی عذر نہیں ہوگا۔ اس طرح گویا چار آدمیوں سے الگ الگ بیعت کا وعدہ لے لیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے البتہ تلخ گفتگو ہو گئی۔ [2]

یہ طبری کی روایت ہے' ابن اثیر کا بیان ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سن کر پانچوں آدمی مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچے اور ان سب کو لطف و مدارات اور حسن خلق سے مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے فرداً فرداً گفتگو کرنے کی بجائے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو جو سب سے زیادہ تجربہ کار اور گویا (قادر الکلام) تھے' اپنا نمائندہ بنایا۔ امیر نے ان سے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ میرا جو طرز عمل ہے اور جتنی صلہ رحمی کرتا ہوں اور تمہاری جس قدر باتیں

[1] یہ تمام واقعات طبری اور ابن اثیر سے ماخوذ ہیں۔ [2] طبری ج۔ ۷' ص ۵۶' ۵۷۔

درگزر کرتا ہوں' وہ سب تم کو معلوم ہے' یزید تمہارا بھائی اور ابن عم ہے' میں چاہتا ہوں کہ تم اسے صرف خلیفہ کا لقب دے دو باقی حکومت کا پورا انتظام' عمال کا عزل ونصب' خراج کی تحصیل ووصولی اور اس کا صرف تمہارے ہاتھوں میں رہے گا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا کہ انتخاب خلیفہ کی تین نظیریں ہیں' یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو نامزد نہ کیجئے' مسلمان جسے پسند کریں گے منتخب کرلیں گے' یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح کسی کو نامزد کیجئے' جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو' یا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح چند آدمیوں میں سے ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دیجئے' اس کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ ہم نہیں قبول کرسکتے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ آسانی کے ساتھ بیعت کرنے والے نہیں ہیں تو انہیں دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے کوئی مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا اور باہر نکل کر مسلمانوں میں اعلان کردیا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سربرآوردہ اور ان کے بہترین لوگ ہیں' بغیر ان کے مشورہ کے کوئی کام انجام نہ دیا جائے گا۔ انہوں نے یزید کی بیعت کرلی ہے' اس لیے آپ لوگ بھی بیعت کرلیجئے۔ اہل مدینہ انہی بزرگوں کے فیصلہ کے منتظر تھے اس لیے اس اعلان پر سب نے بیعت کرلی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی واپسی کے بعد لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا' لیکن پھر کسی نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ [1]

علالت

۶۰ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے' عمر کی اٹھتر منزلیں طے کرچکے تھے۔ زندگی کی کوئی امید نہ تھی' اس وقت یزید دمشق میں موجود نہ تھا۔ اس لیے اس کو آئندہ خطرات وطرز عمل کے متعلق یہ وصیت نامہ لکھوایا:

''جان پدر! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لیے راستہ صاف کردیا ہے۔ دشمنوں کو زیر کرکے سارے عرب کی گردنیں تمہارے آگے جھکا دی ہیں اور تمہارے لیے ایک بڑا خزانہ جمع کردیا ہے۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کے حقوق کا ہمیشہ لحاظ رکھنا کہ وہ تمہاری اصل وبنیاد ہیں' جو حجازی تمہارے پاس آئے اس سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا۔ اس کی عزت کرنا اس پر احسان کرنا اور جو نہ آئے اس کی خبر گیری کرتے رہنا۔ اہل عراق کی ہر خواہش پوری کرنا۔ اور اگر وہ روزانہ عاملوں کا تبادلہ چاہیں تو روزانہ کردینا کہ عمال کا تبادلہ تلواروں کے بے نیام ہونے سے بہتر ہے۔ شامیوں کو اپنا مشیر بنانا' ان کا خیال ہر حال میں مدنظر رکھنا۔ جب تمہارا کوئی

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص ۲۲۰' ۲۲۱۔

دشمن تمہارے مقابلہ میں آئے تو ان سے مدد لینا' لیکن کامیاب ہونے کے بعد ان کو فوراً واپس بلا لینا' ورنہ دوسرے مقام پر زیادہ ٹھہرنے سے ان کے اخلاق بدل جائیں گے۔ سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے' اس میں حسین بن علی' عبداللہ بن عمر' عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے علاوہ کوئی حریف نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں زہد و عبادت کے علاوہ کسی اور چیز سے واسطہ نہیں ہے۔ عام مسلمانوں کی بیعت کے بعد انہیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما میں کوئی ذاتی حوصلہ و ہمت نہیں ہے جو ان کے ساتھی کریں گے وہ اس کی پیروی کر لیں گے۔ البتہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی جانب سے خطرہ ہے' اہل عراق انہیں تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑ دیں گے۔ جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا کہ وہ قرابت دار' بڑے حقدار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں۔ البتہ جو شخص لومڑی کی طرح کاوے دے کر شیر کی طرح حملہ کرے گا' وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہے' اگر وہ صلح کر لیں تو فبہا' ورنہ قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کے ٹکڑے اڑا دینا'' [1]

اپنے متعلق وصیتیں

اس وصیت نامہ کی تکمیل کے بعد اہل خاندان سے کہا:

''اللہ کا خوف کرتے رہنا کہ خوف کرنے والوں کو اللہ مصائب سے بچاتا ہے' جو اللہ سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں' پھر اپنے ذاتی مال میں سے آدھا مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا''۔ [2]

تجہیز و تکفین کے متعلق یہ وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک کرتہ عنایت فرمایا تھا۔ اس کو اسی دن کے لیے میں نے محفوظ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں اور اس کرتہ میں مجھے کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا' شاید اللہ اس کے طفیل میں اس کی برکت سے مغفرت فرما دے [3] ان وصیتوں کے بعد رجب ۶۰ھ میں انتقال کیا۔ وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین ہوئی۔ ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور عرب کے اس

---

[1] یہ وصیت طبری اور الفخری کے بیان کا خلاصہ ہے' طبری ج۔۵' ص۔۱۹۶' ۱۹۷ و الفخری ص ۱۰۲۔

[2] طبری ج۔۷' ص ۲۰۲۔ [3] طبری ج۔۷' ص ۲۰۲۔

مدبر اعظم کو دمشق کی سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا۔ انتقال کے وقت اٹھہتر سال کی عمر تھی' مدت خلافت ۱۹ سال چند مہینے۔ [1]

ازواج واولاد

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں' دو بیویوں سے اولادیں ہوئیں۔ ایک بیوی میسون بنت بحدل کے بطن سے یزید اور ایک بچی تھی اور فاختہ بنت قرظہ کے بطن سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن۔ عبدالرحمٰن کا انتقال غالباً بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ عبداللہ امیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت زندہ تھا' مگر اس میں کوئی مادہ نہ تھا۔

نظام خلافت اور امیر رضی اللہ عنہ کے کارنامے

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نظام خلافت میں سب سے بڑا انقلاب یہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ موروثی وشخصی حکومت کے قالب میں آ گئی جس سے اس کی اصل روح بدل گئی' لیکن اس کا ظاہری ڈھانچہ وہی رہا جو خلافت راشدہ کے زمانہ میں تھا' بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مختلف حیثیتوں سے اور زیادہ تر ترقی دی۔ مسلسل خانہ جنگی سے نظام خلافت میں جو برہمی پیدا ہو رہی تھی اسے از سر نو قائم کیا۔ اندرونی اور بیرونی طاقتوں کا خاتمہ کر کے امن وسکون پیدا کیا۔ بغاوتیں فرو کیں' نئے ملک فتح کیے' تمدنی ضروریات کے مطابق بہت سے نئے شعبے قائم کیے اور اپنے بعد ایک وسیع اور طاقتور حکومت چھوڑ گئے۔

امیر کے مشیر کار

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت شخصی تھی' اس میں خلافت راشدہ کی طرح مہاجرین وانصار کی مجلس شوریٰ نہ تھی' لیکن اس عہد کے عرب کے اکثر نامور مدبر مثلاً عمرو بن العاص' مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما اور زیاد بن ابی سفیان امیر کے خاص مشیروں میں تھے اور کوئی اہم کام بغیر ان کے مشورے کے انجام نہ پاتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کامیابیاں ان کی ذاتی تدبیر وسیاست کے علاوہ ان مدبرین کی صلاح ومشورہ کا بھی نتیجہ تھیں۔

صوبے اور ان کا نظام

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صوبوں کی تقسیم اور اس کا نظام وہی رہا جو عہد فاروقی میں تھا۔

---

[1] استیعاب ج۔۱ ص ۲۶۲۔

مغرب کے نئے مفتوحہ علاقے مصر کے اور مشرق کے خراسان کے ماتحت تھے اور ان کے نظام میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا۔

فوج

فوج کی سپہ سالاری کئی پشتوں سے بنی امیہ میں چلی آ رہی تھی۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صیغۂ فوج میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بری فوج کا نظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں کسی مزید ترمیم و اضافہ کی ضرورت نہ تھی؛ جن پہلوؤں سے ترقی کی گنجائش تھی اسے ترقی ہوئی، تفصیل آگے آئے گی۔

بحری فوج

بحری فوج میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بحری فوج امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں قائم کر دی تھی، اور اس کو اتنی ترقی دی تھی کہ اسی زمانہ میں پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا تھا۔ خود ان کے زمانہ میں بحری بیڑا اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا، جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔

امیر البحر

بحری فوج کی سپہ سالاری کا علیحدہ مستقل عہدہ قائم کیا، چنانچہ جنادہ بن ابی امیہ اور عبداللہ بن قیس حارثی رضی اللہ عنہما اس عہدہ پر ممتاز تھے۔ عبداللہ نے پچاس بحری معرکے سر کیے اور جنادہ رضی اللہ عنہ یزید کے زمانہ تک بحری لڑائیوں میں مصروف رہے۔ [1]

جہاز سازی کے کارخانے

جا بجا جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ سب سے پہلے یہ کارخانہ مصر میں قائم ہوا۔ [2] بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ساحلی مقاموں پر کارخانے تھے۔ [3]

سرمائی اور گرمائی فوجیں

موسم اور مختلف ملکوں کی آب و ہوا کے اعتبار سے فوج کی دو قسمیں شاتیہ اور صائفہ، یعنی سرمائی

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ جنادہ۔ [2] حسن المحاضرہ ج ۲، ص ۱۹۹۔ [3] فتوح البلدان ص ۱۴۴۔

اور گرمائی قرار دیں' جو موسم کے لحاظ سے مختلف ملکوں میں برسر پیکار رہتی تھیں۔

قلعوں کی تعمیر

بہت سے نئے قلعے بنوائے' پرانے قلعوں کی مرمت کرائی۔ خصوصاً شام میں جو اموی حکومت کا پایہ تخت تھا اور جس پر رومیوں کے حملہ کا زیادہ خطرہ تھا۔ قلعوں کو مستحکم کر دیا۔ انطرطوس' بلبنارس اور مرقیہ میں نئے قلعے بنوائے۔ رومیوں کے پرانے قلعہ جبلہ کو جو شام کی فتح کے زمانہ میں ویران ہو گیا تھا' دوبارہ آباد کیا۔ [1] روڈس میں ایک قلعہ بنوایا جو سات برس تک فوجی مرکز رہا۔ [2] مدینہ میں ایک قلعہ قصر خل بنوایا۔ [3] اس کے علاوہ قبرص اور ارواڈ میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ فوجی ضروریات کے لیے شہر قیروان آباد کیا۔

منجنیق کا استعمال

منجنیق کا استعمال مسلمانوں میں غالباً سب سے پہلی مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا۔ کابل کے محاصرہ میں سنگباری سے شہر پناہ توڑی گئی تھی۔ [4]

پولیس کا صیغہ

ملک کے اندرونی نظام اور قیام امن کے لیے پولیس کے صیغہ کو بڑی ترقی ہوئی' خصوصاً عراق میں جہاں ہمیشہ فتنہ و فساد رہتا تھا۔ پولیس کا بڑا زبردست انتظام رہتا تھا۔ شہر کوفہ میں چالیس ہزار پولیس تھی۔ امن و امان کا یہ حال تھا کہ کوئی شخص راستہ میں گری پڑی چیز اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتا تھا' تا آنکہ خود اس کا مالک آ کر نہ اٹھاتا' راتوں کو عورتیں اپنے گھروں میں تنہا کواڑ کھول کر سوتی تھیں۔ زیاد والی عراق کا دعویٰ تھا کہ اگر کوفہ سے خراسان تک رسی کا ایک ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کس نے لیا۔ ایک مرتبہ اس نے کسی کے گھر سے گھنٹہ بجنے کی آواز سنی' پوچھا تو معلوم ہوا کہ گھر والے پہرہ دے رہے ہیں۔ اس نے کہا اس کی ضرورت نہیں' اگر کسی کا مال ضائع ہو جائے گا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ [5] قیام امن کے لیے مشتبہ لوگوں کی نگرانی بھی ایک احتیاط ہے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کے تمام بدمعاشوں کے نام درج رجسٹر کرائے تھے۔ [6] زیاد نے جعد بن قیس کو بدمعاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا تھا۔ [7]

---

[1] بلاذری ص ۱۴۰۔ [2] بلاذری ص ۲۴۴۔ [3] بلاذری ص ۱۶۰۔ [4] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷۴۔
[5] طبری ج ۷ ص ۷۷، ۸۹۔ [6] ادب المفرد باب الظن۔ [7] طبری ج ۷ ص ۷۸۔

برید (ڈاک)

اسلامی حکومت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے سرکاری ڈاک اور خبر رسانی کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ انہوں نے برید کے نام سے اس کا مستقل صیغہ قائم کیا۔ اس کا نظام کہ ملک بھر میں تھوڑی تھوڑی مسافت پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ سرکاری ہرکارے منزل بمنزل انہیں بدلتے ہوئے ایک مقام کی خبریں دوسرے مقام پر لاتے اور لے جاتے تھے۔ [1]

دیوان خاتم

اسی طرح سرکاری فرامین کی نقلیں دفتر میں رکھنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس سے لوگوں کو ان میں ردوبدل کا موقع مل جاتا تھا' چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک لاکھ کے دو لاکھ بنا کر وصول کر لیے' اس وقت سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیوان خاتم کے نام سے ایک نیا شعبہ قائم کیا' وہ جو حکم صادر کرتے تھے وہ پہلے دیوان خاتم میں آتا تھا۔ یہاں اس کی ایک نقل رکھ لی جاتی تھی اور دفتر کا محرر حکم نامہ کو لفافہ میں بند کر کے اس پر مہر لگا کر آگے بڑھاتا تھا' اس احتیاط کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کا امکان باقی نہ رہ گیا۔ [2] یہ طریقہ محض احکام شاہی کے لیے مخصوص نہ تھا' بلکہ بڑے بڑے حکام بھی اس پر عامل تھے' چنانچہ زیاد اپنے تمام فرامین و خطوط کی نقلیں رکھواتا تھا۔ [3]

رفاہ عام کے کام

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت سے ایسے کام ہوئے جن سے حکومت کے ساتھ رعایا کو بھی فائدہ پہنچا۔

نہریں

زراعت کی ترقی کے لیے بہت سی نہریں جاری کرائیں' جن سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی۔ اس سے ملک کی زراعت میں بڑی ترقی ہوئی اور قحط سالی کا خطرہ جاتا رہا۔ مدینہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ' نہر ازرق اور نہر شہدا وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ [4] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بصرہ میں ایک نہر کھودی گئی تھی' جو نہر معقل کے نام سے موسوم تھی۔ زیاد نے دوبارہ اسے کھدوا کر

---

[1] الفخری ص ۹۷۔ [2] الفخری ص ۹۷۔

[3] یعقوبی ج ۲' ص ۲۷۹۔ [4] وفاء الوفاء ج ۲' ص ۱۱۷ و خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۶۔

صاف کرایا۔ [1] عبیداللہ بن زیاد نے بخارا کے کوہستان میں ایک نہر نکالی۔ [2] حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے اہتمام میں ایک نہر کھودی گئی مگر اس کا افتتاح نہ ہو سکا۔ [3] نہر کے علاوہ پہاڑ کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر تالاب بنوائے گئے' جن میں برسات کا پانی جمع ہوتا تھا۔ [4] ان نہروں کے ذریعہ سے پیداوار میں جو ترقی ہوئی' اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مدینہ کے قرب و جوار کی نہروں کے ذریعہ ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا۔ [5]

شہروں کی آبادی

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں بعض پرانے ویران شہر دوبارہ آباد ہوئے اور نئے شہر بسائے گئے' چنانچہ شام کا اجڑا ہوا شہر مرعش دوبارہ آباد کیا گیا۔ ایک نیا شہر قیروان افریقہ میں بسایا گیا۔ افریقہ کے بربر بڑے بغاوت پسند تھے۔ جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی' اس وقت تک وہ مطیع و منقاد رہتے تھے اور جہاں آزاد ہوتے فوراً باغی ہو جاتے۔ اس لیے عقبہ بن نافع فہری نے یہاں فوجی چھاؤنی قائم کرنے کی غرض سے ساحل سے ہٹ کر جنگل کٹوا کر ایک شہر بسایا' اور اس کے وسط میں دارالامارت کی عمارت بنوائی اور اس کے چاروں طرف مسلمانوں کے محلے آباد کر کے ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ رفتہ رفتہ اس شہر نے اتنی ترقی کی کہ شمالی افریقہ میں مسلمانوں کا مرکزی شہر بن گیا۔ [6]

اسلام کی نو آبادیاں

مختلف مقاموں پر اسلامی نو آبادیاں قائم کیں۔ ۴۳ھ میں انطاکیہ میں ایک نو آبادی بسائی۔ [7] روڈس اور ارواڈ کے جزیروں میں مسلمان آباد کیے۔ [8] اور متعدد مقاموں پر خصوصاً جہاں کسی دوسری حکومت کی سرحد ملتی تھی اور مسلمانوں کی آبادی کم تھی' وہاں مسلمان آباد کیے۔ اس سے دو فائدے ہوئے: ایک یہ کہ ان مقاموں پر دوسری قوموں کے حملہ کا خطرہ کم ہو گیا' دوسرے اسلامی حکومت میں جہاں جہاں مسلمان نہ تھے' ان کی آبادی ہو گئی۔

مجاہدین کے بچوں کے وظائف

مجاہدین کے بچوں کے وظائف سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیے۔ وقتاً فوقتاً اس

---

[1] فتوح البلدان ص ۳۶۶۔ [2] طبری ج ۷' ص ۱۶۹۔ [3] طبری ج ۷' ص ۱۵۶۔
[4] وفاء الوفاء ج ۲' ص ۳۲۱۔ [5] وفاء الوفاء ج ۲' ص ۲۳۷۔ [6] معجم البلدان ذکر قیروان۔
[7] فتوح البلدان ص ۱۵۴۔ [8] فتوح البلدان ص ۲۴۴۔

میں تغیرات ہوئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قائم رکھا لیکن اتنی ترمیم کر دی کہ دودھ چھوڑنے کے بعد وظیفہ جاری ہوتا تھا۔ [1]

ذمیوں کے مال و جائیداد کی حفاظت

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو ذمیوں کے حقوق کی حفاظت میں بڑا اہتمام تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا۔ ان کے معاہدہ کا پورا احترام کیا جاتا تھا۔ عقبہ بن نافع فہری کو جو مصر کے گورنر تھے' تھوڑی سی زمین کی ضرورت تھی' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجازت سے انہوں نے ایک پرتی زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی' انتخاب کی' ان کے نوکر نے کہا کوئی عمدہ قطعہ پسند کیجئے' انہوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا' ذمیوں سے جو معاہدہ ہے اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان کی زمین ان کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی۔ [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے گرجے کو بھی اس میں شامل کر لینا چاہا' لیکن عیسائی راضی نہ ہوئے اس لیے یہ خیال ترک کر دیا۔ [3]

ذمہ دار عہدوں پر غیر مسلموں کا تقرر

فوج میں تو غیر مسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے بھرتی کر لیے جاتے تھے' لیکن اس زمانہ میں انہوں نے اعتماد نہ پیدا کیا۔ اس لیے ذمہ داری کے عہدوں پر ان کا تقرر نہ ہوتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں متعدد غیر مسلموں کو ذمہ دار عہدوں پر مامور کیا' چنانچہ ابن آثال نصرانی کو حمص کا کلکٹر مقرر کیا۔ [4] اور سرجون بن منصور رومی کو کاتب (پرائیویٹ سیکرٹری) بنایا۔ [5]

مذہبی خدمات

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت خلافت راشدہ کے مقابلہ میں خالص دنیاوی تھی' لیکن بہر حال وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے' اس لیے سلطنت کی مادی اور دنیاوی ترقیوں کے ساتھ وہ دین و مذہب کی خدمت سے غافل نہ تھے۔

اشاعت اسلام

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۶۴۔ [2] مقریزی ج ۱' ص ۲۰۸۔ [3] بلاذری ص ۳۳۱۔
[4] یعقوبی ج ۲' ص ۲۶۵۔ [5] طبری ج ۲' ص ۲۸۳۔

ان کے زمانہ میں اسلام کی بھی خاصی اشاعت ہوئی۔ شمالی افریقہ کے بربری بغاوت کے ساتھ مرتد بھی ہو جاتے تھے۔ قیروان آباد کر کے اس کا تدارک کیا گیا' رومیوں کی بھی معتد بہ تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔

حرم کی خدمت

شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر معمولی غلاف چڑھایا جاتا تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قیمتی غلاف چڑھایا' اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیبا سے آراستہ کیا' اور اس کی خدمت کے لیے غلام مقرر کیے۔ (1)

مسجدوں کی تعمیر

اس زمانہ میں بکثرت مسجدیں تعمیر ہوئی۔ زیاد نے بصرہ کی جامع مسجد کو تڑوا کر اینٹ اور چونے کی نہایت وسیع عمارت بنوائی۔ (2) قبرص میں بہت سی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ (3) قیروان کی آبادی کے سلسلہ میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے یہاں ایک جامع مسجد بنوائی' جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں کابل کے معماروں سے کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کروائی۔ (4) مصر کی مسجدوں میں مینار کا رواج نہ تھا' مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے تمام مسجدوں میں مینار بنوائے۔ (5)

امیر رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت اور بعض غلط روایات پر تبصرہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارناموں کے بعد ان کی بعض واقعی کمزوریوں اور ان مبالغہ آمیز بلکہ غلط اور گمراہ کن واقعات پر تبصرہ ضروری ہے' جن کی شہرت عام نے امیر کی جانب سے بہت سی غلط فہمیاں پھیلا دی ہیں اور ان کے دشمن تو دشمن کوتاہ نظر دوستوں کے دلوں میں بھی ان کی جانب سے شکوک و شبہات ہیں۔ اس پر بحث و تبصرہ سے پہلے اصولی طور پر اسے سمجھ لینا چاہیے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ان کی حکومت خلافت راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی' بلکہ وہ ایک دنیاوی حکمران تھے اور ان کی حکومت دنیاوی بادشاہت تھی' جس میں اس کی برائیاں کم اور خوبیاں زیادہ تھیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں یقیناً کمزوریاں تھیں' لیکن جن کمزوریوں سے کسی اسلامی اصول کی پامالی نہ ہوتی ہو وہ چنداں لائق التفات نہیں۔

---

(1) یعقوبی جلد ۲' ص ۲۸۳۔ (2) فتوح البلدان ص ۳۵۵۔ (3) فتوح البلدان ص ۱۶۰۔
(4) فتوح البلدان ص ۴۰۴۔ (5) اصابہ' تذکرہ مسلمہ بن مخلد۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ان کی ناحق صف آرائی اور اس میں کامیابی کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل کا استعمال، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی رسم، یزید کی ولی عہدی، یہ سب ان کی ایسی کھلی ہوئی غلطیاں ہیں جن سے کوئی حق پرست انکار نہیں کر سکتا۔ خصوصاً یزید کی ولی عہدی نے خلافت کی اصلی روح اور اسلامی حریت و آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین نے ان کی غلطیوں کو اسی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ ایسے ایسے افسانے گھڑ کر یا معمولی واقعات کو ایسی رنگ آمیزی کے ساتھ امیر کی جانب منسوب کر دیا، جو ایک صحابی کیا، ایک معمولی انسان کے رتبہ سے بھی فروتر ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں ان کے جبر و استبداد اور ظلم و جور کی داستانیں اور دوسرے مختلف قسم کے الزام ہیں، لیکن یہ سب کے سب یا تو بالکل غلط ہیں یا اصل واقعات کی شکل کو مسخ کر کے بدنما بنا دیا گیا ہے اور جو واقعات جس حد تک صحیح ہیں وہ ایک دنیاوی فرمانروا کے لیے قابل الزام نہیں۔ اس کتاب میں ان سب پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ ہم نے سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کے چھٹے حصہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ان پر مفصل تنقید کی ہے۔ اس موقع پر صرف ان واقعات کی شہرت کے اسباب اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصول سیاست اور طرز جہاں بانی پر تبصرہ کیا جاتا ہے، اس سے اصل حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔

امیر کے اصول حکمرانی

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت شخصی تھی، وہ اس کے استحکام و بقا کے لیے ہر ممکن تدبیر و طریقہ اختیار کرتے تھے، لیکن کسی حالت میں ان کا قدم دنیاوی حکمرانی کے نقطہ نظر سے جائز حدود سے باہر نہیں نکلا، وہ بڑے متحمل مزاج تھے، ان کا حلم تاریخی مسلمات میں ہے، ان کے مخالفین بھی ان کے تحمل اور برداشت کے معترف تھے۔ مشہور شیعی مؤرخ ابن طقطقی لکھتا ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) حلم کے موقع پر حلم سے اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے، لیکن حلم کا پہلو غالب تھا۔ [1] ان کے حلم کے بہت سے واقعات الفخری اور طبری وغیرہ سے نقل کیے ہیں۔ وہ جب تک سختی کے لیے مجبور نہ ہو جاتے تھے، اس وقت تک سختی سے کام نہ لیتے تھے۔ اس بارے میں ان کا اصول یہ تھا:

> ''جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے، وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا، اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا، جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں

[1] الفخری ص ۹۵۔

اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں''۔ ❶

جب ان کے ہوا خواہ ان کے غیر معمولی حلم پر انہیں ملامت کرتے تو یہ جواب دیتے کہ میں اس وقت تک لوگوں کی زبان نہ روکوں گا جب تک وہ میری حکومت اور میرے درمیان مزاحمت نہ کریں۔ ❷ ان کا یہ اصول اپنے عمال اور رعایا دونوں کے لیے تھا۔ زیاد کے ایک عامل کے رقبہ حکومت میں خراج کی آمدنی گھٹ گئی' وہ زیاد کے خوف سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھاگ گیا۔ زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس طریقہ سے دوسرے بدآموز ہو جائیں گے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ سب کے ساتھ ایک ہی سیاست برتنا میرے اور تمہارے کسی کے لیے مناسب نہیں ہے۔ نہ ہم کو سب کے ساتھ نرمی کرنی چاہیے کہ لوگ سرکش ہو جائیں اور نہ سب پر سختی کرنی چاہیے کہ ان کا جینا دوبھر ہو جائے' تم سختی کے لیے رہو' میں نرمی کے لیے۔ ❸ قریش خصوصاً بنی ہاشم کے بزرگ شام جا کر ان کے مہمان ہوتے اور ان کے منہ پر ان کی برائیاں کرتے' لیکن امیر ٹال جاتے اور اس کے بدلہ میں روپیہ پیسہ اور ہدایا و تحائف سے ان کی خدمت کرتے۔ ❹ ہاں ان جماعتوں پر ضرور سختی کی گئی جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی تھیں' لیکن دنیا کا کوئی فرمانروا باغیوں اور انقلاب پرستوں کے ساتھ نرمی نہیں کر سکتا' تاہم ان کے ساتھ بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمال نے ابتدا میں بڑی نرمی سے کام لیا' انہیں ہر طرح سے سمجھایا' امن و سکون کے ساتھ رہنے اور اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین کی' انعام و اکرام کے وعدے کیے جس کی شاہد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور ابن زیاد کی تقریریں ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں۔

قیام عدل اور رعایا کی دادرسی

عدل و انصاف کے قیام اور رعایا کی دادرسی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اتنا اہتمام تھا کہ وہ دربار میں آنے سے پہلے روزانہ مسجد میں جا کر رعایا کی شکایتیں سننے کے لیے بیٹھتے اور ان کے سامنے کمزور و ناتوان' دیہاتی عورتیں' بچے اور لاوارث ہر طبقہ کے لوگ پیش کیے جاتے۔ یہ سب اپنی اپنی شکایتیں بیان کرتے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی وقت اس کے تدارک کا حکم دیتے تھے۔ اس کے بعد دربار میں جاتے اور اشراف کو باریاب کرتے اور ان سے کہتے کہ تم لوگ اشراف اس لیے کہلاتے ہو کہ تم کو دربار میں کم رتبہ لوگوں پر شرف عطا کیا گیا ہے' اس لیے جو لوگ میرے پاس نہیں آتے ان کی ضرورت مجھ

---

❶ یعقوبی ج۔۲' ص ۲۸۳۔ ❷ طبری ج۔۷' ص ۲۱۴۔
❸ تاریخ الخلفاء ص ۲۰۲۔ ❹ الفخری ص ۹۴۔

سے بیان کیا کرو۔ [1]

بیت المال

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو الزام لگائے جاتے ہیں ان میں ایک بڑا الزام بیت المال میں بیجا اسراف کا ہے' اس میں شبہ نہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی طرح فقر وفاقہ کی زندگی بسر کر کے بیت المال کو محض قوم وملک کے مصارف تک محدود نہیں رکھا' بلکہ حکومت کی ضروریات کے ساتھ وہ اپنے آرام وآسائش پر بھی صرف کرتے تھے' لیکن بیت المال کے کسی سابق مصرف کو انہوں نے بند نہیں کیا اور اس سے بہت سے مفید کام انجام دیئے۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے جو وظائف جاری تھے وہ برابر جاری رہے۔ اسی بیت المال سے انہوں نے فوجیں تیار کیں' بحری بیڑے بنوائے' فتوحات میں صرف کیا' قلعے بنوائے' پولیس کو ترقی دی' خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا' دفاتر بنوائے' نہریں کھدوائیں' اسلامی نو آبادیاں قائم کیں اور بہت سے مفید کام انجام دیئے' اسی کے ساتھ انہوں نے اپنی حکومت کے استحکام میں بھی صرف کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد کے مسلمانوں کے سامنے خلافت راشدہ کا نمونہ تھا۔ اسی لیے وہی خصوصیات وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں بھی ڈھونڈتے تھے' حالانکہ ان دونوں کا موازنہ ہی صحیح نہیں ہے۔ اگر ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت سے ان کے عہد پر نظر ڈالی جائے تو بہت سے اعتراض خود بخود ان پر سے اٹھ جاتے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور غلط واقعات کی شہرت کے اسباب

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈے کا سب سے بڑا سبب بنی ہاشم اور بنی امیہ کی پرانی چشمک اور خلافت کے بارے میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال ہے۔ اس سوال نے خلفائے راشدین تک کا دامن محفوظ نہ چھوڑا' جو خلاصہ امت تھے' تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کس شمار میں ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ اموی تھے' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف صف آرائی کی اور ان کی مخالفت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ان پر سب وشتم کا طریقہ جاری کیا' پھر حسن رضی اللہ عنہ پر فوج کشی کی' یزید کو ولی عہد بنایا' جس کے زمانہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں جس کے بانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں' شیعیان علی رضی اللہ عنہ پر سختیاں ہوئیں' اس لیے وہ قدرتاً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے۔ انہوں نے ان واقعات سے جنہیں عام طور سے ناپسند

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج۔۴' ص۔۴۲۳ حاشیہ نفح الطیب۔

کیا جاتا تھا' فائدہ اٹھا کر ان کو ہر طرح کے الزاموں کا نشانہ بنا دیا' ممکن تھا ان کی آواز کچھ عرصہ کیلئے دب جاتی لیکن انہی واقعات کی بنیاد پر بنی عباس نے حکومت کی تعمیر شروع کر دی' ان کا داعی اعظم ابو مسلم خراسانی اور ان کے بہت سے وزراء اور عمال حکومت شیعہ تھے۔ اس لیے سیاسی مصالح کی بنا پر سینکڑوں افسانے تراش کر بنی امیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کر دیئے گئے اور ان کی جانب سے نفرت وحقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ان کی پوری تشہیر کی گئی۔ بنی عباس کی حکومت سندھ سے لے کر اسپین تک تھی اور کم وبیش چھ سو سال تک رہی۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ کے مثالب جو سیاسی مصالح کی بنا پر گھڑے گئے تھے' مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔ انہی کے زمانہ میں تاریخیں لکھی گئیں' یہ تاریخ نویسی کا بالکل ابتدائی دور تھا۔ واقعات کی تحقیق وتنقید مؤرخ کا فرض نہ سمجھا جاتا تھا' بلکہ وہ اسی کو تاریخی دیانت سمجھتے تھے کہ انہیں جو معلومات حاصل ہوں' انہیں بے کم وکاست اپنی رائے ظاہر کیے بغیر تاریخوں میں داخل کر لیں۔ اس لیے صحیح واقعات کے ساتھ بہت سی کمزور روایات اور غلط واقعات بھی تاریخوں میں داخل ہو گئے۔ انہی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مثالب بھی ہیں۔ بنی امیہ سے بنی عباس کی نفرت وعداوت کا یہ حال تھا کہ آخری اموی فرمانروا مروان الحمار کی شکست کے بعد خاندان بنی امیہ کے نوے افراد گرفتار ہوئے۔ یہ غریب کھانا کھانے کے لیے جمع کیے گئے' عین اس وقت بنی ہاشم کے ایک معمولی غلام شبل بن عبداللہ نے بنی امیہ پر اشتعال دلانے والے چند اشعار پڑھ دیئے' انہیں سن کر سفاح عباسی بانی دولت عباسیہ کے چچا عبداللہ بن علی نے اسی وقت کل اموی قیدیوں کو خیمہ کی چوبوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور نیم بسمل لاشوں کے ڈھیر پر دسترخوان بچھوا کر کھانا کھایا اور فرش کے نیچے دم توڑنے والوں کی سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔ ان کے علاوہ جہاں اموی ملے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کر دیئے گئے۔ صرف شیر خوار بچے اور وہ لوگ باقی بچے جنہوں نے بھاگ کر اسپین میں پناہ لی۔ یہ تو زندوں کے ساتھ سلوک ہوا۔ مردوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس سے بھی زیادہ عبرت آموز ہے۔ تمام خلفائے بنو امیہ کی قبریں کھدوا کر اور ان کی ہڈیاں نکلوا کر پھنکوا دیں' ہشام کی لاش سالم نکلی تھی' اسے سولی پر لٹکا کر آگ میں جلوا دیا گیا۔ [1]

بنی امیہ کے ساتھ جن لوگوں کی دشمنی کا یہ حال ہو' ان کے بارے میں ان کے عہد کے مشتہر کردہ واقعات اور ان کے عہد کی مرتب کردہ تاریخوں کا کیا اعتبار؟ مسلمان مؤرخین کی اہمیت پھر بھی لائق ستائش ہے کہ ان حالات میں بھی انہوں نے جرأت وصداقت سے کام لے کر ان واقعات کے ساتھ ساتھ بنی امیہ کے محاسن بھی قلم بند کر دیئے۔ دوسری قوم کے مؤرخین مشکل سے جس کی ہمت کر سکتے تھے۔

[1] ابوالفداء ج۔ ۱' ص ۲۱۲۔

بنی امیہ کے متعلق غلط روایات کے اندراج کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں شیعہ سنی اختلافات نے یہ شکل اختیار نہ کی تھی۔ اس کی زیادہ تر حیثیت پولیٹکل تھی۔ اس پر مذہب کا رنگ اتنا گہرا نہ چڑھا تھا' اس لیے مؤرخین تو مؤرخین' محدثین تک ان کی روایتیں قبول کرتے تھے۔ چنانچہ صحاح میں بھی ان کی روایتیں ہیں۔ اس لیے بنی امیہ کے متعلق بھی ان کے بیانات کتابوں میں داخل ہو گئے' گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ بنی امیہ کے بارے میں ان کے بیانات کا کیا درجہ ہوگا۔

فضل وکمال

علمی اعتبار سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تہی دامن نہ تھے۔ ابتدا سے لکھنے پڑھنے میں مہارت رکھتے تھے۔ اسی بنا پر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب وحی بنایا تھا۔ مذہبی علوم میں اتنا درک تھا کہ صاحب علم وافتاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار تھا۔ [1] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ [2] قرآن مجید کی تفسیر وتاویل پر بھی نظر تھی۔ ۱۶۳ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نام بھی ہیں۔ شعروادب کا بھی مذاق رکھتے تھے اور اشعار کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ [3] تقریر فصیح ہوتی تھی۔ ان کی متعدد تقریریں تاریخوں میں موجود ہیں۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بھی ایک تقریر نمونۃً درج کی ہے۔ [4] غرض وہ اس عہد کے جملہ مروجہ علوم میں کچھ نہ کچھ درک رکھتے تھے۔

تاریخ کی پہلی کتاب

تاریخ اسلام میں اس وقت تک فن تاریخ کے اوراق بالکل سادہ تھے۔ سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ کے ایک ممتاز اخباری عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں' سلاطین عجم کے حالات اور زبانوں کی ابتدا اور اس کے پھیلنے کی تاریخ لکھائی۔ یہ مسلمانوں میں تاریخ کی سب سے پہلی کتاب تھی۔ [5]

سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں میں تھے۔ انہیں صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا تھا۔ اس لیے ان میں علم وعمل کا وہ جوہر پیدا نہ ہو سکے جو مہاجرین اولین

---

[1] اعلام الموقعین ج۔۱' ص۱۳۔ [2] بخاری مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ۔ [3] کتاب العمدہ ص۱۰۔
[4] کتاب البیان والتبیین ج۱' ص۱۱۲' ۱۱۳۔ [5] فہرست ابن الندیم ص۱۳۲۔

کا طغرائے امتیاز ہیں' تاہم وہ صحابی رسول تھے' اس لیے ان کا دامن اخلاق فضائل سے خالی نہ تھا۔

خوف وخشیت الٰہی

انہیں دنیا کی مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا' جن میں وہ بحیثیت صحابی رسول ﷺ اپنا دامن نہ بچا سکے لیکن ان کا دل خوف وخشیت الٰہی سے خالی نہ تھا۔ وہ مواخذہ قیامت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے اور اس کے عبرت آموز واقعات سن کر زار وزار روتے تھے۔ ❶

دنیاوی ابتلا پر تاسف وپشیمانی

دنیاوی ابتلا کا پورا احساس واعتراف تھا اور اس پر ندامت وپشیمانی تھی۔ ایک مرتبہ وہ سفر میں تھے کہ ایک مقام پر منزل ہوئی۔ ایک اونچے اور بلند مقام پر فرش بچھا دیا گیا۔ سامنے سے ان کے خدم وحشم' اونٹ گھوڑے' لونڈی اور غلام قطار در قطار گزرنے لگے' انہیں دیکھ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی ابن مسعدہ سے کہا' اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے' نہ انہوں نے دنیا کو چاہا نہ دنیا نے انہیں چاہا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو دنیا نے چاہا لیکن انہوں نے اس کو نہ چاہا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو کچھ دنیا میں مبتلا ہونا پڑا اور ہم لوگ تو بالکل اسی میں آلودہ ہو گئے' وہ یہ کہہ رہے تھے اور ان پر ندامت وپشیمانی کے آثار طاری تھے۔ ❷

مرض الموت میں ان آزمائشوں کو یاد کر کے کہتے تھے ''کاش میں ذی طویٰ (نام مقام) کا ایک معمولی قریشی ہوتا اور ان معاملات میں نہ پڑا ہوتا''۔ ❸

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی خدمت

تمام خلفا امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی خدمت باعث سعادت سمجھتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے' وہ ایک ایک مشت ایک ایک لاکھ رقم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ ❹

عام فیاضی

ان کی یہ فیاضی امہات المؤمنین تک محدود نہ تھی بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم' اکابر قریش اور دوسرے اعیان وشرفا پر ان کا ابر کرم برستا رہتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس' ابن زبیر' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور

---

❶ ترمذی ابواب الزہد۔ ❷ طبری ج ۷ ص ۲۱۲۔
❸ اسد الغابہ ج ۴' ص ۳۸۷۔ ❹ مستدرک حاکم ج ۳۔

آل ابی طالب کے افراد امیر کے بڑے مخالفوں میں تھے' لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فیاضیاں ان کے لیے بھی یکساں تھیں۔ یہ بزرگ انہیں برا بھلا کہتے تھے اور امیر ان کی خدمت کرتے تھے۔ [1] ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل بن ابی طالب کو چالیس ہزار کی ضرورت تھی۔ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے بیان کی۔ اسی کے ساتھ بھرے مجمع میں انہیں اور ان کے والد ابوسفیان کو برا بھلا بھی کہا' امیر نے سنا اور سن کر مطلوبہ رقم پیش کی۔ [2] تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جوان کے خلاف لیکن ان کی فیاضی کے معترف تھے' کہا کرتے تھے کہ جو لوگ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاتے ہیں' وہ ایک وسیع وادی میں اترتے ہیں۔ [3]

حلم

حلم ان کا سب سے بڑا اور ممتاز وصف تھا' ان کا یہ وصف تاریخی مسلمات میں ہے۔ اس کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔



[1] الفخری ص ۵۵۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ عقیل بن ابی طالب۔
[3] طبری ج ۷' ص ۲۲۵۔

یزید اول بن معاویہ رضی اللہ عنہ

(۶۰ھ تا ۶۴ھ مطابق ۶۸۰ء تا ۶۸۳ء)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا یزید اول تخت نشین ہوا۔ یہ میسون بنت بحدل کے بطن سے تھا' اس کی پیدائش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں ہوئی تھی۔ اس لیے عیش و تنعم کے گہوارہ میں اس نے پرورش پائی۔ اس کی زندگی شاہزادوں اور امیر زادوں کی تھی۔ سیر و شکار کا بڑا شائق تھا' لیکن سپہ گری کے جوہر موجود تھے۔ لڑائیوں میں شریک ہوتا تھا' قسطنطنیہ کی مشہور مہم میں بھی تھا' اور ایک روایت کے مطابق فوج کا سپہ سالار تھا۔

خلافت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی بیعت اپنی زندگی میں لے چکے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد رجب ۶۰ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

حضرت امام حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیعت کا مطالبہ

اوپر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں گذر چکا ہے کہ حضرت امام حسین' عبداللہ بن زبیر' عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم وغیرہ نے یزید کی ولی عہدی تسلیم نہیں کی تھی۔ اس لیے تخت نشینی کے بعد یزید کے سامنے سب سے پہلے ان بزرگوں کی بیعت کا سوال پیدا ہوا۔ عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے تو کوئی خاص خطرہ نہ تھا' لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے دعوے خلافت کا یقین تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ ساری دنیائے اسلام خصوصاً حجاز اور عراق میں یزید کے خلاف انقلاب برپا ہو جاتا۔ جیسا کہ آگے چل کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دعوے خلافت کے زمانہ میں پیش آیا۔ اس لیے تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کو ان دونوں بزرگوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا۔ اس کو اس کی تعمیل کے خطرات معلوم تھے۔ اس نے مروان بن حکم سے مشورہ کیا' اس نے رائے دی کہ دونوں کو بلا کر فوراً بیعت لے لو' اگر ذرا بھی تامل کریں تو سر قلم کر دو' اگر ان کو معاویہ کی موت کی خبر ہو گئی تو ان میں سے ہر ایک' ایک ایک مقام پر خلافت کا دعویدار بن کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس وقت بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ چنانچہ ولید نے حضرت امام حسین اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو بلا بھیجا۔ ابھی تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر مدینہ نہ

پہنچی تھی' لیکن دونوں بزرگوں کو قرائن سے اس کا اندازہ ہو گیا اور وہ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے' تاہم وہ ولید کے بلاوے پر اس کے پاس گئے۔ اس نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا حکم سنایا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے (اِنَّالِلّٰہ) پڑھی اور امیر کے لیے دعائے خیر کی۔ پھر فرمایا میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ میرے لیے یہ زیبا ہے۔ جب عام لوگوں کو بیعت کے لیے بلاؤ گے تو اس وقت میں بھی آ جاؤں گا' ولید نیک فطرت اور امن پسند شخص تھا' راضی ہو گیا اور آپ لوٹ گئے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک دن کی مہلت لے کر راتوں رات مکہ نکل گئے۔ ولید کو خبر ہوئی تو اس نے آدمی دوڑائے' لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ دور جا چکے تھے' مکہ پہنچ کر وہ حرم میں پناہ گزیں ہو گئے۔

مروان نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت لیے بغیر ان کو چھوڑ دینے پر ولید کو بڑی ملامت کی اور کہا' بیعت لینے کا موقع تم نے کھو دیا۔ اب قیامت تک تم ان پر قابو نہیں پا سکتے۔ اس نے جواب دیا کہ میں حسین (رضی اللہ عنہ) کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سفر مکہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کی غیر شرعی موروثی بادشاہت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے' لیکن بغیر بیعت کے مفر کی کوئی صورت نہ تھی۔ عراق کے شیعیان علی رضی اللہ عنہ کا میلان آپ کی طرف تھا۔ اس لیے آپ بڑی کشمکش میں مبتلا ہو گئے' لیکن مدینہ میں بغیر بیعت کے قیام ناممکن تھا۔ اس لیے محمد بن حنفیہ کے مشورہ سے شعبان ۶۰ھ میں مع اہل و عیال کے مکہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک محب اہل بیت عبداللہ بن مطیع ملے' انہوں نے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا مکہ جاتا ہوں' ابن مطیع نے عرض کیا' وہاں جانے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن خدا کے لیے کوفہ کا قصد نہ فرمایئے گا' وہاں کے لوگ بڑے غدار ہیں۔ انہوں نے آپ کے والد بزرگوار اور محترم بھائی دونوں کو دھوکا دیا۔ آپ اہل حجاز کے سردار ہیں۔ حرم میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنی دعوت دیجئے۔ حرم کا گوشہ ہرگز ہرگز نہ چھوڑیئے گا' مکہ پہنچ کر آپ نے شعب ابی طالب میں قیام فرمایا۔

اہل کوفہ کے دعوتی خطوط اور مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا سفر کوفہ

عراق کے شیعیان علی رضی اللہ عنہ ابتدا سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے۔ ان کی وفات کے بعد انہوں نے خلافت کا منصب اہل بیت میں منتقل کرنے کی کوشش کی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ پہنچنے کے بعد آپ کے پاس بلاوے کے خطوط لکھے۔ پھر عمائد کوفہ نے خود آ کر کوفہ چلنے کی درخواست کی۔

اس درخواست پر آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو حالات کی تحقیق کے لیے کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کو لکھا:

''تمہارے خطوط ملے' تمہاری خواہش معلوم ہوئی' میں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو حالات کی تحقیق کے لیے بھیجتا ہوں۔ جیسا کہ تم نے لکھا ہے اور تمہارے آدمیوں کا بیان ہے۔ اگر واقعی تم لوگ میری خلافت پر متفق ہو' تو مسلم وہاں کے حالات دیکھ کر مجھے اطلاع دیں گے میں فوراً روانہ ہو جاؤں گا''۔

یہ خط لے کر مسلم کوفہ پہنچے اور مختار بن ابی عبید کے گھر میں قیام کیا۔ ان کی آمد کی خبر سن کر ان کے پاس شیعیان علی رضی اللہ عنہ کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ کوفہ کے حاکم نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوگئی' لیکن وہ بڑے دیندار' نیک فطرت اور امن پسند آدمی تھے' اس لیے کسی قسم کی سختی نہیں کی بلکہ لوگوں کو بلا کر انہیں سمجھا دیا کہ:

''فتنہ و اختلاف میں نہ پڑو' اس میں جان و مال دونوں کی ہلاکت و بربادی ہے' جب تک کوئی شخص میرے مقابلہ کے لیے نہ کھڑا ہوگا اس وقت تک میں محض بدگمانی پر کسی سے باز پرس نہ کروں گا''۔

عبیداللہ بن زیاد کی آمد

لیکن یزید کے جاسوسوں نے دمشق اطلاع بھیج دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ آ گئے ہیں اور لوگوں کو برگشتہ کر رہے ہیں' اگر حکومت کی بقا منظور ہے تو فوراً اس کا تدارک کیا جائے۔ اس اطلاع پر یزید نے عبیداللہ بن زیاد والی بصرہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ جا کر جس طرح ممکن ہو مسلم (رضی اللہ عنہ) کو نکال دو یا انہیں قتل کر دو۔ یہ حکم پا کر وہ فوراً کوفہ پہنچا اور اہل کوفہ کے سامنے تقریر کی۔

''باشندگان کوفہ! امیر المؤمنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم مقرر کر کے بھیجا ہے اور مظلوموں کے ساتھ انصاف' مطیع و فرمانبردار کے ساتھ احسان و سلوک اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں اس حکم کو پورا کروں گا۔ مطیع و منقاد کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤں گا' لیکن مخالفوں کے لیے سم قاتل ہوں''۔ [1]

اور ہر محلّہ کے چوہدری کو اس کے محلّہ کا ذمہ دار بنایا کہ وہ اپنے اپنے محلّہ کے فتنہ پرداز خوارج اور مشتبہ لوگوں کے نام لکھ کر اطلاع دیں' جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا اس کے دروازہ پر اس کو سولی

[1] ابن اثیر ج۔۴' ص۱۰۔

لٹکایا جائے گا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی خفیہ کوششیں

ان انتظامات کو دیکھ کر مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ مختار کے گھر سے ایک دوسرے محب اہل بیت ہانی بن عروہ مذحجی کے یہاں منتقل ہو گئے۔ انہیں ٹھہرانے میں تامل ہوا' لیکن پاسِ مروت سے انکار نہ کر سکے اور بادل ناخواستہ انہیں جگہ دے دی۔ یہاں بھی شیعیان علی رضی اللہ عنہ کی آمد و رفت برابر جاری رہی اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی' انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ ''حالات موافق ہیں' آپ فوراً تشریف لائیے۔''

مسلم کی گرفتاری اور قتل

عبیداللہ بن زیاد برابر مسلم کی جستجو میں لگا ہوا تھا' لیکن پتہ نہ چلتا تھا' آخر میں اس کے غلام معقل نے شیعیان علی رضی اللہ عنہ کا بھیس بدل کر پتہ چلا لیا' اور مسلم سے مل کر عبیداللہ بن زیاد کو خبر کر دی۔

ہانی بن عروہ عمائد کوفہ میں تھے اس لیے کوفہ کے والیوں کے یہاں ان کی آمد و رفت رہتی تھی' لیکن جب سے مسلم ان کے گھر آ گئے تھے اس وقت سے انہوں نے عبیداللہ بن زیاد کے پاس آنا جانا بند کر دیا تھا۔ ایک دن وہ بعض شرفائے کوفہ کے ساتھ عبیداللہ کے پاس گئے۔ اس نے پوچھا تم نے مسلم کو چھپایا ہے اور لوگوں کو ان کی بیعت کے لیے جمع کرتے ہو انہوں نے انکار کیا' ان کے انکار پر معقل نے شہادت دی۔ اس عینی شہادت کے بعد انکار کی گنجائش نہ تھی' ہانی نے اقرار کر لیا اور اصل واقعہ بیان کر دیا کہ میں نے ان کو بلایا نہیں تھا' وہ خود میرے یہاں آئے' مجھے انہیں ٹھہرانے میں تامل تھا' لیکن مروت سے انکار نہ کر سکا' اگر یہ فعل آپ کے خلاف مزاج ہے تو میں ابھی جا کر ان کو نکالے دیتا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا تم یہاں سے جا نہیں سکتے۔ یہیں ان کو بلا کر ہمارے حوالہ کر دو۔ ہانی کی غیرت نے اسے گوارہ نہ کیا۔ انہوں نے کہا میں اپنے پناہ گزیں کو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا۔ ان کے انکار پر ابن زیاد نے انہیں پٹوا کر قید کر دیا۔ کوفہ میں خبر پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے۔ یہ افواہ سن کر مسلم اپنے اٹھارہ ہزار عقیدت مندوں کو لے کر نکل پڑے اور عبیداللہ بن زیاد کو قصر امارت میں گھیر لیا۔ اس وقت ابن زیاد کے پاس حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا۔ صرف پچاس آدمی تھے۔ ان میں کچھ پولیس کے آدمی اور چند اشراف کوفہ تھے۔ ابن زیاد نے انہیں حکم دیا کہ وہ لوگ اپنے اپنے قبیلہ اور اثر والوں کو واپس کریں اور یہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص امیر کی اطاعت کرے گا وہ انعام و اکرام سے نوازا جائے گا

اور جو مخالفت کرے گا اسے سخت سزا دی جائے گی۔ کچھ لوگ اس دھمکی کے خوف سے اور کچھ اشراف کوفہ کے سمجھانے سے مسلم رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ کچھ لوگوں کے اعزہ واقربا انہیں واپس لے گئے۔ غرض مسلم کے ساتھ صرف تیس آدمی باقی رہ گئے۔ اس وقت وہ بہت گھبرائے اور ایک بوڑھی عورت کے گھر میں پناہ لی۔ ابن زیاد نے یہ بھی اعلان کرا دیا تھا کہ مسلم جس کے گھر سے برآمد ہوں گے اسے سخت سزا دی جائے گی اور جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی گھروں کی تلاشی شروع کرا دی۔ اس اعلان سے خوفزدہ ہو کر بوڑھی عورت کے لڑکے نے بتا دیا۔ ابن زیاد نے اسی وقت محمد بن اشعث کو گرفتاری کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ مسلم نے جب دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو جان پر کھیل کر نکل آئے اور تن تنہا پوری جماعت کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گئے۔ اس وقت محمد بن اشعث جان بخشی کا وعدہ کر کے انہیں ابن زیاد کے پاس لے آیا اور اس سے کہا میں انہیں امان دے چکا ہوں۔ ابن زیاد نے ڈانٹا کہ میں نے تم کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا تمہیں امان دینے کا کیا حق تھا؟ یہ سن کر مسلم نے محمد بن اشعث سے کہا کہ میرا بچانا تمہارے بس میں نہیں ہے' لیکن اتنا کرنا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو میرے انجام کی خبر کر کے کہلا دینا کہ وہ کوفہ والوں پر ہرگز ہرگز اعتبار نہ کریں اور جہاں تک پہنچ چکے ہوں' وہیں سے لوٹ جائیں۔ ابن اشعث نے ایفا کا وعدہ کیا۔ پھر عمر بن سعد سے جو ان کا قریبی عزیز اور اموی حکام میں تھا وصیت کی کہ میں نے سات سو درہم اہل کوفہ سے قرض لیے تھے' انہیں ادا کر دینا اور میری لاش کو دفن کر دینا اور حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے کر راستہ سے واپس کر دینا۔ ان وصیتوں کے بعد ابن زیاد نے ان کو قتل کرا دیا۔ ان کے قتل سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ایک قوی بازو ٹوٹ گیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ سے روانگی

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے حالات کی اطلاع دے کر آپ کو بلا بھیجا تھا۔ اس اطلاع پر آپ نے روانگی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اہل مکہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اعزہ کوفیوں کی غداری سے پوری طرح واقف تھے' اس لیے انہیں جب آپ کی تیاریوں کی خبر ملی تو تمام ہوا خواہوں نے روکا۔

عمرو بن عبدالرحمٰن نے کہا میں نے سنا ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔ وہاں آپ کے دشمنوں کی حکومت ہے' ان کے حکام موجود ہیں' ان کے ہاتھ میں فوج اور خزانہ ہے' عوام بندۂ زر ہوتے ہیں' مجھ کو

خطرہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہی آپ سے لڑیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ خدارا اس ارادہ سے باز آؤ' اگر عراقیوں نے شامی حکام کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو تو بے شک جاؤ اور اگر مخالفین کی حکومت قائم ہے تو یقین مانو کہ عراقیوں نے تم کو محض لڑنے کے لیے بلایا ہے۔ شامی حکام کے ہوتے ہوئے کوئی تمہارا ساتھ نہ دے گا' سب تم کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے' جن لوگوں نے تم کو بلایا ہے وہی تم کو جھٹلائیں گے اور تمہارے خلاف لڑیں گے' حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں استخارہ کروں گا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ مکہ ہی میں قیام کر کے اپنی خلافت کی کوشش کیجئے' ہم سب آپ کی مدد کریں گے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا' میں نے والد سے سنا ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا ہے' جس کی وجہ سے حرم کی حرمت اٹھ جائے گی' میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔

دوسرے دن پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ میرا دل کسی طرح نہیں مانتا۔ اس راہ میں تمہاری جان کا خوف ہے۔ عراقی غدار ہیں۔ ہرگز ان کے یہاں نہ جاؤ' مکہ ہی میں رہو' تم حجازیوں کے سردار ہو' اگر عراقی واقعی تمہارے حامی ہیں تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے تمہارے دشمنوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں' اس وقت تم وہاں کا قصد کرو' لیکن اگر تم نے جانے ہی کا فیصلہ کر لیا ہے اور مکہ میں رہنا نہیں چاہتے تو عراق کی بجائے یمن جاؤ' وہ ایک الگ تھلگ مقام ہے' وہاں تمہارے والد کے حامی موجود ہیں' ہر طرح کی حفاظت کا سامان ہے' وہاں بیٹھ کر اپنی خلافت کی کوشش کرو' اس طرح آسانی سے تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ آپ میرے سچے بہی خواہ ہیں' لیکن اب میں پختہ عزم کر چکا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو کم از کم اہل و عیال کو ساتھ نہ لے جاؤ' مجھ کو ڈر ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح تم بھی بال بچوں کے سامنے ذبح کیے جاؤ گے۔

لیکن مشیت کچھ اور تھی اس لیے خیر خواہوں کی ساری کوششیں بے کار گئیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مع اہل و عیال مکہ سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ مکہ سے نکلنے کے بعد فرزدق شاعر جو کوفہ سے آ رہا تھا' ملا۔ اس نے بتایا کہ کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ۔ آپ کی روانگی کے بعد آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید اموی حاکم مکہ سے خط لکھوا کر بھیجا کہ ''آپ لوٹ آئیے' اس راہ میں ہلاکت ہے' میں ہر طرح سے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں' آپ اطمینان و سکون کے ساتھ مکہ میں رہیے' میں ہر طرح سے آپ کی مدد

کروں گا۔'' یہ خط آپ کو راستہ میں ملا' آپ نے اس کے جواب میں عمرو بن سعید کو شکریہ کا خط لکھا مگر واپس نہ ہوئے۔

ابن زیاد کے انتظامات

شامی حکومت کو آپ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے آپ کی نقل وحرکت کی اطلاع اور آپ کے اور اہل کوفہ کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ منقطع کرنے کے لیے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا تھا' چنانچہ آپ کے ایک قاصد قیس بن مسہر صیداوی جنہیں آپ نے کوفہ کے حالات کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا' گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے' مقام ثعلبیہ میں پہنچ کر آپ کو کوفہ کے ایک مسافر سے مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی' یہ خبر سننے کے بعد آپ کے ارادہ میں کچھ تغیر ہوا' ہواخواہوں نے بھی واپسی کے لیے اصرار کیا' لیکن اب مسلم کے بھائیوں نے انکار کیا اور کہا ہم یا مسلم کے خون کا بدلہ لیں گے یا خود لڑ کر جان دے دیں گے۔ ان کے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ جب تم ہی لوگ نہ رہو گے تو میری زندگی کس کام کی۔ غرض سفر جاری رہا' کچھ دور چل کر محمد بن اشعث اور عمرو بن سعد کے قاصد جنہیں ان دونوں نے مسلم کی وصیت کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو روکنے کے لیے بھیجا تھا' ملے۔ ان سے کوفہ کے تفصیلی حالات سننے کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا: ''مسلم بن عقیل' ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کے قتل کی خبریں موصول ہو چکی ہیں۔ ہمارے حامیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے' اس لیے تم میں سے جو شخص لوٹنا چاہے وہ خوشی سے لوٹ سکتا ہے' میری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں'' یہ سن کر عوام کا ہجوم جو راستہ سے ساتھ ہو گئے تھے' چھٹنے لگا اور صرف وہی جان نثار باقی رہ گئے' جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے۔

حر بن یزید تمیمی کی آمد

آگے چل کر مقام ذی شم میں حر بن یزید تمیمی ایک ہزار سپاہ کے ساتھ جسے ابن زیاد نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گھیر کر لانے کے لیے بھیجا تھا' ملا۔ اس سے آپ نے فرمایا کہ ''میں خود سے نہیں آیا ہوں' بلکہ تم لوگوں کے خطوط اور آدمی آئے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ آ کر ہماری راہنمائی کیجئے' اگر تم لوگ اس بیان پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر چلوں ورنہ یہیں سے لوٹ جاؤں۔'' حر اور اس کے ساتھیوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے کوفیوں کے تمام خطوط حر کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ اس نے کہا ہم کو اس سے بحث نہیں' ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں کہیں مل جائیں' آپ کو لے جا کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ یہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے قافلہ کو لوٹانا چاہا۔ حر نے روکا' دونوں میں تیز گفتگو ہو گئی' لیکن حر نے آپ کے مرتبہ کا پورا لحاظ رکھا اور عرض کیا اگر میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو

عراق اور حجاز دونوں کے راستہ سے جدا ہو' میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں' آپ یزید کو لکھئے' ممکن ہے مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں' حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو گئے۔

خطبہ

مقام بیضہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک پر جوش خطبہ دیا:

''لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم' محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے' خدا کے عہد کو توڑنے والے' اللہ اور رسول کی مخالفت اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً و عملاً اس پر غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے کہ اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ' ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے' ملک میں فساد پھیلایا ہے۔ حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے۔ مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں۔ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے اس لیے مجھ کو غیرت آنے کا زیادہ حق ہے''۔ [1]

عذیب الہجانات پہنچ کر طرماح بن عدی نے جو کوفہ سے آ رہے تھے' قیس بن مسہر کے قتل کی خبر سنائی اور کوفہ کے جنگی انتظامات کا حال بیان کر کے اپنے یہاں یمن چلنے کی دعوت دی' لیکن آپ نے قبول نہ فرمائی۔

کربلا میں ورود

نینویٰ میں حر کو ابن زیاد کا حکم ملا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو ایسے چٹیل میدان میں اتارو جہاں کوئی اوٹ اور پانی وغیرہ نہ ہو۔ حر نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ حکم سنا دیا لیکن اس کی تعمیل پر کوئی اصرار نہیں کیا اور ۲ محرم ۶۱ھ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں قافلہ اتارا۔ تیسری محرم کو عمر بن سعد چار ہزار فوج لے کر کربلا پہنچا۔ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قریبی عزیز تھا۔ بڑی کشمکش کے بعد حکومت کی طمع میں اس نے یہ مہم اپنے سر لی تھی' لیکن اس کا ضمیر برابر ملامت کر رہا تھا۔ اس نے کربلا آنے کے بعد مفاہمت کی بڑی کوشش کی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں کوفیوں کے بلاوے پر آیا تھا۔ اب واپس جانے کے لیے تیار ہوں' عمر بن سعد نے ابن زیاد کو لکھ بھیجا کہ حسین واپس جانے کے لیے تیار ہیں لیکن وہاں سے حکم آیا کہ پہلے ان سے بیعت لے لو اس کے

---

[1] یہ پوری طویل تقریر ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰' ۴۱ میں ہے' ہم نے خلاصہ لکھا ہے۔

بعد غور کیا جائے گا' اس کے بعد ہی دوسرا حکم پانی بند کر دینے کا پہنچا۔

پانی کیلئے کشمکش

اس حکم کے بعد عمر بن سعد نے ۷ محرم ۶۱ھ سے فرات پر پہرہ بٹھا دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہ بڑے بہادر تھے۔ یہ چند آدمیوں کو لے کر زبردستی پانی لے آئے۔

شمر ذی الجوشن کی آمد

عمر بن سعد حکومت کی طمع میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا تھا' لیکن تلوار اٹھانے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور اس امید پر جنگ کو ٹال رہا تھا کہ شاید مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ ابن زیاد کو اس کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے شمر ذی الجوشن کو بھیجا اور عمر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ میں نے تم کو حسین رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی اور ان کو بچانے کے لیے نہیں بھیجا تھا' میرا حکم پہنچتے ہی ان سے بیعت لے کر ان کو میرے پاس بھیج دو۔ اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج ذی الجوشن کے حوالہ کر دو۔ ابن سعد پر یہ حکم بہت گراں گزرا' لیکن رے کی حکومت کا چھوڑنا اس سے زیادہ دشوار تھا۔ اس لیے بادل ناخواستہ اس کی تعمیل کے لیے تیار ہو گیا اور محرم کی نویں تاریخ کو خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مل کر ان سے آخری گفتگو کی' لیکن مصالحت کی کوئی صورت تھی ہی نہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بیعت نہیں کر سکتے تھے اور شام کی حکومت بغیر بیعت لیے ہوئے ان کو چھوڑ نہیں سکتی تھی' اس لیے آخری گفتگو بھی ناکام رہی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

''لوگو! موعودہ وقت آ پہنچا' اس لیے میں تم کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں' میرے اہل بیت کو ساتھ لے کر لوٹ جاؤ''۔

عوام کی بھیڑ پہلے ہی سے چھٹ چکی تھی صرف خواص اور اعزہ باقی رہ گئے تھے' ان کی واپسی کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس کے جواب میں سب نے جان نثاری کا اظہار کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کے خیموں کی حفاظت کے انتظامات کر کے صبح کو بہتر جان نثاروں کی مختصر فوج مرتب کی' میمنہ پر زہیر بن قیس کو' میسرہ پر حبیب بن مظہر کو متعین کیا اور عباس رضی اللہ عنہ کو علم مرحمت فرمایا اور آغاز جنگ سے پہلے بارگاہ ایزدی میں دعا کی:

''خدایا! تو ہر تکلیف میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں سہارا ہے' مجھ پر جو وقت آئے اس میں تو ہی میرا پشت پناہ تھا' غم و اندوہ میں دل کمزور پڑ جاتا ہے' کامیابی کی

تدبیریں کم ہو جاتی ہیں اور رہائی کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں' دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں' اور دشمن شماتت کرتے ہیں۔ میں نے ایسے نازک وقتوں میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا' تجھی سے اس کی شکایت کی ہے' تو نے مصائب کے بادل چھانٹ دیئے اور ان کے مقابلہ میں میرا سہارا بنا' تو ہی ہر نعمت کا ولی ہے' ہر بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور تمنا کا منتہی ہے''۔

اس دعا کے بعد اتمام حجت کے لیے دشمنوں کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی۔ اس میں آپ نے اپنی شخصیت بتائی اور اپنے آنے کے اسباب بیان کر کے واپسی کی اجازت چاہی' لیکن اب اس کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ جواب ملا کہ اپنے ابن عم کی بیعت کر لو وہ تمہاری ہر خواہش پوری کر دیں گے اور تمہارے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہ ہوگا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''اللہ کی قسم میں ذلیل کی طرح یزید کی بیعت کر کے غلام کی طرح اس کی خلافت تسلیم نہ کروں گا''۔ آپ کے بعد آپ کے جان نثاروں نے تقریریں کیں لیکن عراقی فوج پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا' البتہ حر بن یزید تمیمی عراقیوں کا ساتھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔

جنگ وشہادت

اور جنگ شروع ہو گئی' پہلے ایک ایک آدمی میدان میں آیا اور حسینی فوج کے چند آدمی مارے گئے' اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی' دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ ایک طرف چار ہزار مسلح سپاہ تھی' دوسری طرف کل ۷۲ آدمی' تاہم یہ مٹھی بھر آدمی بڑی شجاعت سے لڑے' دوپہر تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بہت سے آدمی کام آ گئے۔

ان کے بعد باری باری سے حضرت علی اکبر' عبداللہ بن مسلم' جعفر طیار کے پوتے عدی' عقیل کے فرزند عبدالرحمٰن' ان کے بھائی' حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر وغیرہ رضی اللہ عنہم میدان میں آئے اور شہید ہوئے۔ ان کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نکلے۔ عراقیوں نے ہر طرف سے یورش کر دی' آپ کے بھائی عباس' عبداللہ' جعفر اور عثمان آپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور چاروں نے شہادت حاصل کی۔ اب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بالکل خستہ اور نڈھال ہو چکے تھے۔ پیاس کا غلبہ تھا' فرات کی طرف بڑھے' پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حسین بن نمیر نے تیر چلایا' چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا۔ آپ فرات سے لوٹ آئے' اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی۔ عراقیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر وار کئے' سنان بن انس نے تیر چلایا اور آپ رضی اللہ عنہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے' آپ کے گرنے کے بعد سنان بن انس نے سر اقدس تن سے جدا کر دیا۔ یہ حادثۂ عظمیٰ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق

ستمبر ۶۸۱ء میں پیش آیا۔ اس معرکہ میں ۷۲ آدمی شریک ہوئے' جن میں بیس خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ شہادت کے دوسرے دن غاضریہ والوں نے شہدا کی لاشیں دفن کیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جسد مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا' سر ابن زیاد کے ملاحظہ کے لیے کوفہ بھیج دیا گیا۔ [1]

اہل بیت کا سفر شام اور یزید کا تاثر

حضرت امام رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل بیت کا قافلہ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا۔ اس نے معائنہ کے بعد شام بھجوادیا۔ یہ حادثۂ عظمیٰ یزید کی لاعلمی میں اور بغیر اس کے حکم کے پیش آیا تھا' کیونکہ اس نے صرف بیعت لینے کا حکم دیا تھا' لڑنے کی اجازت نہ دی تھی' اس لیے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا "اگر تم لوگ حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا' ابن سمیہ (ابن زیاد) پر اللہ کی لعنت ہو' اگر میں موجود ہوتا تو اللہ کی قسم حسین (رضی اللہ عنہ) کو معاف کر دیتا' اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔" [2] اس کے بعد جب اہل بیت کا قافلہ شام پہنچا تو یزید ان کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا' اور ان سے کہا اللہ ابن مرجانہ کا برا کرے' اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا' اور اس طرح تم کو نہ بھیجتا' فاطمہ بنت علی رضی اللہ عنہا کا بیان ہے' جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کیے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہوگئی' ہمارے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا اور ہمارے متعلق مناسب احکام دیئے۔ [3]

پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کی طرف اشارہ کر کے درباریوں سے کہا کہ ان کا یہ انجام اس لیے ہوا کہ یہ کہتے تھے کہ ان کے باپ علی (رضی اللہ عنہ) میرے باپ سے' ان کی ماں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میری ماں سے اور ان کے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جد سے بہتر اور وہ خود مجھ سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے' سو ان کے باپ اور میرے باپ نے اللہ سے محاکمہ چاہا اور دنیا کو معلوم ہے کہ اس نے کس کے حق میں فیصلہ دیا' باقی ان کی ماں میری عمر کی قسم میری ماں سے بہتر تھیں اور کوئی مسلمان جو اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں سمجھ سکتا' مگر افسوس انہوں نے (اللھم مالک الملک.....) کا فرمان الٰہی نہیں پڑھا تھا۔ [4]

یزید کے گھر میں ماتم

---

[1] یہ واقعات طبری' اخبار الطوال دینوری، یعقوبی اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

[2] طبری ج۔۷' ص۔۳۷۵ و اخبار الطوال ص ۲۷۲۔

[3] طبری ج۔۷' ص ۳۷۷۔ [4] ابن اثیر ج۔۴' ص ۷۳۔

یزید کا پورا کنبہ اہل بیت نبوی ﷺ کا عزیز تھا' اس لیے انہیں حرم سرائے شاہی میں ٹھہرایا گیا۔ جیسے ہی محذرات عصمت مآب زنان خانہ میں داخل ہوئیں' یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا اور تین دن تک ماتم بپا رہا۔ یزید امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلاتا تھا۔ [1]

نقصان کی تلافی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اموی فوج کے وحشی سپاہیوں نے اہل بیت کا کل سامان لوٹ لیا تھا۔ یزید نے پوچھ پوچھ کر جتنا مال لٹا تھا اس کا دونا دلوادیا۔ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کا شریف اور منت پذیر دل اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا' وہ کہتی ہیں کہ منکرین خدا میں میں نے یزید سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ [2]

اہل بیت کی واپسی اور یزید کا شریفانہ برتاؤ

چند دن ٹھہرانے کے بعد جب اہل بیت کرام کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں بڑے اہتمام کے ساتھ رخصت کیا۔ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر ان سے کہا' ابن مرجانہ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر میں ہوتا تو خواہ میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی۔ میں حسین (رضی اللہ عنہ) کی جان بچالیتا' لیکن اب قضائے الٰہی پوری ہوچکی۔ آئندہ تم کو جس قسم کی بھی ضرورت پیش آئے مجھے لکھنا۔ [3]

اس کے بعد بڑی حفاظت اور اہتمام کے ساتھ قافلہ کو روانہ کیا' چند دیانتدار اور نیک آدمیوں کو حفاظت کے لیے ساتھ کیا' ان لوگوں نے بڑے اعزاز واحترام کے ساتھ مدینہ پہنچایا۔ ان کے شریفانہ سلوک سے اہل بیت کی خواتین اتنی متاثر ہوئیں کہ فاطمہ اور زینب رضی اللہ عنہما نے اپنے زیورا تار کر ان کے پاس بھیجے' لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ ہم نے دنیاوی منفعت کے خیال سے نہیں بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ اور قرابت نبوی ﷺ کے خیال سے یہ خدمت انجام دی' اس لیے اس کی ضرورت نہیں۔ [4]

حجاز میں مخالفت کا آغاز

اہل حجاز نے شروع ہی میں یزید کی خلافت خوش دلی کے ساتھ قبول نہیں کی تھی۔ بعض بزرگوں نے بیعت بھی نہ کی تھی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کا ان پر اور زیادہ برا اثر پڑا۔ حضرت

---

[1] طبری ج۔ ۷' ص ۳۷۸۔ [2] طبری ج۔ ۷' ص ۳۵۱۔
[3] طبری ج۔ ۷' ص ۳۷۹۔ [4] طبری ج ۷' ص ۳۷۸۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو عرصہ سے مکہ میں موقع کے منتظر تھے۔ اس واقعہ کو لے کر اہل مکہ کو یزید کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ ❶

یزید کو ابتدا سے ان کی جانب سے خطرہ تھا' اس لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی اس نے چند آدمیوں کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت لینے اور انکار کرنے کی صورت میں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے مکہ جا کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو یزید کا پیام سنایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کی کوئی بات نہ مانوں گا۔ ❷ یزید کی دلی خواہش تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خونیں حادثہ کے بعد کوئی ناگوار واقعہ نہ پیش آئے' اس لیے اس نے ہر ممکن طریقہ سے اہل حجاز کو مائل کرنے کی کوشش کی' عثمان بن محمد حاکم مدینہ نے اشراف مدینہ کا وفد شام بھجوا دیا۔ یزید نے اس کی بڑی پذیرائی کی۔ انہیں بڑے بڑے عطیے دیئے' حضرت عبداللہ بن حنظلہ انصاری رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ اور ان کے آٹھ بیٹوں کو دس دس ہزار دیئے۔ منذر بن زبیر کو ایک لاکھ کی رقم عطا کی۔ ❸ لیکن ان بزرگوں پر اس کی داد و دہش کا کوئی اثر نہ ہوا' بلکہ وہ شام سے اور زیادہ بددل ہو کر لوٹے اور عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ واپس آ کر یزید کی مخالفت شروع کر دی۔ اس کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کو چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ بھیجا کہ وہ اہل مدینہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو سمجھائیں کہ ''میں امن و عافیت چاہتا ہوں' وہ لوگ مخالفت کر کے فتنہ نہ پیدا کریں۔'' ❹ انہوں نے جا کر پہلے پہل اہل مدینہ کو سمجھایا کہ تم لوگ امن و اطاعت سے کام لو' فتنہ و فساد کا انجام برا ہے۔ تم میں شامیوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے' لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور لوگ خود نعمان سے بگڑ گئے' اس لیے وہ لوٹ گئے۔ ❺ پھر مدینہ سے مکہ جا کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ یزید کا پیام پہنچایا کہ میں امن و عافیت چاہتا ہوں اس لیے تم طاعت و جماعت سے الگ ہو کر اختلاف نہ پیدا کرو۔ یہ پیام سن کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے نعمان کے ایک اور ساتھی ابن عصاۃ سے پوچھا کیا تم حرم میں خون بہانا پسند کرو گے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر تم بیعت نہ کرو گے تو میں اس میں بھی دریغ نہ کروں گا۔

یہ جواب سن کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نعمان بن بشیر کو الگ لے گئے اور اپنا اور یزید کا موازنہ کر کے ان سے پوچھا کیا اس کے بعد بھی تم مجھ کو یزید کی بیعت کا مشورہ دو گے' نعمان رضی اللہ عنہ نے ان کے فضائل کا اعتراف کیا اور کہا میں کبھی آپ کو اس کا مشورہ نہ دوں گا اور نہ آئندہ آپ کے پاس اس مقصد کے لیے آؤں گا۔ ❻

---

❶ ابن اثیر۔ ج ۳' ص ۴۰۔ ❷ اخبار الطوال ص ۲۷۳۔ ❸ ابن اثیر ج ۳' ص ۴۱۔
❹ ابن اثیر ج ۳ ص ۴۱ و اخبار الطوال ص ۲۷۳۔ ❺ ابن اثیر ج ۳' ص ۴۳۔ ❻ اخبار الطوال ص ۳۷۴۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا دعویٰ خلافت اور حجاز میں انقلاب

نعمان بن بشیر کی واپسی کے بعد حجاز میں انقلاب بپا ہوگیا۔ ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کل اہل حجاز نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور تمام اموی عمال کو مدینہ سے نکال دیا۔ [1] اہل مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کرنے کے بعد عبداللہ بن حنظلہ انصاری کو اپنا امیر بنایا اور مدینہ میں جو بنی امیہ مقیم تھے ان کو گھیر لیا۔ ان لوگوں نے مدد کے لیے شام آدمی بھیجے۔ ان سے یزید کو حالات معلوم ہوئے۔ [2] ایک روایت یہ ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے تمام امویوں کو نکال دیا تھا اور خود امویوں کی زبانی یزید کو حالات معلوم ہوئے۔

واقعہ حرہ

اس انقلاب کی خبر سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوج کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ پہلے اہل مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا جب وہ انکار کریں اس وقت تلوار اٹھانا اور انہیں شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ کو لوٹنا لیکن علی، بن حسین رضی اللہ عنہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے پائے۔ [3] اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ کی آمد کی خبر ملی تو انہوں نے مقابلہ کے انتظامات کیے اور محصور امویوں کو قتل کر دینا چاہا، لیکن پھر اس شرط کے ساتھ ان کو رہا کر دیا کہ وہ مسلم کو یہاں کے انتظامات کی خبر نہ کریں گے، یہاں سے چھوٹ کر یہ لوگ آگے بڑھ کر مسلم کی فوج سے مل گئے اور ان کو اہل مدینہ کا نقشہ جنگ بتا دیا۔ مسلم نے مدینہ پہنچ کر یزید کی ہدایت کے مطابق چند آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ امیر المؤمنین تم کو اپنی اصل و بنیاد سمجھتے ہیں، اس لیے میں تمہاری خونریزی پسند نہیں کرتا، تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں، اس میں خوب غور کر لو، اگر تم نے اپنی روش کو چھوڑ کر حق کو قبول کر لیا تو میں مکہ چلا جاؤں گا، ورنہ اس کے بعد ذمہ داری پوری کروں گا۔ تین دن کے بعد پھر مسلم نے آخری مرتبہ پوچھا کہ تم لوگ صلح چاہتے ہو یا جنگ؟ اہل مدینہ نے جواب دیا جنگ۔ [4] اس جواب کے بعد مسلم بن عقبہ نے جنگ شروع کر دی، تین دن تک نہایت خونریز معرکہ ہوا۔ اہل مدینہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن حکومت کی فوج کا مقابلہ دشوار تھا۔ اس لیے آخر میں بڑی فاش شکست کھائی۔ اس جنگ میں بہت سے اکابر و اشراف قریش اور انصار کام آگئے۔ فضل بن عباس بن ربیعہ، عبداللہ بن حنظلہ، عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہم ایک ایک کر کے قتل ہوئے۔ شکست دینے کے بعد شامی فوجیں تین دن تک مدینہ

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۷۴۔ [2] ابن اثیر ج۔۳، ص ۴۴۔
[3] ابن اثیر ج۔۳، ص ۴۵۔ [4] ابن اثیر ج۔۳، ص ۴۶۔

الرسول ﷺ کو لوٹی اور قتل عام کرتی رہیں۔ چوتھے دن امن قائم ہوا' لیکن اس وقت یہ اعلان تھا کہ جو شخص بھی بیعت نہیں کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا' لیکن اب مدینہ بالکل تباہ ہو چکا تھا' کسی میں سکت باقی نہ رہ گئی تھی' اس لیے باقی ماندہ لوگوں نے بیعت کر لی۔ [1] مدینۃ الرسول ﷺ کی تباہی' یزید کا سب سے سیاہ کارنامہ ہے' لیکن اس کی ذمہ داری سے اہل مدینہ بھی بری نہ تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کی مخالفت کا انجام یہی ہوگا۔ اگر ابتدا سے وہ بیعت کر لیتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔

ابن زبیر کا محاصرہ

مدینہ کو تاراج کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ' ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے مکہ روانہ ہو گیا۔ وہ عرصہ سے بیمار تھا' مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اس کا وقت آ گیا اور وہ حصین بن نمیر کو اپنا قائم مقام بنا کر چل بسا اور حصین محرم ۶۴ھ میں مکہ پہنچا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ حرم میں پناہ گزیں تھے' حصین نے محاصرہ کر کے سنگباری شروع کر دی' اس سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ حرم کے اندر سے مدافعت کرتے رہے۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ یزید کا وقت آخر ہو گیا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی ایک سیاسی غلطی

یزید کی موت کے بعد خاندان بنی امیہ میں کوئی ایسا عالی دماغ اور حوصلہ مند نہ رہ گیا تھا جو ان مخالف حالات میں حکومت سنبھال سکتا' جو دو چار افراد تھے وہ مختلف مقامات پر منتشر تھے' مروان اور عبدالملک وغیرہ حصین بن نمیر کے ساتھ مدینہ ہی میں تھے۔ ان میں اس وقت کوئی ہمت و حوصلہ نہ تھا۔ ان حالات میں حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑنا مناسب نہ سمجھا اور ان سے صلح کر لی اور کہا اب بنی امیہ کا معاملہ کمزور پڑ چکا ہے۔ آپ سے زیادہ کوئی خلافت کا اہل نظر نہیں آتا۔ میں آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ شام کے تمام عمائد میرے ہمراہ ہیں۔ آپ میرے ساتھ شام چلے چلیے۔ وہاں ایک شخص بھی آپ کی مخالفت کرنے والا نہیں ہے۔ ابن زبیر شجاع و بہادر تھے' لیکن موقع شناس نہ تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک ایک ایک حجازی کے بدلے دس دس شامیوں کا سر قلم نہ کر لوں گا اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب سن کر حصین بولا جو شخص آپ کو عرب کا مدبر کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ میں آپ سے راز کی بات کہتا ہوں' آپ چلا کر اس کا جواب دیتے ہیں' میں خلافت دلانا چاہتا ہوں اور آپ جنگ و خونریزی پر آمادہ ہیں۔ آخر میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہو گئے کہ مکہ ہی

[1] واقعہ حرہ کی تفصیلات تاریخ میں بہت طویل ہیں ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے۔

میں ان کی بیعت کی جائے' وہ شام نہ جائیں' لیکن حصین نے کہا کہ یہاں بیعت بیکار ہے۔ شام میں چند بنی امیہ موجود ہیں' ان کی موجودگی میں بغیر آپ کے گئے ہوئے کچھ نہیں ہوسکتا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہ ہوئے اور حصین مایوس ہوکر شام لوٹ گیا۔ [1] اس طرح ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ایک بہترین موقع کھودیا۔ اگر انہوں نے ابن نمیر کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو آج بنی امیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا۔

فتوحات

یزید کے عہد حکومت میں حسین رضی اللہ عنہ کے خون بے گناہی' مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پامالی اور حرم محترم کی بے حرمتی کے سیاہ اعمال کے ساتھ ساتھ ملکی مفاد کے بھی کام انجام پائے' بعض باغی علاقوں کی بغاوت فرو ہوئی اور کئی فتوحات حاصل ہوئیں۔

ترکستان کی فتوحات

خوارزم کے قریب ترکستان کے تمام فرمانرواؤں نے ایک مرکز بنالیا تھا' جہاں وہ صلاح ومشورہ کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ ان کا اجتماع مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھا' خراسان کی فوج نے کئی مرتبہ اس پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی' مگر خراسان کے والی اجازت نہ دیتے تھے۔ ۶۱ھ میں یزید نے مسلم بن زیاد کو خراسان کا والی بنایا۔ اس نے مہلب بن ابی صفرہ سے اجازت حاصل کر کے اس شہر کا محاصرہ کرلیا۔ یہاں کے امرا نے صلح کرلی۔ اس مصالحت میں پانچ کروڑ نقد مسلمانوں کو ملا اور ترکستان کے فرمانرواؤں کے اجتماع کے خطرات کا انسداد ہوگیا' اسی سنہ میں سمرقند اور خجندہ کے نواح میں فوج کشی ہوئی۔

افریقہ کی فتوحات

شمالی افریقہ میں بہت سی نئی فتوحات حاصل ہوئیں' بلکہ اس کا بڑا حصہ فتح ہوگیا' لیکن پھر یہاں کے ایک والی ابوالمہاجر کی غلطی سے نکل گیا۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ افریقہ کے بربر بڑے سرکش اور جنگجو تھے۔ بار بار مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اٹھتے تھے' چنانچہ ۶۲ھ میں بھی انہوں نے اجتماع کیا' چونکہ اس سے پہلے وہ کئی مرتبہ بغاوت کر چکے تھے' اس لیے اس مرتبہ عقبہ بن نافع والی افریقہ نے قسم کھالی کہ ساری عمر ان سے لڑتے رہیں گے اور اپنے لڑکوں کو وصیت کر کے ۶۲ھ میں باغہ پہنچے۔ یہاں بڑی تعداد میں رومی اور بربری جمع تھے۔ عقبہ نے ایک خونریز معرکہ کے بعد انہیں شکست دی وہ شکست کھا

[1] مستدرک حاکم ج۔۳ تذکرہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ وابن اثیر ج۔۳' ص ۴۹۔

کر شہر میں پناہ گزیں ہو گئے۔ عقبہ نے محاصرہ کر لیا' لیکن محصورین نے شہر سے باہر قدم نہ نکالا' اس لیے عقبہ انہیں چھوڑ کر رومیوں کے دوسرے مرکز لمیس پہنچے۔ اس زمانے میں یہ رومیوں کا بہت بڑا شہر تھا۔ انہیں شکست دے کر فزان پر فوج کشی کی۔ یہاں کے حکمران نے صلح کر لی۔ اس کے بعد وہ دوان' قفصہ اور قسطلیہ کی بغاوت فرو کرتے ہوئے واپس آئے۔ ❶ تھوڑے وقفہ کے بعد پھر زاب کے علاقہ کی طرف بڑھے اور اربہ میں رومیوں کو شکست دیتے ہوئے تاہرت کا رخ کیا۔ یہاں رومیوں اور بربریوں کا بڑا انبوہ جمع تھا۔ ان دونوں کے ساتھ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ قلت تعداد کی بنا پر مسلمان مشکل میں پھنس گئے تھے' لیکن بالآخر شکست رومیوں اور بربریوں کو ہوئی اور مسلمانوں کو بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ❷ تاہرت کے بعد ستبتہ کا رخ کیا۔ یہاں کے فرمانروا نے صلح کر لی' پھر ستبتہ سے طنجہ پہنچے' یہ بحر روم کے کنارے شمالی افریقہ کا آخری شہر اور یہاں کے سب سے بڑے حکمران کا دارالسلطنت تھا۔ مغرب کے تمام حکمران اس کے باجگزار تھے' اسے شکست دے کر عقبہ نے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ ❸

طنجہ کے بعد خشکی کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے عقبہ یہاں سے سوس ادنیٰ کی طرف بڑھے اور یہاں کے بربریوں کو شکست دے کر یعلی اور نفیس پر قبضہ کرتے ہوئے سوس اقصیٰ پہنچے۔ یہاں بھی بربریوں کا مقابلہ ہوا۔ عقبہ نے انہیں شکست دے کر درعہ پر قبضہ کر لیا اور بحر محیط کے ساحل تک بڑھتے چلے گئے۔ ❹ سمندر پر نظر پڑتے ہی اللہ کے حضور میں عرض کیا۔ ''اے اللہ اگر یہ سمندر درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو جہاں تک زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا ❺ اور گھوڑے کو پانی میں اتار کر کہا ''اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں وہی چاہتا ہوں جو تیرا ولی ذوالقرنین چاہتا تھا کہ تیرے سوا دوسرا نہ پوجا جائے''۔ ❻

کسیلہ بن مکرم کی بغاوت اور افریقہ میں انقلاب

ان فتوحات کے بعد افریقہ میں مسلمانوں کی حریف کوئی قوت باقی نہ رہ گئی تھی۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا تھا کہ دفعۃً کسیلہ بن مکرم کی بغاوت نے سارے افریقہ میں انقلاب برپا کر دیا۔

کسیلہ' طنجہ کا فرمانروا اور افریقہ کا نہایت ممتاز آدمی تھا۔ عقبہ کے پیشرو والی ابوالمہاجر کے زمانہ میں وہ مسلمان ہو گیا تھا اور مسلمانوں سے اس کے بڑے تعلقات ہو گئے تھے۔ عموماً وہ ابوالمہاجر ہی کے

❶ کتاب المونس ص ۲۷۔ ❷ ابن اثیر ج ۳' ص ۴۲۔ ❸ کتاب المونس ص ۲۸۔
❹ کتاب المونس ص ۲۸۔ ❺ ابن اثیر ج ۳' ص ۴۳۔ ❻ کتاب المونس ص ۲۹۔

ساتھ رہتا تھا۔ وہ اس کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ ابوالمہاجر کے بعد جب عقبہ افریقہ کے والی مقرر ہوئے تو ابوالمہاجر نے عقبہ سے کسیلہ کا تعارف کرا کے اس کے مرتبہ کا لحاظ اور اس سے احتیاط کرنے کی ہدایت کر دی تھی' لیکن عقبہ ابوالمہاجر کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے ان کی ہدایت کی پرواہ نہ کی اور ایک موقع پر کسیلہ کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کیا۔ کسیلہ نے اپنے ظاہری طرز عمل میں کوئی فرق نہ آنے دیا' لیکن دل میں عقبہ کا دشمن ہو گیا اور بدلہ لینے کے موقع کا منتظر رہا۔ عقبہ کی ناعاقبت اندیشی سے جلد ہی اس کو موقع مل گیا۔ افریقہ کی فتوحات کی مہم سے واپسی کے وقت اس اطمینان میں کہ اب کوئی مخالف و مزاحم باقی نہیں رہا۔ انہوں نے فوجوں کو منتشر کر دیا اور خود چند آدمیوں کے ساتھ پیچھے آ رہے تھے۔ کسیلہ کے دارالحکومت طنبہ کے قریب مقام میودہ میں انہوں نے رومیوں کو اسلام کی دعوت دی' وہ ان کو اتنی کم تعداد میں دیکھ کر مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ عقبہ کے ساتھ کسیلہ کی عداوت کا ان کو علم تھا۔ انہوں نے اس کو خبر کر دی کہ عقبہ سے بدلہ لینے کا یہ بہترین موقع ہے۔ کسیلہ موقع کی تلاش ہی میں تھا۔ فوراً ایک جم غفیر لے کر پہنچ گیا۔ عقبہ کے ساتھ صرف چند آدمی تھے۔ اس وقت عقبہ نے افریقہ کے سابق والی ابوالمہاجر کو جنہیں مخالفت میں قید کر رکھا تھا' رہا کر کے ان سے کہا کہ تم مسلمانوں کو دیکھو' میں شہادت حاصل کرتا ہوں۔ ابوالمہاجر نے کہا میری بھی یہی آرزو ہے' چنانچہ دونوں نے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ نہایت بہادری سے مقابلہ کر کے جان دی۔ عقبہ اور ابوالمہاجر کے بعد بربریوں اور رومیوں کا مقابلہ کرنے والا کوئی باقی نہ تھا۔ اس لیے سارے افریقہ میں بغاوت پھیل گئی اور ہر جگہ کے رومی اور بربری اٹھ کھڑے ہوئے۔ کسیلہ انہیں لے کر قیروان پہنچا۔ عقبہ کے نائب زہیر بن قیس بلوی نے لوگوں کو مقابلہ کے لیے ابھارا' لیکن کوئی آمادہ نہ ہوا اور سب شہر چھوڑ کر نکل گئے' جو لوگ باقی رہ گئے وہ کسیلہ کی امان میں آ گئے اور قیروان پر اس کا قبضہ ہو گیا اور زہیر بن قیس برقہ چلے گئے۔ [1]

وفات

ابھی اس بغاوت کا کوئی تدارک نہ ہوا کہ ربیع الاول ۶۴ھ میں حوران میں یزید کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت کل ۳۸ سال کی عمر تھی۔ مدت حکومت ۳ سال ۹ مہینے۔

اولاد

یزید کی کئی بیویاں تھیں۔ ان سے بہت سی اولادیں تھیں۔ معاویہ' خالد' ابوسفیان' عبداللہ' عبداللہ الاصغر' عمر' ابوبکر' عتبہ' حرب اور عبدالرحمٰن۔

---

[1] کتاب المونس ص۔ ۲۹ وابن اثیر ج۔ ۳' ص ۴۳۔

معاویہ ثانی بن یزید

(۶۴ھ مطابق ۶۸۵ء)

یزید کی موت کے بعد ربیع الاول ۶۴ھ میں اس کا نوجوان لڑکا معاویہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر کل اکیس سال کی تھی، لیکن بڑا دیندار اور صالح تھا۔ یزید کے زمانہ میں جو حوادث اور واقعات پیش آئے۔ انہیں دیکھ کر معاویہ کا دل سلطنت وحکومت سے پھر گیا تھا۔ [1] اس لیے تین مہینے کے بعد وہ خلافت سے دستبردار ہو گیا اور مسلمانوں کے سامنے تقریر کی۔

''مجھ میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں ہے، میں نے چاہا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنادوں یا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح چھ آدمیوں کو نامزد کر کے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دوں، لیکن نہ عمر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی نظر آیا اور نہ ویسے چھ آدمی ملے، اس لیے میں اس منصب سے دست بردار ہوتا ہوں، تم لوگ جسے چاہو اپنا خلیفہ بنالو''۔ [2]

حکومت سے دستبرداری کے بعد معاویہ خانہ نشین ہو گیا اور چند مہینوں کے بعد انتقال کر گیا۔ اس کی سیرت دست برداری کے واقعہ سے ظاہر ہے، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد دستبرداری کی یہ دوسری مثال تھی۔



[1] یعقوبی ج۔۲، ص ۳۰۲۔ [2] طبری ج۔۷، ص ۴۶۸۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم

(۶۴ھ تا ۷۳ھ بمطابق ۶۸۵ء تا ۶۹۵ء)

(۶۴ھ تا ۶۵ھ بمطابق ۶۸۵ء تا ۶۸۵ء)

ترجمہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی حواری رسول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ ان کی ماں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔ ان رشتوں سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی ذات میں بہت سی خصوصیات جمع ہوگئی تھیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ ۲ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہجرت کے بعد بہت دنوں تک مہاجرین کے اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ یہ ان کے سحر کا نتیجہ ہے کہ عین اسی زمانہ میں عبداللہ پیدا ہوئے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کی ولادت کی بڑی خوشی ہوئی۔ سات آٹھ سال کی عمر میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی' بچپن سے وہ بڑے بہادر شجاع اور حوصلہ مند تھے اور اسی زمانہ میں ان میں بڑائی کے آثار نمایاں تھے۔ سن شعور کے بعد وہ اکثر مہمات میں شریک رہے۔ طرابلس انہی کی کوششوں سے فتح ہوا تھا۔ [1] جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ ان کی حفاظت میں اس بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چور ہوگیا تھا۔ پورے جسم میں چالیس سے زیادہ زخم آئے تھے۔ [2] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے زمانہ میں ان کے ساتھ جو واقعات پیش آئے' وہ ان کے حالات میں اوپر گزر چکے ہیں۔

ترجمہ مروان بن حکم

مروان بنی امیہ کی دوسری شاخ بنی العاص سے تھا۔ مروان کا باپ حکم بن العاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حقیقی چچا تھا۔ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا' لیکن اس کے دل میں اسلام راسخ نہ ہوا تھا۔ اندرونی طور پر مسلمانوں کا دشمن رہا اور ان کے اسرار فاش کیا کرتا تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طائف جلاوطن کر دیا تھا۔ مروان اس زمانہ میں صغیر السن تھا' اس لیے وہ بھی باپ کے ساتھ طائف

---

[1] ابن اثیر ج۔۳' ص ۷۹-۸۰۔ [2] اصابہ تذکرہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ۔

میں رہا۔ آخر زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی واپسی کی اجازت حاصل کر لی تھی اور اپنے زمانہ میں انہوں نے اس کو واپس بلا لیا۔ آپ کو حکم اور مروان دونوں سے بڑی محبت تھی۔ حکم کی موت کے بعد مروان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اسے اپنا سیکرٹری بنا لیا تھا۔ آپ کی مہر وغیرہ اس کی تحویل میں رہتی تھی۔ اسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے والی کو خط لکھ دیا تھا کہ مصری باغیوں کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں' جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین کے معرکوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اسے مدینہ کا والی بنا دیا تھا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دعویٰ خلافت تک وہ اسی عہدہ پر تھا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت

اوپر معلوم ہو چکا تھا کہ یزید کی زندگی ہی میں اہل حجاز نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی۔ واقعہ حرہ کے بعد مسلم بن عقبہ نے بزور شمشیر دوبارہ اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لے لی تھی۔ یزید کی موت کے بعد پھر وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہر لحاظ سے محترم تھی اور معاویہ بن یزید کے بعد بنی امیہ میں کوئی حوصلہ مند کھڑا بھی نہیں ہوا۔ اس لیے حجاز و عراق اور مصر و شام تمام بڑے بڑے ملک ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے اور یہاں ان کے حکام اور دعاۃ پہنچ گئے۔ خود بنی امیہ کے پایہ تخت شام میں اردن کے والی حسان بن بحدل کے علاوہ باقی تمام صوبوں کے حکام اور عمائد ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامی و مددگار بن گئے تھے اور یہاں کے باشندوں نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تھی۔ [1]

بصرہ کو البتہ عبید اللہ بن زیاد نے سنبھالنے کی کوشش کی اور اہل بصرہ کو جمع کر کے تقریر کی:

''میرا مولد و منشا یہی ہے' میں نے ہر شعبہ کو اتنی ترقی دی کہ جس وقت یہاں کا والی ہوا ہوں' اس وقت فوجی دفاتر کا خرچ کل ستر ہزار تھا اور آج ایک لاکھ ہے' حکام کے دفاتر کے اخراجات کل نوے ہزار تھے اور آج ایک لاکھ چالیس ہزار ہیں۔ جتنی مخالف طاقتیں تھیں سب کو جیل میں بھر کر ختم کر دیا۔ اب کوئی قوت ایسی نہیں ہے جس سے تمہیں خطرہ ہو' یزید کا انتقال ہو چکا ہے اور شام میں اختلاف بپا ہے۔ تم لوگ دولت و ثروت اور قوت و شوکت ہر چیز میں سب میں ممتاز ہو' اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کا

[1] یعقوبی ج۔۲' ص ۳۳' ۳۴۔

لحاظ کر کے تم جسے اپنا امیر بناؤ گے میں بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا اور اہل شام کسی اور کو منتخب کریں اور تم بھی اسے پسند کرتے ہو تو اسے مان لینا' ورنہ اپنا امیر الگ منتخب کرنا' تم کو دوسرے ملکوں کی تائید وحمایت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ دوسرے ملک خود تمہارے محتاج ہیں''۔ ❶

یہ تقریر سن کر اہل بصرہ اس کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہو گئے' لیکن اس نے انکار کیا۔ جب اہل بصرہ زیادہ مصر ہوئے تو وہ آمادہ ہو گیا۔ اہل عراق کی فطرت میں نفاق تھا۔ اس لیے اس وقت بھی جب کہ وہ اس کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے تھے دل سے اس کے خلاف تھے' چنانچہ جب بیعت کر کے باہر نکلے تو ہاتھوں کو دیوار پر رگڑ کر صاف کرتے اور کہتے' ابن مرجانہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم اتفاق اور اختلاف ہر حالت میں اس کی اطاعت کریں گے۔ اہل بصرہ کی بیعت کے بعد ابن زیاد نے کوفہ آدمی بھیجا۔ اس نے جا کر اہل کوفہ سے کہا کہ بصرہ والوں نے ابن زیاد کے ہاتھوں پر بیعت کر لی ہے اس لیے تم لوگ بھی جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ یہاں بڑی مخالفت ہوئی۔ کوفہ والوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہم کو ابن سمیہ سے نجات دی ہے اب ہم دوبارہ اس کو اپنے اوپر مسلط نہ کریں گے۔ اہل بصرہ پہلے سے دل سے ابن زیاد کے خلاف تھے' کوفہ والوں کا جواب سن کر انہوں نے علانیہ مخالفت شروع کر دی۔ ابن زیاد نے بہت سنبھالنے کی کوشش کی' مگر کامیاب نہ ہوا اور اس کی مخالفت اتنی بڑھی کہ اسے عراق چھوڑ کر شام بھاگ جانا پڑا۔ ابن زیاد کے عراق چھوڑنے کے بعد اہل کوفہ اور بصرہ نے بڑے اختلاف اور ہنگاموں کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مان لیا۔ ❷

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی ایک سیاسی غلطی اور اس کا نتیجہ

اس وقت قریباً کل دنیائے اسلام میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت مسلم ہو گئی تھی کہ عین اس وقت انہوں نے ایک فاش غلطی کی کہ بنی امیہ کی اکھڑی ہوئی حکومت پھر قائم ہو گئی۔ یاد ہو گا کہ انہوں نے مکہ اور مدینہ سے بنی امیہ کو نکلوا دیا تھا' لیکن واقعہ حرہ کے بعد یہ لوگ پھر لوٹ آئے تھے۔ یزید کی موت کے بعد ان کی ہمت اتنی پست ہو چکی تھی کہ مروان بن حکم اموی تک جو مدینہ کا حاکم تھا' ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا ❸ لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو بنی امیہ سے اتنی نفرت تھی کہ انہوں نے انجام کو سوچے بغیر کل بنی امیہ کو جن میں مروان اور اس کا لڑکا عبدالملک بھی تھا' مدینہ سے نکلوا دیا۔ اس وقت

---

❶ ابن اثیر ج۔۳' ص ۵۲۔ ❷ ابن اثیر ج۔۳' ص ۵۲۔ ابن اثیر میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے' ہم نے صرف نتیجہ لکھ دیا ہے۔ ❸ ابوالفدا ج۔۱' ص ۱۹۲۔

عبدالملک چیچک میں مبتلا تھا۔ اس لیے مروان کے لیے مدینہ چھوڑنا مشکل تھا' لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ٹکنے دیا اور مروان کو اسی حالت میں عبدالملک کو لے کر نکل جانا پڑا۔ بعد میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اس کی تلاش میں آدمی دوڑائے لیکن وہ نکل چکے تھے۔ [1] اس واقعہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ دونوں کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ اگر اس وقت بنی امیہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے روک لیا ہوتا تو پھر ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

شام میں مروان کی بیعت

مروان مدینہ سے نکل کر شام پہنچا' یہاں کی حالت اس وقت نہایت ابتر تھی۔ شام کے کل اضلاع میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا اثر تھا' اور یہاں ان کے حکام اور داعی موجود تھے۔ اس کے علاوہ جن قبائل پر بنی امیہ کی قوت کا مدار تھا' ان میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ قبیلہ قیس ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں تھا' ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ والی دمشق اس کے لیڈر تھے۔ بنی کلب بنوامیہ کے ساتھ تھے' لیکن ان میں دو جماعتیں ہو گئی تھیں۔ ایک جماعت مروان بن حکم کی طرفدار تھی اور دوسری خالد بن یزید کی حمایت میں تھی۔ خالد کی دادی یعنی یزید کی ماں قبیلہ کلب کی تھی' اس لئے عام کلبیوں کی ہمدردی اس کے ساتھ تھی۔ ایک تیسرا نام عمرو بن سعید بن العاص کا بھی لیا جاتا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر شام پہنچنے کے بعد بھی مروان نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لینے کا ارادہ کیا' لیکن اسی دوران میں عبیداللہ بن زیاد پہنچ گیا۔ اس نے روکا کہ آپ قریش کے سردار ہو کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں؟ ابھی وقت نہیں گیا ہے' ہمیں کوشش کرنی چاہیے' مروان کے شام آنے کے بعد بنی امیہ کے موالی اور ان کے حامی اس کے پاس جمع ہو گئے۔ شام میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مروان بن حکم اور خالد بن یزید کے حامیوں میں باہم بڑا اختلاف اور ہنگامہ بپا ہوا' لیکن آخر میں بڑے اختلافات کے بعد مقام جابیہ میں بنی امیہ کے حامیوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی اس میں اموی حکومت کے تمام ارکان وعمائد اور سرداران قبائل جمع ہوئے۔ کئی ہفتہ کے اختلاف رائے اور بحث ومباحثہ کے بعد بنی امیہ کے ایک عالی دماغ خیر خواہ روح ابن زنباع جذامی نے ایک پرجوش تقریر کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ خاندان بنی امیہ میں مروان سے زیادہ تجربہ کار اور سن رسیدہ کوئی نہیں ہے' اس لئے اسے خلیفہ بنانا چاہیے اور اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید کی حمایت میں تھے انہوں نے بھی اس کی صغرسنی کی وجہ سے مروان ہی کی تائید کی اور بلا اختلاف سب نے اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور ذیقعدہ ۶۴ھ میں وہ خلیفہ منتخب ہو گیا۔ مروان کی بیعت سے بنی امیہ کی گرتی ہوئی

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۴۔

عمارت سنبھل گئی اور معاویہ بن یزید کی موت کے بعد جو انتشار پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہا اور بنو امیہ کے کل حامی ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔

مرج راہط کا فیصلہ کن معرکہ اور شام پر مروان کا قبضہ

بنی امیہ کے پایہ تخت دمشق پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامی اور قبیلہ قیس کے سردار ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا' انہوں نے شروع میں بنی امیہ کی بڑی مخالفت کی تھی' لیکن حالات کا رخ دیکھ کر پھر ان کی طرف مائل ہو گئے تھے' اور جابیہ کانفرنس کے مجوزین میں یہ بھی تھے' لیکن بعد میں پھر خلاف ہو گئے' اور کانفرنس کے زمانہ ہی میں وہ مرج راہط چلے آئے تھے' اور یہاں بنی امیہ کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ شام کے ان تمام حکام وعمال نے جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامی تھے' انکی مدد کی' چنانچہ نعمان بن بشیر والی حمص' زفر بن حارث والی قنسرین' ناتل بن قیس والیٔ فلسطین نے اپنی اپنی فوجیں بھیجیں۔ ضحاک کے دمشق سے ہٹنے کے بعد بنی امیہ کے ایک حامی یزید بن ابی النمس نے ان کے نائب کو دمشق سے نکال کر خزانہ اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا اور مال اور اسلحہ سے مروان کی بڑی مدد کی۔ اس سے اس کو بڑی تقویت پہنچی اور اس کے حامی اس کو لے کر ضحاک کے مقابلہ کو آئے' مرج راہط پہنچے محرم ۶۵ھ میں دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی' ضحاک نے فاش شکست کھائی' وہ خود اس معرکہ میں مارے گئے' اور ان کے قبیلہ قیس کی بڑی تعداد کام آئی' شام میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا حامی و مددگار یہی قبیلہ تھا' اس لئے اس کی شکست شام کے تمام زبیری داعیوں کی شکست تھی' چنانچہ جہاں جہاں شکست کی خبر پہنچی' ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامی بھاگ نکلے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی حمص کو اہل حمص نے پکڑ کر قتل کر دیا' زفر بن حارث نے بھاگ کر قرقیسیا میں پناہ لی اور ناتل بن قیس والی فلسطین ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھاگ گئے' اس طرح شام دوبارہ بنی امیہ کے قبضہ میں آ گیا۔

مصر پر قبضہ

شام پر قابض ہونے کے بعد مروان نے مصر پر فوج کشی کی' ایک طرف سے خود بڑھا اور دوسری طرف سے عمرو بن سعید کو روانہ کیا' مصر کی حدود میں داخل ہونے کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا مصری داعی عبدالرحمن بن جحدم مقابلہ کے لئے نکلا' پشت سے عمرو بن سعید پہنچ چکے تھے' اس لئے ابن جحدم کے نکلتے ہی وہ مصر میں داخل ہو گئے' ابن جحدم کو اس کی خبر ہوئی تو لڑنا بیکار سمجھ کر مروان سے بیعت کر لی' اس طرح بغیر کشت وخون کے مصر پر بھی مروان کا قبضہ ہو گیا' مصر پر قابض ہونے کے بعد عبید اللہ بن زیاد کو عراق روانہ کیا۔ [1]

---

[1] ابن اثیر ج ۳' ص ۵۹ و یعقوبی ج ۲' ص ۳۰۵۔

ولی عہدی میں تغیر

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مروان کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ولی عہد نامزد ہوئے تھے' لیکن چند مہینوں کے بعد مروان نے ان دونوں کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک اور اس کے بعد عبدالعزیز کو ولی عہد بنا دیا۔

وفات

رمضان ۶۵ھ میں مروان نے دفعتہً بغیر کسی علالت کے انتقال کیا' عام خیال یہ ہے کہ اس کی بیوی ام خالد نے اسے مار ڈالا' اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مروان کو سیاسی حالات کی بنا پر مجبور ہو کر خالد بن یزید کو ولی عہد ماننا پڑا تھا۔ لیکن اس کی ولی عہدی اس کی نگاہ میں برابر کھٹکتی تھی' چنانچہ خالد کی تذلیل کے لئے اس کی بیوہ ماں سے شادی کر لی اور ایک موقع پر اس نے علانیہ خالد اور اس کی ماں دونوں کے لئے نازیبا کلمات استعمال کئے' خالد نے اپنی ماں سے اس کی شکایت کی' اس نے زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ [1] انتقال کے وقت مروان کی عمر ۶۳ سال تھی اور مدت خلافت کل نو مہینے' اس مختصر مدت میں اسے حکومت کے نظم و نسق کے قیام کا کیا موقع مل سکتا تھا' اس لئے بنی امیہ کی حکومت کے قیام کے سوا اس کے عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔



[1] طبری اور یعقوبی وغیرہ۔

عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

(۶۵ھ تا ۸۶ھ بمطابق ۶۸۶ء تا ۷۰۷ء)

ترجمہ عبدالملک بن مروان

عبدالملک ۲۶ھ میں پیدا ہوا۔ تخت نشینی کے وقت ۳۹ سال عمر تھی۔ مروان کی طائف کی جلا وطنی سے واپسی کے بعد برابر مدینہ میں رہا اور یہاں کے ارباب علم وکمال سے پورا استفادہ کیا۔ اپنے زمانے کے اکابر علما میں تھا۔ اس عہد کے بڑے بڑے آئمہ اس کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ اگر زمانہ نے اس کو تخت سلطنت پر نہ بٹھادیا ہوتا تو وہ مدینہ کی مسند علم کی زینت ہوتا۔

دولت علم کے ساتھ ساتھ وہ بڑا مدبر، حوصلہ مند، مستقل مزاج اور بہادر تھا۔ بنی امیہ کی تاریخ میں اس کا دور بڑا پر آشوب تھا۔ جس وقت اس نے تخت حکومت پر قدم رکھا ہے، ملک کے تمام اہم حصوں میں انقلاب بپا تھا اور بیک وقت مختلف طاقتیں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، شیعیان علی، خوارج، مختار ثقفی، بنی امیہ کے خلاف اور ان سے برسر پیکار تھیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی اندرونی اور بیرونی شورشوں کے طوفان بپا ہوئے۔ عبدالملک کے پاس صرف مصر وشام تھے۔ باقی دنیائے اسلام کے کل حصے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے یا ان میں طوائف الملو کی تھی۔

عبدالملک نے ان تمام مخالف حالات کا مقابلہ کر کے ان پر قابو حاصل کیا، وہ مشکل سے مشکل اور نازک سے نازک موقع پر گھبرا تا نہ تھا بلکہ مشکلات ومصائب کے ہجوم میں اس کی ہمت واستقلال کے جوہر اور زیادہ چمکتے تھے، اس کی تفصیلات آئندہ معلوم ہوں گی۔

تخت نشینی

مروان کی وفات کے بعد رمضان ۶۵ھ میں عبدالملک تخت نشین ہوا۔

توابین کا خروج وخاتمہ

اس کی تخت نشینی کے بعد ہی توابین کا جو مروان کے زمانہ میں بڑے زور وشور سے اٹھے تھے، خاتمہ ہوا۔ ان کی تاریخ یہ ہے کہ کوفہ کے ایک ممتاز بزرگ سلیمان بن صرد جنہیں شرف صحابیت بھی حاصل تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے فدائیوں میں تھے۔ آپ کے بعد وہ کوفہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے داعی بن گئے۔ ان کا گھر شیعیان علی رضی اللہ عنہ کا مرکز تھا یہیں سے آپ کو بلاوے کے خطوط جاتے

تھے لیکن جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھی آپ کی کوئی مدد نہ کر سکے اور کربلا کا خونیں حادثہ پیش آ گیا۔ اس غلطی پر ان کو اور ان کی پوری جماعت کو بڑی ندامت و شرمندگی تھی۔ انہوں نے اس کے کفارہ میں قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے انتقام لینا اپنا فرض قرار دیا اور ''توابین'' اپنا لقب رکھا۔ اس جماعت نے یزید ہی کے زمانہ سے خفیہ تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ بہت سے لوگ جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دے سکے تھے، اس دعوت میں شریک ہو گئے تھے۔ مروان کے زمانہ ۶۵ھ میں جب ان کی قوت مضبوط ہو گئی تو یہ لوگ چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کرتے ہوئے شام کی طرف بڑھے۔

اس زمانہ میں عبید اللہ بن زیاد عراق کی بعض مہموں میں مصروف تھے۔ اس لیے اس کا اور توابین کا سامنا ہو گیا۔ دونوں میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی، توابین بڑی جانبازی سے لڑے لیکن آخر میں انہیں شکست ہوئی۔ سلیمان بن صرد اور ان کے تمام بڑے بڑے ساتھی کام آئے اور چھ ہزار توابین میں سے بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی۔ اس جماعت کا آغاز مروان کے زمانہ سے ہوا تھا لیکن خاتمہ عبدالملک کے زمانے میں ہوا۔

مختار بن ابی عبید ثقفی کا خروج اور عراق پر قبضہ

۶۶ھ میں ایک شخص مختار بن ابی عبید ثقفی خون حسین رضی اللہ عنہ کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا اور عراق پر قابض ہو گیا۔ یہ ایک معمولی اور بے دین لیکن عالی دماغ اور حوصلہ مند شخص تھا، اس دور کی بدنظمی اور طوائف الملوکی دیکھ کر اسے بھی قسمت آزمائی کا حوصلہ ہوا۔ [1]

اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا زور تھا۔ اس لیے وہ حصول مقصد کے لیے ان کے ساتھ ہو گیا اور ان کے مزاج میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا۔ [2] لیکن جس مقصد کے لئے وہ ان سے ملا تھا، اس کے حصول کی صورت یہاں نظر نہ آئی، تو وہ توابین کی تحریک میں جو اسی زمانہ میں اٹھی تھی، شامل ہو گیا۔ یہ تحریک اس کے مقصد کے لئے بہت مفید تھی۔ اس لیے توابین کے خاتمہ کے بعد خود اس کا رہنما بن گیا لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی تعلق قائم رکھا اور ان پر اس کو ظاہر نہ ہونے دیا اور اس تحریک کو مؤثر بنانے کے لیے حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی۔ اس تحریک کے ساتھ ہی اس نے بہت سے گمراہ کن عقائد اختراع کیے تھے جن سے امام موصوف واقف تھے، اس لیے انہوں نے اس کی درخواست رد کر دی اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تقریر کر کے اس کے

[1] اخبار الطوال ص ۳۱۳۔ [2] ابن سعد ج ۵، ص ۷۱۔

مکروزور کا پردہ فاش کیا اور فرمایا ''اس شخص نے محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اہل بیت کی دعوت کو آڑ بنایا ہے ورنہ اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔'' ان سے مایوس ہونے کے بعد ان کے سوتیلے چچا محمد بن حنفیہ سے سرپرست بننے کی درخواست کی۔ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو بھی روکا کہ اس نے محض لوگوں کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے محبِ اہل بیت کا روپ بدلا ہے۔ حقیقت میں اس کو ان سے کوئی تعلق نہیں' بلکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیے۔ محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے رائے لی۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان دونوں بزرگوں کو اپنی بیعت کے لیے مجبور کر رہے تھے اور ان کو ان کی جانب سے بڑا خطرہ تھا۔ اس لیے مختار کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کو سرپرستی قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔ [1]

محبان اہل بیت کا مرکز عراق تھا، وہاں یہ تحریک زیادہ کامیاب ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ انقلابی تحریکوں کے لیے وہاں کی آب و ہوا زیادہ سازگار تھی۔ اس لیے محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کو سرپرست بنانے کے بعد مختار نے ان سے عراق میں کام کرنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خطرہ سے بچنے کے لئے اس کی سرپرستی قبول کر لی تھی لیکن ان کو خود اس پر اعتماد نہ تھا، اس لیے اجازت تو دے دی لیکن اس کی نگرانی کے لیے اپنا ایک آدمی عبداللہ بن کامل ہمدانی ساتھ کر دیا اور اس کو مختار سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کر دی۔ [2]

مختار بڑا عاقب اندیش اور چالاک آدمی تھا، اس لیے اب بھی اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے تعلق منقطع نہیں کیا کہ اگر اس کی تحریک میں کامیابی نہ ہو تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا دروازہ اس کے لیے کھلا رہے۔ انہیں اس نے یہ دھوکا دیا کہ عراق میں اس کا قیام ان کے لیے زیادہ مفید ہوگا اور وہاں جا کر شیعیان بنی ہاشم کو بنی امیہ کے مقابلہ میں ان کی مدد پر آمادہ کر لے گا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت دے دی۔ [3]

ان دونوں سے اجازت لے کر وہ عراق پہنچا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حقیقی جانشین امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ تھے لیکن وہ مختار کے گون (مطلب) کے نہ تھے، اس لیے اس نے چالاکی سے اہل بیت کی تحریک کا رخ آل فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف پھیر دیا اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جانشین، ان کا وصی اور مہدی وقت ظاہر کر کے ان کی دعوت شروع کر دی۔ [4] اپنے متعلق

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج۔۲ ص۔۸۰ ملخصاً حاشیہ نفح الطیب۔ [2] ابن سعد ج۔۵، ص ۷۱۔
[3] مروج الذہب ص ۴۷۵۔ [4] فرق الشیعہ نوبختی ص ۲۳ تا ۲۶۔

نزول وحی کا دعویٰ کیا۔ بداء یعنی اللہ تعالیٰ سے غلطی کا امکان کا عقیدہ ایجاد کیا اور ایک کرسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کر کے اسے بنی اسرائیل کے تابوت سکینہ کی طرح مقدس اور وسیلۂ فتح وظفر قرار دیا۔ [1]

کوفہ شیعیان علی رضی اللہ عنہ کا مرکز تھا۔ یہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے توابین کی تحریک یہاں اٹھ چکی تھی۔ اس لیے مختار کی تحریک کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کا گھر شیعیان علی رضی اللہ عنہ کا مرکز بن گیا۔

عبداللہ بن مطیع نے جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے والی تھے اور ایاس بن نضر افسر پولیس نے اس کی سرگرمی دیکھ کر روک ٹوک شروع کی۔ اس وقت تک مختار کی دعوت میں زیادہ تر عوام شریک ہوئے تھے۔ کوئی ممتاز اور مقتدر آدمی مددگار نہ تھا۔ اس لیے اس وقت وہ خاموش رہا اور کوفہ کے ایک مقتدر رئیس ابراہیم بن اشتر کو جو پرانے شیعان علی رضی اللہ عنہ میں تھے لیکن مختار کی تحریک میں شامل نہ تھے، محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ایک فرضی خط دے کر ان کو اپنا مددگار بنایا ان کی حمایت حاصل ہو جانے کے بعد مختار کا بازو بہت قوی ہو گیا اور ان کے ساتھ مل کر اس نے بے خوف وخطر کام شروع کر دیا۔ [2]

ایاس نے ابراہیم کو بھی روکا اور انہیں دھمکی دی کہ اگر تم نے مختار کے یہاں کی آمد ورفت نہ چھوڑی تو تم کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ بااثر آدمی تھے۔ انہوں نے اس دھمکی کے جواب میں خود ایاس کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن مطیع والی کوفہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابراہیم کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے۔ انہوں نے ان کو شکست دے کر ابن مطیع کا محاصرہ کر لیا۔ اب ابراہیم اور مختار کی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ ابن مطیع مقابلہ نہ کر سکے اور انہیں جان بخشی کرا کے جان بچانی پڑی۔ اب مطیع کی شکست کے بعد کوفہ اور اس کے ساتھ سارے عراق پر مختار کا قبضہ ہو گیا۔ صرف بصرہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس رہ گیا۔ [3]

محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی قید اور رہائی

حجاز میں محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی تھی۔ وہ

---

[1] الملل والنحل شہرستانی ج۱، ص۱۹۹۔ ان عقائد نے ایک فرقہ کیسانیہ یا مختاریہ پیدا کر دیا۔ نوبختی کے بیان کے مطابق کیسان مختار کا لقب تھا۔ اسی نسبت سے اس کا پیدا کردہ فرقہ کیسانیہ اور مختاریہ کہلاتا تھا۔ [فرق الشیعہ ص۲۳، ۲۶] لیکن شہرستانی کے بیان کے مطابق یہ دو فرقے ہیں۔ کیسانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی یا غلام کیسان کی طرف منسوب ہے۔ [الملل والنحل ج۱۔ ص۱۹۶] [2] اخبار الطوال ص۲۹۸۔ [3] اخبار الطوال ص۳۰۰۔

عرصہ سے ان سے بیعت لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن اب تک جبر نہ کیا تھا۔ عراق پر مختار کے قبضہ کے بعد جب ان پر اس کی حقیقت ظاہر ہوئی اور محمد بن حنفیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا تعلق معلوم ہوا اس وقت انہوں نے ابن حنفیہ پر دباؤ ڈالا اور ان کو اور بعض روایتوں کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی زمزم کی چار دیواری میں قید کر کے دھمکی دی کہ اگر وہ بیعت نہ کریں گے تو انہیں جلا دیا جائے گا۔ محمد بن حنفیہ نے مختار کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے فوراً ان کو چھڑانے کے لیے تھوڑی سی فوج اور چار لاکھ نذر بھیجی۔ اس فوج نے مکہ پہنچ کر محمد بن حنفیہ کو قید سے نکالا۔ [1]

قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے انتقام

اس کے بعد کوفہ کے ان تمام لوگوں کا پتہ لگا کر جنہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کسی قسم کا حصہ لیا تھا، قتل اور ان کا مال و متاع ضبط کیا۔ [2]

اور پھر واقعۂ کربلا کی شامی فوج کے افسروں کے قتل کے لیے فوجیں روانہ کیں اور چند دنوں میں شمر ذی الجوشن، خولی اصبحی، عمرو بن سعد اور عبید اللہ بن زیاد وغیرہ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ کا چن چن کر خاتمہ کرایا۔ [3] اور ابن زیاد کا سر قلم کر کے حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے ملاحظہ کے لیے مدینہ بھیجا، اس کی یہ کارگزاری ایسی تھی کہ امام موصوف بھی بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکے اور ابن زیاد کا سر دیکھ کر آپ کے لبوں پر ہنسی آ گئی۔

عربوں کی تحقیر اور ان سے جنگ

مختار کی قوت بازو زیادہ تر عجمی تھے۔ انہی کے بل پر اس کی تحریک چل رہی تھی۔ عرب اس میں کم شریک تھے۔ اس لیے حصول اقتدار کے بعد اس نے عجمیوں کے مراتب بڑھائے، انہیں انعام و اکرام سے نوازا، ان کے مقابلہ میں عربوں کے ساتھ اس کا سلوک نہایت حقارت آمیز تھا۔ اس لیے اشراف عرب اس سے بگڑ گئے اور انہوں نے کہا ''یہ کذاب بنی ہاشم کی حمایت کے پردہ میں دنیا طلبی کرتا ہے'' اور سب اس کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے۔ مختار کو اس کا علم ہوا تو اس نے عجمیوں سے کہا کہ ''عرب صرف تمہاری وجہ سے میرے خلاف ہو گئے ہیں، اس لیے تم کو وفاداری کا ثبوت دینا چاہیے'' اور انہیں لے کر عربوں کے مقابلہ کے لئے نکلا اور عین موقع پر اس نے بعض قبائل عرب کو ملا لیا۔ اس لیے عرب شکست کھا گئے اور ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی، مختار نے سب قیدیوں کے سر قلم کرا دیئے۔

---

[1] ابن اثیر ج ۴، ص ۲۰۶، ۲۰۷۔ [2] ابن اثیر ج ۴۔ ص ۲۰۶، ۲۰۷۔

[3] ابوالفداء ج اول ص ۱۹۴، ۱۹۵ و اخبار الطوال۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مختار کا مقابلہ

انہیں شکست دینے کے بعد کوفہ کے عرب عمائد و شرفا کو چن چن کر قتل کرانا شروع کیا۔ اس لیے یہ لوگ بھاگ کر بصرہ پہنچے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی مصعب سے، جو ان کی جانب سے بصرہ کے والی تھے، فریاد کی کہ اس کذاب نے ہمارے اچھے لوگوں کو قتل کیا، ہمارے گھروں کو ڈھا دیا، ہمارا شیرازہ برہم کیا، عجمیوں کو ہمارے سروں پر مسلط کیا، ہمارا مال ان میں لٹایا' آپ ان کے مقابلہ کے لئے نکلئے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

مختار مصعب کا حریف ہی تھا، عربوں کا سہارا پا کر وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور اپنے نامور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو، جو خارجیوں سے برسر پیکار تھے، واپس بلا کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے ایک بہادر افسر احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ دوسری طرف سے مصعب خود فوجیں لے کر نکلے۔ مدار میں دونوں کا مقابلہ ہوا، ایک خون ریز معرکہ کے بعد احمد بن سلیط نے شکست کھائی۔ اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ باقی حصہ کوفہ لوٹ گیا۔ مصعب تعاقب کرتے ہوئے کوفہ تک چلے گئے۔

مختار کا خاتمہ

احمد بن سلیط کی شکست کے بعد مختار جو کوفہ ہی میں موجود تھا، خود مقابلہ میں آیا لیکن اس نے بھی نہایت فاش شکست کھائی اور اس کی فوج بری طرح مقتول ہوئی اور وہ پسپا ہو کر کوفہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ مصعب نے محاصرہ کر لیا، کامل چار مہینے تک محاصرہ قائم رہا۔ مختار نے جب دیکھا کہ رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی ہے تو وہ جان پر کھیل کر نکل آیا اور اپنے معتمد علیہ امیر سائب بن مالک کلبی سے کہا کہ ''اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دین کے لیے نہیں بلکہ حسب کے لیے آخری مقابلہ کر لیں''۔ اس وقت سائب پر اس کی حقیقت ظاہر ہوئی، انہوں نے کہا ''دنیا تو اب تک یہ سمجھتی تھی کہ تم دین کے لیے یہ جانبازی دکھا رہے ہو'' مختار نے جواب دیا ''نہیں، میری عمر کی قسم! یہ سب محض حصول دنیا کے لیے تھا۔ میں نے دیکھا کہ شام عبدالملک کے پاس ہے، حجاز عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کے قبضہ میں ہے، بصرہ مصعب کے زیر حکومت ہے، عروض پر نجد حروری قابض ہے اور خراسان پر عبداللہ بن حازم کا تسلط ہے اور میرے حصہ میں کچھ بھی نہیں، اس لیے میں نے بھی قسمت آزمائی کی لیکن خون حسین (رضی اللہ عنہ) کے انتقام کی دعوت کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس کو حصول مقصد کا آلہ بنایا۔'' [1]

---

[1] اخبار الطوال ص ۳۱۳۔

اس کے بعد اپنے خاص دستہ کو لے کر باہر نکلا اور بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ مصعب کا مقابلہ کیا لیکن اب اس کی قوت ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے اس کو شکست ہوئی اور اس کا حفاظتی دستہ پسپا ہو کر قصر امارت میں داخل ہو گیا لیکن مصعب کے آدمیوں نے مختار کو نہ داخل ہونے دیا اور چند سو آدمیوں کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا اور لڑتے لڑتے مارا گیا۔ مصعب نے اس کا سر قلم کر کے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ مختار کے قتل کے بعد اس کے قوت بازو اشتر بن مالک ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے اور عراق پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آ گیا۔ [1]

خارجیوں کا ہنگامہ

مختار کے علاوہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دوسری جس مخالف قوت کا مقابلہ کرنا پڑا، وہ خارجی تھے۔ یہ اصل میں بنی امیہ کے حریف تھے بلکہ ان کی بنیاد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کے سلسلہ میں پڑی تھی، چنانچہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید دونوں کے زمانہ میں اٹھے اور یزید اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگ میں انہوں نے ابن زبیر کا ساتھ دیا تھا لیکن اپنے عقیدہ میں بڑے سخت تھے، شیخین رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کو (نعوذ باللہ) گمراہ اور ان کے ماننے والوں کو کافر اور مباح الدم سمجھتے تھے۔ اس لیے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی ان کے نزدیک جہاد واجب تھا۔ پہلے انہوں نے یزید کی مخالفت میں ان کا ساتھ تو دے دیا تھا لیکن بعد میں اس پر ندامت ہوئی اور انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی رائے پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ''میں ان کا دوست اور ان کے دشمنوں کا دشمن اور تم لوگوں کے عقائد سے بری ہوں۔'' یہ جواب سن کر ان کا سردار نافع بن ازرق ان کا ساتھ چھوڑ کر عراق چلا گیا۔ [2]

عراق اس وقت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں تھا۔ اس لیے خوارج ان کے مقابلہ میں آ گئے اور انہوں نے عراق میں بڑی شورش بپا کی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بصری والی عبداللہ بن حارث نے ان کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں، نافع مارا گیا لیکن خوارج کا زور نہ ٹوٹا اور ان کی شورش کی وجہ سے بصرہ کی آبادی خطرہ میں آ گئی۔ اہل بصرہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فریاد کی۔ انہوں نے مہلب بن ابی صفرہ کو خارجیوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ انہوں نے بڑی خونریز لڑائیوں کے بعد جس میں فریقین کے بہت سے آدمی کام آئے، بصرہ سے خارجیوں کو ہٹایا، یہاں سے ہٹنے کے بعد وہ فارس کی طرف نکل گئے۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۳۱۴۔ [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۶۵۔

اسی زمانہ میں نافع بن ازرق کا ایک ساتھی نجدہ بن عامر حروری اپنی علیحدہ جماعت بنا کر بحرین میں اٹھا اور یہاں کے حاکم اور عرب سرداروں کو شکست دے کر یمامہ، صنعاء اور عمان وغیرہ پر قابض ہو گیا لیکن پھر اس کی جماعت میں پھوٹ پڑ گئی۔ کچھ لوگ اس کے خلاف ہو گئے۔ انہوں نے عبداللہ بن فدیک کو اپنا سردار بنالیا۔ نجدہ روپوش ہو گیا۔ ابن فدیک کے آدمیوں نے اسے ڈھونڈ کر قتل کر دیا۔

خوارج بڑے بہادر اور جانباز تھے۔ ان کی قوت عارضی طور سے دب جاتی تھی لیکن ٹوٹتی نہ تھی اور وہ موقع پاتے ہی پھر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس لیے مہلب بن ابی صفرہ بھی ان کا استحصال نہ کر سکے اور ۶۸ھ میں فارس کے خارجیوں نے پھر زور پکڑا۔ مصعب نے مہلب کو ہٹا کر عمر بن عبیداللہ بن معمر کو ان کی جگہ مامور کیا۔ انہوں نے اصطخر اور سابور وغیرہ میں انہیں شکست فاش دی۔ فارس میں شکست کھانے کے بعد انہوں نے پھر عراق کا رخ کیا۔ عمر بن عبیداللہ بھی تعاقب میں نکلے۔ دوسری طرف سے مصعب روکنے کے لیے بڑھے۔ خارجی اپنے کو دستوں سے محصور دیکھ کر مدائن چلے گئے اور یہاں کے باشندوں پر بڑے مظالم ڈھائے۔ عورتوں اور بچوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالے اور ساباط میں ایسے ہی وحشیانہ مظالم کرتے ہوئے کوفہ کی طرف بڑھے۔ ابراہیم بن اشتر اہل کوفہ کو لے کر مقابلہ کے لیے اٹھے۔ انہیں دیکھ کر خارجی مدائن سے ہوتے ہوئے رے کی طرف چلے گئے۔ یہاں کے والی یزید بن حارث نے مقابلہ کیا۔ خوارج نے انہیں قتل کر دیا۔ رے کے بعد اصفہان کا رخ کیا۔ یہاں کا والی عتاب کئی مہینے تک مدافعت کرتا رہا۔ جب اس کا کل سامان ختم ہو گیا تو اس وقت باہر نکل کر اس نے مقابلہ کیا اور خوارج کے سردار زبیر بن ماحور کو قتل کر دیا اور اس کا کل سامان ان کے قبضہ میں آیا۔ زبیر کے قتل کے بعد خارجیوں نے قطری بن فجاۃ کو اپنا سردار بنایا اور مختلف مقاموں پر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ ان کی شورش دیکھ کر مصعب نے پھر مہلب بن ابی صفرہ کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا۔ انہوں نے کامل آٹھ مہینوں تک پوری کامیابی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ ابھی یہ مقابلہ جاری تھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا خاتمہ ہو گیا اور خوارج کا رخ عبدالملک کی طرف مڑ گیا، جس کے حالات عبدالملک کے دور میں آئیں گے۔ [1]

عبیداللہ بن الحر جعفی کی مخالفت

۶۸ھ میں ایک دیندار بزرگ عبیداللہ بن الحر جعفی نے عراق میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بلند کیا۔ یہ خلافت راشدہ کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے اور اس دور کی مہمات میں شریک رہ چکے

---

[1] طبری و ابن اثیر وغیرہ میں ان لڑائیوں کی تفصیل بہت طویل ہے، ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے

تھے۔اس لیے اس زمانہ کے مدعیان خلافت کو خالص دنیا دار تصور کرتے تھے اور ان کی روش کو پسند نہ کرتے تھے' مصعب اور مختار کے مقابلہ میں انہوں نے مصعب کا ساتھ دیا تھا لیکن پھر ان کی بدسلوکی کی وجہ سے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں میں عرصہ تک معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ان کی مخالفت میں عبیداللہ' عبدالملک سے مل گئے۔اس نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔مال اور فوج سے ان کی مدد کی اور عبیداللہ پھر مقابلہ میں آ گئے لیکن حارث بن ربیعہ والی کوفہ نے موقع نہ دیا اور فوراً ان سے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کر دیں۔عبیداللہ کے ساتھیوں نے عذر کیا کہ اتنی بڑی فوج کے لیے فوجیں روانہ کر دیں۔عبیداللہ کے ساتھیوں نے عذر کیا کہ وہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس لیے انہوں نے تنہا مقابلہ کیا اور اس بہادری سے لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چور ہو گیا۔جب لڑنے کی سکت باقی نہ رہی تو کشتی پر بیٹھ کر نکل جانا چاہا لیکن ایک شخص نے پکڑ لیا۔عبیداللہ نے جب دیکھا کہ وہ دشمن کے حوالے کر دیئے جائیں گے تو وہ مع اس آدمی کے کشتی سے کود پڑے اور دونوں غرق ہو گئے۔

عمرو بن سعید اموی کا قتل

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مروان نے خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کا نام ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک کو ولی عہد بنایا تھا۔خالد کم سن تھا' اس میں کوئی حوصلہ بھی نہ تھا، اس لیے خاموش ہو گیا لیکن عمرو بن سعید میں جان تھی۔اس کی جانب سے عبدالملک کو ہمیشہ خطرہ رہا۔چنانچہ وہ اس کو اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

۶۹ھ میں عبدالملک زفر بن حارث والی قرقیسیا کے مقابلہ کے لیے جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا حامی تھا، نکلا۔یعقوبی کا بیان ہے کہ عمرو بن سعید حسب معمول اس کے ساتھ تھا، لیکن قنسرین سے موقع پا کر دمشق لوٹ گیا۔[1] ابن اثیر وغیرہ کا بیان ہے کہ عبدالملک نے اسے دمشق میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ بہرحال عبدالملک کی عدم موجودگی میں عمرو بن سعید نے اس کے نائب عبدالرحمٰن بن عثمان کو نکال کر دمشق پر قبضہ کر لیا۔عبدالملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً دمشق واپس آیا۔عمرو بن سعید نے مقابلہ کیا لیکن عبدالملک نے مصلحتاً اسے ولی عہد مان کر صلح کر لی اور دمشق داخل ہو گیا لیکن ان میں سے کسی کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ تھا، دونوں ایک دوسرے سے کھٹکتے تھے۔عبدالملک موقع کا منتظر رہا اور باختلاف روایت ایک دن جب عمرو بن سعید حسب معمول عبدالملک کے پاس گیا یا اس نے خود بلا بھیجا اور پہلے سے آدمی چھپا دیئے۔جیسے ہی عمرو پہنچا، عبدالملک نے اس کو زنجیروں میں کسوا کر قتل کر دیا۔عمرو بن

---

[1] یعقوبی ج ۲، ص ۳۲۲، ۳۲۳۔

سعید کہتا رہا، ''یہ دھوکہ ہے'' عبدالملک نے جواب دیا۔ ''واللہ! اگر مجھ کو اس کا یقین ہوتا کہ ہم دونوں کے ایک ساتھ رہنے میں کوئی ناگوار صورت نہ پیش آئے گی اور میری رعایت کے ساتھ تم بھی میرے ساتھ رعایت کرو گے تو میں تم کو چھوڑ دیتا لیکن دو حکمران ایک ملک میں نہیں رہ سکتے۔ یقیناً ایک دوسرے کو نکالنے کی کوشش کرے گا۔ [1]

شام پر رومیوں کا حملہ اور ان سے صلح

۷۰ھ میں رومیوں نے شام پر حملہ کے لیے اجتماع کیا، عبدالملک کو اس وقت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے نپٹنا تھا اس لیے اس نے ایک ہزار دینار فی ہفتہ پر صلح کر لی۔ [2]

بصرہ پر عبدالملک کی فوج کشی اور مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کا خاتمہ

مختار کے خاتمہ کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا اصل حریف عبدالملک کے مقابلہ میں آنا یقینی تھا، اس کے علاوہ عراق پر مصعب کا قبضہ عبدالملک کے لیے بہت مضر تھا۔ اس لیے عمرو بن سعید کی جانب سے اطمینان اور قیصر روم سے مصالحت کے بعد ۷۱ھ میں پوری قوت کے ساتھ اس نے عراق پر فوج کشی کر دی۔ مصعب بن زبیر بھی پوری تیاری کے ساتھ مقابلہ میں آئے لیکن عین موقعہ پر عبدالملک نے مصعب کے بہت سے آدمیوں کو رشوت کے ذریعہ ملا لیا۔ عراق کے مروانی بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ مصعب کے دست راست ابراہیم بن اشتر کو بھی ملانے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہیں ہوئی۔ [3]

دیر جاثلیق میں دونوں کا مقابلہ ہوا، اگرچہ مصعب کی قوت کمزور پڑ چکی تھی لیکن بڑی شجاعت کے ساتھ انہوں نے مقابلہ کیا۔ ابراہیم نے جن کو بنی امیہ سے بڑی نفرت تھی، بڑی جانبازی دکھائی اور اموی فوج کو کمزور کر دیا لیکن تازہ دم امداد نے ان کی حالت سنبھال لی۔ [4]

ابراہیم کی شجاعت دیکھ کر قبیلہ ربیعہ میں جو مصعب کی فوج کا اہم حصہ تھا، محض رشک وحسد کی بنا پر جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس سے مصعب کی قوت اور زیادہ کمزور ہو گئی لیکن ابراہیم کی شجاعت نے اس کمی کو محسوس نہ ہونے دیا۔ اس لیے اموی فوج ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑی اور ان کا کام تمام کر دیا۔ ان کے بعد مصعب کے لڑکے عیسیٰ نے اسی بہادری سے لڑ کر جان دے دی۔ ان دونوں کے قتل سے مصعب کی قوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ تاہم وہ تنہا ہی مقابلہ کرتے رہے۔

---

[1] یعقوبی ج ۲، ص ۳۲۳، ۳۳۲ وابن اثیر ج ۴، ص ۱۱۶، ۱۱۷۔
[2] ابن اثیر ج ۴، ص ۱۱۹۔
[3] اخبار الطوال ص ۳۱۷ وطبری ج ۸، ص ۸۰۴۔
[4] طبری، ص ۸۰۶۔

عبدالملک اور مصعب کے تعلقات بہت قدیم تھے۔ سیاست کی بازی نے ایک کو دوسرے کا حریف بنا دیا تھا۔ اس لیے عبدالملک ان کے خون سے بچنا چاہتا تھا اور اب اس کو ان سے کوئی خطرہ بھی باقی نہ رہ گیا تھا، چنانچہ اس نے اپنے مشیروں کی مخالفت کے باوجود ان کے پاس جان بخشی کا پروانہ بھیج دیا کہ وہ جہاں چاہیں نکل جائیں لیکن عین اس وقت ایک شامی عبیداللہ بن ظبیان نے ان کو قتل کر دیا۔ [1] اور ان کا سر قلم کر کے عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا، اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا کہ اب قریش میں ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مصعب کے قتل کے بعد عراق پر عبدالملک کا قبضہ ہو گیا اور عراقیوں نے اس کی بیعت کر لی۔ [2]

حرم کا محاصرہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا خاتمہ

مصعب کے قتل اور عراق پر عبدالملک کے قبضہ کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مالی حالت اور فوجی قوت کمزور ہو گئی اور عبدالملک کے لیے ان کا زیر کر لینا آسان ہو گیا، چنانچہ ۷۲ھ میں اس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ وہ حرم میں قلعہ بند تھے۔ حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ کئی مہینے تک مسلسل محاصرہ قائم رہا اور بڑی شدت کی سنگباری ہوتی رہی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔ [3]

ابن زبیر رضی اللہ عنہ بڑی شجاعت اور استقلال کے ساتھ مدافعت کرتے رہے لیکن ان کی مدد کے تمام ذرائع بند ہو چکے تھے۔ باہر سے کسی قسم کی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی اور کوئی مدد پہنچانے والا بھی باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے کچھ دنوں میں ان کا سامان رسد بالکل ختم ہو گیا اور مکہ میں نہایت سخت قحط پڑ گیا۔ ہر چیز سونے کے بھاؤ بکنے لگی۔ محصورین کو گھوڑے ذبح کر کے کھانے کی نوبت آ گئی۔ ان حالات سے گھبرا کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دس ہزار آدمی حجاج کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ اس حالت میں بھی برابر لڑتے رہے، آخر میں ان کے لڑکوں تک نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ [4]

عبدالملک، ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رعایت کرنے کے لیے آمادہ تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مقابلہ جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو اپنی ماں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اماں! میرے تمام ساتھی ایک ایک کر کے مجھ سے الگ ہو گئے ہیں۔ میرے لڑکوں تک

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۳، ص ۵۲۴، ۵۲۳۔
[2] اخبار الطوال ص ۳۰۹۔
[3] طبری ج ۸، ص ۸۴۴۔
[4] ابن اثیر ج ۴، ص ۲۸۶۔

نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ جو چند جان نثار باقی رہ گئے ہیں ان میں بھی مقابلہ کی تاب نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہمارے ساتھ رعایت کرنے پر آمادہ ہے۔ ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں۔ اس سوال پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے آمادہ بقتل بیٹے کو جو جواب دیا اس پر عورتوں کی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ فرمایا ''بیٹا! تم کو اپنی حالت کا اندازہ خود ہوگا۔ اگر تم حق پر ہو اور حق کے لیے لڑتے ہو تو اب بھی اس کے لیے لڑو کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لیے جان دی ہے اور اگر دنیا طلبی کے لیے لڑتے تھے تو تم سے برا کون اللہ کا بندہ ہوگا کہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا، اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہو گئے ہو تو یاد رکھو شریفوں اور دینداروں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ تم کو کب تک دنیا میں رہنا ہے، جاؤ حق پر جان دینا دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔'' یہ جواب سن کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ''اماں مجھے خوف ہے کہ میرے قتل کے بعد بنی امیہ میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائیں گے''۔ بہادر ماں نے جواب دیا ''بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کو کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ اللہ سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔''

اس کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی صفائی پیش کی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میں ہر حالت میں صبر و شکر سے کام لوں گی، اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تو صبر سے کام لوں گی اور اگر کامیاب ہوئے تو تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی۔'' پھر بیٹے کو دعائیں دیں اور گلے لگا کر رخصت کیا کہ ''جاؤ بسم اللہ! اپنا کام پورا کرو۔''

ماں سے رخصت ہو کر وہ سیدھے رزمگاہ پہنچے اور بڑی شجاعت و بہادری کے ساتھ لڑے۔ ان کے صف شکن حملوں کو دیکھ کر شامیوں نے پورا زور صرف کر دیا اور بڑھتے ہوئے حرم کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ وہ شامیوں کے ریلے کی تاب نہ لا سکے لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے منہ نہ موڑا اور اسی بہادری کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔

یہ واقعہ جمادی الثانی ۷۳ھ میں پیش آیا۔ [1]

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا۔ حجاج نے لاش سولی پر لٹکائی کئی دن کے بعد حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا گزر ادھر سے ہوا۔ انہوں نے دیکھ کر فرمایا ''ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اترا؟'' [2]

عبدالملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حجاج کو لکھ کر لاش واپس دلوائی اور قریش کا یہ نامور فرزند مقام حجون میں سپرد خاک کیا گیا۔ قتل ہونے کے وقت ۷۲ سال کی عمر تھی، مدت خلافت سات برس۔

---

[1] یہ واقعات مستدرک حاکم ج ۳، تذکرہ عبداللہ بن زبیر و ابن اثیر ج ۴، ص ۲۸۶ تا ۲۸۹ اور اخبار الطوال سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ [2] یعقوبی ج ۲، ص ۳۲۰۔

نظام حکومت

ابن زبیر رضی اللہ عنہ چند سال تک قریب قریب کل دنیائے اسلام اور سات برس تک حجاز اور عراق کے حکمران رہے لیکن اس مدت میں ان کو ایک دن کے لیے بھی سکون و اطمینان میسر نہ آیا اور پوری مدت جنگ و جدل میں بسر ہوئی۔ اس لیے ان کے دور پر انتظامی اور تعمیری حیثیت سے نظر ڈالنا بے کار ہے۔ ایسے مخالف حالات میں سات برس تک اپنی جگہ پر قائم رہنا ہی ان کا بڑا کارنامہ ہے۔

تعمیر کعبہ

تاہم ان حالات میں بھی انہوں نے بعض مفید اور یادگار کام انجام دیئے۔ ان میں خانہ کعبہ کی از سرنو تعمیر ان کا قابل ذکر کارنامہ ہے۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل قریش نے ایک مرتبہ خانہ کعبہ کی عمارت جو بہت بوسیدہ ہوگئی تھی، از سرنو تعمیر کی تھی، لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اس کا تھوڑا سا حصہ جسے اب حطیم کہتے ہیں، چھوٹ گیا تھا۔ یہ چھوٹا ہوا حصہ اصل بنیاد ابراہیمی کا تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اسے بھی شامل کر کے بنیاد ابراہیمی پر دوبارہ عمارت تعمیر کی جائے اور اس کا دروازہ جسے قریش نے عمداً اس لیے زمین سے اونچا رکھا تھا تاکہ بغیر اجازت کے کوئی شخص اس کے اندر نہ داخل ہو سکے، زمین کے برابر کر دیا جائے اور مشرق و مغرب کی جانب دو دروازے کھول دیئے جائیں لیکن ابھی لوگوں کے دلوں سے جاہلیت کے اوہام پوری طرح سے دور نہ ہوئے تھے۔ اس ترمیم سے قریش کے بھڑک جانے کا خطرہ تھا، اس لیے آپ اس خواہش کو عمل میں نہ لا سکے۔ [1]

بنی امیہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے معرکوں میں کعبہ کی عمارت کو زیادہ نقصان پہنچا۔ اس لیے ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے گرا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر نقشہ کے مطابق از سرنو تعمیر کرایا۔

اس تعمیر میں انہوں نے حطیم کے چھوٹے ہوئے حصہ کو بھی عمارت میں شامل کر کے طول میں دس ہاتھ کا اضافہ کر دیا اور مشرق و مغرب کی جانب دو دروازے زمین سے لگا کر کھول دیئے کہ اندر جانے والوں کو زحمت نہ ہو۔ [2] یہ تاریخ کا عبرت انگیز واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے حبشہ کے بادشاہ ابرہہ اشرم نے جو ہاتھیوں کا غول لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا تھا، کعبہ کے مقابلہ میں اس کی مرکزیت کو توڑنے کے لیے یمن میں ایک کنیسہ تعمیر کرایا تھا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسی عمارت کو گرا کر اس کے نقشی پتھر، پچی کاری اور دوسرے عمارتی سامانوں کو خانہ کعبہ کی عمارت میں لگایا۔ [3]

---

[1] بخاری باب فضل مکہ وبنیانہا۔ [2] مسلم نقض الکعبۃ وبنیانہا۔ [3] مروج الذہب مسعودی ج ۴، ص ۴۹۱۔

فضل وکمال

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن میں پرورش پائی تھی۔ اس لیے فضل وکمال کے لحاظ سے وہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ قرآن کے بہت اچھے قاری تھے۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آپ کی قرأت کے معترف تھے۔ (1)

احادیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عائشہ خلفائے راشدین اور بعض دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے خوشہ چینی کی تھی۔ ان کی ۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصا وسیع ہے۔ (2) فقہ میں اتنا درک تھا کہ مدینہ کے صاحب علم و افتاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے۔ (3) عربی کے علاوہ مختلف زبانوں سے واقفیت تھی۔ ان کے غلام مختلف قوم اور نسل کے تھے اور وہ ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ (4) بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ عثمان بن طلحہ کا بیان ہے کہ فصاحت و بلاغت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ (5) اس کی تصدیق ان تقریروں سے ہوتی ہے جو تاریخوں میں موجود ہیں، جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بھی ان کی ایک تقریر نمونۃً نقل کی ہے۔

فضائل اخلاق اور مذہبی زندگی

فضائل اخلاق کے لحاظ سے ان کی زندگی نمونہ تھی۔ وہ عبادت و ریاضت، زہد وتقویٰ کا پیکر تھے۔ ان کی نماز ہو بہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تصویر تھی۔ (6) اس سکون واستغراق کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون معلوم ہوتے تھے۔ (7) رکوع اتنا طویل ہوتا تھا کہ دوسرے لوگ سورۂ بقرہ ختم کر دیتے اور ان کا رکوع تمام نہ ہوتا۔ (8) سجدہ کی طوالت اور استغراق سے چڑیاں اڑ اڑ کر پیٹھ پر بیٹھتی تھیں۔ (9) خانہ کعبہ کے محاصرہ کے زمانہ میں جب ہر طرف سے سنگباری ہوتی تھی، وہ نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ حطیم میں نماز پڑھتے تھے۔ (10) روزہ اور حج وغیرہ تمام ارکان سے یہی ذوق وشغف تھا، اس کے واقعات طبقات صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں مذکور ہیں۔ حضرت

---

(1) بخاری کتاب التفسیر باب ثانی اثنین اذھمافی الغار۔
(2) تہذیب التہذیب وتہذیب الکمال ترجمہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔
(3) اعلام الموقعین ج ۱، ص ۱۳۔ (4) مستدرک ج ۳، ص ۵۴۹۔ (5) تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳۔
(6) مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۲۸۹۔ (7) اصابہ ج ۴، ص ۷۰۔ (8) اسد الغابہ ج ۳، ص ۱۶۲۔
(9) ابن اثیر ج ۴، ص ۳۹۲۔ (10) تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو زہد وورع کا مجسم پیکر تھے، ان کی مذہبی زندگی کے معترف تھے۔ ❶

پابندی سنت

کسی کام میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے اور ان کے بھائی عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہوگیا۔ سعید بن عاص حاکم مدینہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ اس نے دونوں کے مرتبہ کے خیال سے پہلو میں جگہ دی، عمرو تو بیٹھ گئے لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقہ سے فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو حاکم کے سامنے بیٹھنا چاہیے۔ ❷

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی خدمت

امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ انہی کے دامن میں انہوں نے پرورش پائی تھی۔ اس لیے ان کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی فیاض تھیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جو کچھ دیتے وہ سب خرچ کر ڈالتیں۔ ایک مرتبہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس کی شکایت نکل گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تکلیف پہنچی۔ انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ترک کلامی کی قسم کھالی۔ ان کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی اور مختلف وسیلوں سے عفو تقصیر کی کوشش کی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی قسم توڑنے پر آمادہ نہ ہوتی تھیں۔ آخر میں بڑی دشواری، سفارشوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد دلانے کے بعد کہ ''کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے اور خالہ بھانجے میں پھر مہر ومحبت کے تعلقات قائم ہوگئے۔ ❸

شجاعت وبہادری

ابن زبیر رضی اللہ عنہ قریش کے شجاع ترین لوگوں میں تھے۔ ہر معرکہ میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی پوری زندگی شجاعانہ کارناموں سے معمور ہے جس کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ یہ ان کی شجاعت ہی تھی کہ بنی امیہ جیسی باجبروت حکومت کا سات برس تک مقابلہ کرتے رہے۔

جرأت وحق گوئی

www.KitaboSunnat.com

❶ مستدرک ج ۳، ص ۵۵۲۔ ❷ تاریخ الخلفاء ص ۲۱۶۔
❸ بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ میں یہ واقعہ مفصل ہے۔

شجاعت ہی کا ایک رخ جرأت و بے باکی اور حق گوئی ہے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بڑے جری اور حق گو تھے، کسی موقعہ پر ان کی زبان اظہار حق میں خاموش نہ ہوتی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دبدبہ وشکوہ، پولیٹیکل تدبیروں اور زر پاشیوں نے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں خاموش کر دی تھیں لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر ان کا بس نہ چل سکا۔ ان کے سامنے ان کی تمام تدبیریں ناکام رہیں اور انہوں نے کسی طرح یزید کی ولی عہدی کی بدعت تسلیم نہیں کی۔

مالی حالت

ان کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ قریش کے بڑے دولت مند لوگوں میں تھے۔ ان کا تجارتی کاروبار بڑا وسیع تھا۔ اپنے بعد پانچ کروڑ سے زیادہ روپیہ چھوڑا اور ایک تہائی کی وصیت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے کر گئے۔ [1] نقد کے علاوہ جاگیر اور مکانوں کی شکل میں الگ سرمایہ تھا۔ اس لیے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی زندگی شروع سے آخر تک نہایت فراغت اور اطمینان سے بسر ہوئی۔



[1] بخاری کتاب المغازی باب برکۃ المغازی فی مالہ۔

عبدالملک بن مروان کا خالص دور

(۷۳ھ تا ۸۶ھ مطابق ۶۹۳ء تا ۷۰۵ء)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بعد عبدالملک کا کوئی حریف مقابل نہ رہا اور وہ تنہا دنیائے اسلام کا خلیفہ ہو گیا اور ۷۳ھ سے اس کی خالص حکومت کا دور شروع ہوا۔

خوارج کی انقلاب انگیز شورش

خارجیوں کے اصل حریف بنی امیہ تھے۔ ان کا مرکز عراق و فارس تھا' جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بعد عبدالملک کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ اس لیے خوارج کا رخ عبدالملک کی طرف پھر گیا اور وہ سارے عراق اور فارس میں بڑے زور و شور سے اٹھے۔ عبدالملک نے ان کے استیصال میں پوری قوت صرف کر دی' لیکن وہ ایسے بہادر و جانباز تھے کہ مدتوں حکومت کا مقابلہ کرتے رہے اور بڑی مشکلوں سے ان کا زور ٹوٹا۔ اس کی تفصیلات بڑی طویل ہیں' ان کا خلاصہ یہ ہے: یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے مہلب بن ابی صفرہ خوارج کے مقابلہ میں تھا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ عبدالملک کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ۷۳ھ میں خالد بن عبداللہ والی کوفہ نے مہلب کو خوارج کے مقابلہ سے ہٹا کر مال گزاری کے محکمہ میں منتقل کر دیا اور ان کی جگہ اپنے بھائی عبدالعزیز کو مقرر کر کے مقاتل بن مسمع کو ان کی مدد پر مامور کیا۔ مہلب بڑے بہادر اور تجربہ کار تھے۔ ان کے ہٹتے ہی خوارج کا زور بڑھ گیا اور انہوں نے عبدالعزیز کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خالد بن عبداللہ کو لکھا کہ تم نے مہلب جیسے آزمودہ کار کو ہٹا کر اپنے ناتجربہ کار بھائی کو مقرر کیا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ شکست تھا۔ مہلب کو فوراً اس کی جگہ پر بھیجو اور خوارج کے معاملہ میں بغیر مہلب کے مشورہ کے کوئی کارروائی نہ کرو۔ اس حکم کے ساتھ اپنے بھائی بشر بن مروان کو علیحدہ خوارج کے مقابلہ میں پانچ ہزار فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ اس حکم پر خالد نے مہلب کو خوارج کے مقابلہ میں بھیج دیا اور خود اہل بصرہ کے ساتھ ان کی مدد کے لیے اہواز پہنچا۔ بشر نے علیحدہ عبدالرحمٰن بن اشعث کو ۵ ہزار فوج دے کر بھیجا۔ تینوں نے مل کر مورچہ بندی کی۔ خوارج ان کے مقابلہ کی قوت نہ پا کر اہواز سے منتشر ہو گئے۔

بحرین پر ابوفدیک خارجی نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس لیے ۷۳ھ میں عبدالملک کے حکم سے عمر بن عبیداللہ دس ہزار فوجیں لے کر بحرین پہنچا۔ ابوفدیک نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا' لیکن آخر میں مارا گیا۔ اس کے بہت سے آدمی مقتول اور بہت سے زندہ گرفتار ہوئے۔ ۷۴ھ میں عبدالملک نے

خوارج کے استیصال پر براہ راست مہلب کا تقرر کیا اور بشر بن مروان والی کوفہ کو اس کی مدد کے لیے لکھا۔ بشر کو اپنے وسیلہ کے بغیر یہ تقرر بہت ناگوار ہوا۔ وہ اس حکم کی خلاف ورزی تو نہ کر سکتا تھا' اس لیے عبدالرحمٰن بن مخنف کو پانچ ہزار کوفی سپاہ کے ساتھ مہلب کی مدد کے لیے بھیج دیا' لیکن اس کو خفیہ مہلب کی مخالفت اور اس کی تحقیر کی ہدایت کر دی۔ اس وقت خوارج کی یورش رامہرمز میں زیادہ تھی۔ اس لیے مہلب اور عبدالرحمٰن دونوں سیدھے یہیں پہنچے' لیکن ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ بشر کی موت کی خبر آ گئی۔ یہ خبر سن کر کوفی فوج بغیر لڑے ہوئے لوٹ گئی۔ بشر کے نائب خالد بن عبداللہ کو اس کی اطلاع ملی' تو اس نے کوفی فوج کو رامہرمز پر لوٹ جانے کا حکم دیا' لیکن وہ واپس نہ ہوئی اور خالد کے علی الرغم کوفہ چلی آئی۔ اہل عراق خصوصاً اہل کوفہ بڑے سرکش اور شورش پسند واقع ہوئے تھے اور ہمیشہ سے اپنے والیوں کی عدول حکمی کے عادی تھے۔ اس لیے اس واقعہ کے بعد عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو جو بڑا سخت گیر تھا' عراق کا حاکم بنا کر بھیجا۔ یہ کل بارہ سو سواروں کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوا اور سیدھا جامع کوفہ پہنچا اور تقریر کے لیے منادی کرا دی۔ اہل کوفہ تقریر سننے کے لیے جمع ہوئے' انہیں حجاج کے تقرر کا علم نہ تھا' وہ والیوں کی تحقیر کرنے کے عادی تھے' اس لیے بہت سے لوگ حسب معمول کنکریاں لے کر مارنے کے لیے پہنچے۔ حجاج منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھا' اس لیے کسی نے اس کو نہیں پہچانا' منبر پر چڑھنے کے بعد جب اس نے نقاب ہٹائی' اس وقت اسے دیکھ کر لوگ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ ان کے ہاتھوں سے کنکریاں چھوٹ گئیں۔ حجاج نے انہیں مخاطب کر کے ایک شعلہ بار تقریر کی' جس کا خلاصہ یہ ہے:

''لوگو! اللہ کی قسم میں شر کو اس کی جگہ رکھتا ہوں اور اس کا پورا بدلہ دیتا ہوں۔ میں بہت سے سروں کو دیکھتا ہوں (پکی ہوئی کھیتی کی طرح) جن کے کٹنے کا وقت آ گیا ہے' مجھ کو تمہارے عماموں اور داڑھیوں کے درمیان خون ہی خون نظر آتا ہے۔ اب معاملہ آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔ مجھ کو آسانی کے ساتھ نہیں دبایا جا سکتا۔ میں حوادث سے نہیں ڈرتا۔ امیر المؤمنین عبدالملک نے اپنے ترکش کے تمام تیروں کو جانچا' ان میں جو سب سے زیادہ سخت اور جگر دوز تھا' وہ تمہارے سینہ کی طرف چلایا ہے۔ تم مدتوں سے بغاوت' مخالفت' فتنہ انگیزی اور نفاق و شقاق کے عادی چلے آ رہے ہو۔ اب تم سیدھے ہو جاؤ اور سر اطاعت خم کر دو' ورنہ اللہ کی قسم میں تم کو ذلت کا پورا مزہ چکھاؤں گا' تمہاری کجروی کو درست کر دوں گا' تمہیں لکڑی کی طرح چھیل اور ببول کی طرح

جھاڑ ڈالوں گا' تمہیں سرکش اونٹ کی طرح ماروں گا کہ سرکشی بھول کر مطیع ہو جاؤ گے۔ تم پر اتنے مصائب نازل کروں گا کہ تم پست ہو جاؤ گے۔ اللہ کی قسم میں جو کچھ کہتا ہوں اسے کر دکھاتا ہوں اور جو اندازہ کرتا ہوں صحیح ہوتا ہے۔ اب مخالف جماعتیں ہیں اور میں ہوں۔ اللہ کی قسم اگر تم حق پر نہ آئے تو میری تلوار عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دے گی۔ اس وقت تم باطل سے باز آ جاؤ گے اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دو گے۔ نافرمانوں کی نافرمانی سے چشم پوشی کے معنی یہ ہیں کہ دشمنوں سے نہ لڑا جائے اور سرحدوں کو بیکار کر دیا جائے۔ اگر لوگوں کو جنگ کی شرکت پر مجبور نہ کیا جائے تو وہ خوشی سے لڑنے کے لیے نہ جائیں گے' جس بغاوت اور سرکشی سے تم نے مہلب کا ساتھ چھوڑا اس کا حال مجھے معلوم ہے۔ اللہ کی قسم آج کے تیسرے دن جو شخص واپس نہ گیا اور یہاں نظر آیا تو اس کا سر قلم کر دوں گا اور گھر لٹوا دوں گا''۔

اس آتش بار تقریر کے بعد اہل کوفہ کے نام عبدالملک کا فرمان پڑھنے کا حکم دیا۔ ابھی ابتدائی فقرہ ''اَمَّابَعْدُ السَّلَامُ عَلَیْکُم'' پڑھا گیا تھا' کہ حجاج نے روک دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا: ''امیرالمومنین تم کو سلام کہتے ہیں' تم اس کا جواب نہیں دیتے۔ اللہ کی قسم میں تم کو ادب سکھا کر رہوں گا''۔ اس تادیب پر حاضرین نے ''سَلَامُ اللّٰہِ عَلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' کہا' اس کے بعد پھر فرمان پڑھنے کا حکم دیا۔ حجاج کی آتش بار تقریر سن کر لوگوں کے دل دہل گئے اور عراقی ساری سرکشی اور شرارت بھول گئے' یا تو وہ کسی کے روکے نہ رکتے تھے اور مہلب کا ساتھ چھوڑ کر چلے آئے تھے' یا اس تقریر کے بعد ہر شخص جلد سے جلد اپنے کو مہلب کے پاس پہنچانے کے لیے بے تاب تھا اور کوفہ کے پل پر اتنا اژدہام ہو گیا کہ راستہ چلنا دشوار تھا۔ کوفہ کے بعد حجاج نے بصرہ جا کر ایسی ہی تہدید آمیز تقریر کی' یہاں کے شورش پسند بھی درست ہو گئے۔ ایک شخص شریک بن عمر نے جسے سابق والی بشر بن مروان نے بیماری کی وجہ سے شرکت جنگ سے مستثنیٰ کر دیا تھا' عذر کیا۔ حجاج نے اس کا سر قلم کرا دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگ جوق در جوق فوج میں شرکت کے لیے بھاگنے لگے۔

البتہ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں عراقی فوج کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا تھا۔ عبدالملک نے بھی اسے قائم رکھا تھا۔ حجاج نے اسے گھٹا دیا۔ ایک شخص عبداللہ بن جارود کے ساتھ ہو گیا اور بصرہ میں حجاج کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ حجاج کے پاس اس وقت حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا۔ ابن جارود نے اس کا خیمہ لوٹ لیا' لیکن حجاج کی خوش

قسمتی سے خیمہ لوٹنے کے بعد ابن جارود خاموش ہو گیا۔ حجاج کے مشیروں نے اسے بصرہ چھوڑ دینے کی رائے دی' لیکن اس نے ہمت سے کام لیا اور اپنی کمزوری نہ ظاہر ہونے دی۔ دو چار دن کے بعد جب حجاج کے آدمی جمع ہو گئے' اس وقت ابن جارود پھر مقابلہ کے لئے اٹھا۔ اب حجاج کے پاس تھوڑی بہت قوت فراہم ہو گئی تھی۔ اس نے مقابلہ کیا' لیکن ابن جارود کے ساتھ پوری فوج تھی۔ اس لیے جنگ میں اسی کا پلہ بھاری تھا' مگر اتفاق سے ابن جارود کو تیر لگا اور وہ ختم ہو گیا۔ اس بغاوت کا سرغنہ یہی تھا' اس کے بعد باغیوں کی ہمت چھوٹ گئی۔ حجاج نے امن عام کی منادی کرا دی۔ اس منادی پر باغیوں نے سپر ڈال دی۔ اختتام جنگ کے بعد حجاج نے ابن جارود کے تمام بڑے بڑے ساتھیوں کو قتل کرا دیا اور عراق میں ایک بڑا انقلاب ہوتے ہوتے رہ گیا۔ کوفہ اور بصرہ کی فوجوں کے مہلب کے پاس واپس جانے کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ ان کے پہنچنے کے بعد ان کی مدد سے مہلب نے خارجیوں کو راہ مہرمز سے ہٹا دیا۔ یہاں سے ہٹنے کے بعد وہ گازورون میں جمع ہوئے۔ مہلب بھی ساتھ ساتھ پہنچے۔ دونوں میں عرصہ تک معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ اس کا سلسلہ جاری تھا کہ ۷۶ھ میں جزیرہ میں ایک عابد و زاہد شخص صالح بن مسرح تمیمی مظالم کے استیصال کی دعوت لے کر اٹھے۔ بہت سے آدمی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اسی زمانہ میں ایک اور خارجی سردار شبیب بن نعیم شیبانی کا ظہور ہوا' چونکہ صالح کی دعوت بھی درحقیقت بنی امیہ کے خلاف تھی' اس لیے سردار شبیب بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ جزیرہ کے حاکم محمد بن مروان نے عدی بن عدی کندی کو صالح کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ عدی نیک فطرت تھا۔ اسے خونریزی پسند نہ تھی۔ اس لیے صالح کے پاس کہلا بھیجا کہ میں جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ بہتر یہ ہے کہ تم ان اطراف سے چلے جاؤ' لیکن انہوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر عدی کو مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا' لیکن شکست کھائی۔ عدی کے شکست کھانے کے بعد محمد بن مروان نے خالد بن جزر کو بھیجا۔ آمد میں اس کا اور صالح و شبیب کا مقابلہ ہوا۔ ایک پرزور مقابلہ کے بعد صالح اور شبیب دسکرہ کی طرف نکل گئے۔ حجاج کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے حارث بن عمیرہ کو کئی ہزار فوج دے کر روانہ کیا۔ اس نے صالح کو قتل کر دیا۔ شبیب نے ایک قلعہ میں پناہ لی۔ شام ہو چکی تھی' اس لیے حارث قلعہ کے پھاٹک پر آگ کا الاؤ لگا کر لشکر گاہ میں چلا آیا کہ صبح محصورین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ شبیب کے ساتھی بڑے جانباز تھے' وہ حسن تدبیر سے آگ سے بچ کر نکل آئے اور حارث کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ بالکل ناگہانی تھا۔ حارث سخت زخمی ہوا اور اس کے کل سامان پر شبیب نے قبضہ کر لیا۔ حارث کو شکست دینے کے بعد شبیب نے عام تاخت و تاراج شروع کر دی۔ حجاج کو خبر ہوئی تو اس نے

سفیان بن ابی العالیہ کو بھیجا۔ شبیب نے اسے بھی شکست دی۔ اس کے بعد سورہ بن ابجر آیا۔ اس نے بھی شکست کھائی۔ ان پیہم شکستوں کو دیکھ کر حجاج نے جنرل بن سعید کندی کو چار ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ بھیجا۔ شبیب نے محض چند آدمیوں کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا' لیکن پھر پہلو کمزور دیکھ کر نکل گیا اور جائیداد اور فصلوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ حجاج نے ایک دوسرے بہادر سعید بن مجالد کو جنرل بن سعید کی مدد کے لیے بھیجا۔ دونوں نے مل کر شبیب کا تعاقب کیا۔ مقام قطیطیا میں دونوں کا مقابلہ ہوا' اس مقابلہ میں سعید کام آ گیا اور جنرل سخت زخمی ہو کر کوفہ لوٹ گیا۔ ان پیہم کامیابیوں سے شبیب کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا کہ اس نے عراق کے پایہ تخت کوفہ کا رخ کیا۔ حجاج نے سعید بن عبدالرحمٰن اور عثمان بن قطن کو دو دو ہزار فوج کے ساتھ دوستوں سے روکنے کے لیے بھیجا۔ شبیب کوفہ کے قریب پہنچ چکا تھا کہ اس کا اور سوید و عثمان کا سامنا ہو گیا۔ شبیب بہادری سے لڑتا ہوا حیرہ کی طرف نکل گیا۔ پھر کچھ دور آگے جا کر چکر کاٹتا ہوا کوفہ لوٹ آیا اور بڑی جرأت اور دلیری سے کوفہ میں گھس کر بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے تیزی سے نکل گیا۔ اب حجاج نے زائدہ بن قدامہ اور اس کے ساتھ متعدد بہادر افسروں کو دس ہزار پیدل سپاہ اور زحر بن قیس کو سوار دستے کے ساتھ شبیب کے تعاقب میں بھیجا۔ پیدل سپاہ تو پیچھے رہ گئی' زحر بن قیس نے تعاقب کیا' کچھ دور جا کر شبیب نے پلٹ کر مقابلہ کیا اور زحر کو شکست دی۔ زحر کو شکست دینے کے بعد شبیب پیدل فوج کے مقابلہ کے لیے جو زائدہ کی ماتحتی میں عقب سے آ رہی تھی' بڑھا' کوفہ کے قریب مقابلہ ہوا۔ اس مقام میں عام سپاہ کے علاوہ عراقی فوج کے کئی افسر مقتول ہوئے۔ خارجیوں کو بھی نقصان پہنچا۔ اس لیے وہ مقابلہ چھوڑ کر دوسری سمت نکل گئے۔ حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ایک تجربہ کار افسر عبدالرحمٰن بن اشعث کو چھ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ بھیجا اور ہدایت کر دی کہ خارجی جہاں کہیں بھی ملیں تو تعاقب کر کے ان کا استیصال کیا جائے اور جو شخص شکست کھا کر واپس آئے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

عبدالرحمٰن نے پوری احتیاط اور مستعدی سے تعاقب کیا۔ جہاں منزل کرتا تھا' خوارج کے حملہ سے حفاظت کے لیے مورچہ بندی اور جنگ کا سامان کر لیتا تھا۔ یہ اہتمام دیکھ کر شبیب نے اس کے جواب میں یہ صورت اختیار کی کہ جیسے ہی عبدالرحمٰن قریب پہنچتا' شبیب رک جاتا اور جب عبدالرحمٰن مورچہ بندی اور جنگ کا سامان کر لیتا تو پھر آگے بڑھ جاتا۔ اس طرح سے اس نے عبدالرحمٰن اور عراقی فوجوں کو تھکا ڈالا۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ بقرعید کا زمانہ آ گیا۔ شبیب نے فریقین کے عید منانے کے لیے صلح کا پیغام دیا۔ عراقی فوجیں تھک چکی تھیں۔ اس لیے عبدالرحمٰن نے منظور کر لیا۔ اس کے

ایک مخالف عثمان بن قطن نے حجاج کو اس کی خبر کر دی۔ وہ شبیب کے مقابلے میں کسی قسم کی نرمی پسند نہ کرتا تھا۔ اس لیے عبدالرحمٰن کو معزول کر کے عثمان کو افسر مقرر کر دیا۔ اس نے اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے فوراً مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شبیب بھی اپنی مختصر جماعت کے ساتھ پہنچ گیا اور ایک خونریز معرکہ کے بعد عثمان کو قتل کر دیا اور عراقی فوج نے شکست فاش کھائی۔

شبیب کی ان کامیابیوں کو دیکھ کر بہت سے شورش پسند عوام بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ ان کی بڑھتی ہوئی قوت اور عراقی فوجوں کی بے بسی سے عراق میں بڑے خطرہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ اس وقت حجاج نے اہل کوفہ کو جمع کر کے انہیں غیرت دلائی کہ ''اگر تم دشمن کا مقابلہ اور اپنے ملک کی خود حفاظت نہیں کر سکتے تو میں تم سے زیادہ بہادر لوگوں کو یہ فرض سپرد کرتا ہوں''۔ یہ طعنہ سن کر ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ ہم خود لڑیں گے اور ہر طرح امیر کی مدد کریں گے۔ ایک کہن سال اور تجربہ کار بہادر زہرہ بن حویہ نے مشورہ دیا کہ اس مہم کے لیے ایسے جانباز اور سرفروش بہادروں کو منتخب کیجئے جو میدان سے منہ نہ موڑنا جانتے ہوں اور انہیں ایسے آزمودہ کار بہادر کے ساتھ بھیجئے جو فرار کو عار اور صبر و ثبات کو عزت و شرف سمجھتا ہو۔ حجاج نے کہا میری نظر میں تم ہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہو۔ زہرہ نے عذر کیا کہ میری بصارت جواب دے چکی ہے' ہاتھ پاؤں قابو میں نہیں ہیں۔ اس کے لیے ایسا شخص ہونا چاہیے جو تلوار اور نیزہ چلا سکے' البتہ بحیثیت مشیر کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ حجاج نے منظور کر لیا۔

عراق میں انتظامات کے ساتھ حجاج نے عبدالملک کو علیحدہ لکھا کہ اب شبیب کی نظر کوفہ پر ہے۔ عراقی فوج کی پیہم شکستوں نے یہاں کے باشندوں کی ہمت پست کر دی ہے اس لیے شام سے فوجیں بھیجئے۔ اس خط پر عبدالملک نے سفیان بن ابرد کلبی اور حبیب بن عبدالرحمٰن حکمی کو چھ ہزار منتخب شامی فوج کے ساتھ بھیجا۔ یہ فوج حجاج نے خاص کوفہ کی حفاظت کے لیے منگائی تھی۔ اس لیے اس کے پہنچنے سے قبل عتاب بن ورقاء کو جنہیں مہلب کے ساتھ خوارج کے مقابلہ کا کافی تجربہ ہو چکا تھا' پچاس ہزار شامی فوج کے ساتھ شبیب کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ شبیب کو ان تمام انتظامات کی خبر تھی۔ اس لیے فوراً مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ ابھی راستہ میں تھا کہ مطرف بن مغیرہ والی مدائن نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ تم اپنے آدمی ہمارے پاس بھیجو۔ وہ ہمیں قرآن سے تمہاری دعوت اور تمہاری تعلیم سمجھائیں کہ ہم کو تمہارا مقصد و منشا معلوم ہو۔ اس پیام پر شبیب نے اپنے چند علما بھیج دیئے۔ ان میں اور مطرف میں مباحثہ ہوا' لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور شبیب اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔ ساباط کے قریب اس کا اور عتاب بن ورقاء کا سامنا ہوا۔ خوارج کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی اور عراقی فوج کا شمار

چالیس ہزار کے درمیان تھا۔ اتنے فرق کے باوجود خارجیوں نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ عراقیوں نے پوری قوت صرف کر دی' لیکن خوارج کی جانبازی کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے۔ عتاب اور زہرہ دونوں مارے گئے اور عراقی فوج نے بری طرح شکست کھائی۔ اس ذلیل شکست نے حجاج کو بہت برہم کر دیا۔ اس نے اہل کوفہ کو جمع کر کے سخت تنبیہ کی کہ تم لوگ کسی عزت کے مستحق نہیں ہو۔ جو تمہارا بھلا سوچے اللہ اسے رسوا کرے۔ تم کسی جنگ میں بھیجے جانے کے لائق نہیں۔ کوفہ چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ حیرہ میں جا کر رہو۔ آئندہ سے عتاب کی فوج کا کوئی آدمی کسی جنگ میں نہ بھیجا جائے گا۔ ادھر عراقی فوج کو شکست دینے کے بعد شبیب پھر کوفہ کی جانب بڑھا۔ اس درمیان میں عبدالملک کی بھیجی ہوئی شامی فوج کوفہ پہنچ چکی تھی۔ اس سے حجاج کو بڑی تقویت ہوئی۔ اس نے حارث بن معاویہ کو ایک ہزار سپاہ کے ساتھ شبیب کو روکنے کے لیے بھیجا۔ شبیب نے اسے قتل کر دیا اور کوفہ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس مرتبہ حجاج خود اپنے موالی اور شامی فوج کو لے کر نکلا۔ کوفہ کے باہر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ خارجی حسب معمول اپنی مشہور شجاعت کے ساتھ لڑے اور بہتوں کو قتل کیا' لیکن حجاج خود شامی فوجوں کا دل بڑھا رہا تھا۔ اس نے بڑی جان فروشی دکھائی۔ دو دن کی خونریز جنگ کے بعد شبیب کا بھائی مصاد' جو اس کا قوت بازو تھا' مارا گیا' لیکن اس سے بھی شبیب کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ وہ اسی شجاعت سے لڑتا رہا' مگر آخر میں خارجی شامیوں کے پیہم حملوں کی تاب نہ لا سکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس وقت شبیب کو مجبوراً میدان چھوڑنا پڑا۔ یہ اس کے شکست کھا کر میدان چھوڑنے کا پہلا موقع تھا۔ شبیب کی شکست کے بعد حجاج نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص شبیب کا ساتھ چھوڑ کر چلا آئے گا' وہ مامون ہے۔ اس اعلان پر وہ عوام جو محض شبیب کی قوت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہو گئے تھے' منتشر ہو گئے۔ اس سے اس کی قوت اور کمزور ہو گئی اور حجاج کے لیے اس کا زیر کر لینا آسان ہو گیا' چنانچہ اس نے فوراً حبیب بن عبدالرحمٰن حکمی کو تین ہزار شامی فوج کے ساتھ شبیب کے تعاقب میں روانہ کیا۔ شبیب اتنا جری اور بہادر تھا کہ اس نے قلت تعداد کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنی مختصر جماعت کے ساتھ بڑی آن بان سے مقابلہ میں آ گیا اور صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی۔ فریقین کے بہت سے آدمی کام آ گئے' لیکن دونوں خصوصاً خارجی مسلسل لڑتے لڑتے اتنے چور ہو چکے تھے کہ ہاتھ پاؤں کام نہ دیتے تھے' اس لیے شبیب میدان چھوڑ کر آرام لینے کے لیے کرمان چلا گیا۔ لیکن حجاج نے اسے دم لینے کا موقع نہ دیا اور فوراً سفیان بن ابرد کو شامی فوج کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ کیا اور اپنے داماد حکم بن ایوب والی بصرہ کو اس کی مدد کے لیے لکھا۔ اس نے علیحدہ چار ہزار امدادی فوجیں

بھیجیں۔ اہواز میں لب ساحل دونوں کا مقابلہ ہوا۔ صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی۔ خارجیوں نے شامیوں کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کا پلہ کمزور پڑنے لگا۔ یہ صورت دیکھ کر سفیان نے تیر بازی شروع کرا دی۔ خارجیوں نے حملہ کر کے بہت سے تیر اندازوں کو ختم کر دیا۔ شام ہو چکی تھی' اس لیے شبیب نے دوسرے دن کے لیے جنگ ملتوی کر دی۔ شامیوں نے بھی ہاتھ روک لیا۔ شبیب نے رات گزارنے کے لیے دریا کو عبور کر کے دوسری سمت نکل جانا چاہا کہ عین پل کے وسط میں اس کا گھوڑا بدکا اور مع شبیب کے دریا میں ڈوب گیا۔ اس افسوسناک طریقہ سے اس جانباز بہادر کا' جس نے مٹھی بھر جماعت سے بنی امیہ کی افواج قاہرہ کو زچ کر دیا تھا' خاتمہ ہو گیا۔ یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے۔ اس کی لاش نکلوا کر اس کا دل دیکھا گیا تو غیر معمولی جسامت کا اور نہایت سخت تھا۔ شبیب کے بعد حجاج کو اس کی جماعت کی جانب سے تو اطمینان ہو گیا' لیکن کرمان میں خوارج کی ایک اور شاخ کا جو نافع بن ازرق کی نسبت سے ازارقہ کہلاتی تھی' بڑا زور تھا۔ مہلب کامل اٹھارہ مہینے سے اس کے مقابلہ میں تھے' لیکن ان کا زور کسی طرح نہ ٹوٹتا تھا۔ شبیب کے خاتمہ کے بعد حجاج ادھر متوجہ ہوا اور مہلب بن ابی صفرہ کی مدد کے لیے مزید فوجیں بھیجیں اور ازارقہ کے استیصال کی سخت تاکید لکھی۔ مہلب نے تازہ دم فوجوں کی مدد سے پورا زور صرف کر دیا' لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس زمانہ میں ازارقہ کا سردار قطری بن فجاۃ تھا۔ اتفاق سے اس کے ایک عہدے دار نے ایک خارجی کو قتل کر دیا تھا۔ خارجیوں نے اس کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ قطری نے کہا یہ قاتل کی خطائے اجتہادی تھی' اس لیے قصاص واجب نہیں ہے۔ اس سے ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی۔ مہلب کو اس اختلاف کا علم ہوا تو انہوں نے ایک نصرانی کو مقرر کیا کہ وہ خارجی بن کر خوارج کے سامنے قطری کو سجدہ کرے۔ اس نے اس کی تعمیل کی۔ خارجی عقیدے میں بڑے سخت ہوتے ہیں۔ انہوں نے قطری سے کہا اس شخص نے تم کو اللہ بنا لیا ہے اور اس نصرانی کو قتل کر دیا۔ اس سے اختلاف اور بڑھ گیا اور ایک جماعت نے قطری سے الگ ہو کر عبدربہ الکبیر کو اپنا سردار بنا لیا۔ ان دونوں میں جنگ ہو گئی۔ یہ اختلاف دیکھ کر قطری اپنی جماعت کے ساتھ طبرستان چلا گیا۔ جب عبدربہ الکبیر تنہا رہ گیا' اس وقت مہلب نے اس کو جیرفت میں گھیر لیا۔ عبدربہ الکبیر کچھ دنوں تک بہادری سے مقابلہ کرتا رہا' لیکن جیرفت میں محصور ہونے کی وجہ سے کھل کر نہ لڑ سکتا تھا۔ اس لیے کسی طرح یہاں سے نکل گیا۔ مہلب نے آگے بڑھ کر گھیرا۔ خوارج نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ مہلب جیسے تجربہ کار افسر کے چھکے چھوٹ گئے' لیکن وہ جان پر کھیل کر جما رہا۔ بالآخر ایک پرزور معرکہ کے بعد عبدربہ مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت کم آدمی زندہ بچے۔ اس کارگزاری پر حجاج

نے مہلب کی بڑی قدر افزائی کی۔

عبدربہ کے بعد حجاج نے سفیان بن ابرد کو شامی فوج کے ساتھ قطری کے مقابلہ کے لیے طبرستان بھیجا اور کوفہ کی فوج کو اس کی مدد پر مامور کیا۔ طبرستان کی ایک پہاڑی میں سفیان اور قطری کا مقابلہ ہوا۔ عین اس وقت قطری کے بہت سے آدمیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ قطری نے نکل بھاگنا چاہا' لیکن اس کا وقت آخر ہو چکا تھا۔ گھوڑے سے گر کر سخت زخمی ہوا۔ اتفاق سے اس طرف ایک گبر کا گزر ہوا۔ قطری نے اس سے پانی مانگا۔ قطری کا لباس اور ساز وسامان بہت قیمتی تھا۔ گبر نے اس کی طمع میں اسے مار ڈالنا چاہا۔ شور سن کر شامی سپاہی پہنچ گئے۔ انہوں نے پہچان کر قتل کر دیا۔ قطری کے قتل کے بعد اس کا ایک ساتھی عبیدہ بن ہلال اپنی مختصر جماعت کے ساتھ اٹھا' لیکن اس کے پاس کوئی قوت نہ تھی۔ اس لیے سفیان نے اسے آسانی کے ساتھ زیر کر لیا اور عبیدہ مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد خوارج کی قوت بالکل ختم ہو گئی اور ان کے خطرات سے حکومت کو نجات مل گئی۔ [1]

افریقی مقبوضات پر دوبارہ قبضہ

اوپر یزید کے حالات میں گذر چکا ہے کہ ایک بربری کسیلہ بن مکرم نے بغاوت کر کے شمالی افریقہ کے تمام اسلامی مقبوضات چھین لیے تھے۔ یزید کے زمانہ سے لے کر عبدالملک کی تخت نشینی تک برابر ایسے سیاسی انقلابات ہوتے رہے کہ کسی خلیفہ کو افریقہ کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ عبدالملک کی تخت نشینی کے بعد جب دوبارہ اموی حکومت قائم ہوئی تو اس نے افریقہ کی طرف توجہ کی اور ۶۹ھ میں زہیر بن قیس کو جنہیں افریقہ کے حالات کا کافی تجربہ تھا' بڑے ساز وسامان کے ساتھ اس مہم پر روانہ کیا۔ ان کے افریقہ میں داخل ہونے کے وقت کسیلہ قیروان میں تھا' یہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ایک محفوظ مقام ممش چلا گیا' زہیر کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قیروان میں دو چار دن قیام کرنے کے بعد کسیلہ کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ ممش کے قریب سامنا ہو گیا' کسیلہ کے ساتھ رومیوں اور بربریوں کی بڑی تعداد تھی' ان میں اور زہیر میں اتنی شدید اور خون ریز جنگ ہوئی کہ کسی فریق کے زندہ بچنے کی امید باقی نہ رہی' لیکن مسلمانوں کے استقلال اور جانبازی سے میدان ان کے ہاتھ رہا' کسیلہ نے نہایت فاش شکست کھائی' بربریوں اور رومیوں کی بڑی تعداد قتل وگرفتار ہوئی' جن میں افریقہ کے بڑے بڑے ممتاز اُمرا وعمائد تھے' اس کامیابی سے مسلمانوں کی اکھڑی ہوئی ساکھ پھر قائم ہوئی اور زہیر قیروان ہوتے ہوئے برقہ لوٹ گئے۔

---

[1] یہ تمام حالات طبری وابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

زہیر کی شہادت اور افریقہ میں دوبارہ انقلاب

جس زمانہ میں زہیر افریقہ کی مہم میں مشغول تھا' رومیوں نے میدان خالی پا کر برقہ پر حملہ کر دیا۔ یہاں مدافعت کی کوئی طاقت موجود نہ تھی' اس لئے بہت سے مسلمان مارے گئے۔ اس درمیان میں زہیر واپس آ گئے۔ رومی بڑی تعداد میں تھے۔ زہیر میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لیکن مسلمانوں کی فریاد و فغاں سن کر ان سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ رومیوں کے مقابلہ میں آ گئے لیکن دونوں کی طاقت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ اس لئے شکست ہوئی' زہیر قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی اور ان کے قتل ہونے کے بعد پھر افریقہ کے مقبوضات نکل گئے۔ [1]

افریقہ پر دوبارہ فوج کشی اور قبضہ

عبدالملک کو زہیر کے قتل کا بڑا صدمہ ہوا لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب وہ ہمہ تن ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں مشغول تھا۔ اس لئے اس وقت افریقہ کی طرف توجہ نہ کر سکا۔ ان سے فرصت پانے کے بعد ۷۴ ہجری میں اس نے حسان بن نعمان غسانی والی برقہ کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ افریقہ بھیجا اور مصر کے خزانہ کی کنجی اس کے حوالہ کر دی کہ جس طرح وہ چاہے' اس کو افریقہ کی مہم میں صرف کرے۔ [2]

ایک روایت یہ ہے کہ اتنا بڑا اسلامی لشکر اس سے پہلے افریقہ نہ گیا تھا۔

افریقہ کی بغاوت میں رومی بھی بربریوں کے ساتھ ہو جاتے تھے اور سسلی اور اسپین تک کی رومی حکومتیں بربریوں کی مدد کرتی تھیں۔ اس لئے اس مرتبہ حسان نے ان کا زور توڑنے کا عزم کیا۔ اس وقت شمالی افریقہ میں قرطاجنہ کی حکومت سب میں ممتاز اور قسطنطنیہ کی مرکزی حکومت کی باجگزار تھی۔ دارالسلطنت قرطاجنہ بحر روم کے ساحل پر نہایت خوبصورت اور مستحکم شہر تھا۔ اس لئے حسان قیروان ہوتے ہوئے قرطاجنہ پہنچے۔ یہاں پہلے سے رومیوں اور بربریوں کا انبوہ عظیم جمع تھا۔ اس میں اسپین اور سسلی تک کے رومی تھے۔ دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ رومیوں نے شکست کھائی اور قرطاجنہ پر حسان کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے یہاں کے تمام استحکامات مسمار کرا دیئے۔ [3]

قرطاجنہ کے ہزیمت خوردہ رومی اور بربری صطفورہ اور بینزت میں جمع ہوئے۔ اس لئے قرطاجنہ کے بعد حسان صطفورہ پہنچے اور ان کو شکست دے کر سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں۔ اس شکست سے رومیوں اور بربریوں میں بڑا خوف پھیل گیا اور رومی باجہ میں اور بربری بونہ میں قلعہ بند ہو گئے۔

---

[1] ابن اثیر ج ۴' ص ۱۴۲۔ [2] المونس ص ۳۱۔ [3] کتاب المونس ص ۳۱' وابن اثیر ج ۴' ۱۴۳۔

حسان کی شکست اور ملکہ دامیہ کا قبضہ

اس مرتبہ حسان نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ افریقہ کی ان تمام طاقتوں کا جن کا بربری اور رومی سہارا لے سکتے ہوں' خاتمہ کر دیں تا کہ پھر بغاوت کی ہمت نہ کریں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ جائے۔

قرطاجنہ کی حکومت کے بعد اس زمانہ میں جبل اور اس کی ملکہ دامیہ کا جو کاہنہ کے لقب سے مشہور تھی' بڑا اثر تھا اور اسے سارے شمالی افریقہ کے رومی اور بربری مانتے تھے' چنانچہ کسیلہ بن مکرم برنسی کے قتل کے بعد وہ اسی کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ حسان کو معلوم ہوا کہ اگر اسے ختم کر دیا جائے تو پھر شمالی افریقہ میں ان کا کوئی مزاحم باقی نہ رہے گا۔ [1] اس لئے چند دن قیروان میں آرام کرنے کے بعد انہوں نے جبل اور اس کا رخ کیا۔ ملکہ دامیہ کے پاس پہلے سے رومی اور بربری جمع تھے۔ انہیں لے کر وہ مقابلہ کے لئے نکلی۔ دریائے سکتاقہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خون ریز جنگ کے بعد حسان نے فاش شکست کھائی' بہت سے مسلمان قتل و گرفتار اور تمام اسلامی مقبوضات ملکہ دامیہ کے قبضہ میں آ گئے۔ [2]

آخری فوج کشی اور افریقہ پر قبضہ

اس شکست کے بعد حسان برقہ چلے گئے اور عبدالملک کو اطلاع دی۔ اس وقت اندرون ملک خوارج کا ہنگامہ بپا تھا۔ اس لئے عبدالملک کوئی مدد نہ کر سکا اور پانچ سال تک ملکہ دامیہ شمالی افریقہ پر مسلط رہی۔ خوارج سے فراغت کے بعد ۷۸ ہجری میں عبدالملک نے تازہ دم فوجیں بھیج کر حسان کو پھر افریقہ پر فوج کشی کا حکم دیا۔ گذشتہ جنگ میں جو مسلمان گرفتار ہوئے تھے' ملکہ دامیہ نے ان سب کو رہا کر دیا۔ صرف ایک خالد بن یزید قیسی کو روک لیا تھا اور اسے اپنا لڑکا بنا کر اپنے بیٹوں کے ساتھ کر دیا تھا۔ حسان نے خالد کو خفیہ خط لکھ کر وہاں کے حالات پوچھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ''اس وقت رومی اور بربری منتشر ہو چکے ہیں' میدان بالکل خالی ہے۔'' یہ خط پا کر حسان فوراً روانہ ہو گئے۔ ملکہ کو اس کا علم ہو گیا۔ اس وقت اس کے پاس مدافعت کی کوئی قوت نہ تھی۔ اس لئے اسے اپنی حکومت کے خاتمہ کا یقین ہو گیا۔ تاہم اس نے مسلمانوں کو روکنے کی ایک تدبیر کی۔ اسے یقین تھا کہ مسلمان محض دولت کی طمع میں آتے ہیں۔ اس لئے اس نے حصول دولت کے تمام ذرائع بڑے بڑے شہروں' آبادیوں اور سرسبز و شاداب علاقوں کو جو دو ہزار میل میں پھیلے ہوئے تھے' بالکل ویران کرا دیا کہ مسلمان یہاں کا رخ

[1] المونس ص۔ ۳۱' ۳۲ واخبار المغرب ص ۳۷۔ [2] المونس ص۔ ۳۱' ۳۲ واخبار المغرب ص ۳۷۔

نہ کریں اور اگر آئیں تو ان کے ہاتھ کچھ نہ لگے۔ اس ویرانی سے ملک بالکل تباہ ہو گیا اور یہاں کے اکثر باشندے آس پاس کے جزیروں میں نکل گئے۔ [1] اس دوران میں حسان پہنچ گئے۔ افریقہ کی ویرانی سے کل رعایا تباہ اور ملکہ دامیہ کے خلاف ہو رہی تھی۔ اس نے حسان سے فریاد کی اور ملکہ کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیا' چنانچہ قابص اور قصبہ کے باشندوں نے جو اسلامی حکومت سے بغاوت کر چکے تھے' خود سے اطاعت قبول کر لی اور قسطلیہ اور نفزاوہ پر بھی بلا مزاحمت کے قبضہ ہو گیا۔

اہل افریقہ کی مخالفت دیکھ کر ملکہ دامیہ کو اپنی شکست کا پورا یقین ہو گیا۔ اس وقت اس نے اپنے دونوں لڑکوں سے کہا کہ میں عنقریب قتل ہونے والی ہوں' تم خالد کے وسیلہ سے حسان کے پاس جا کر اپنی جان بخشی کرا لو' اس کی ہدایت کے مطابق یہ دونوں حسان کے پاس چلے گئے۔

گو ملکہ دامیہ کو اپنی شکست کا یقین تھا' تاہم وہ حسان سے آخری مقابلہ کے لئے نکلی۔ دونوں میں نہایت خون ریز جنگ ہوئی۔ ملکہ دامیہ شکست کھا کر قتل ہوئی۔ شکست خوردہ بربریوں نے حسان کی اطاعت قبول کر لی۔ ان میں بہت سے بربری مسلمان ہو گئے۔

ملکہ کے قتل کے بعد حسان نے اس کے لڑکوں کی جان بخشی کر دی اور نو مسلم بربریوں کی ایک فوج بنا کر ان کو اس کا افسر مقرر کیا۔ ملکہ دامیہ کے بعد افریقہ میں کوئی حریف باقی نہ رہا اور یہاں بکثرت اسلام پھیلا۔ اس مہم کی تکمیل کے بعد حسان قیروان واپس آئے۔ [2]

رتبیل کی بغاوت اور پہلی فوج کشی

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہنگامہ کے زمانہ میں سیستان کے علاقہ کا ایک ترک فرمانروا رتبیل باغی ہو گیا تھا۔ ۷۴ ہجری میں عبداللہ بن امیہ والی خراسان نے اپنے لڑکے عبداللہ کو اس کی تادیب پر مامور کیا۔ جب وہ بست پہنچے تو رتبیل اطاعت قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا اور بہت سا نقد و جنس پیش کر کے صلح کر لینی چاہی لیکن عبداللہ نے منظور نہ کیا اور پیش قدمی جاری رکھی۔ رتبیل نے کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ عبداللہ کو راستہ دے دیا۔ یہ ناعاقبت اندیشی سے آگے بڑھتے چلے گئے اور واپسی کے راستوں کی حفاظت کا کوئی سامان نہ کیا۔ سیستان کا علاقہ پیچ در پیچ اور پہاڑی ہے' عبداللہ جب بیچ میں پہنچے تو اس وقت رتبیل نے ناکہ بندی کر کے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اس وقت عبداللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا' لیکن اب ہر طرف سے محصور ہو چکے تھے' نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس لئے انہیں مجبور ہو کر

---

[1] ابن الغداری کے بیان کے مطابق حسان کو شکست دینے کے بعد ہی ملکہ دامیہ نے افریقہ کو ویران کر دیا تھا۔ ص ۳۸۔ [2] کتاب المونس ص ۳۲ و ابن اثیر ج ۴ ص ۴۴۔

رتبیل سے راستہ چھوڑنے کی درخواست کرنی پڑی۔ اس نے آئندہ فوج کشی نہ کرنے کا تحریری وعدہ لے کر راستہ دے دیا اور عبداللہ جان بچا کر واپس ہوئے عبدالملک کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبداللہ کو معزول کر دیا۔

دوسری فوج کشی اور شکست

کچھ دنوں تک رتبیل کا یہ رویہ درست رہا لیکن پھر اس نے سرکشی شروع کر دی۔ اس لئے ۷۸ ہجری میں حجاج نے دوبارہ عبداللہ بن ابی بکرہ کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ وہ ۷۹ھ میں سیستان پہنچے اور رتبیل کے علاقہ میں گھس کر بہت سے قلعے مسمار اور کئی مقامات پر قبضہ کر لیا لیکن انہوں نے بھی غلطی کی جوان کے پیشرو عبداللہ بن امیہ کر چکے تھے اور بغیر واپسی کا سامان کئے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اس لئے رتبیل نے ان کی بھی ناکہ بندی کر دی اور ابن ابی بکرہ کو سات لاکھ درہم دے کر جان چھڑانی پڑی لیکن ایک پرجوش مجاہد شریح بن ہانی کو یہ ننگ گوارہ نہ ہوا۔ انہوں نے کہا اگر تم نے یہ شرط منظور کر لی تو اس نواح میں اسلام ہمیشہ کے لئے کمزور ہو جائے گا' تم موت سے جس کا آنا ایک نہ ایک دن یقینی ہے' بھاگنا چاہتے ہو' یہ کہہ کر ایک جانباز جماعت کے ساتھ لڑ کر مردانہ وار جان دے دی اور باقی ماندہ لوگ کسی طرح مرتے کھپتے واپس آئے۔ بہت سے لوگ راستہ کی دشواریوں کا شکار ہوئے جن میں خود ابن ابی بکرہ بھی تھے۔ [1]

تیسری فوج کشی اور کامیابی

اس معرکہ میں مسلمانوں کا کافی جانی و مالی نقصان ہوا۔ اس لئے حجاج نے ۸۰ ہجری میں پھر ایک تجربہ کار اور آزمودہ کار بہادر عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا۔ انہیں دیکھ کر رتبیل بہت گھبرایا اور اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا لیکن ابن اشعث نے منظور نہ کیا اور رتبیل کے مقبوضات میں گھس گئے۔ رتبیل نے انہیں بھی اسی جال میں پھنسانا چاہا لیکن وہ بڑے تجربہ کار تھے اس لئے جتنا علاقہ فتح کرتے تھے' اس کی حفاظت اور واپسی کا پورا انتظام کر کے آگے بڑھتے تھے۔ اس طرح انہوں نے رتبیل کے علاقہ کا بڑا حصہ چھین لیا۔ سیستان کا علاقہ پہاڑی اور دشوار گزار تھا' اس لئے ایک حصہ فتح کرنے کے بعد فوجوں کو آرام دیتے۔ مقبوضہ علاقہ کا انتظام کرنے اور باقی حصہ کے جغرافیہ سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے باقی مہم آئندہ کے لئے ملتوی کر کے حجاج کو اس کی اطلاع دے دی۔

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۰۶۔

حجاج ابن اشعث سے کبیدہ تھا' اس لئے ان کے خط کے جواب میں لکھا کہ ''تمہارا خط راحت پسند اور آرام طلب آدمی کا خط ہے۔ ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں جس کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچ چکا ہے' آرام کرنا چاہتے ہو' میرا خط دیکھتے ہی فوراً پیش قدمی شروع کر دو۔ اس خط کے بعد کئی تاکیدی احکام بھیجے۔ آخر میں حکم دیا کہ اگر تم سے اس کی تعمیل نہیں ہو سکتی تو فوج کی کمان اپنے بھائی اسحاق بن محمد کے ہاتھ میں دے کر تم الگ ہو جاؤ۔''

ابن اشعث کی بغاوت اور عراق میں انقلاب

ابن اشعث کو اس کا یقین تھا کہ حجاج اپنی پرانی عداوت نکالنا چاہتا ہے' اس لئے وہ بھی اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور اپنی ماتحت فوج سے کہا ''میں تمہارا خیر خواہ اور خیر طالب ہوں' تمہارے ہی فائدہ کو پیش نظر رکھ کر میں نے ایک سال کے لئے سیستان کی مہم ملتوی کی تھی اور تمہارے تمام تجربہ کار آدمی میری اس رائے کے موید تھے لیکن حجاج اس کو میری کمزوری پر محمول کر کے فوج کشی پر مصر ہے۔ رتبیل کا ملک وہ ہے جس میں تمہارے بہت سے بھائی عجلت اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ میں اس بارے میں تم لوگوں کی مرضی کا پابند ہوں۔''

حجاج کی سخت گیری' اس کے مظالم اور ناپسندیدہ طرز عمل سے سب نالاں تھے۔ اس لئے فوج نے ابن اشعث کا ساتھ دیا اور حجاج کے مقابلہ کے لئے اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ فوج کے علاوہ ہزاروں آدمی ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے۔ بہت سے قراء' حفاظ اور علما نے جن میں امام شعبی' سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر تابعین شامل تھے' ابن اشعث کا ساتھ دیا' فوج کی بغاوت اور ان بزرگوں کی شرکت سے سارے عراق میں حجاج کے خلاف شعلے بھڑک اٹھے۔

حجاج کی مخالفت کے ساتھ ہی ابن اشعث نے رتبیل سے مصالحت کر لی کہ اگر وہ حجاج کے مقابلہ میں کامیاب ہوا تو اس کا خراج ہمیشہ کے لئے معاف کر دیا جائے گا اور اگر ناکام رہا تو رتبیل اس کی مدد کرے گا اور سیستان کے مفتوحہ علاقے میں اپنے عمال مقرر کر کے حجاج کے مقابلہ کے لئے عراق روانہ ہو گیا۔

اس بغاوت کا آغاز اگرچہ حجاج کی مخالفت سے ہوا تھا' لیکن اس کا لازمی نتیجہ حکومت سے تصادم تھا۔ اس لئے عراق پہنچنے کے بعد فوج نے عبدالملک سے بھی فسخ بیعت کا اعلان کر دیا اور ابن اشعث کے ہاتھوں پر کتاب اللہ' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور گمراہوں سے جہاد پر بیعت کر لی۔

بصرہ پر ابن اشعث کا قبضہ

حجاج کو یہ حالات معلوم ہوئے تو عبدالملک کو اس کی اطلاع بھیج کر خود ابن اشعث کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ تستر کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا۔ حجاج کو شکست ہوئی اور وہ بصرہ لوٹ گیا۔ ابن اشعث نے اس کا تعاقب کیا۔

اہل عرب فطرۃً شورش پسند تھے اور حجاج کی زیادتیوں سے بھی نالاں تھے اس لئے ابن اشعث کا سہارا پا کر اہل بصرہ بھی حجاج کے خلاف ہو گئے۔ یہاں مخالفت کے آثار دیکھ کر حجاج بصرہ سے نکل گیا اور اہل بصرہ بھی ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے اور ذی الحجہ ۸۱ ہجری میں وہ بصرہ میں داخل ہو گیا۔

ابن اشعث کی پہلی شکست

حجاج بصرہ کے قریب ہی مقام زاویہ میں فوجوں کے ساتھ گھر گیا تھا۔ اس لئے بصرہ پر ابن اشعث کے قبضہ کے بعد آغاز ۸۲ ہجری میں پھر جنگ شروع ہو گئی۔ ابن اشعث نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا۔ حجاج کے قدم اکھڑتے اکھڑتے رہ گئے۔ لیکن خون ریز معرکوں کے بعد آخر میں ابن اشعث کو شکست ہوئی اس کی سپاہ کا بڑا حصہ کام آیا۔ شکست کھانے کے بعد وہ بصرہ چھوڑ کر کوفہ چلا گیا۔ بصرہ کے بہت سے عمائد نے بھی ان کا ساتھ دیا اس کے جو مددگار بصرہ میں رہ گئے تھے انہوں نے عبدالرحمٰن بن عباس رضی اللہ عنہما بن ربیعہ کو امیر بنا کر حجاج کا نہایت پرزور مقابلہ کیا لیکن چند معرکوں کے بعد یہ لوگ بھی کوفہ چلے گئے۔

کوفہ پر قبضہ

کوفہ پہنچنے کے بعد ابن اشعث کے آدمیوں نے یہاں کے اموی حاکم عبدالرحمٰن بن عباس کو نکال دیا۔ حجاج کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بصرہ سے کوفہ پہنچا۔ اس وقت ابن اشعث کی قوت پھر مجتمع ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ تقریباً دو لاکھ آدمی تھے۔ انہیں لے کر ابن اشعث حجاج کے مقابلہ کے لئے نکلا اور عرصہ تک دونوں میں نہایت خون ریز جنگ ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

بغاوت روز بروز نازک شکل اختیار کرتی جاتی تھی۔ سارے عراق میں اس کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ اس لئے عبدالملک نے حجاج کو جس کی مخالفت میں یہ بغاوت برپا ہوئی تھی عراق کی حکومت سے معزول کر دینے کا ارادہ کر لیا اور اپنے لڑکے عبداللہ اور بھائی محمد کو بھیجا کہ وہ جا کر اہل عراق سے کہیں کہ اگر ان کو حجاج کی حکومت سے اختلاف ہے تو اس کو معزول کر کے محمد بن مروان کو عراق کا حاکم بنا دیا جائے گا۔ عراقی فوج کو شامی فوج کے برابر تنخواہیں دی جائیں گی اور ابن اشعث

جس مقام کی حکومت پسند کرے گا' زندگی بھر کے لئے وہاں کا حاکم بنا دیا جائے گا اور اگر اہل عراق پر اس پر بھی بغاوت سے باز نہ آئیں تو حجاج بدستور حاکم رہے گا اور اسے یہ اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہے انہیں مطیع بنائے۔

عبداللہ اور محمد نے اہل عراق کو عبدالملک کا یہ پیغام سنایا' ابن اشعث نے بھی اسے منظور کر لینے کی رائے دی لیکن عراقی فطرۃً شورش پسند واقع ہوئے تھے' اس لئے منظور نہ کیا اور اپنی ناعاقبت اندیشی سے اس پیش کش کو مسترد کر کے حجاج کو اپنے اوپر مسلط رہنے کا موقع دے دیا۔ [1]

ابن اشعث کی شکست اور عراق پر حجاج کا قبضہ

ان کے انکار پر حجاج کو انتقام لینے کا موقع مل گیا چنانچہ پھر فریقین میں جنگ شروع ہوگئی اور کئی مہینوں کے مسلسل خون ریز معرکوں کے بعد ۸۳ ہجری میں عراقیوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ ابن اشعث شکست کھا کر بصرہ چلا گیا اور حجاج نے کوفہ میں داخل ہو کر یہاں کے باشندوں سے بزور شمشیر بیعت لی' جس نے ذرا بھی تامل کیا' اسے بے دریغ قتل کر دیا گیا۔

ابن اشعث کے بصرہ پہنچنے کے بعد شکست خوردہ عراقی اس کے پاس پہنچ گئے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مددگار جمع ہو گئے۔ انہیں لے کر وہ پھر حجاج کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ شعبان ۸۴ ہجری میں دونوں میں آخری مقابلہ ہوا۔ اہل عراق نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن آخر میں شکست انہی کی ہوئی۔ اس شکست نے ابن اشعث کی قوت بالکل توڑ دی اور وہ سیستان' جہاں اس کے عمال تھے' چلا گیا۔ حجاج نے تعاقب کیا لیکن ابن اشعث لڑتا بھڑتا ہوا بست نکل گیا۔ یہاں کے والی عیاض بن ہمیان نے عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا لیکن پھر اس کی نیت بدل گئی اور حجاج سے سرخروئی حاصل کرنے کے لئے قید کر دیا۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ابن اشعث نے شروع ہی میں رتبیل سے معاہدہ کر لیا تھا کہ شکست کی صورت میں وہ اس کی مدد کرے گا۔ چنانچہ رتبیل کو جب اس کی گرفتاری کی خبر ہوئی تو اس نے عیاض کو لکھا کہ "اگر ابن اشعث کو کسی قسم کا نقصان پہنچا تو تمہاری خیر نہیں۔" رتبیل اس نواح کا بڑا ممتاز حکمران تھا' اس لئے عیاض نے ڈر کر ابن اشعث کو رہا کر دیا اور وہ رتبیل کے ہاں چلا گیا' اس نے بڑا شریفانہ برتاؤ کیا۔

گو اہل عراق کو حجاج کے مقابلہ میں شکست ہوئی تھی لیکن اس کے بعد بھی ہزاروں آدمیوں نے اس کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ یہ سب کے سب سیستان پہنچے اور زرنج پر قبضہ کر کے ابن اشعث کو

[1] ابن اثیر ج۔۴' ص ۱۸۱۔

رہنمائی کے لئے بھیجا۔ وہ ان کی دعوت پر زرنج آیا اور ان کے ساتھ ہرات کی طرف بڑھا۔ ہرات پہنچ کر ایک ممتاز امیر عبیداللہ بن معمر قریشی دو ہزار سپاہ کے ساتھ الگ ہو گئے' ان کی علیحدگی پر ابن اشعث نے کہا کہ میں ایک محفوظ مقام پر چلا گیا تھا' تم لوگوں نے خود مجھ کو بلا بھیجا اور جب میں آیا تو ساتھ چھوڑنے لگے۔ اس لئے میں پھر اپنے مقام واپس جاتا ہوں' چنانچہ وہ رتبیل کے ہاں لوٹ گیا۔

ابن اشعث کی گرفتاری اور قتل

حجاج کو جب اس کی خبر ہوئی کہ ابن اشعث نے رتبیل کے دامن میں پناہ لی ہے تو اس نے رتبیل کو لکھا کہ ابن اشعث کو میرے پاس بھجوا دو ورنہ تمہارا ملک پامال کر ڈالوں گا۔ رتبیل کی غیرت نے اسے گوارہ نہ کیا لیکن ابن اشعث کے ایک دشمن عبید بن ربیع نے رتبیل کو حجاج کے انتقام سے ڈرا کر اس شرط پر آمادہ کر لیا کہ اگر ابن اشعث کو حوالہ کر دے تو سات برس تک اس سے خراج نہ لیا جائے گا چنانچہ باختلاف روایت رتبیل نے اس کا سر قلم کر کے بھجوا دیا' یا زندہ حوالہ کر دیا۔ راستہ میں ابن اشعث نے خودکشی کر لی' یہ واقعہ ۸۵ ہجری کا ہے۔

ابن اشعث کے خاتمہ کے بعد عراق میں امن وسکون ہو گیا۔ حجاج نے ائمہ تابعین میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی بزرگوں کو معاف کر دیا اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو کئی برس کے بعد ولید کے زمانہ میں شہید کر دیا۔ [1]

ولی عہدی

مروان عبدالملک کے بعد اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنا گیا تھا۔ عبدالملک نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ۸۵ ہجری میں عبدالعزیز کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے ولید کو ولی عہد بنانا چاہا' لیکن پھر قبیصہ بن ذویب کے سمجھانے سے رک گیا۔ اتفاق سے تھوڑے ہی دنوں کے بعد جمادی الاولیٰ ۸۵ ہجری میں عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالملک نے علی الترتیب اپنے دونوں لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنا کر ان کی بیعت لی۔ [2] عام مسلمانوں نے تو بیعت کر لی لیکن مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ ابن مسیّب بڑے محترم بزرگ تھے۔ ان کے انکار سے دوسروں پر اثر پڑنے کا اندیشہ تھا' اس لئے ہشام بن عبدالملک حاکم مدینہ نے ان پر بڑی سختیاں کیں۔ کوڑوں سے

---

[1] اس انقلاب کا پورا حال ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہے۔ [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۸۔

پٹوایا اور تشہیر اکرا کے قید کر دیا لیکن یہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو ہشام کے فعل پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کو معذرت کا خط لکھا کہ ''یہ واقعہ بغیر میری مرضی اور میرے علم کے پیش آیا ہے۔'' اور ہشام کو تنبیہ کی کہ ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ ہرگز اس سلوک کے مستحق نہ تھے۔ ان کی ذات سے کسی اختلاف کا خطرہ نہیں ہے۔ عبدالملک کی تنبیہ پر ہشام کو بڑی ندامت ہوئی۔ [1]

علالت اور وفات

شوال ۸۶ھ میں عبدالملک مرض الموت میں مبتلا ہوا' دوران علالت اپنے لڑکوں کو وصیت کی کہ ''خدا کا خوف ہمیشہ کرنا کہ یہ سب سے خوبصورت زیور اور سب سے مضبوط جائے پناہ ہے۔ تم میں سے جو بڑا ہو' اس کو چھوٹے کے ساتھ لطف سے پیش آنا چاہئے اور چھوٹے کو بڑے کے حقوق کا لحاظ رکھنا چاہئے' اپنے بھائی مسلمہ کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ اس کی رائے و مشورہ پر عمل کرنا کہ وہ تمہارا قوت بازو اور تمہاری ڈھال ہے۔ حجاج کا احترام کرنا؟ اس نے دشمنوں کو زیر کر کے ملک کو تابع فرمان بنایا ہے۔ تم میں اختلاف نہ پیدا ہونے پائے' جنگ میں شرافت کا حق ادا کرنا' جنگ سے موت ضروری نہیں ہے۔ نیکی اور بھلائی کا مینار بننا کہ اس کا اجر اور نام باقی رہ جاتا ہے۔ بھلائی ہمیشہ شریفوں کے ساتھ کرنا کہ وہ اس کا حق ادا کرتے ہیں اور ممنون ہوتے ہیں۔ خطا کاروں کی خطاؤں کو نگاہ میں رکھنا' اگر وہ معافی چاہیں تو معاف کر دینا اور جب دوبارہ کریں تو سزا دینا۔'' [2]

۱۵ شوال ۸۶ ہجری کو انتقال ہوا اور دمشق کی سرزمین میں دفن کیا گیا۔ انتقال کے وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔ اس کی بیعت کے وقت سے مدت خلافت اکیس سال تھی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خاتمہ کے بعد سے تیرہ سال چار مہینے۔

اولاد

عبدالملک کے بہت سی اولادیں تھیں۔ ان میں سولہ لڑکے تھے۔ ولید' سلیمان' مروان اکبر درج' مروان اصغر' یزید' معاویہ' ہشام' ابوبکر' حکم درج' عبدالملک' مسلمہ' منذر' عنبسہ' محمد' سعید اور حجاج وغیرہ۔

کارنامے

عبدالملک اموی حکومت کا دوسرا بانی ہے۔ معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد اموی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵۔ تذکرہ ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ۔ [2] ابن اثیر ج ۴' ص ۱۹۸۔

حکومت قریب قریب ختم ہو چکی تھی اور ساری دنیائے اسلام نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مان لیا تھا۔ مروان کو اتنی کامیابی ہوئی کہ اس نے شام پر قبضہ کر کے دوبارہ مرکز حکومت قائم کر دیا لیکن مصر لینے کے بعد اس کا وقت آخر ہو گیا اور اس کو زیادہ موقع نہ ملا اور باقی سارا ملک ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کے زیر فرمان رہا۔

عبدالملک کے ہاتھ میں جس وقت زمام حکومت آئی اس وقت ساری دنیائے اسلام پر آشوب ہو رہی تھی۔ اس کے زمانہ میں بڑے بڑے انقلاب و حوادث ہوئے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پہلے سے مقابلہ میں تھے۔ ان کے علاوہ مختار ثقفی کا خروج' خوارج کی شورش اور ابن اشعث کی انقلاب انگیز بغاوت اسی کے زمانہ میں ہوئیں اور بہت سے انقلابات و حوادث جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' پیش آئے' لیکن عبدالملک نے اپنے عزم و استقلال اور تدبر و شجاعت سے ان تمام مخالف حالات پر قابو حاصل کر کے دوبارہ اموی حکومت قائم کر دی۔

وہ بڑا قوی دل اور مستقل مزاج تھا' نازک سے نازک حالات میں گھبراتا نہ تھا۔ مشکلات و مصائب کے ہجوم میں اس کی ہمت اور زیادہ قوی ہو جاتی تھی۔ ۷۲ ہجری میں جب وہ مختار ثقفی کے مقابلہ کے سلسلہ میں پایہ تخت سے باہر تھا' اس کو ایک ہی شب پے در پے حوصلہ شکن خبریں ملیں کہ اموی حکومت کا قوت بازو عبیداللہ بن زیاد مختار کے مقابلہ میں مارا گیا۔ ایک اور ممتاز افسر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کام آیا۔ ان کی فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئیں۔ شام کی سرحد مصیصہ پر رومیوں نے حملہ کر دیا۔ دمشق کے اوباشوں نے شہر میں غدر مچا دیا۔ قیدی جیل توڑ کر نکل گئے اور اعراب نے حمص اور بعلبک پر تاخت کی۔

ایک وقت میں اتنی مخالف خبریں مستقل مزاج آدمی کو گھبرا دینے کے لئے کافی تھیں' لیکن عبدالملک مطلق نہ گھبرایا' بلکہ اس شب کو وہ اور راتوں سے زیادہ خوش' بشاش اور مستقل مزاج نظر آتا تھا۔ [1]

اس کے اس استقلال' ہمت و شجاعت نے نہ صرف تمام مخالف حالات پر قابو حاصل کر لیا بلکہ نئی فتوحات بھی حاصل ہوئیں اور سندھ سے لے کر جبرالٹر تک ایک متحدہ حکومت قائم ہو گئی اور اس کے جانشینوں کو اطمینان کے ساتھ تعمیری کاموں کا موقعہ ملا۔

اس سلسلہ میں بعض ایسے نادر واقعات ظہور پذیر ہوئے جن سے عبدالملک کے دامن پر دھبہ آتا ہے۔ مثلاً خانہ کعبہ پر سنگباری' مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۳۔

مسیّب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے تابعین کی تحقیر وتذلیل لیکن ان واقعات میں بعض ناگزیر واقعات کا نتیجہ تھے اور بعض کی ذمہ داری عبدالملک کے عمال کے سر ہے' تاہم وہ بھی ان سے یکسر بری نہیں۔

خانہ کعبہ پر سنگباری کا سبب یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حرم میں قلعہ بند تھے۔ یہاں ان کی فوج اور سامان رسد تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ گو جلیل القدر صحابی تھے لیکن حکومت کے نقطہ نظر سے باغی تھے۔ اس لئے حجاج کو حرم میں بھی ان کا مقابلہ کرنا پڑا اور چونکہ وہ کعبہ کو آڑ بنائے ہوئے تھے' اس لئے ناگزیر طور پر اس پر بھی پتھر گرے جس سے اس کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ گو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خاتمہ کے بعد حجاج نے فوراً خانہ کعبہ کو صاف کرایا اور عبدالملک نے اس کی عمارت درست کرائی مگر حجاج کا یہ فعل حرم کی عظمت وحرمت کے منافی تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ وہ بھی حجاج کو پسند نہ کرتے تھے اور ان کا قیام بصرہ میں تھا۔ اس لئے حجاج کی نگاہ میں وہ بھی ابن اشعث کی بغاوت میں متہم تھے۔ چنانچہ اس نے ان سے بھی سختی کے ساتھ باز پرس کی اور کہا یہ دورنگی کہ کبھی مختار کے ساتھ' کبھی ابن اشعث کے ساتھ' میں تم کو سخت سزا دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا' امیر یہ کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟ حجاج نے جواب دیا' اللہ تم کو بہرہ کرے' تم کو کہتا ہوں' یہ سن کر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ لوٹ گئے۔

ایک روایت یہ ہے کہ حجاج نے آپ کو ذلیل کرنے کے لئے آپ کی گردن پر مہر لگوائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عبدالملک کے پاس شکایت بھیجی' اسے پڑھ کر وہ جوش غضب سے لبریز ہوگیا اور اسی وقت حجاج کو نہایت غضب آلود خط لکھا کہ ''تم اپنی اوقات اتنی بھول گئے اور تمہاری یہ جرأت کہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ گستاخی کرتے ہو' میرا خط ملتے ہی پاپیادہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی رضامندی حاصل کرو' ورنہ تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔'' یہ خط پا کر حجاج نے اپنے درباریوں کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پاپیادہ حاضر ہو کر ان سے معافی چاہی اور ان سے خوشنودی کا خط لے کر عبدالملک کے پاس بھیجا۔ [1]

حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیر کا حال اوپر گذر چکا ہے۔ اس سے اس کی پوری کیفیت اور عبدالملک کی برأت معلوم ہو چکی ہوگی۔ درحقیقت عبدالملک بذات خود ظلم وزیادتی کو ناپسند کرتا تھا۔ اسے جب کسی زیادتی کی اطلاع ہوتی تو وہ نہ صرف اس کا تدارک کرتا تھا بلکہ اس کی باز پرس بھی کرتا تھا۔ چنانچہ جب اس کو معلوم ہوا کہ ابن اشعث کی بغاوت فرو کرنے کے بعد حجاج نے شکست خوردہ باغیوں اور قیدیوں کی خونریزی میں بے اعتدالی کی ہے اور اپنے آدمیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ان

[1] اخبار الطوال ص ۳۲۷ تا ۳۲۸۔

میں مسرفانہ روپیہ تقسیم کیا تو اس نے یہ تہدید آمیز خط لکھا:

''امابعد! امیر المؤمنین کو خون ریزی میں تمہاری زیادتی اور مال میں اسراف کی خبر ملی امیر المؤمنین دونوں باتوں کو کسی کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قتل خطا میں تم سے دیت اور قتل عمد میں قصاص لیا جائے گا اور جو مال تم نے بے جا صرف کیا ہے' اسے واپس کرنا ہوگا اور اس مصرف پر بعد میں غور کیا جائے گا۔ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے امین ہیں۔ ان کے نزدیک کسی کا حق روکنا اور ناحق دینا دونوں برابر ہیں۔ اگر اس سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ لوگ امیر المؤمنین کے ہو جائیں تو ان سے تم نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور اگر یہ مقصد ہے کہ لوگ تمہارے ہو جائیں تو ان سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ تم کو امیر المؤمنین کی جانب سے نرمی اور سختی برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اطاعت ہی میں تمہاری بھلائی ہے اور سرکشی میں خرابی ہے۔ امیر المؤمنین کی ذات سے اپنی خطاؤں کو برداشت کرنے کے علاوہ اور ہر چیز میں حسن ظن رکھ سکتے ہو۔ جب اللہ تم کو کسی قوم کے مقابلہ میں فتح یاب کرے تو صلح جو لوگوں اور قیدیوں کو ہرگز قتل نہ کرنا چاہئے۔''

حجاج نے اس کی معذرت میں لکھا:

''امابعد! امیر المؤمنین کا فرمان جس میں خون ریزی میں میری زیادتی اور مال میں اسراف کا ذکر تھا' ملا اپنی عمر کی قسم! باغی جس سزا کے مستحق تھے' اسے پوری نہ دے سکا اور اہل اطاعت جس صلہ کے مستحق تھے' اسے پورا نہ دے سکا۔ اگر ان نافرمانوں کا قتل زیادتی اور اہل اطاعت کو دینا اسراف ہے تو جو کچھ ہو چکا' وہ ہو چکا۔ آئندہ کے لئے امیر المومنین میرے لئے ایک حد مقرر کر دیں کہ میں اس سے تجاوز نہ کروں۔ اللہ رب العزت کی قسم نہ مجھ پر دیت ہے اور نہ قصاص' کہ میں نے قتل میں کوئی غلطی کی ہے۔ جنہیں میں نے دیا ہے' آپ ہی کے لئے دیا ہے اور جنہیں قتل کیا ہے' آپ ہی کے لئے کیا ہے۔ میں آپ کے لئے دونوں طرز عمل' نرمی اور سختی کو اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔'' [1]

عبدالملک کا یہ خط اس کی سیاست کے سرسری اندازہ کے لئے کافی ہے۔ وہ طبعًا رعایا پر ظلم و زیادتی کو ناپسند کرتا تھا اور لوگوں کو ممانعت کر دی تھی کہ وہ ایسی باتیں نہ کہیں جو رعایا کر [illegible] یہ ص۔ ۱۱۰ وابن اثیر وغیرہ۔

[1] مروج الذہب مسعودی ج۔ ۲' ص۔ ۵۵۷' ۵۵۸ حاشیہ فتح الطیب۔

بھڑکانے والی ہوں کہ اس کے ساتھ نرمی کی زیادہ ضرورت ہے۔ ❶ تقریر کے وقت عمال کو نرمی اور خندہ جبینی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا تھا' چنانچہ اپنے بھائی عبدالعزیز کو مصر کی حکومت پر بھیجتے وقت جو ہدایتیں کی تھیں' ان میں یہ بھی تھا کہ کشادہ جبینی اور نرمی اختیار کرنا اور جملہ امور میں نرمی اور آشتی کو ترجیح دینا۔ ❷

خصوصاً حرمین کے بزرگوں کے ساتھ اس کا طرز عمل بڑا شریفانہ و متحملانہ تھا۔ ۷۵ ہجری میں جب حج کے سلسلہ میں وہ مدینہ حاضر ہوا تو اہل مدینہ کے سامنے تقریر کی۔ اس کے بعد حکومت کے ایک اور رکن کھڑے ہوئے' انہوں نے مدینہ کے گذشتہ واقعات کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جو کچھ ہوا' وہ تمہاری نافرمانی اور بنی امیہ اور امیر المؤمنین کے ساتھ تمہارے ناپسندیدہ طرز عمل کا نتیجہ تھا' تم لوگوں کی مثال اس قریہ جیسی ہے جس کا قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ:

''وہ امن واطمینان کے ساتھ تھے اور ہر جگہ سے فراغت کے ساتھ ان کے پاس رزق پہنچتا تھا مگر انہوں نے اللہ کی ناشکری کی' اس کردار کا اللہ تعالیٰ نے ان کو مزا چکھایا اور بھوک اور خوف کو ان کا لباس بنا دیا۔''

یہ سن کر مدینہ کے ایک بزرگ ابن عبد نے کہا' تم جھوٹ کہتے ہو' ہم لوگ ایسے نہیں ہیں۔ اس آیت کے بعد کا حصہ بھی تو پڑھو:

''ان (کفار) کے پاس انہیں میں سے رسول آیا' پس ان لوگوں نے اسے جھٹلایا' اس کی سزا میں ان کو عذاب نے پکڑا اور وہ لوگ ظالم تھے۔''

ہم لوگ تو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس بے باکانہ جواب پر حکومت کے سپاہیوں نے بڑھ کر ابن عبد کو پکڑ لیا اور عبدالملک کے پاس لے گئے۔ اس نے رہا کر دیا اور ابن عبد سے کہا کہ میں تو درگزر سے کام لیتا ہوں لیکن کسی اور والی کے سامنے ایسی باتیں نہ کرنا' وہ برداشت نہ کرے گا اور ان کو چھ سو اشرفیاں عطا کیں۔ ❸

اس میں شک نہیں کہ ابن اشعث کی بغاوت اور عراق کے انقلاب کے سلسلہ میں ضرور بعض عمال کی جانب سے بے عنوانیاں ہوئیں لیکن اس کی ذمہ داری انہی کے سر ہے۔ دوسرے ایسی بغاوتوں میں جن کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا ہو' کسی حاکم کا جادۂ اعتدال پر قائم رہنا بہت مشکل ہے' عبدالملک کا زمانہ جیسا پر آشوب تھا اور جیسے سرکشوں سے اس کو سابقہ پڑا تھا' وہ بغیر سختی کے درست بھی باغیوں سے نہ سکتے تھے۔ وہ اپنے طرز عمل کی توجیہ میں خود کہا کرتا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ ہوا' وہ ان

❶ اخبار الطوال ص ۳۲۷ تا ۳۲۸۔ ❷ آداب السلطانیہ ص ۱۱۳۔ ❸ ابن سعد ج ۵ ص ۱۷۲۔

کی نرمی کا نتیجہ تھا۔ اگر وہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرح سخت ہوتے تو ہرگز اس کی نوبت نہ آتی۔ آج ویسے لوگ کہاں ہیں جن کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کا طرز جہاں بانی برتا جائے۔ ہر زمانہ کے آدمیوں کی سرشت کے ساتھ حاکم وقت کا طریقہ بدلتا رہتا ہے۔ اگر آج وہی طریقہ اختیار کیا جائے تو گھروں پر ڈاکے پڑنے لگیں، راستے غیر محفوظ ہو جائیں، ظلم اور فتنہ عام ہو جائے۔ اس لئے ہر حکمران کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر زمانہ میں وہی طریقہ اختیار کرے جو اس دنیا کے اقتضا کے موافق ہو۔ [1]

اس کا قول تھا کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بار کو اٹھانے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔ [2]

عبدالملک طرز جہانبانی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ گو وہ ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا، تاہم اتنا مسلم ہے کہ وہ نہایت بیدار مغز اور اپنے عمال کی سخت نگرانی رکھتا تھا۔ [3]

ایک مرتبہ ایک عامل کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ رعایا سے تحفہ لیتا ہے تو فوراً اس کو طلب کر کے باز پرس کی اور عہدہ سے معزول کر دیا۔ [4]

گو عبدالملک کا دور نہایت پر آشوب تھا۔ اس کا پورا زمانہ شورشوں اور انقلابوں کے دبانے میں گزرا اور اسے تعمیری کاموں کا کم موقع ملا، تاہم اس لحاظ سے اس کے بعض کارنامے یہ ہیں:

اسلامی سکہ

اس سلسلہ میں اس کا سب سے ممتاز کارنامہ اسلامی سکہ کا اجراء ہے۔ اس وقت تک مسلمانوں کا اپنا سکہ نہ تھا بلکہ رومی، ایرانی اور قبطی سکوں سے ان کا کام بھی چلتا تھا۔ اس سے بڑی حد تک مسلمانوں کی اقتصادی باگ ان قوموں کے ہاتھ میں تھی۔ عبدالملک نے ۷۵ یا ۷۶ ہجری میں اسلامی سکہ رائج کر کے دوسری قوموں کے سکوں سے رہائی حاصل کی۔ [5]

عربی زبان کا دفتری زبان بنانا

دوسرا کارنامہ عربی زبان کو دفتری قرار دینا ہے۔ اب تک حکومت کے دفاتر فارسی اور رومی زبان میں تھے۔ اس سے مختلف قسم کی خرابیاں تھیں۔ ان خرابیوں کو محسوس کر کے عبدالملک نے عربی زبان کو دفتری زبان قرار دیا۔ اس سے سہولت کے علاوہ عربی زبان کی بڑی ترقی و اشاعت ہوگئی۔ [6]

---

[1] ابن سعد ج ۵، ص ۱۷۳۔
[2] ابن اثیر ج ۴، ص ۱۵۵۔
[3] کتاب البیان والتبیین ج ۲، ص ۱۸۶۔
[4] مروج الذہب ج ۲، ص ۳۷۵۔
[5] طبقات ابن سعد ص ۲۷۳، ۲۷۴، طبری ۹۳۹۔
[6] آداب السلطانیہ ص ۱۱۰، وابن اثیر وغیرہ۔

خانہ کعبہ میں ترمیم

اوپر گذر چکا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی عمارت کو گرا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجوزہ نقشہ کے مطابق بنا دیا (جیسے پہلے گزرا) حجاج نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اضافہ کو تڑوا کر پھر خانہ کعبہ کی عمارت کو پرانے نقشہ کے مطابق کر دیا۔ [1]

مذہبی خدمات

عبدالملک کا دور مذہبی خدمات سے بھی خالی نہیں ہے' وہ ہر سال خانہ کعبہ کے لئے دیبا کا غلاف اور حرم اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خوشبو کے لئے بخورات اور عود دان بھیجتا تھا۔ [2] متعدد نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پرانی مسجدوں کی توسیع و مرمت ہوئی۔ ۶۵ ہجری میں عبدالملک نے جامع دمشق بنوائی اور صخرہ پر عظیم الشان خوبصورت گنبد بنوایا۔ واسط' بروعہ اور اردبیل میں وسیع مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ عبدالعزیز بن مروان نے جامع مسجد مصر کو تڑوا کر اس کی توسیع کروائی۔ [3]

رفاہ عام کے کام

رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے۔ ۸۰ ہجری میں مکہ میں بہت بڑا سیلاب آیا تھا جو ''سیل جارف'' کے نام سے مشہور ہے' اس سے مکہ کی ساری آبادی تہہ آب ہوگئی اور اہل مکہ کو بڑا جانی و مالی نقصان پہنچا۔ عبدالملک نے آئندہ اس سے حفاظت کے لئے ان تمام مکانوں میں جو وادی کے کنارے تھے اور مسجدوں اور گلیوں میں مستحکم حصار اور بند بنوائے۔ [4]

شہروں کی آبادی

بعض نئے شہر بھی بسائے گئے اور پرانے ویران شدہ شہر دوبارہ آباد ہوئے۔ حجاج نے عراق میں بڑے اہتمام سے واسط شہر بنایا۔ صرف شہر پناہ' قصر حکومت اور جامع مسجد کی تعمیر میں کئی کروڑ صرف ہوئے تھے۔ [5]

بعض مؤرخین آذربائیجان کے شہر اردبیل اور بروعہ کو بھی اس دور کے آباد شدہ شہروں میں لکھتے ہیں۔ [6] لیکن ان کے نام اسلام سے بہت پہلے ملتے ہیں۔ غالباً اسلامی دور میں ویران ہو چکے تھے

---

[1] دول الاسلام ذہبی ج۔۱' ص ۳۸۔ [2] تاریخ مکہ ازرقی ج اول' ص ۱۳۸۔ [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۴۔
[4] وفاء الوفاء۔ [5] معجم البلدان ذکر واسط۔ [6] دول الاسلام ذہبی ج۔۱' ص ۴۲۔

اور عبدالعزیز بن ابی حاتم باہلی کے اہتمام سے دوبارہ آباد ہوئے۔

ذاتی حالات

عبدالملک عقل و دانش، تدبیر و سیاست، شجاعت و شہامت اور علم و فضل، جملہ اوصاف میں کامل تھا۔ (کان عبدالملک لبیبا عاقلا عالما قوی الهیبة شدید السیاسة حسن تدبیر اللدنیا) اس کی تدبیر و سیاست کا اندازہ اوپر کے واقعات سے ہو گیا ہوگا۔

علم و فضل کے اعتبار سے اپنے عہد کے اکابر علما میں تھا۔ اگر وہ حکومت کی آزمائشوں میں نہ پڑ گیا ہوتا تو مدینہ کی مسند علم کی زینت ہوتا۔ اس کا شمار مدینہ کے ممتاز فقہا میں تھا۔ [1] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری کے بعد مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب قضا و افتا پر فائز تھا۔ اس عہد کے اکابر علما و ائمہ اس کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ کا آفتاب عمر لب بام ہے، آپ کے بعد ہم کس کی طرف رجوع کریں؟ فرمایا مروان کا لڑکا فقیہ ہے، اس سے پوچھنا۔ [2]

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ میں جن جن علما سے ملا، عبدالملک کے سوا اپنے کو سب پر فائق پایا۔ اس سے جب حدیث یا شاعری وغیرہ پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ معلومات میں کچھ اضافہ ہی کر دیتا تھا۔ [3]

خلافت سے پہلے وہ بڑا متقی و پرہیزگار تھا۔ رات دن عبادت و ریاضت اور تلاوت قرآن سے کام رکھتا تھا۔ [4] لیکن خلافت کی ذمہ داریوں کے بعد یہ زندگی قائم نہ رہ سکی۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ جب اس کو خلافت ملنے کی خبر ملی، اس وقت وہ تلاوت قرآن میں مشغول تھا۔ یہ خبر سن کر اس نے قرآن بند کر دیا اور کہا کہ یہ آخری صحبت ہے۔ [5] اس سے اس کے مخالفین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خلافت کے بعد اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہ رہ گیا تھا، جو صحیح نہیں ہے۔ اس سے یہ مقصد تھا کہ خلافت کے فرائض اور ذمہ داریوں کے بعد اب تلاوت قرآن کا زیادہ موقع نہ ملے گا۔ اس نے یہ کلمات حسرت و افسوس کے طور پر کہے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ خلافت کے بعد اس کا اگلا رنگ قائم نہ رہ سکا تھا اور وہ سیاسی امور میں مذہبی حدود سے بھی متجاوز ہو جاتا تھا، لیکن اور اعمال میں وہ مذہبی تھا۔ اس کی انگوٹھی کا نقش "آمَنْتُ بِاللّٰهِ مُخْلِصًا" تھا، یعنی میں خلوص دل سے اللہ پر ایمان لایا۔ [6]

مشہور صاحب علم تابعی حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کر کے کلام اللہ کی تفسیر

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۹۹۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۶۔ [3] ابن سعد ج ۵، ص ۱۷۴۔
[4] ابن سعد ج ۵، ص ۱۷۴۔ [5] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۷۔ [6] کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی ص ۳۱۶۔

لکھائی۔ ❶ خلافت ملنے کے کئی سال بعد ۵۷ھ میں حج کے لیے گیا اور خود امیر الحج کے فرائض انجام دیئے اور ۸۱ھ میں اپنے لڑکے سلیمان کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ ❷

اس کے مذہبی جذبات کا اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اہم فرامین اور مراسلات کے سرنامے پر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ [۱۱۲/الاخلاص:۱] اور آنحضرت ﷺ کا نام مبارک لکھا کرتا تھا۔ سلاطین اور فرمانرواؤں کے مراسلات میں بھی یہ تحریر ہوتی تھی۔ قیصر روم نے اس پر اعتراض کیا کہ شاہی مراسلات میں آپ نے جو یہ نیا طریقہ جاری کیا ہے اسے بند کر دیجئے۔ ورنہ ہم اپنے سکوں پر ایسی تحریر نقش کریں گے جو آپ کو ناگوار ہوگی۔ اس کے جواب میں عبدالملک نے رومی سکہ ہی منسوخ کر دیا اور اسلامی سکہ جاری کیا' جس پر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ اور ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ نقش تھا۔ ❸

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام اس کے ہم جلیس و ہم نشین تھے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اس کے عمل کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے سونے کے تار سے دانت کسنے کے متعلق استفسار کیا۔ انہوں نے جواب دیا کوئی مضائقہ نہیں' عبدالملک ایسا کرتا تھا۔ ❹ اگر عبدالملک کی زندگی غیر مذہبی ہوتی تو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ہرگز اس کے فعل کو سند جواز نہ بناتے۔



❶ میزان الاعتدال ذہبی ج۔۲' ص ۱۹۷۔ ❷ یعقوبی جلد اول' ص ۳۳۶۔
❸ تاریخ الخلفاء ص ۲۱۸۔ ❹ ابن سعد ج ۵' ص ۱۷۴۔

ولید بن عبدالملک

(۸۶ھ تا ۹۶ھ مطابق ۷۰۵ء تا ۷۱۳ء)

ولید عبدالملک کا بڑا لڑکا تھا۔ اس کی ماں ولادہ بنت عباس قبیلہ عبس سے تھی۔ اپنے والد کے برعکس وہ علم وفن سے بیگانہ تھا۔ عبدالملک نے اس کی تعلیم کی بڑی کوشش کی' لیکن ولید کی طبیعت تحصیل علم کی جانب راغب نہ ہوئی' گو وہ علم سے بیگانہ تھا' لیکن جہاں بانی کے اور تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود تھے اور وہ بنی امیہ کا کامیاب ترین خلیفہ تھا۔ عبدالملک نے اپنی زندگی میں ہی اس کی ولی عہدی کی بیعت لے لی تھی' چنانچہ اس کی وفات کے بعد شوال ۸۶ھ میں ولید تخت نشین ہوا۔

عبدالملک اپنے زمانہ میں تمام مخالف طاقتوں اور اندرونی شورشوں کا قلع قمع کر کے میدان بالکل صاف کر گیا تھا۔ اس لیے ولید کو پورے سکون واطمینان کے ساتھ بیرونی فتوحات اور تعمیری کاموں کا موقع ملا' چنانچہ ان دونوں حیثیتوں سے اس کا زمانہ بنی امیہ کا دور زریں شمار کیا جاتا ہے۔

ولید کی خوش قسمتی سے اس کو قتیبہ بن مسلم' موسیٰ بن نصیر' محمد بن قاسم اور مسلمہ بن عبدالملک جیسے نامور سپہ سالار اور فاتح مل گئے تھے' جنہوں نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے چین سے یورپ تک ملا دیئے۔ ان چاروں کی فتوحات الگ الگ لکھی جاتی ہیں۔

قتیبہ بن مسلم کی فتوحات (ترکستان اور چین)

۸۶ھ میں حجاج نے قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ ترکستان کے ایک حصہ پر اگرچہ بہت پہلے مسلمانوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا اور یہاں کے متعدد چھوٹے چھوٹے حکمران باجگزار بن چکے تھے' لیکن وقتاً فوقتاً وہ باغی ہو جاتے تھے' چنانچہ اس زمانہ میں بھی سمرقند و بخارا کے نواح کے حکمرانوں کا رویہ باغیانہ تھا۔ اس کے علاوہ بعض علاقے اب تک اسلامی حکومت کے زیر اقتدار نہ آئے تھے۔ اس لیے ۸۶ھ میں قتیبہ نے ترکستان پر فوج کشی کی۔ حسن اتفاق سے اس وقت یہاں کے حکمرانوں میں باہم مخالفت تھی۔ اس سے قتیبہ کو بڑا فائدہ پہنچا اور جب انہوں نے دریائے جیحون کے پار قدم رکھا' اس وقت صغانیان کے فرمانروا نے جو شومان کے حکمران کے خلاف ہو رہا تھا' اطاعت قبول کر لی اور ہدایا و تحائف پیش کر کے اپنا مہمان بنایا۔

صغانیان سے قتیبہ نے شومان کا رخ کیا۔ شومان اور کفیان کے حکمرانوں نے بھی صغانیان کا طرز عمل دیکھ کر اطاعت قبول کر لی اور دونوں کو مطیع بنانے کے بعد قتیبہ اپنے بھائی صالح کو انتظام ونگرانی

کے لیے چھوڑ کر مرو واپس آ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد صالح اور نصر بن سیار نے کاشان اور فرغانہ کے شہر اورشت، بیخز اور خشک فتح کر لیے۔ [1]

بادغیس کے حکمران نیزک کے ہاں عرصہ سے کچھ مسلمان قید تھے۔ مرو واپس آنے کے بعد قتیبہ نے ان کی رہائی کے بارے میں لکھا۔ نیزک نے انہیں چھوڑ دیا اور اس شرط پر صلح کر لی کہ اس کا علاقہ محفوظ رکھا جائے گا اور ترکستان کے معرکوں میں قتیبہ کا معاون و مددگار بن گیا۔ ۸۷ھ میں قتیبہ نے بخارا کے شہر بیکند پر فوج کشی کی۔ بخاریوں نے سغد کی مدد سے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔ قتیبہ نے شہر پناہ تڑوانا شروع کر دی۔ اہل شہر نے جب دیکھا کہ شہر پر قبضہ ہو جانے میں ان کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا تو صلح کر لی اور قتیبہ یہاں ایک مسلمان حاکم مقرر کر کے لوٹ گئے۔ ابھی یہ تھوڑے دور گئے تھے کہ اہل شہر نے مسلمان حاکم اور اس کے عملہ کو قتل کر دیا۔ یہ خبر سن کر قتیبہ راستہ سے لوٹ آئے۔ اہل شہر پھر محصور ہو گئے۔ قتیبہ نے شہر پناہ مسمار کرا دی۔ بیکند والوں نے پھر صلح کرنی چاہی، لیکن وہ ایک مرتبہ نقض عہد کر کے اعتبار کھو چکے تھے۔ اس لیے اس مرتبہ قتیبہ نے منظور نہ کیا اور بزور شمشیر فتح کر کے جس قدر جنگ جو تھے سب کو قتل کر دیا۔ اس فتح میں بے شمار اسلحہ اور سونے چاندی کے ظروف ہاتھ آئے۔ اس سے مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی۔ [2] اس کے بعد ۸۸ھ میں نومشکث کو فتح کرتے ہوئے امثنہ پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے صلح کر لی اور قتیبہ لوٹ گئے۔ راستہ میں خاقان چین کا بھتیجا دو لاکھ ترک، سغد اور فرغانیوں کے لشکر جرار کے ساتھ ملا، قتیبہ نے مسلمانوں کی قلت تعداد کے باوجود شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس ٹڈی دل کو فاش شکست دی۔ اس جنگ میں بادغیس کا فرمانروا نیزک مسلمانوں کی حمایت میں بڑی جانبازی سے لڑا۔ [3]

اسی سنہ میں قتیبہ نے خاص بخارا پر فوج کشی کی۔ بلاذری کے بیان کے مطابق جنگ کی نوبت نہیں آئی اور فرمانروائے بخارا ورد ان خدا نے صلح کر کے اطاعت قبول کر لی۔ مگر ابن اثیر کا بیان ہے کہ دونوں میں مقابلہ ہوا، لیکن قتیبہ کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اس نے حجاج کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے بخارا کا نقشہ مانگ بھیجا اور اسے دیکھ کر حملہ اور جنگ کے متعلق مفصل ہدایات بھیجیں۔ اس کے متعلق قتیبہ

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۶۔ [2] ابن اثیر ج ۴، ص ۲۰۳۔ [3] ابن اثیر ج ۴، ص ۲۰۴۔

نے ۹۰ھ میں دوبارہ فوج کشی کی۔ وردان خدا نے ترک اور سغد کی مدد سے مقابلہ کیا۔ ترک بڑی جانبازی وشجاعت سے لڑے اور اسلامی فوج کے ایک حصہ کو لشکر گاہ تک پسپا کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان عورتوں نے للکارا اور گھوڑوں کو مار مار کر میدان جنگ کی طرف واپس کیا۔ دوبارہ مسلمانوں نے سنبھل کر اس زور کا حملہ کیا کہ ترکوں کو دھکیل کر دریا کے پار پہنچا دیا۔ بنی تمیم کے سردار وکیع اور ہریم ہمت کر کے دریا عبور کر گئے۔ انہیں دیکھ کر کئی سو مسلمان پار پہنچ گئے اور اس زور شور سے حملہ آور ہوئے کہ ترک اور سغد کے پاؤں اکھڑ گئے۔ وردان خدا بھاگ نکلا اور مسلمانوں کا بخارا پر قبضہ ہو گیا۔ سغد کا فرما نروا طرخون' وردان خدا کی شکست سے اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس نے بھی صلح کر کے اطاعت قبول کر لی۔ [1] باغیس کا فرمانروا نیزک مسلمانوں کے ساتھ اور ان کا معاون و مددگار تھا' لیکن پھر ترکستان میں ان کی بڑھتی ہوئی قوت دیکھ کر قتیبہ کی جانب سے اس کو خوف پیدا ہو گیا اور وہ اس کی اجازت سے چلا گیا اور بلخ' مروالروذ' طالقان' فاریاب اور جوزجان وغیرہ آس پاس کے تمام حکمرانوں کو ساتھ ملا کر علم بغاوت بلند کر دیا اور طخارستان سے مسلمان حاکم کو نکال دیا۔ قتیبہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو طخارستان روانہ کیا اور خود دوسرے باغی فرمانرواؤں کی طرف بڑھا۔ سب سے پہلے طالقان فتح کر کے یہاں کے باشندوں سے ان کی بغاوت کا بدلہ لیا۔ ایک بیان ہے کہ یہاں کے حکمران نے سپر ڈال دی' اس لیے قتیبہ نے درگذر سے کام لیا۔ طالقان کے بعد ۹۱ھ میں فاریاب کا رخ کیا۔ یہاں کے فرمانروا نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ قتیبہ نے اسے بھی معاف کر دیا اور یہاں ایک مسلمان حاکم کو چھوڑ کر جوزجان پہنچا۔ یہاں کا حکمران بھاگ گیا اور عام باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی اور قتیبہ' عامر بن مالک کو یہاں چھوڑ کر بلخ پہنچا اور ایک دن ٹھہر کر نیزک کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ قتیبہ کا بھائی عبدالرحمٰن پہلے سے تعاقب میں تھا۔ نیزک' خلم کی پر پیچ اور دشوار گھاٹی میں گھس گیا تھا اور اس کے دھانے کے قلعہ پر ایک دستہ حفاظت کے لیے متعین کر دیا تھا۔ راستہ بہت تنگ اور دشوار گزار تھا۔ قلعہ تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی' کچھ دنوں تک یونہی کچھ جھڑپ سی ہوتی رہی۔ اسی دوران میں حسن اتفاق سے یہیں کا ایک واقف کار آدمی مل گیا۔ اس نے مسلمانوں کو پشت سے لے جا کر قلعہ تک پہنچا دیا۔ وہ پہنچتے ہی دفعتہً ٹوٹ پڑے۔ اہل قلعہ بالکل مطمئن تھے۔ انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا۔ اس لیے اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ بہت سے مارے گئے' جو زندہ بچے وہ بھاگ نکلے۔ نیزک نے وادی فرغانہ کو عبور کر کے کرز کی گھاٹی میں پناہ لی۔ قتیبہ بھی تعاقب میں پہنچا' لیکن یہ گھاٹی بھی خلم کی طرح بہت محفوظ تھی۔ راستہ اتنا دشوار گزار تھا کہ فوج

[1] فتوح البلدان ص ۴۰۷۔

عبور نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے قتیبہ نے محاصرہ کر لیا۔ کامل دو مہینہ تک محاصرہ قائم رہا اور نیزک کا کل سامان ختم ہو گیا۔ سردی کا زمانہ قریب آ رہا تھا اور یہاں کی سردی مسلمان برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لیے قتیبہ نے ایک شخص سلیم کو نیزک کے پاس بھیجا کہ وہ کسی طرح اس کو سمجھا بجھا کر بغیر امان دیئے ہوئے لے آئے۔ چنانچہ وہ اسے نشیب و فراز سمجھا کر عفو تقصیر کے حیلہ سے لے آیا۔ فرمانروائے جغبویہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ قتیبہ نے نیزک کے قتل کے بارے میں مشورہ کیا۔ بعضوں نے مخالفت کی' لیکن نیزک کا جرم نہایت سنگین تھا' اس نے نہ حرف تنہا خود مخالفت کی تھی' بلکہ اپنے ساتھ بہت سے فرمانرواؤں کو بھی باغی بنا دیا تھا' جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تھا' اس لیے بالآخر اس کے قتل کا فیصلہ ہوا اور قتیبہ نے اس کو مع اس کی جماعت کے قتل کرا دیا' البتہ فرمانروائے جغبویہ کا قصور معاف کر دیا۔

نیزک کے بعد قتیبہ دوسرے باغی فرمانرواؤں کی طرف متوجہ ہوا اور فوجی پیش قدمی سے پہلے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور فرمانروائے شومان کے پاس' جس نے اپنے ہاں سے مسلمان حاکم نکال دیا تھا' کہلا بھیجا کہ اگر اب بھی وہ بغاوت سے باز آ جائے تو اس کی خطا معاف کر دی جائے گی' لیکن اسے اپنی قوت پر اتنا غرور تھا کہ ایک قاصد کو قتل کر دیا اور دوسرا جان بچا کر بھاگ گیا۔ اس لیے قتیبہ کو اس پر فوج کشی کرنی پڑی۔ قریب پہنچ کر قتیبہ کے بھائی صالح نے دوبارہ سمجھانے کی کوشش کی' مگر اب بھی وہ باز نہ آیا اور مخالفانہ قلعہ بند ہو گیا۔ قتیبہ نے سنگباری کر کے قلعہ کی دیواریں توڑ دیں۔ جب اس نے جنگ یا اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ شومان کے بعد قتیبہ نے کش اور نسف فتح کیے اور اپنے بھائی صالح کو بھیج کر سغد کے فرمانروا طرخون سے خراج وصول کیا [1] ۹۳ھ میں خوارزم شاہ نے خود سے قتیبہ کی اطاعت قبول کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں شاہ خوارزم [2] بہت کمزور تھا۔ اس کا بھائی خرزاد اسے معطل کر کے سلطنت پر حاوی ہو گیا تھا اور رعایا پر بڑے مظالم کرتا تھا۔ کسی کی عزت و آبرو اور مال و دولت اس کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی۔ ساری رعایا اس کے مظالم سے نالاں تھی۔ خوارزم شاہ اس کے مقابلہ میں بالکل مجبور و بے بس تھا۔ اس لیے وہ موقعہ کا منتظر تھا۔ ترکستان میں جب قتیبہ کی قوت و فتوحات کا شہرہ ہوا تو خوارزم شاہ نے اس کے پاس خفیہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ اس کے بھائی کے ہاتھوں سے نجات دلا دے تو اس کی اطاعت قبول کر لے گا۔ قتیبہ نے اس کی درخواست قبول کر لی اور خوارزم پر فوج کشی کر کے خرزاد کو قتل کر کے سلطنت خوارزم شاہ کے حوالہ کر دی۔ اس نے حسب وعدہ اطاعت قبول کر لی اور بہت سا نقد و جنس قتیبہ کی خدمت میں پیش کیا۔ [3]

---

[1] ابن اثیر ج ۴' ص ۲۰۸' ۲۰۹' ۲۱۰۔ [2] خوارزم کے ہر فرمانروا کا لقب خوارزم شاہ ہوتا تھا۔

[3] فتوح البلدان ص ۴۳۷ و ابن اثیر ج ۴' ص ۲۱۷' ان دونوں کے بیان میں خرزاد کے خاتمہ کی تفصیل میں خفیف سا اختلاف ہے' لیکن نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔

بلاذری کا بیان ہے کہ قتیبہ کے سلطنت واپس دلانے کے بعد خوارزم شاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس کی رعایا نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد قتیبہ نے اپنے بھائی عبیداللہ کو خوارزم کا حاکم مقرر کیا۔

سمرقند کی فتح

سغد یعنی اہل سمرقند اور مسلمانوں میں بہت قدیم سے عہد و پیمان اور مصالحانہ تعلقات تھے' لیکن ترکستان کی لڑائیوں میں انہوں نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے خلاف ترکستان کے فرمانراؤں کی امداد کی تھی۔ اس لیے خوارزم کی مہم سے فراغت کے بعد قتیبہ نے سمرقند پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور مسلمانوں سے کہا کہ ''سغد نے جس طرح معاہدہ کو توڑا ہے وہ تم کو معلوم ہے' مجھ کو امید ہے کہ خوارزم اور سغد کا حشر بنی قریظہ اور بنی نضیر [1] کی طرح ہوگا''۔ اور اپنے بھائی صالح کو ایک فوج کے ساتھ سمرقند روانہ کر دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوا۔ اس مہم میں بیس ہزار اہل بخارا اور خوارزم بھی مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ صالح اور قتیبہ دو تین دن کے وقفہ سے سمرقند پہنچے۔ سغد شہر میں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ قتیبہ نے محاصرہ کر لیا۔ سمرقندی ایک مہینہ تک مدافعت کرتے رہے۔ جب محاصرہ کی مدت زیادہ بڑھی تو انہوں نے شاش اور فرغانہ وغیرہ کے فرمانرواؤں کو لکھ بھیجا کہ اگر آج عرب ہمارے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے تو کل تم کو بھی یہی دن دیکھنا پڑے گا۔ اس لیے ہماری نہیں بلکہ اپنی حفاظت کے لیے آج ہماری مدد کرو۔ قتیبہ کی فتوحات کو ترکستان کے تمام فرمانروا خوف و خطر کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے' اس لیے تمام سرحدی حکمران سغد کی مدد کے لیے تیار ہو گئے اور اپنے لڑکوں' اپنے یہاں کے عمائد و اشراف اور نامور بہادروں کو خاقان چین کے لڑکے کی قیادت میں مدد کے لیے روانہ کیا۔ قتیبہ کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے صالح کو چند سو منتخب بہادروں کے ساتھ امدادی فوج کا راستہ روکنے کے لیے بھیج دیا۔ صالح نے آگے بڑھ کر فوج کے راستہ میں دونوں جانب تھوڑی تھوڑی فوج چھپا دی۔ رات گئے جیسے ہی دشمن کی فوج ادھر سے گزری صالح نے اس پر حملہ کر دیا۔ کمین گاہوں کے مسلمان بھی نکل کر ٹوٹ پڑے۔ دشمنوں نے بڑی شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن آخر میں نہایت فاش شکست کھائی۔ ان کے بہت سے نامور بہادر مارے گئے اور بکثرت قیدی گرفتار ہوئے۔ جن میں بیشتر ترکستان کے شہزادے اور امرا و شرفا تھے' اور بہت سا قیمتی اسلحہ اور زریں سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اس شکست کی خبر سمرقند پہنچی تو سغد کی ہمت پست ہو گئی۔ اب ان کے لیے کوئی سہارا باقی نہ رہ گیا تھا۔ قتیبہ نے محاصرہ اور زیادہ سخت کر دیا اور پتھر برسا کر شہر پناہ کی دیوار توڑ دی۔ تاہم اہل سمرقند

[1] یہ دونوں یہودی قبیلے تھے جنہوں نے عہد رسالت میں عہد شکنی کی تھی اور اس کے نتیجہ میں وہ جلاوطن کیے گئے تھے۔

نے مدافعت میں اپنی آخری قوت صرف کر دی۔ قتیبہ نے مسلمانوں کو للکارا کہ شہر پناہ کے روزن تک پہنچنے کی دیر ہے۔ اس للکار پر مسلمان آگے بڑھے۔ اہل سمرقند اوپر سے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے لیکن مسلمانوں نے کوئی پرواہ نہ کی اور چہروں کو ڈھال سے بچاتے ہوئے روزن تک پہنچ کر جم گئے۔ اب اہل سمرقند کے لیے مصالحت کے علاوہ کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے کہلا بھیجا کہ آج تم لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ' کل ہم صلح کر لیں گے۔ قتیبہ نے جواب دیا کہ صلح اسی وقت ہو سکتی ہے کہ ہمارے آدمی روزن پر موجود رہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ قتیبہ نے ان کی درخواست پر آدمی ہٹا لیے تھے' بہر حال اب اہل سمرقند کے لیے سپر ڈال دینے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے دوسرے دن انہوں نے حسب ذیل شرائط پر صلح منظور کر لی:

① اہل سمرقند بارہ لاکھ سالانہ خراج دیا کریں گے۔

② اس سال تیس ہزار سوار دیں گے۔

③ مسلمان شہر میں فاتحانہ داخل ہوں گے۔ ان کے داخلے کے وقت مسلح آبادی شہر خالی کر دے گی۔

④ مسلمان یہاں مسجد بنا کر نماز پڑھیں گے اور خطبہ دیں گے۔

ان شرائط کے مطابق سغد نے شہر خالی کر دیا۔ مسلمانوں نے شہر میں مسجد تعمیر کر کے نماز پڑھی اور خطبہ دیا اور اعلان عام کر دیا کہ صلح کی رقم کے علاوہ ہم کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائیں گے' جس جس کا مال ہو وہ آ کر اپنا مال لے لے۔ [1]

اہل سمرقند بت پرست تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے بعض دیوتا ایسے ہیں جن کو ہاتھ لگانے والا ہلاک ہو جائے گا۔ ان کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے قتیبہ نے ان بتوں کو نذر آتش کر دیا۔ جب اس سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچا تو بہت سے سغد ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے اور قتیبہ نے سمرقند میں مسلمانوں کی آبادی بسائی۔ [2]

اوپر گذر چکا ہے کہ شاش اور فرغانہ کے فرمانرواؤں نے اہل سمرقند کی مدد کی تھی اس لیے سمرقند سے فراغت کے بعد قتیبہ نے ان دونوں کی طرف توجہ کی اور ۹۴ھ میں اہل خوارزم' کش اور نسف کی فوج بھیج کر شاش کو فتح کیا اور خود فرغانہ کی طرف بڑھے۔ راستہ میں جنجدیوں نے مقابلہ کیا۔ انہیں شکست دے کر آگے بڑھے اور فرغانہ کے دارالسلطنت کاشان کو فتح کر کے ترکستان و چین کی سرحد استیجاب تک بڑھتے چلے گئے۔ اس کے بعد چین کے حدود شروع ہو جاتے تھے' اس لیے اس سال یہیں تک پہنچ کر لوٹ گئے۔

---

[1] ابن اثیر ج۔۴' ص ۲۱۷ و ۲۱۸۔ [2] فتوح البلدان ص ۴۲۷۔

چین پر فوج کشی اور خاقان کی اطاعت

خاقان چین نے بھی اہل سمرقند کی مدد کی تھی بلکہ اس کا بیٹا امدادی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس لیے ۹۶ھ میں قتیبہ نے بڑے اہتمام کے ساتھ چین پر فوج کشی کی تیاریاں کیں۔ مجاہدین کے اہل و عیال کو حفاظت کے خیال سے سمرقند میں منتقل کر دیا اور فرغانہ سے کاشغر تک راستہ درست کرا کے ایک لشکر چین روانہ کیا۔ یہ کاشغر فتح کرتا ہوا چین کے اندر تک بڑھتا ہوا چلا گیا۔ خاقان چین مسلمانوں کی فتوحات کا شہرہ سن چکا تھا' اس لیے ان کے حالات معلوم کرنے اور ان سے گفتگو کرنے کے لیے ان کا وفد طلب کیا۔ قتیبہ نے ہبیرہ بن مشرح کلبی کو دس سنجیدہ مسلمانوں کے ساتھ چین بھیجا اور انہیں ہدایت کر دی کہ وہ خاقان چین کو اس کا یقین دلا دیں کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تمہاری زمین کو اپنے پیروں سے پامال کر کے خراج وصول نہ کرلوں گا' اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا۔ یہ وفد خاقان کے دربار میں پہنچا اور اس سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ آخری گفتگو کے بعد خاقان نے ہبیرہ سے کہا کہ تم واپس جا کر اپنے سردار (قتیبہ) سے کہہ دو کہ وہ لوٹ جائے' مجھ کو تم لوگوں کی تعداد کا علم ہے' اگر تم اپنے ارادہ سے باز نہ آئے تو میں ایسی فوج تمہارے مقابلہ میں بھیجوں گا جو تمہیں تباہ و برباد کر ڈالے گی۔ ہبیرہ نے اس کے جواب میں کہا کہ تم اس قوم کو کم تعداد کس طرح کہہ سکتے ہو جس کا ایک سردار تمہارے ملک میں ہے اور دوسرا شام میں۔ ہم لوگ موت اور قتل سے ڈرنے والے نہیں ہیں' موت کا ایک دن مقرر ہے اور لڑ کر جان دینا معزز موت ہے۔ اس لیے نہ ہم قتل ہونے کو برا سمجھتے ہیں اور نہ اس سے ڈرتے ہیں۔ ہمارے سردار نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ اپنے پیروں سے تمہاری زمین کو پامال کر کے جزیہ وصول نہ کرے گا' اس وقت تک واپس نہ جائے گا۔ خاقان چین کو مسلمانوں کی قوت کا پہلے سے اندازہ تھا' ترکستان کا حشر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس لیے وہ خواہ مخواہ مسلمانوں سے بھڑنا نہ چاہتا تھا اور محض ان کو آزما رہا تھا۔ اس لیے ہبیرہ کا جواب سن کر اطاعت کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا اور جزیہ دے کر بہت سے قیمتی ہدایا و تحائف قتیبہ کے پاس بھیجے۔ ان کا مقصد بھی چین کو فتح کرنا نہیں' بلکہ خاقان چین کے خطرہ کا انسداد تھا۔ اس لیے اس کے اس مصالحانہ رویہ پر انہوں نے جزیہ قبول کر کے فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔ [1]

محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ

سندھ پر فوج کشی کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا۔ قریب قریب ہر خلیفہ کے زمانے میں یہاں کچھ

---

[1] ابن اثیر ج۔۵' ص ۲۳۔

نہ کچھ فتوحات حاصل ہوئیں' لیکن ولید سے پہلے مسلمانوں کو اسے مستقل فتح کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا تھا اور ان کے حملے سرحدی علاقوں سے آگے نہ بڑھتے تھے۔ ولید کے زمانہ میں ایک ناگوار واقعہ نے حجاج کو اسے مستقل فتح کر لینے پر آمادہ کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لنکا میں کچھ عرب تاجر آباد تھے۔ ان میں سے ایک تاجر کا انتقال ہو گیا۔ لنکا کا راجہ مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کا خواہش مند تھا۔ اس لیے متوفی تاجر کے اہل وعیال کو' جن میں کئی عورتیں تھیں' جہاز کے ذریعہ بھجوا دیا اور ولید کے لیے قیمتی ہدایا و تحائف بھیجے۔ اس جہاز میں کچھ حاجی تھے۔ دیبل (دیول) کے قریب سندھی قزاقوں نے جہاز پر حملہ کر کے لوٹ لیا اور عربی عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں سے ایک عورت نے غائبانہ حجاج سے فریاد کی کہ حجاج المدد! حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو اس پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے جواب دیا: ''میں آیا'' اور اسی وقت دیبل کے راجہ داہر کو لکھا کہ عرب عورتوں کو واپس کرا دو۔ اس نے جواب دیا کہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے' اس لیے میں مجبور ہوں۔ [1] یہ جواب سن کر حجاج نے عبیداللہ بن نبہان کو فوج کے ساتھ دیبل روانہ کیا۔ یہ جنگ میں کام آئے۔ ان کے بعد بدیل بن طہفہ بجلی کو جو عمان میں تھے' دیبل پہنچنے کا حکم دیا' وہ تین ہزار فوج کے ساتھ مکران ہوتے ہوئے دیبل پہنچے۔ راجہ داہر نے کئی ہزار سپاہ مقابلہ کے لیے بھیجی۔ بدیل بن طہفہ نے بڑی شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن عین میدان جنگ میں ان کا گھوڑا بدکا اور وہ گھوڑے سے گر پڑے۔ سندھیوں نے یورش کر کے قتل کر دیا۔ ان کے قتل ہوتے ہی مسلمان شکست کھا گئے۔ [2] حجاج کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے بڑا صدمہ ہوا' اور اس کو اس کا بھی اندازہ ہو گیا کہ معمولی فوج کشی سے کام نہ چلے گا۔ اس لیے اس نے اپنے نوجوان چچیرے بھائی محمد بن قاسم ثقفی کو' جو فارس کا حاکم تھا' چھ ہزار سپاہ کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ اس نے تمام بھاری سامان بحری راستہ سے روانہ کر دیا اور خود مکران ہوتا ہوا خشکی کے راستے سے سندھ آیا اور سب سے پہلے قنز پور (پنج گور) کی طرف بڑھا اور اسے فتح کر کے ارمائیل (ارمن بیلہ) کو تسخیر کیا۔ [3]

ارمن بیلہ کے بعد دیبل کی طرف بڑھا۔ اس کے پہنچنے کے ساتھ ہی وہ سامان بھی جسے بحری راستہ سے بھیجا تھا' پہنچ گیا۔ اس میں ایک قلعہ شکن منجنیق تھی' جسے پانچ سو آدمی حرکت دیتے تھے۔ اس کا نام عروس تھا۔ محمد بن قاسم کے پہنچنے کے بعد دیبل کے باشندے شہر میں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور چاروں طرف خندقیں کھدوا کر منجنیقیں نصب کرا دیں۔ اہل شہر کئی مہینوں

---

[1] فتوح البلدان ص۔ ۴۴۱ و چچ نامہ نسخہ قلمی دار المصنفین۔
[2] فتوح البلدان ص۔ ۴۴۱ و چچ نامہ نسخہ قلمی دار المصنفین۔
[3] بلاذری ص ۴۴۲۔

تک بہادری سے مدافعت کرتے رہے' لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ حجاج کو اس مہم سے اتنا تعلق خاطر تھا کہ ہر تیسرے دن خبریں منگا کر حالات معلوم کر کے جنگ کے متعلق ہدایتیں بھیجتا تھا۔ جب محاصرہ زیادہ طول کھنچا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حجاج نے لکھا کہ منجنیق کو ایک زاویہ کم کر کے مشرق کی جانب نصب کر کے دیول پر سنگباری کی جائے۔ [1] اس ہدایت کے مطابق محمد بن قاسم نے سنگباری کرنے کا حکم دیا۔ اس سے دیول کا گنبد ٹوٹ گیا۔ اس کے ٹوٹتے ہی اہل شہر کی ہمت پست ہوگئی۔ دوسری طرف باہر سے مسلمانوں نے پورا زور لگایا اور بڑھتے ہوئے فصیل کی دیوار تک پہنچ گئے۔ اہل شہر نے روکنے کی بہت کوشش کی' مگر ناکام رہے اور چند جانباز مسلمان کمند ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے۔ اب اہل شہر کی ہمت بالکل چھوٹ گئی۔ راجہ داہر کا حاکم شہر چھوڑ کر بھاگ گیا اور مسلمانوں نے آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور چار ہزار مسلمان آباد کیے۔ [2]

دیبل سے تھوڑی مسافت پر ایک مقام نیرون تھا۔ یہاں کے راجہ بھدر کن نے اہل دیبل کا انجام دیکھ کر محمد بن قاسم سے صلح کر لی اور وہ دیبل سے نیرون پہنچا۔ حاکم نیرون نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا اور شہر لے جا کر مسلمانوں کی ضیافت کی۔ ان کے مویشیوں کے لیے چارہ فراہم کیا۔ بہت سے قیمتی ہدیے پیش کیے اور نامہ و پیام کے ذریعہ جو صلح ہوئی تھی' زبانی تکمیل ہوگئی۔ [3]

نیرون کے بعد اسلامی لشکر نے آگے کوچ کیا۔ راستہ میں کسی کو روکنے کی ہمت نہ ہوئی اور نیرون سے دریائے سندھ کی شاخ تک کا سارا علاقہ آسانی کے ساتھ فتح ہوگیا۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد سربیدس (شری ویدس) کے بدھوں نے خراج دے کر اطاعت قبول کر لی۔

یہاں سے محمد بن قاسم سیوستان (سہوان) کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ نیرون کا راجہ بھدر کن ہمرکاب تھا۔ راستہ میں بہرج کا علاقہ جو راجہ داہر کے بھتیجے بجرا کے زیر حکومت تھا' پڑتا تھا۔ یہاں کی آبادی بدھ مذہب کے پیرو تھی اور کشت وخون کو ناپسند کرتی تھی۔ مسلمانوں کا رخ بہرج کی طرف دیکھ کر اس نے بجرا سے درخواست کی کہ ہم لوگ امن وآشتی پسند کرتے ہیں۔ کشت وخون ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور آپ کی طرح ہم محفوظ بھی نہیں ہیں' اس لیے اگر ہم نے عربوں سے مقابلہ کیا تو وہ ہم کو تباہ کر دیں گے۔ ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ خلیفہ کا حکم ہے کہ مطیع اور امن پسند آبادی سے تعرض نہ کیا جائے اور عرب جو معاہدہ کرتے ہیں' اسے پورا کرتے ہیں۔ اس لیے اگر آپ کی رائے ہو تو ہم عربوں

---

[1] دیول بدھ کا صنم کدہ تھا جو اس شہر کا قلب اور اس کی جان تھا۔ [2] بلاذری ص ۴۴۲' ۴۴۳۔
[3] بلاذری ص ۴۴۲' ۴۴۳ و چچ نامہ قلمی۔

سے صلح کر لیں' لیکن بجرا نے اس درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ❶ بہرج کی آبادی اطاعت کیش تھی' اس لیے محمد بن قاسم نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا اور اصل مرکز مقصود سیوستان کی طرف بڑھا۔ جاسوسوں نے اسے خبر دی کہ سیوستان کے عام باشندے اطاعت کے لیے آمادہ ہیں' لیکن راجہ بجرا اور قلعہ کی مسلح سپاہ مقابلہ کے لیے تیار ہے۔ اس لیے محمد بن قاسم نے سیوستان پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور سنگباری شروع کر دی۔ یہاں کی آبادی بھی جنگ کرنا نہیں چاہتی تھی' لیکن بجرا کی وجہ سے مجبور تھی۔ اس لیے سنگباری سے گھبرا کر بجرا سے درخواست کی کہ ہم میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ اس لیے جنگ موقوف کی جائے' لیکن بجرا نے توجہ نہ کی اور جنگ جاری رکھی۔ اہل شہر نے مجبور ہو کر محمد بن قاسم کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم سب بجرا سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ راجہ کے پاس کوئی بڑی طاقت بھی نہیں ہے۔ یہ پیام سن کر مسلمانوں نے جنگ میں اور زور لگا دیا۔ ایک ہفتہ مقابلہ کے بعد بجرا کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ کمزوری دکھانے لگی۔ یہ صورت دیکھ کر بجرا ایک شب کو ایک جماعت کے ساتھ فرار ہو گیا اور بودھیا کے حاکم کاکا کے ہاں پناہ لی۔ یہ داہر کا ماتحت تھا۔ اس لیے بجرا کو بڑے اعزاز و کرام کے ساتھ ٹھہرایا۔ بجرا کے فرار کے بعد سیوستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور محمد بن قاسم نے چند دنوں یہاں قیام کر کے ضروری انتظامات کیے۔ ❷ سیوستان سے فرار کے بعد راجہ بجرا نے کاکا کے دارالسلطنت سیسم کو مرکز بنایا تھا۔ اس لیے سیوستان کے انتظامات سے فراغت کے بعد محمد بن قاسم سیسم کی طرف بڑھا۔ مفتوحہ علاقے کے باشندے محمد بن قاسم کے حسن سلوک سے اتنا متاثر ہوئے تھے کہ سیسم کی فوج کشی میں بہت سے سردار اس کے ہمرکاب ہو گئے۔ بجرا راجہ داہر کا بھتیجا تھا' اس لیے کاکا اسے پناہ دینے پر مجبور تھا' لیکن وہ خود محمد بن قاسم سے لڑنا نہ چاہتا تھا' چنانچہ اسے جب سیسم کی جانب محمد بن قاسم کی پیش قدمی کی خبر ملی' تو وہ اپنے چند معتمد سرداروں کے ساتھ اس سے گفتگو کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ایک عرب سردار بنانہ بن حنظلہ سے' جسے محمد بن قاسم نے حالات کی تحقیقات کے لیے آگے روانہ کر دیا تھا' ملاقات ہوئی۔ بنانہ کاکا کا ارادہ معلوم کر کے اسے اپنے ساتھ لے آیا اور اس نے محمد بن قاسم سے مل کر اپنی اطاعت و وفاداری کا یقین دلایا۔ محمد بن قاسم نے اس کے صلے میں اس کی بڑی عزت افزائی کی۔ خلعت سے نوازا اور ایک مسلمان وکیل عبدالملک بن قیس کو ساتھ کر کے عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا۔ ❸ کاکا نے گو خود اطاعت قبول کر لی تھی' لیکن وہ راجہ بجرا کو جواب تک سیسم میں مقیم تھا اپنے ہاں

---

❶ چچ نامہ قلمی۔ ❷ چچ نامہ قلمی۔ ❸ چچ نامہ قلمی۔

سے نکال نہیں سکتا تھا۔ اس لیے محمد بن قاسم نے سیسم پہنچ کر قلعہ پر حملہ کیا۔ بجرا نے اپنے سرداروں کے ساتھ مقابلہ کیا اور ایک سردار نے لڑ کر جان دے دی۔ کچھ لوگ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ اس شکست کے بعد سرداروں نے جو دل سے راجہ داہر کے خلاف تھے' لیکن علانیہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے' محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی۔ سیسم کے قلعہ کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے حمید بن وداع اور عبدالقیس جارودی کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ سیسم پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن قاسم آگے بڑھنے کا قصد کر رہا تھا کہ حجاج کا حکم پہنچا کہ نیرون واپس جا کر راجہ داہر کے پایہ تخت پر فوج کشی کرو۔ یہ حکم پا کر وہ نیرون واپس چلا آیا اور چند دنوں یہاں قیام کرنے کے بعد راجہ داہر کی طرف بڑھا۔ راستہ میں اشیہار کے قلعہ کو مطیع کرتا ہوا دریائے سندھ کے مغربی کنارہ پر پہنچا اور بیٹ کے راجہ موکا کو جو راجہ داہر کے ماتحت تھا' لکھا کہ اگر تم اطاعت قبول کر لو تو کچھ اور سورتہ کی حکومت تم کو دی جائے گی۔ راجہ موکا اور اس کے بھائی راسل میں تخت کے معاملہ میں اختلاف تھا۔ اس لیے راسل کے مقابلہ میں اس کو مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کی ضرورت تھی' لیکن وہ علانیہ راجہ داہر کے دشمنوں کی اطاعت قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے محمد بن قاسم کو لکھ بھیجا کہ بغیر جنگ کے اطاعت قبول کر لینے میں میری اور میرے خاندان کی بڑی رسوائی ہوگی اس لیے میں ایک مختصر جماعت کے ساتھ سانکڑا جاتا ہوں' آپ ایک ہزار سپاہ بھیج کر مجھ کو گرفتار کرا لیجئے۔ یہ خط لکھ کر وہ سانکڑا روانہ ہو گیا۔ اس کی ہدایت کے مطابق محمد بن قاسم نے بنانہ بن حنظلہ کو ایک ہزار سپاہ کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ اس نے سامنا ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ پہلے سے قرارداد منظور ہو چکی تھی۔ اس لیے موکا مع اپنے ہمراہیوں کے گرفتار ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے اس کی بڑی عزت افزائی کی۔ ایک لاکھ نقد انعام عطا کیا اور خلعت سے نوازا اور نسلاً بعد نسلٍ علاقہ بیٹ کی حکومت کا پروانہ اسے دے دیا [1] محمد بن قاسم کا مقصد خواہ مخواہ راجہ داہر سے لڑنا نہیں بلکہ اسے مطیع بنانا تھا۔ اس لیے راجہ موکا کی اطاعت کے بعد جارحانہ اقدام سے پہلے اس نے راجہ داہر کے پاس ایک وفد بھیجا' لیکن وہ مصالحت کے لیے آمادہ نہ ہوا اور جواب دیا کہ اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔ اس جواب کے ساتھ ہی فوجیں لے کر محمد بن قاسم کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گیا اور مسلمانوں کے فرودگاہ کے پاس پہنچ کر ان کے بالمقابل دریائے سندھ کے مشرقی جانب خیمہ زن ہوا۔ دونوں کے درمیان دریائے سندھ حائل تھا۔ راجہ داہر نے جا بجا تیر انداز متعین کر دیئے کہ مسلمان کشتی کا پل نہ بنانے پائیں' چنانچہ جیسے ہی لوگ کشتیوں کو جوڑنے کی کوشش کرتے' تیر انداز تیر برسا کر ہٹا دیتے۔ یہ صورت دیکھ کر مسلمانوں نے کشتیوں کو دریا کے عرض میں جوڑنے کی بجائے پاٹ کا

[1] چچ نامہ۔

اندازہ کر کے رات کی تاریکی میں طول میں جوڑ کر ایک لمبا پل بنایا اور اس کو دریا کے بہاؤ پر چھوڑ دیا۔ اس تدبیر سے کشتیوں کا دوسرا سرا ساحل پر پہنچ گیا اور مسلمان راتوں رات دریا عبور کر کے اس زور شور سے سندھیوں پر حملہ آور ہوئے کہ وہ اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے' اور جہم کے پھاٹک تک پسپا ہوتے چلے گئے۔ انہیں پسپا کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر بیٹ کو مرکز قرار دیا اور عبداللہ بن علی ثقفی کو ایک دستہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔ راجہ داہر اس وقت کاجی جاٹ میں مقیم تھا۔ عبداللہ ارور ہوتا ہوا جیور کی طرف بڑھا۔ راستہ میں کچھری جھیل پر داہر کا لڑکا جے سنگھ پہلے سے مزاحمت کے لیے موجود تھا' یہاں دونوں میں مقابلہ ہو گیا۔ جے سنگھ کی فوج مقابلہ کی تاب نہ لا سکی۔ وہ خود بھی گھوڑے سے گر پڑا لیکن کسی طرح بچ کر نکل گیا۔ [1]

اس شکست سے راجہ داہر کے سرداروں اور حکمرانوں میں بڑی بددلی پھیل گئی' چنانچہ راجہ موکا کا بھائی راسل جو بیٹ کی حکومت کی طمع میں داہر کے ساتھ تھا' مایوس ہو کر محمد بن قاسم سے مل گیا اور اپنے قیمتی مشوروں سے مسلمانوں کو بڑی مدد بہم پہنچائی اور محمد بن قاسم اس کے مشورے اور رہنمائی میں داہر کی طرف بڑھا اور جے پور پر قبضہ کر کے یہاں فوجیں اتاریں۔ اس وقت راجہ داہر مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ محمد بن قاسم پہنچ چکا تھا۔ راجہ داہر بڑے شکوہ و تجمل کے ساتھ مقابلہ میں آیا۔ کوہ پیکر ہاتھیوں کی صف آگے تھی۔ اس کے پیچھے دس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل سپاہ تھی۔ خود داہر ایک سپید ہاتھی پر سوار تھا۔ خواصیں چپ و راست جلوہ فگن تھیں۔ داہر کے پہنچتے ہی جنگ شروع ہو گئی۔ فریقین بڑی شجاعت و پامردی سے لڑے۔ کئی خونریز معرکے ہوئے۔ ہاتھیوں کی دیوار آہن کے سامنے مسلمانوں کا زور نہ چلتا تھا۔ اس لیے انہوں نے نفت کے ذریعہ آگ برسانا شروع کی۔ اس کے سامنے ہاتھی نہ ٹک سکے اور بدحواسی سے بھاگے۔ راجہ داہر کا ہاتھی بھاگ کر ندی میں پھاند پڑا اور دلدل میں بیٹھ گیا۔ مسلمانوں نے ہاتھی پر تیر برسانا شروع کر دیے۔ فیلبان نے کسی نہ کسی طرح ہاتھی کو اٹھایا' وہ اٹھ کر سیدھا قلعہ کی طرف چلا اور کسی طرح میدان جنگ کا رخ نہ کیا۔ راجہ داہر کی فوج برابر لڑتی رہی اور اس کے بڑے بڑے سرداروں نے لڑ کر مردانہ وار جان دی۔ ان کی جانبازی دیکھ کر داہر کی حمیت بھی جوش میں آ گئی۔ وہ شمشیر بکف میدان جنگ میں پہنچا اور پا پیادہ عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑ کر قتل ہوا۔ اس کے قتل سے فوج میں جوش پیدا ہو گیا اور وہ اس جوش و خروش سے لڑی کہ مسلمانوں کا سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے بھی مقابلہ میں پوری قوت صرف کر دی۔ بالآخر ان کی شجاعت و استقلال سے سندھیوں کو فاش

[1] یہ چچ نامہ کا بیان ہے' دوسرے مؤرخین لکھتے ہیں کہ قتل ہو گیا' لیکن جولڑکا قتل ہوا' وہ جے سنگھ نہیں ہو سکتا کیونکہ آئندہ داہر کے قتل کے بعد ہی مسلمانوں کے مقابلہ میں آیا۔

شکست ہوئی اور وہ قلعہ راور کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کر کے قتل و گرفتار کیا۔

اس شکست کے بعد داہر کے لڑکے جے سنگھ نے شکست خوردہ فوج کو راور میں جمع کر کے از سر نو مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں۔ اس کے عاقبت اندیش وزیر نے مشورہ دیا کہ شکست خوردہ فوج اور اس کے نواح کے لوگوں کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ چکی ہے۔ اس لیے یہاں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ برہمن آباد چل کر مقابلہ کا انتظام کرنا چاہیے۔ وہاں جنگ کے ذرائع یہاں سے بہتر ہیں۔ جے سنگھ کو بھی یہ مشورہ پسند آیا' اس لیے وہ راور سے برہمن آباد چلا گیا۔ راجہ داہر کی ایک رانی واپس نہ گئی اور جے سنگھ کے جانے کے بعد وہ خود مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہوگئی۔ راور کے قلعہ کی فوج نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ محمد بن قاسم کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ سیدھا راور پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر کے سنگباری اور آتش زنی شروع کر دی۔ اس سے قلعہ کے برج مسمار ہو گئے۔ رانی نے جب دیکھا کہ قلعہ کا بچنا مشکل ہے تو اپنی خواصوں سمیت ستی (ہندوؤں میں مردہ شوہر کے ساتھ بیوی کے جل مرنے کی رسم) ہوگئی اور راور پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ [1]

برہمن آباد پہنچنے کے بعد جے سنگھ مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا اس لیے راور کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد کا رخ کیا اور راستہ میں بہرور اور دھلیلا کے قلعے فتح کیے۔ راجہ داہر کا وزیر سی ساکر بڑا عاقبت اندیش تھا۔ جے سنگھ کے انجام کا اندازہ کر کے اس نے محمد بن قاسم کے پاس جان بخشی اور اطاعت کی درخواست بھیجی۔ دھلیلا کے قلعہ کی فتح کے بعد اس کے قاصد پہنچے۔ محمد بن قاسم قدر شناس تھا۔ اس نے وزیر مذکور کی درخواست قبول کر لی اور سی ساکر نے خود اس کے پاس آ کر اظہار اطاعت کیا اور وہ عرب عورتیں پیش کیں جنہیں سندھ کے قزاقوں نے جہاز سے گرفتار کیا تھا اور جن کی وجہ سے سندھ پر حملہ ہوا تھا۔ سی ساکر کی اطاعت کیشی کے صلہ میں محمد بن قاسم نے اس کی بڑی عزت افزائی کی اور اسے وزیر بنا کر اس کا اعزاز قائم رکھا۔ سی ساکر نے بھی اپنی خیر خواہی اور وفاداری سے اتنا اعتماد حاصل کر لیا' کہ محمد بن قاسم بغیر اس کے مشورہ کے کوئی کام انجام نہ دیتا تھا۔ [2]

دھلیلا کے قلعہ کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم ۹۴ھ میں برہمن آباد پہنچا۔ جے سنگھ مقابلہ کے تمام انتظامات مکمل کر چکا تھا اور اپنے تمام نامور سرداروں کو ذمہ دار بنا کر کسی جنگی ضرورت سے برہمن آباد سے باہر چلا گیا تھا۔ محمد بن قاسم نے جنگ شروع کرنے سے پیشتر اہل شہر کے پاس کہلا بھیجا کہ ''یا اسلام قبول کرو یا خراج دے کر اطاعت قبول کر لو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ''۔ جب اس کو کوئی جواب نہ ملا تو اس وقت محمد بن قاسم نے محاصرہ کر کے جنگ شروع کر دی۔ جے سنگھ کی فوج قلعہ بند ہو کر

---

[1] بلاذری ص ۴۴۳۔ [2] چچ نامہ۔

لڑ رہی تھی' اس لیے عرصہ تک سلسلہ جاری رہا اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس دوران میں جے سنگھ واپس آ گیا' مگر درمیان میں مسلمان حائل تھے۔ اس لیے برہمن آباد نہ پہنچ سکا' چنانچہ اس نے وہیں ٹھہر کر ہر طرف سے ناکہ بندی کر کے مسلمانوں کا سامان رسد بند کر دیا۔ اس سے ان کو بڑی دشواری پیش آئی۔ محمد بن قاسم نے راجہ موکا کے مشورہ سے ایک فوج جے سنگھ کے مقابلہ کے لیے بھیج دی۔ اس کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی' اس لیے وہ ہٹ گیا اور اپنے بھائی گوپی کو اپنا نائب مقرر کر کے اور منزلیں طے کرتا ہوا کشمیر نکل گیا۔

جے سنگھ کے فرار کے بعد کچھ دنوں تک فوج اور برہمن آباد کی آبادی مدافعت کرتی رہی' لیکن جب محاصرہ زیادہ طول کھنچا تو اہل شہر گھبرا کر خفیہ محمد بن قاسم سے مل گئے' چنانچہ ایک دن وہ حسب معمول مقابلہ کے لیے نکلے اور قرارداد کے مطابق معمولی جنگ کے بعد شہر میں پسپا ہو گئے اور دروازے کھلے رہنے دیئے' چنانچہ ان کے عقب سے مسلمان بھی شہر میں داخل ہو گئے۔ قلعہ کی فوج کو اس کا علم نہ تھا۔ وہ اس ناگہانی داخلہ سے گھبرا گئی اور جسے جدھر راستہ ملا شہر سے نکل گیا اور محمد بن قاسم نے شہر میں داخل ہو کر امن عام کا اعلان کر دیا۔ [1]

راجہ داہر کی ایک رانی لاڈی جو برہمن آباد میں تھی گرفتار ہوئی۔ محمد بن قاسم نے اسے عزت کے ساتھ پردہ میں ٹھہرایا' پھر حجاج کی اجازت سے اپنے عقد میں لے لیا۔

برہمن آباد کی فتح کے بعد راجہ داہر کا لڑکا گوپی ارور چلا گیا تھا اور یہاں کے باشندوں کو یہ یقین دلا کر کہ راجہ داہر قتل نہیں ہوا' بلکہ ہندوستان چلا گیا ہے اور وہاں کے راجاؤں کی مدد لے کر عنقریب پہنچنا چاہتا ہے' جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ [2] اس لیے برہمن آباد کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن قاسم ارور روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ساوندری کے باشندوں نے حاضر ہو کر اظہار اطاعت کیا اور محمد بن قاسم چھوٹے چھوٹے مقاموں کو فتح کرتا اور مطیع بناتا ہوا ارور پہنچا۔ اس درمیان میں گوپی پوری تیاری کر چکا تھا۔ محمد بن قاسم نے پہنچتے ہی محاصرہ کر لیا' اہل شہر راجہ داہر کی امداد کی توقع پر مقابلہ کرتے رہے' محمد بن قاسم کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے رانی لاڈی کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ راجہ قتل ہو چکا ہے' تم لوگ اطاعت قبول کر لو۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ رانی کے یقین دلانے پر اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔ [3]

لیکن چچ نامہ میں ہے کہ انہوں نے رانی کے بیان پر اعتماد نہ کیا اور اس کی شان میں نازیبا باتیں کیں اس لیے محاصرہ قائم رہا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب اہل شہر کو راجہ کی موت کا یقین ہو گیا اور اس کی

---

[1] چچ نامہ۔ [2] چچ نامہ۔ [3] یعقوبی ج۔۲' ص ۳۴۶۔

امداد کا سہارا جاتا رہا تو وہ اطاعت قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یہ صورت دیکھ کر گوپی کیرج بھاگ گیا۔ گوپی کے فرار کے بعد ارور کے باشندے اس شرط پر شہر حوالہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے کہ ہر شہری کو امان دی جائے' کسی کو قتل نہ کیا جائے اور بدھ کے صنم کدہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ محمد بن قاسم نے دونوں شرطیں قبول کر لیں۔ اہل شہر نے کنجی حوالہ کر دی اور مسلمان ارور میں داخل ہو گئے۔ محمد بن قاسم نے قلعہ کی مسلح سپاہ کے علاوہ باقی شہر کی عام آبادی کو امان دے دی اور صنم کدہ کو کنیسہ اور آتش کدہ کے حکم میں قرار دے کر اس سے کوئی تعرض نہیں کیا اور اہل شہر پر معمولی خراج تشخیص کر دیا۔ ❶

ارور کے بعد قلعہ بابیہ کا رخ کیا۔ یہاں کے حاکم راجہ کسکا نے اطاعت قبول کر لی۔ اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ بابیہ کے بعد اسکلندہ پہنچا۔ یہاں کے حاکم نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ سترہ دن کی خونریز جنگ ہوتی رہی۔ بہت سے مسلمان افسر شہید ہوئے' لیکن سندھیوں کا بھی نقصان اس سے کہیں زیادہ ہوا۔ آخر میں راجہ ہمت ہار کے ملتان نکل گیا اور قلعہ پر مسلمان قابض ہو گئے۔ اسکلندہ کے بعد محمد بن قاسم دریائے چناب کو عبور کر کے ملتان کی طرف بڑھا۔ یہاں کا راجہ گورسنگھ پہلے سے مقابلہ کے لیے تیار تھا۔ اس لیے ملتان کی حدود میں پہنچتے ہی نہایت سخت جنگ شروع ہو گئی۔ زائدہ بن عمیر طائی نے حیرت انگیز شجاعت دکھائی اور راجہ پسپا ہو کر شہر میں قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ ان کے پاس سامان رسد کم تھا۔ چند ہی دنوں میں سامان ختم ہو گیا اور بار برداری کے جانور ذبح کر کے کھانے کی نوبت آ گئی' تاہم اس حالت میں بھی وہ جمے رہے۔ حسن اتفاق سے ایک ملتانی ان کے ہاتھ پڑ گیا۔ اس نے قلعہ کے کمزور حصہ کا پتہ بتا دیا۔ مسلمانوں نے سنگباری کر کے اسے توڑ دیا۔ اس لیے اہل شہر کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا پڑا۔ کھلے میدان میں وہ زیادہ دیر تک نہ ٹک سکے اور مسلمانوں نے شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ یہ چچ نامہ کا بیان ہے۔ بلاذری کے مطابق ملتانی نے اس تالاب کا پتہ بتا دیا جس سے قلعہ میں پانی جاتا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر کے پانی بند کر دیا۔ اس سے اہل شہر نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ ❷

ملتان بدھوں کا بہت بڑا تیرتھ گاہ تھا اور یہاں کے صنم کدہ میں بے اندازہ دولت تھی۔ یہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ بلاذری کے بیان کے مطابق اٹھارہ گز لمبا اور دس گز چوڑا کمرہ سونے سے بھرا ہوا تھا۔ چچ نامہ کے بیان کے مطابق اس کی مقدار کئی سو من تک پہنچ جاتی ہے۔ ❸ ملتان کے بعد بھی محمد بن قاسم کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا' لیکن ولید کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اس لیے باقی فتوحات کا

---

❶ چچ نامہ و بلاذری ص ۴۴۴۔ ❷ بلاذری ص ۴۴۵۔

❸ بلاذری ص ۴۴۵ و چچ نامہ۔

حال سلیمان کے زمانہ میں آئے گا۔

طارق بن زیاد کی فتوحات اندلس

اسی زمانہ میں دوسری سمت یورپ میں بھی مہمات جاری رہیں اور طارق بن زیاد نے اندلس فتح کیا۔ یہ جزیرہ اس زمانہ میں اپنی سرسبزی وشادابی' پیداوار اور تمول وثروت کے لحاظ سے یورپ کا ممتاز ترین ملک تھا۔ یہاں صدیوں سے گاتھ خاندان حکمران تھا۔ ساتویں صدی میں ان کی حکومت انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی اور اپنی شان وشوکت اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے سلطنت روما کی جانشین سمجھی جاتی تھی۔ آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں یعنی مسلمانوں کے داخلہ سے کچھ پہلے گو حکومت کا ظاہری جاہ وجلال قائم تھا' لیکن ملک کی اندرونی حالت بگڑ چکی تھی۔ حکومت پر کلیسا کا اقتدار تھا۔ حکمران پادریوں کے چشم وابرو کے اشارہ کے پابند تھے۔ رعایا حکومت کے جابرانہ قوانین اور امرا اور جاگیرداروں کے مظالم سے نالاں تھی۔ یہودیوں کے ساتھ جانوروں سے زیادہ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ بادشاہ اور امرا سے لے کر خانقاہ نشین راہب تک عیش پرستی میں غرق تھے۔ ان کی خانقاہیں حسین عورتوں کا اکھاڑہ تھیں۔ گاتھ خاندان کا آخری فرمانروا وٹیزا (غطیشہ) بھی گو عیش پرست تھا' لیکن اس نے اپنے دور میں بہت کچھ اصلاح کی۔ کلیسا کے اقتدار کو گھٹایا۔ بہت سے جابرانہ قوانین منسوخ کیے۔ رعایا کو جاگیرداروں کے مظالم سے چھڑانے کی کوشش کی۔ یہودیوں کو مراعات عطا کیں۔ اس کی کوشش سے فی الجملہ ملک کی حالت کسی قدر سنبھلی' لیکن کلیسا کے اقتدار کو ہاتھ لگانا اس کا ایسا جرم تھا کہ اسے اہل کلیسا کسی طرح معاف نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے سارے پادری اس کے خلاف ہو گئے۔ وٹیزا نے ان کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا اور ان کا زور توڑنے کے لیے نہایت سخت قوانین جاری کیے۔

یہودیوں کے ساتھ مراعات عیسائی گناہ تصور کرتے تھے' اس لیے پادریوں نے اس کو آڑ بنا کر رعایا اور امرا کو بھی وٹیزا کے خلاف کر دیا اور انہیں ملا کر وٹیزا کو معزول کر کے ایک بوڑھے تجربہ کار فوجی افسر راڈرک (لزریق) کو جسے شاہی خاندان سے تعلق نہ تھا' تخت نشین کیا' یہ بڑا تجربہ کار اور عاقبت اندیش تھا۔ اس نے کلیسا کی حمایت کرنے کے لیے پادریوں کے اختیارات کو بحال کر دیا۔ [1]

گاتھ فرمانرواؤں میں دستور تھا کہ ان کے امرا اور جاگیرداروں کے لڑکے دربار شاہی میں اور لڑکیاں ملکہ کی زیر نگرانی محل سرا میں پرورش پاتی اور تعلیم وتربیت حاصل کرتی تھیں۔ اس سے اصل

[1] اخبار الاندلس ترجمہ ہسٹری آف دی مورس اسپائرن یورپ ایس پی اسکاٹ ملخصاً۔

مقصد یہ تھا کہ ان کی جان کے خوف سے ان کے والدین میں بغاوت اور سرکشی کا خیال نہ پیدا ہو سکے۔ اس دستور کے مطابق ایک یونانی سردار کاؤنٹ جولین (یلیان) والی سبتہ کی لڑکی بھی راڈرک کے محل میں تھی۔ یہ بڑی حسین وجمیل تھی۔ راڈرک اس پر فریفتہ ہو گیا اور زبردستی اسے اپنے تصرف میں لے آیا۔ لڑکی نے باپ کو اطلاع دی۔ اس بے عزتی پر کاؤنٹ جولین راڈرک کا دشمن ہو گیا اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کا تہیہ کر لیا [1] اس زمانے میں اندلس کے قریب ہی شمالی افریقہ میں مسلمانوں کی تازہ دم قوت نشوونما پا رہی تھی۔ خود اس کے دارالحکومت سبتہ پر بھی مسلمانوں کا حملہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس کو مسلمانوں کی قوت کا پورا اندازہ تھا۔

کاؤنٹ جولین یونانی تھا۔ اس کا اصل تعلق قسطنطنیہ کی حکومت سے تھا' لیکن شمالی افریقہ سے قیصر کی حکومت ختم ہونے کے بعد حکومت اندلس سے اس کا تعلق قائم ہو گیا تھا۔ اس لیے اس کو اندلس سے کوئی ہمدردی بھی نہ تھی' چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر والی شمالی افریقہ یا اس کے ماتحت امیر طارق بن زیاد والی طنجہ کو خط کے ذریعہ اسپین پر حملہ کی دعوت دی' پھر خود موسیٰ سے ملا اور اندلس کی سرسبزی' شادابی' تمول وثروت اور حکومت کی اندرونی کمزوریوں کو بتا کر حملہ کے لیے آمادہ کیا اور اس مہم میں ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔ موسیٰ نے ولید کو لکھ کر اس سے اجازت چاہی۔ اس نے جواب دیا کہ ''بغیر تجربہ کے مسلمانوں کو متلاطم سمندر کے خطرات میں پھنسانا مناسب نہیں ہے۔ پہلے وہاں کے حالات معلوم کرو''۔ اس نے جواب دیا کہ ''سمندر نہیں بلکہ معمولی خلیج ہے' اس پار سے چیزیں صاف نظر آتی ہیں۔'' اس اطلاع پر ولید نے اجازت دے دی اور موسیٰ نے سب سے پہلے ۹۱ھ میں اپنے ایک غلام طریف بن مالک کو پانچ سو کی جماعت کے ساتھ حالات کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا۔ اس نے آ بنائے کو عبور کر کے بعض جزیروں اور ساحلی شہروں پر حملہ کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اور صحیح وسالم واپس آیا۔ [2]

اس کی واپسی کے بعد دوبارہ ۹۲ھ میں موسیٰ نے اپنے غلام طارق بن زیاد کو سات ہزار بربری فوج کے ساتھ کاؤنٹ جولین کی راہنمائی میں بھیجا۔ یہ فوج چار جہازوں پر روانہ ہوئی اور طارق آ بنائے عبور کر کے جبل الطارق (جبرالٹر) پر اترا۔ اتفاق سے اس وقت ایک گاتھ جاگیردار اور تھیوڈومیر (تدمیر) صوبہ دار مرسیہ اس نواح میں موجود تھا۔ ایک اجنبی اور نامعلوم جماعت کو دیکھ کر وہ فوراً بڑھا۔ جبرالٹر کے قریب ہی دونوں میں مقابلہ ہوا۔ تھیوڈومیر نے فاش شکست کھائی۔ اس شکست سے وہ اس

---

[1] یہ واقعہ افتتاح الاندلس ابن قوطیہ قرطبی وفتح الطیب وغیرہ تمام عربی تاریخوں میں ہے۔ اسکاٹ نے بھی اپنی تاریخ میں اسی واقعہ کو اسپین پر حملہ کا سبب بتایا ہے۔ ج۔ا' ص ۲۱۰۔

[2] افتتاح الاندلس ابن قوطیہ قرطبی ص۔ ۸' وفتح الطیب ج۔ا' ص ۱۰۶۔

قدر خوفزدہ ہوا کہ راڈرک کو ان الفاظ میں اطلاع دی کہ ''ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے کہ نہ ان کا وطن معلوم ہے نہ اصلیت کہ کہاں سے آئے ہیں' زمین سے نکلے ہیں یا آسمان سے اترے ہیں''۔ راڈرک اس وقت ایک مہم کے سلسلے میں بلبونہ میں مقیم تھا۔ یہ اطلاع پا کر بلبونہ کی مہم ملتوی کر کے فوراً ایک لاکھ فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اسپین کے تمام بڑے بڑے امرا جاگیردار شاہی خاندان کے ارکان کی آمد کی خبر سن کر طارق نے موسیٰ بن نصیر سے مزید امدادی فوجیں مانگ بھیجی تھیں۔ اس نے پانچ ہزار سپاہ اور بھیج دی۔ اب مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی تھی۔ راڈرک سیدھا قادس آیا۔ وادی لکہ یا وادی بکہ میں دریا کے کنارے دونوں کا سامنا ہوا۔ [1] طارق نے مجاہدین کے سامنے یہ ولولہ انگیز تقریر کی۔ [2]

''امابعد لوگو! میدان جنگ سے اب کوئی مفر کی صورت نہیں ہے۔ آگے دشمن ہے اور پیچھے دریا۔ اللہ ذوالجلال کی قسم! صرف پامردی اور استقلال میں نجات ہے۔ یہی وہ فتح مند فوجیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں۔ اگر یہ دونوں باتیں موجود ہیں تو تعداد کی قلت سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور بزدلی' کاہلی' سستی' نامردی' اختلاف اور غرور کے ساتھ تعداد کی کثرت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

لوگو! میری تقلید کرو' اگر میں حملہ کروں تو تم بھی حملہ آور ہو جاؤ اور جب میں رک جاؤں تو تم بھی رک جاؤ' جنگ کے وقت سب مل کر ایک جسم بن جاؤ' میں اس سرکش (راڈرک) پر حملہ کر کے دست بدست مقابلہ کروں گا' اگر میں اس حملہ میں مارا جاؤں تو تم رنج و غم نہ کرنا اور میرے بعد آپس میں جھگڑ کر لڑنا نہ بیٹھنا' اس سے تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر دو گے اور قتل و گرفتار ہو کر برباد ہو جاؤ گے۔

خبردار! ذلت پر راضی نہ ہونا اور اپنے کو دشمن کے حوالے نہ کرنا' اللہ تعالیٰ نے مشقت اور جفاکشی کے ذریعے دنیا میں تمہارے لیے جو عزت و شرف اور راحت اور آخرت میں شہادت کا جو ثواب مقدر کیا ہے' اس کی طرف بڑھو۔ اللہ کی پناہ اور حمایت کے باوجود اگر تم ذلت پر راضی ہو گئے تو بڑے گھاٹے میں رہو گے۔ دوسرے مسلمان الگ تم کو برے الفاظ سے یاد کریں گے' جیسے ہی میں حملہ کروں تم بھی حملہ آور ہو جاؤ۔''

---

[1] مجموعہ اخبار فتح اندلس ص۔ ۷' و نفح الطیب ج۔ ۱' ص ۱۰۷۔

[2] نفح الطیب میں یہ تقریر کسی قدر مختلف ہے' ہم نے سب سے قدیم ماخذ کتاب الامامۃ والسیاسہ سے نقل کی ہے۔ ج۔ ۲ ص ۶۰۔

دوسرے دن دریائے گواڈلیٹ کے کنارے مقابلہ ہوا۔ راڈرک بڑی شان سے مقابلہ میں آیا۔ وہ خود فوج کے آگے تخت رواں پر سوار تھا۔ سر پر چتر شاہی سایہ فگن اور جلو میں مسلح گارڈ اور انسانوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ میدان میں آنے کے ساتھ ہی اس نے حملہ کر دیا۔ مسلمان بھی مقابلہ میں آ گئے اور جنگ شروع ہوگئی۔ دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ ایک طرف ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ ایک لاکھ فوج تھی جس میں اسپین بھر کے نامور بہادر اور جاگیردار تھے۔ اپنا ملک تھا' سامان رسد کی فراوانی تھی' ہر طرح کے ذرائع مہیا تھے' بادشاہ وقت خود کمان کر رہا تھا۔ دوسری طرف اپنے ملک سے دور بارہ ہزار پردیسی تھے' جن کے لیے اندلس بالکل اجنبی مقام تھا۔ نہ ان کے پاس ترقی یافتہ اسلحہ تھا' نہ سامان رسد کے ذرائع' لیکن معنوی اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق تھا۔ بارہ ہزار مسلمان ایک مقصد کے لیے متحد تھے اور ان کا ہر فرد جام شہادت کے لیے بے تاب تھا۔ اس کے برعکس اسپینیوں میں پھوٹ تھی' گو راڈرک کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی' لیکن وہ شاہی خاندان سے نہ تھا' اس لیے اسپین کے اکثر شرفا و عمائد اور خاندان شاہی کے افراد اس کے خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عرب طریف بن مالک کی طرح لوٹ مار کر کے نکل جائیں گے اور ان کے ذریعہ انہیں راڈرک کے تسلط سے نجات مل جائے گی۔ اس لیے انہوں نے راڈرک سے رہائی حاصل کرنے کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور عین میدان جنگ میں اندلس کے سابق گاتھ فرمانروا وٹیزا کے لڑکے جن کے ہاتھ میں میمنہ اور میسرہ کی کمان تھی' پسپا ہو گئے۔ راڈرک کی قوت کا مدار امرا اور جاگیرداروں پر تھا۔ اس لیے ان کے الگ ہو جانے کے بعد اس نے نہایت فاش شکست کھائی [1] اور ایسا لاپتہ ہوا کہ آج تک تاریخ اس کا انجام بتانے سے قاصر ہے۔ اس کا حلہ اور موزہ دریا کے کنارے ملا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ ڈوب گیا۔ گھوڑے کا ساز مرصع تھا۔ زین پر یاقوت و زبرجد جڑے تھے' حلہ بھی بیش قیمت جواہرات سے مرصع تھا۔ شکست خوردہ اندلسی بھاگ کر استجہ میں جمع ہوئے تھے۔ اس لیے طارق وادی لکہ سے استجہ پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے فوج کے ساتھ مل کر نہایت سخت مقابلہ کیا۔ بہت سے مسلمانوں کی قربانی کے بعد یہ مہم بھی سر ہوئی اور استجہ والوں نے بھی شکست کھائی۔ اب تک اسپینی اس غلط فہمی میں تھے کہ طریف کی طرح طارق بھی لوٹ مار کر واپس چلا جائے گا' لیکن اس کا عزم دیکھ کر اور مسلسل دو شکستوں سے وہ اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ کھلے میدانوں کو چھوڑ کر پہاڑی علاقوں میں چلے گئے اور امرا اور عمائد کے پایہ تخت طلیطلہ میں پناہ لی۔ کاؤنٹ جولین نے جو برابر طارق کے ساتھ تھا اور ہر قسم کی مدد کر رہا تھا' استجہ کے معرکہ کے بعد اس کو مشورہ دیا کہ اس وقت اندلسیوں کے دل پر رعب چھایا ہوا ہے'

---

[1] مجموعہ اخبار فتح اندلس ص۔ ۹۔ ۱۰ و نفح الطیب ج۔ ۱' ص ۱۲۲۔

انہیں زیر کرنے کا یہی موقع ہے۔ قبل اس کے کہ وہ آئندہ کے متعلق آپس میں مشورہ کریں' تمام صوبوں میں فوجیں پھیلا دیجئے اور پایہ تخت پر آپ خود فوج کشی کیجئے۔ اس مشورہ کے ساتھ ہی اس نے اندلس کے جغرافیہ اور حالات سے باخبر اور معتمد علیہ رہنما بھی دیئے۔ یہ مشورہ مفید تھا۔ اس لیے طارق نے فوراً قرطبہ' غرناطہ' مالقہ' تدمیر (مرسیہ) وغیرہ تمام اہم صوبوں میں الگ الگ فوجیں روانہ کیں۔ [1]

قرطبہ پر قبضہ

پایہ تخت طلیطلہ کے بعد دوسرا اہم صوبہ قرطبہ کا تھا۔ اس کی مہم ولید کے ایک تجربہ کار غلام مغیث رومی کے سپرد ہوئی۔ قرطبہ کے قریب پہنچ کر اس نے فوج کو ترائی کی جھاڑی میں چھپا دیا اور راہنماؤں کے آگے تحقیقات کے لیے روانہ کیا۔ ایک چرواہے سے معلوم ہوا کہ تمام شہر کے عمائد شہر چھوڑ کر طلیطلہ چلے گئے ہیں۔ صرف صوبہ دار شہریوں اور چند سو سپاہیوں کے ساتھ رہ گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرطبہ کی شہر پناہ بڑی سنگین و مستحکم ہے۔ یہ حالات معلوم ہونے کے بعد مسلمان شب کی تاریکی میں قرطبہ کی طرف بڑھے اور شہر کے قریب دریا کو عبور کر کے فصیل تک پہنچ گئے۔ اتفاق سے بارش ہوگئی تھی' موسم سرد تھا' شہر پناہ کے محافظ کونوں میں بے خبر پڑے سو رہے تھے' مغیث نے گھوم پھر کر شہر پناہ کو دیکھا۔ کہیں سے کوئی راستہ نہ ملا۔ ایک مقام پر ایک روزن نظر آیا۔ اس کے پاس ہی ایک اونچا درخت تھا۔ چند مسلمان پگڑیوں کی کمند بنا کر درخت کے سہارے شہر پناہ کے اوپر پہنچ گئے اور نیچے اتر کر محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیئے' باہر فوج منتظر کھڑی تھی۔ وہ ریلا کر کے اندر داخل ہوگئی اور مسلمان سیدھے قصر حکومت کی طرف بڑھے۔ حاکم شہر کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی۔ اس لیے اس نے محل چھوڑ کر شہر کے مغربی حصہ کے ایک کنیسہ میں پناہ لی۔ یہ کنیسہ خود ایک سنگین قلعہ تھا۔ مغیث نے قصر حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد کنیسہ کا محاصرہ کر لیا۔ تین مہینے تک کامل محاصرہ قائم رہا' لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ مغیث نے وہ نہر جس کے ذریعہ سے قلعہ میں پانی جاتا تھا' بند کر دی۔ اس سے محصورین بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگئے۔ پھر بھی سپر ڈالنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے' لیکن حاکم شہر حالت کا اندازہ کر کے ایک شب کو تنہا نکل گیا۔ مغیث کو اس کی اطلاع ہوگئی۔ اس نے تعاقب کیا۔ حاکم نے گھوڑا سرپٹ ڈال دیا' مگر ایک نالہ پھاندنے میں گھوڑا گر کر زخمی ہوگیا' مغیث نے پہنچ کر گرفتار کر لیا۔ اس کو گرفتار کرنے کے بعد مغیث نے اہل قلعہ کو مجبور کر کے سپر ڈلوا دی اور قرطبہ پر مکمل قبضہ ہوگیا۔ قرطبہ کے صوبہ میں یہودیوں کی بڑی آبادی تھی۔ یہ سب

---

[1] مجموعہ اخبار فتح اندلس ص۔ ۹' ۱۰ اور فتح الطیب ج۔ ۱' ص ۱۲۲۔

عیسائیوں کے ساتھ دلی عناد رکھتے تھے۔ مغیث نے ان کی ریشہ دوانیوں کے سد باب کے لیے یہودیوں کو جمع کر کے شہر قرطبہ میں بسایا۔ ❶

تدمیر کی صلح

دوسرا اہم صوبہ تدمیر (مرسیہ) تھا' جو اپنے صوبہ دار تھیوڈومیر کی نسبت سے تدمیر کہلاتا تھا۔ تھیوڈومیر اندلس کے صوبہ داروں میں سب میں ممتاز نامور اور بہادر تھا۔ اس کا مرکز حکومت بڑا مستحکم اور سنگین شہر تھا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ استجہ کے معرکہ کے بعد طارق نے ہر صوبہ میں الگ الگ فوجیں بھیجی تھیں' چنانچہ اسلامی فوج جب تدمیر پہنچی تو تھیوڈومیر نے بڑی شجاعت سے اس کا مقابلہ کیا' لیکن مسلمانوں کی جانبازی کے مقابلہ میں اس کی شجاعت کام نہ آ سکی اور اس نے نہایت فاش شکست کھائی۔ اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور وہ بقیۃ السیف مختصر جماعت کو لے کر کے قلعہ میں چلا آیا اور مسلمانوں سے اپنی کمزوری چھپانے کے لیے عورتوں کو فوجی لباس پہنا کر اسلحہ سے آراستہ کر کے قلعہ کی فصیل پر کھڑا کر دیا۔ دور سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے مسلمان دھوکہ میں آ کر صلح کے لیے تیار ہو گئے۔ تھیوڈومیر یہی چاہتا تھا' چنانچہ وہ خود قاصد کے لباس میں گفتگو کے لیے آیا اور صلح ہو جانے کے بعد اپنے کو ظاہر کیا اور صلح کے مطابق مسلمانوں کو شہر میں لے گیا یہاں ان کو عورتوں اور لڑکوں کے علاوہ کوئی مصافی آبادی نظر نہ آئی۔ اس وقت مسلمانوں کو صلح پر بڑی پشیمانی ہوئی' لیکن اب صلح ہو چکی تھی' اس لیے مجبور تھے۔ ❷

پایہ تخت طلیطلہ پر قبضہ

اوپر گزر چکا ہے کہ طلیطلہ پر خود طارق نے فوج کشی کی تھی۔ طلیطلہ گاتھ فرمانرواؤں کا پایہ تخت تھا۔ یہاں ان کا خزانہ' ان کی دولت اور ان کے عجائب روزگار نوادر کے ذخیرے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کا رخ دیکھ کر جہاں تک اہل طلیطلہ سے ہو سکا یہاں کی دولت اور ذخیرے دوسرے مقاموں پر منتقل کر دیئے اور مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی شہر چھوڑ کر جبل شارات کی پشت پر دوسرے شہر میں چلے گئے اور طارق جس وقت پہنچا شہر بالکل خالی ہو چکا تھا۔ اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی اور بغیر کشت وخون کے طلیطلہ پر قبضہ ہو گیا۔ طارق نے حسب معمول یہاں بھی یہودیوں کو لا کر بسایا اور مسلمانوں کی ایک چوکی بھی قائم کر دی۔ ❸

---

❶ مجموعہ اخبار فتح الاندلس ص ۹' ۱۰ و نفح الطیب ج اول۔ ❷ مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۱۲' ۱۳ و نفح الطیب ج ۱' ص ۱۲۴۔ ❸ اخبار افتتاح اندلس ص ۱۴ و نفح الطیب ج ۱' ص ۱۲۴۔

گاتھ فرمانرواؤں میں یہ دستور تھا کہ جو بادشاہ مرتا تھا' اس کے تاج پر بادشاہ کا نام' عمر' سنہ جلوس اور مدت حکومت لکھ کر محفوظ کر دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے طلیطلہ میں داخلہ کے وقت اس قسم کے چوبیس تاج بیت الملوک میں محفوظ تھے۔ یہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ [1] ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ اندلس آنے کے بعد خود موسیٰ بن نصیر نے طلیطلہ کو فتح کیا' لیکن اور سب مؤرخین اس کے خلاف ہیں۔

مدینۃ المائدہ

طلیطلہ کی حفاظت کا انتظام کرنے کے بعد طارق اہل طلیطلہ کی تلاش میں روانہ ہوا اور وادی الحجارہ کو طے کر کے جبل الشارات کے اس پار مدینۃ المائدہ پہنچا۔ [2] یہاں اس کو ایک میز [3] جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب تھا' ملا۔ یہ میز خالص سونے کا اور اتنا بڑا تھا کہ ۳۶۵ پائے تھے اور زبرجد' یاقوت وغیرہ بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھا۔

موسیٰ بن نصیر کا ورود اندلس

---

[1] کتاب الامامہ والسیاسہ ج۔۲' ص ۶۱۔

[2] عربی کتابوں میں مدینۃ المائدہ کا نام ہے لیکن اندلس کے پرانے اور نئے جغرافیہ میں کہیں اس نام کے شہر اور اس کے محل وقوع کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لیے ایک خیال یہ ہے کہ اس نام کا کوئی شہر ہی نہ تھا' بلکہ یہ میز طلیطلہ کے گرجے میں تھا۔ یہاں کے باشندوں نے دوسرے قیمتی ذخائر کے ساتھ اسے بھی دوسرے مقام پر منتقل کر دینا چاہا مگر وہ راستہ ہی میں تھے کہ مسلمانوں نے چھین لیا اور اس مقام کا نام مدینۃ المائدہ یعنی میز کا شہر رکھ دیا۔ مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی نے مختلف بیانوں کی روشنی میں مدینۃ المائدہ کے دو محل وقوع متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک طلیطلہ سے سوا سو میل کی مسافت پر وادی الحجارہ کے آگے' جبل شارات کے اس پار۔ دوسرے جبل شارات کے اس طرف قلعۃ النہر کے قریب طلیطلہ سے پچپن میل کے فاصلہ پر۔ جغرافیہ اندلس مرتبہ مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی ص ۴۶۵۔

[3] اس میز کی تاریخ کے بارے میں دو بیانات ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اندلس کے قدیم حکمرانوں کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جو صاحب ثروت مرتا تھا وہ اپنے متروکہ میں کنیسہ کے لیے بھی وصیت کر جاتا تھا۔ اس سے جو دولت جمع ہوتی تھی' اس سے کنیسہ کیلئے سونا چاندی کی کرسیاں' میز اور اس قسم کی دوسری چیزیں بنوائی جاتی تھیں اور مذہبی مراسم کے موقعوں پر ان پر انجیل مقدس رکھی جاتی تھی' اور مذہبی تہواروں میں قربان گاہ کی آرائش کے کام میں آتی تھی۔ یہ میز اس قسم کے مال سے طلیطلہ کے گرجے کی قربان گاہ کیلئے بنایا گیا تھا۔ (نفح الطیب جلد اول ص۔ ۱۲۷' ۱۲۸) یہودیوں میں اس میز کے متعلق یہ روایت تھی کہ وہ بیت المقدس میں حضرت سلیمان کے معبد میں تھا۔ اروما نے جب بیت المقدس کو لوٹا اس وقت یہ میز بیت المقدس سے یورپ آیا پھر کسی طرح عیسائیوں کے ہاتھ میں آ کر اندلس پہنچا۔

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وادی لکہ کے معرکہ سے پہلے طارق نے موسیٰ بن نصیر کو اسپینیوں کی یورش کی اطلاع دے کر امداد طلب کی تھی۔ اس کی اطلاع کے الفاظ یہ تھے کہ ''اسپینی ہر طرف سے امنڈ آئے ہیں اور مجھ میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے''۔ اس اطلاع پر موسیٰ نے فوراً پانچ ہزار فوج بھیج دی تھی' لیکن معرکہ کی اہمیت کے خیال سے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ میں عنقریب پہنچتا ہوں۔ میرے بغیر آئے ہوئے آگے بڑھنے کا قصد نہ کرنا۔ [1] لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ طارق اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔

اس تحریر کے تھوڑے ہی دنوں بعد موسیٰ روانہ ہو گیا تھا اور طلیطلہ کی فتح کے بعد رمضان ۹۳ھ میں وہ اندلس پہنچا۔ یہاں کاؤنٹ جولین کے آدمی راہنمائی کے لیے موجود تھے۔ موسیٰ اپنے کارنامے دکھانے کے لیے نیا میدان چاہتا تھا۔ اس لیے رہنماؤں کے مشورے سے طارق کے مفتوحہ علاقہ کو چھوڑ کر صوبہ شذونہ کو عبور کرتا ہوا قرمونہ کی طرف بڑھا۔

قرمونہ پر قبضہ

یہ استحکام اور مضبوطی کے لحاظ سے اندلس بھر میں ممتاز شہر تھا اور اس کا فتح کرنا بہت دشوار تھا۔ کاؤنٹ جولین کے راہنماؤں نے یہ تدبیر کی کہ انہوں نے قرمونہ جا کر اپنے کو شکست خوردہ اسپینی ظاہر کیا۔ اہل قرمونہ نے انہیں پناہ دی۔ انہوں نے رات کو شہر پناہ کے پھاٹک کھول دیئے۔ موسیٰ بن نصیر منتظر ہی تھا' وہ پھاٹک کھلتے ہی مع فوج کے شہر میں داخل ہو گیا اور بغیر کشت وخون کے قرمونہ پر قبضہ ہو گیا۔ [2]

اشبیلیہ کی فتح

قرمونہ کی فتح کے بعد صوبہ اشبیلیہ کا رخ کیا۔ اس کا دارالسلطنت اشبیلیہ بڑا قدیم اور تاریخی شہر تھا۔ گاتھ خاندان سے پہلے مدتوں دارالسلطنت رہ چکا تھا' اور یہاں بہت سے آثار قدیمہ اور پرانی شاندار عمارتیں تھیں۔ اسپین کے مذہبی پیشوا اور علما یہیں رہتے تھے۔ اس لیے اسے مذہبی مرکزیت بھی حاصل تھی۔ موسیٰ نے ایک مہینہ محاصرہ کے بعد اسے فتح کیا۔

ماردہ کا معرکہ اور اس کی تسخیر

---

[1] کتاب الامامہ والسیاسہ ج۔۲' ص۔۶۰ و نفح الطیب ج اول۔

[2] نفح الطیب ج۔۱' ص ۱۲۶۔

اشبیلیہ سے صوبہ بطلیوس پہنچے اور اس کے تاریخی شہر ماردہ کا محاصرہ کیا۔ یہ اپنی قدامت اور عظمت وشان کے لحاظ سے اندلس کا سب سے ممتاز شہر تھا اور یہ بھی ایک زمانہ میں اندلس کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ اس لیے یہاں بھی بکثرت قدیم آثار' محلات اور بڑے کنیسے اور پل تھے' شہر کے گرد نہایت سنگین شہر پناہ تھی۔

اہل ماردہ بڑے بہادر اور جنگ آزما تھے۔ انہوں نے شہر سے نکل کر بڑی شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ کئی خونریز معرکے ہوئے' جن میں مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچا اور ماردہ والوں نے انہیں آگے نہ بڑھنے دیا۔ یہ لوگ روزانہ شہر سے نکل کر لڑتے تھے اور شام کو واپس چلے جاتے تھے۔ ایک شب کو مسلمانوں نے تھوڑی سی فوج کمین گاہوں میں چھپادی۔ صبح کو جیسے ہی اہل ماردہ نکلے اور مقابلہ شروع ہوا' دفعۃً کمین گاہوں کی فوج نکل کر ٹوٹ پڑی۔ اہل ماردہ اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی اور وہ پسپا ہو کر شہر میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد وہ باہر نہ نکلے اور قلعہ بند ہو کر لڑنا شروع کیا۔ اہل ماردہ قلعہ کے اندر تھے۔ اس لیے مسلمانوں کا زور نہ چلتا تھا۔ آخر میں موسیٰ نے دبابہ بنوایا اور اس کی آڑ لے کر فصیل تک پہنچ گئے' اور ایک برج کے نیچے دیوار توڑنا شروع کی' لیکن وہ اتنی سنگین تھی کہ سارے قلعہ شکن آلات بے کار ہو گئے۔ اسی دوران میں اہل ماردہ نے دفعۃً حملہ کر دیا۔ مسلمان بالکل غافل تھے۔ اس لیے وہ پورا جواب نہ دے سکے اور ان کی بڑی تعداد کام آئی۔ اس واقعہ کی یادگار میں اس برج کا نام ہی برج شہدا پڑ گیا۔

اس معرکہ میں مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچا' مگر ان کی ہمت پست نہ ہوئی اور موسیٰ نے اہل ماردہ کو صلح کا پیغام دیا۔ وہ بھی مدافعت کرتے کرتے تھک چکے تھے' اسے غنیمت سمجھ کر قبول کر لیا اور مصالحت کے بعد شہر کے پھاٹک کھول دیئے' اور شوال ۹۴ھ میں موسیٰ مصالحانہ ماردہ میں داخل ہو گیا۔ اس مصالحت کی رو سے شہر کے باہر کے معرکہ میں جس قدر اہل ماردہ مارے گئے یا جو جلیقیہ بھاگ گئے تھے' ان سب کا مال اور شہر کے کنیسوں کی کل دولت اور زیورات مسلمانوں کو ملے۔ [1]

اشبیلیہ کی بغاوت

ماردہ کی مہم میں مشغولیت کے زمانہ میں اہل اشبیلیہ باغی ہو گئے اور باجہ اور لبلہ کے باشندوں کے ساتھ مل کر اسی مسلمان شہید کر ڈالے۔ باغی بھاگ کر ماردہ پہنچے۔ موسیٰ نے فوراً اپنے لڑکے عبدالعزیز کو اشبیلیہ روانہ کیا۔ اس نے اشبیلیہ پر دوبارہ قبضہ کر کے باغیوں کو قتل کیا۔ اشبیلیہ کے بعد

[1] مجموعہ اخبار فتح اندلس ص۔ ۱۶ تا ۱۸ اور نفح الطیب ج۔ ۱' ص ۱۲۶' ۱۲۷۔

لبلہ فتح کیا۔ اس سے اندلسیوں پر بڑی دھاک بیٹھ گئی۔

طارق اور موسیٰ کی ملاقات اور شمالی اندلس کی فتوحات

ماردہ فتح کرنے کے بعد موسیٰ طلیطلہ روانہ ہوگیا۔ دوسری طرف سے طارق آرہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کوہ طلبیرہ میں موسیٰ کا استقبال کیا۔ موسیٰ طارق کی حکم عدولی پر اس سے برہم تھا۔ [1] لیکن پھر معمولی تنبیہ پر راضی ہوگیا۔ اصطلح مع طارق و اظهر الرضاعنه. [2] اور اس کے ساتھ طلیطلہ جا کر مال غنیمت کا جائزہ لیا۔ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق طلیطلہ کی فتح میں اتنا سونا چاندی اور مختلف قسم کا دوسرا ساز وسامان ملا تھا کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی میں شاہان گاتھ کے تاج بھی تھے۔ [3] طلیطلہ پہنچنے کے بعد موسیٰ نے اندلس کے باقی حصوں پر فوج کشی کے انتظامات کیے اور طارق کو مقدمۃ الجیش کے طور پر شمالی اسپین کے سمت آگے روانہ کر دیا اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ تاریخوں میں موسیٰ کے طلیطلہ پہنچنے تک کے واقعات سلسلہ وار ہیں' لیکن اس کے بعد تفصیل و ترتیب نہیں قائم رہتی۔ بہر حال دونوں سپہ سالار طلیطلہ سے آگے پیچھے روانہ ہوئے اور طلیطلہ سے سرقوسہ تک کا علاقہ فتح کر ڈالا۔ مقری کا بیان ہے کہ اندلسیوں پر مسلمانوں کی اتنی ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ ان کو کوئی روکنے والا نہ تھا۔ طارق جدھر رخ کرتا تھا' فتح و کامرانی ہمرکاب چلتی تھی۔ اندلسی خود پیش قدمی کر کے مصالحت کرتے تھے۔ وہ آگے آگے فتح کرتا جاتا تھا اور موسیٰ پیچھے پیچھے صلح ناموں اور معاہدوں کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔ [4]

شمال مشرقی اندلس کی فتح

سرقوسہ فتح کرنے کے بعد مسلمان شمالی اندلس میں پھیل گئے اور بحر متوسط کے ساحل پر برشلونہ فتح کرتے ہوئے فرانس کی سرحد دریائے روڈنہ تک پہنچ گئے اور اربونہ (NARBONNE) حصن ابیون (اوی لون) اور حصن لوڈون (LYONS) فتح کیے۔

اہل فرانس سے مقابلہ

اسپین کے انجام نے اہل فرانس کو چونکا دیا تھا۔ اس لیے حدود فرانس [5] میں مسلمانوں کی

---

[1] اوپر گذر چکا ہے کہ وادی لکہ کے معرکہ کے بعد طارق نے موسیٰ سے مدد طلب کی تھی۔ اس نے پانچ ہزار فوج بھیج کر لکھ دیا تھا کہ میرے آئے بغیر آگے نہ بڑھنا' لیکن حالات ایسے تھے کہ طارق اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا تھا۔

[2] نفح الطیب ج۔۱' ص ۱۳۸۔ [3] کتاب الامامۃ والسیاسہ ج۔۲' ص ۶۱۔

[4] نفح الطیب ج۔۱' ص ۱۳۸۔ [5] عربی تاریخوں میں ارض الکبیر اور افرنجہ کا لفظ ہے جس سے مراد جبل البرانس کے اس پار کے تمام یورپین ملک ہیں' لیکن اس موقع پر اس سے مراد اندلس سے ملا ہوا فرانس کا علاقہ ہے۔

پیش قدمی سے ان میں بڑی بے چینی پھیل گئی اور بادشاہ قارلہ [1] ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کو روکنے کے لیے بڑھا۔ مسلمان اس وقت حصن لوڈون تک پہنچ چکے تھے' لیکن ان کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی۔ اس لیے قارلہ کی فوجوں کی کثرت کا حال سن کر وہ اربونہ لوٹ گئے اور اس کے قریب ہی ایک پہاڑ پر خیمہ زن ہوئے۔ ابھی وہ اربونہ میں داخل نہ ہوئے تھے کہ قارلہ دفعۃً پہنچ گیا۔ مسلمانوں کو اس کی نقل وحرکت کی خبر نہ تھی اور انہیں اس حملہ کا خیال بھی نہ تھا' تاہم انہوں نے مقابلہ کیا' لیکن پہلے سے تیار نہ تھے' اس لیے بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور کچھ لڑتے بھڑتے نکل گئے اور اربونہ میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ قارلہ نے محاصرہ کر لیا۔ اربونہ بہت مضبوط شہر تھا' اس لیے قارلہ کو کامیابی نہ ہوئی اور محاصرہ کے دوران میں اس کے بہت سے آدمی ضائع ہوئے۔ مسلمانوں کی مدد آ جانے کا بھی خطرہ تھا' اس لیے چند دنوں کے بعد محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا اور وادی روڈنہ میں قلعہ و چھاؤنیاں قائم کر کے فوجیں متعین کر دیں کہ مسلمان فرانس کی حدود کی طرف نہ بڑھ سکیں۔

مغربی صوبوں کی فتوحات

شمالی اندلس کو فتح کرنے کے بعد موسیٰ خلیج بشکنس کے کنارے کنارے شمال مغربی صوبوں بشکنس' استورنس اور جلیقیہ کی طرف بڑھا۔ یہ پورا علاقہ پہاڑی تھا۔ اس کی تفصیل نہیں معلوم ہوتی کہ ان صوبوں میں اس نے کون کون سے مقام فتح کیے۔ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بشکنس میں بڑے خونریز معرکے ہوئے اور ان سب میں مسلمانوں کو فتح و کامیابی ہوئی۔ [2]

استورنس اور جلیقیہ کے بعض حصے بھی فتح ہوئے۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ جلیقیہ والوں نے آگے بڑھ کر اطاعت قبول کر لی تھی۔ بہرحال اس فوج کشی میں پورا شمال مغربی علاقہ مطیع ہو گیا اور سب نے جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔

موسیٰ کی واپسی

جس زمانہ میں موسیٰ شمالی اندلس میں تھا' اسی زمانہ میں واپسی کے لیے ولید کا حکم پہنچ گیا تھا'

---

[1] یہ غالباً چارلس مائل کی تعریب ہے' اس لیے کہ اس زمانہ میں یہی فرانس کے تخت پر تھا' لیکن عام تاریخوں کے بیان کے مطابق چارلس اور مسلمانوں کا پہلا مقابلہ ۱۱۴ھ مطابق ۷۳۲ء میں ہوا۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت پہلے طارق ہی سے ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قارلہ فرانس کی جنوبی سرحد پر چارلس مائل کا کوئی صوبہ دار یا حاکم رہا ہو' بہرحال اتنا یقینی ہے کہ مسلمان فرانس کے حدود میں سب سے پہلے اسی زمانہ میں داخل ہوئے۔

[2] کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج۔۲' ص ۶۴' ۶۵۔

لیکن ابھی اندلس کے مغربی صوبے باقی تھے' اس لیے وہ واپس نہ ہوا اور ان صوبوں کی مہم میں مشغول ہو گیا۔ اسی دوران میں دوسرا حکم پہنچا' چنانچہ اس مہم سے فراغت کے بعد ۹۴ھ میں وہ اپنے لڑکے عبدالعزیز کو اندلس میں اپنا نائب بنا کر شام گیا۔

مال غنیمت کی فراوانی

اندلس دولت وثروت کا خزانہ تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ سارے ملک میں سونے چاندی کے دریا بہتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو یہاں سے بیشمار مال غنیمت حاصل ہوا۔ موسیٰ نے ولید کو اندلس کی فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت کی فراوانی کی اطلاع دی تھی کہ امیر المؤمنین یہ فتوح نہیں بلکہ حشر ہے۔ [1] سونے چاندی اور جواہرات کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ نقد کے علاوہ بہت سے عجائب روزگار نوادر ہاتھ آئے تھے۔ ان میں سب سے معمولی ایک فرش تھا' جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا اور یاقوت وزبرجد اور دوسرے قیمتی جواہرات اور بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھا۔ دوسرے نوادر کے مقابلہ میں یہ اتنا کم حیثیت تھا کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہ تھی۔ موسیٰ جس وقت اندلس سے نکلا ہے اس کے ساتھ تیس ہزار لونڈی' غلام' گاتھ فرمانرواؤں کے چوبیس تاج' مائدہ سلیمانی' سونے چاندی کے ظروف' جواہرات کے ذخیرے اور بے شمار عجائب ونوادر تھے۔ [2]

شاہی خاندان کے ساتھ حسن سلوک

اندلس کی فتح کے بعد مسلمانوں نے خاندان شاہی کے ساتھ بڑا شریفانہ سلوک کیا۔ اندلس کے مختلف صوبوں میں آخری گاتھ فرمانروا وٹیزا کی جاگیریں تھیں' جو اندلس کے انقلاب میں اس کے لڑکے المند' ارطباش اور رملہ کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں۔ انہوں نے طارق سے واگزاری کی درخواست کی۔ اس نے موسیٰ سے سفارش کی۔ موسیٰ نے سفارشی خط دے کر انہیں ولید کے پاس شام بھیج دیا۔ ولید نے ان کی بڑی عزت وتوقیر کی۔ انہیں آداب شاہی سے مستثنیٰ کر دیا اور جاگیروں کی واگزاری کا حکم لکھ کر اندلس واپس کر دیا' اور سب کی جاگیریں ان کو واپس مل گئیں اور انہوں نے اشبیلیہ' قرطبہ اور طلیطلہ میں جہاں یہ جاگیریں تھیں' قیام کیا۔ بعد کے خلفا بھی اس کا لحاظ کرتے تھے۔ ہشام کے زمانے میں المند کی موت کے بعد اس کے بھائی ارطباش نے اپنے نابالغ بھتیجوں کی جاگیر

---

[1] کتاب الامامہ والسیاسہ ج۔۲' ص۔۶۳' ۶۴ ونفح الطیب ج۔۱' ص ۱۲۹۔

[2] مال غنیمت کی تفصیل مقری' ابن قتیبہ اور ابن اثیر وغیرہ سب نے لکھی ہے۔

پر قبضہ کرلیا۔ المند کی لڑکی سارہ دونوں بھائیوں کو لے کر شام گئی اور ہشام سے چچا کے ظلم کی فریاد کی۔ ہشام نے اسی وقت حنظلہ بن صفوان والی افریقہ کو حکم لکھ دیا کہ ان کے باپ کی جاگیر ارطباش کے قبضہ سے نکال کر تینوں میں ان کی میراث کے مطابق تقسیم کردی جائے۔ ہشام سارہ کی شکل وصورت اور عقل و دانش سے بہت متاثر ہوا اور اس کی رضامندی سے اس کا عقد عیسیٰ بن مزاحم کے ساتھ کردیا۔ اس رشتہ سے اس خاندان کا تعلق عرب شرفا سے قائم ہوگیا' جس سے اس کو بہت فائدہ پہنچا اور بعد کے تمام امرا و خلفا اس کا لحاظ کرتے رہے۔ عبدالرحمٰن الداخل خاص طور سے سارہ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس کے لیے ہر وقت دربار میں آنے کی اجازت تھی۔ [1]

مسلمہ بن عبدالملک اور عباس بن ولید کی فتوحات شام

مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف قسطنطنیہ کی حکومت تھی۔ خصوصاً شام کی سرحد جہاں جزیرہ کردستان' ارمنستان اور ایشیائے کوچک کی سرحدیں ملتی تھیں۔ دونوں کا نہایت اہم محاذ تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اس کی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا تھا۔ ان کے بعد اندرونی انقلابات کی وجہ سے یہ انتظام قائم نہ رہ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالملک کے زمانہ میں قیصر نے مصیصہ پر حملہ کردیا اور عبدالملک کو روپیہ دے کر اس سے مصالحت کرنی پڑی۔ اس لیے ولید نے پھر یہاں مستقل مورچہ قائم کر کے اپنے بھائی مسلمہ اور لڑکے عباس کو اس کی حفاظت پر متعین کیا۔ انہوں نے اس علاقہ کے بہت سے مقامات جو جنگی نقطہ نظر سے اہم تھے' فتح کیے۔ ۸۷ھ میں مسلمہ نے مصیصہ کے علاقہ میں حصن بولق' حصن اخرم اور حصن بولس فتح کیے۔ [2] پھر ۸۸ھ میں مسلمہ اور عباس نے جزیرہ کے راستہ سے فوج کشی کی۔ طوانہ کے قریب رومیوں کا مقابلہ ہوا۔ پہلے معرکہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی' لیکن پھر عباس کی ہمت و استقلال نے رومیوں کو پسپا کردیا اور وہ طوانہ میں قلعہ بند ہو گئے۔ عباس نے محاصرہ کر کے طوانہ فتح کرلیا۔ [3]

۸۹ھ میں مسلمہ نے حصن عموریہ اور نواح آذربائیجان کے بعض شہر اور عباس نے اروبیہ فتح کیے۔ ۹۰ھ میں مسلمہ نے سوریہ کے پانچ قلعے فتح کیے اور عباس ارمنی علاقہ میں ارزن تک بڑھتے چلے گئے اور باب کے کئی اہم مقام فتح کیے۔ ۹۳ھ میں عباس نے طرسوس اور ۹۴ھ میں انطاکیہ فتح کیا۔ یہ دونوں مقام سرحد شام کے اہم مورچے تھے۔ طرسوس ایشیائے کوچک کی سمت بحر روم کے ساحل پر

---

[1] نفح الطیب ج۔۱' ص ۱۲۴' ۱۲۵۔ [2] ابن خلدون ج ۳' ص ۷۰۔
[3] ابن اثیر ج۔۴' ص ۲۰۳۔

ہے۔۹۵ھ میں مسلمہ نے ایک اور قلعہ فتح کیا۔ ❶

بحر روم کے جزائر پر حملہ اور فتوحات

بحر روم کے ساحل پر خصوصاً شمالی افریقہ میں مسلمانوں کے اتنے مقبوضات تھے کہ بغیر بحری استحکامات کے ان کی حفاظت نہ ہو سکتی تھی۔ شمالی افریقہ کے بربریوں کی اکثر بغاوتوں میں بحر روم کے جزائر کے باشندوں کا بھی ہاتھ ہوتا تھا۔ اس لیے ولید کے زمانے میں ادھر توجہ ہوئی اور ۸۸ھ میں جزیرہ میورقہ اور منورقہ فتح ہوئے۔ ❷

اندلس کی فوج کشی کے سلسلے میں ۹۲ھ میں موسیٰ بن نصیر نے ایک فوج جزیرہ سردانیہ (سارڈینیا) بھیجی۔ یہ جزیرہ صقلیہ کے بعد بحر روم کے تمام جزائر میں نہایت سرسبز و شاداب' دولت مند اور رقبہ میں نہایت وسیع تھا۔ اندلس جیسے وسیع ملک کا انجام دیکھنے کے بعد یہاں کے باشندوں میں مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی' البتہ اپنی کل دولت سمیٹ کر محفوظ کر دی۔ طلائی اور نقرئی سامانوں کو جمع کر کے بندرگاہ کے پایاب حصہ میں ڈبو دیا اور نقد ایک بڑے کلیسا کی دوہری چھت کے درمیان چھپا دیا۔ اتفاق سے ایک مسلمان اس بندرگاہ میں نہا رہا تھا۔ اس کے پاؤں میں کوئی چیز لگی۔ نکال کر دیکھا تو وہ چاندی کا برتن تھا۔ اس کے بعد اس نے اور تلاش کیا تو کل سامان نکل آیا۔ اسی طریقہ سے کلیسا کی نقد دولت کا بھی اتفاقی طور سے پتہ چل گیا۔ ❸ یہ تمام دولت لے کر مسلمان لوٹ گئے۔ اسی زمانہ میں بحر روم کے سب سے بڑے جزیرہ سسلی پر حملہ ہوا۔ ❹

متفرق فتوحات

مذکورہ بالا اہم فتوحات کے علاوہ شمالی افریقہ وغیرہ میں بھی متفرق فتوحات ہوئیں' لیکن وہ چنداں لائق ذکر نہیں۔

ملک کی اندرونی حالت

ولید کے پورے دور میں ملک میں کامل امن و امان رہا اور کسی قسم کا اندرونی خلفشار نہیں ہوا۔ ایک آدھ خوارج ضرور اٹھے' لیکن معمولی سرزنش کے بعد خاموش ہو گئے۔

---

❶ یہ فتوحات ابن اثیر کے مختلف سنوں میں ہیں۔ ❷ دول الاسلام ذہبی ج۔۱ ص ۴۵۔
❸ ابن اثیر ج۔۴ ص ۲۱۶۔ ❹ المونس ص ۳۳۔

حجاج کی وفات

۹۴ھ میں حجاج بن یوسف کا انتقال ہوگیا۔ وہ اموی حکومت کا قوت بازو تھا۔ اس کے دوبارہ قیام واستحکام میں حجاج کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔ اسی نے تمام مخالف قوتوں کا خاتمہ اور عراق کو جو بنی امیہ کی مخالفت میں سب سے آگے تھا' قابو میں کیا۔ گو وہ بڑا ظالم اور سخت گیر تھا اس نے ہزاروں بے گناہ تلوار کے گھاٹ اتار دیئے' لیکن اس میں بعض خصوصیات بھی تھیں۔ بڑا فصیح و بلیغ مقرر تھا۔ اس کی بعض تقریریں عربی بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ قرآن کا بہت اچھا قاری تھا۔ کلام اللہ پر سب سے پہلے اسی نے اعراب لگوائے [1] سندھ کی فتح بھی اسی کی یادگار ہے، گو اس کا فاتح محمد بن قاسم ہے' لیکن حجاج ہی نے اسے اس مہم پر مامور کیا تھا اور آخر وقت تک برابر ہر قسم کی مدد کرتا رہا۔ اس لیے سندھ کی فتح درحقیقت اسی کی توجہ کا نتیجہ ہے۔

ولید کی وفات

جمادی الآخر ۹۶ھ میں ولید کا انتقال ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور باب صغیر کے باہر دفن کیا گیا۔ انتقال کے وقت باختلاف روایت ۴۲ سے ۴۶ سال تک عمر تھی۔ مدت خلافت نو سال چند مہینے۔

اولاد

وفات کے بعد اس نے انیس اولاد نرینہ چھوڑیں۔ بعض کے نام یہ ہیں۔ سلیمان' محمد عباس' عمر' بشر' روح' خالد' تمام' مبشر' حرب' یزید' عبدالرحمٰن' ابراہیم' یحییٰ' ابوعبیدہ' مسرور اور صدقہ۔

ولیدی عہد پر تبصرہ

ولید کا دور فتوحات کی کثرت' دولت کی فراوانی' امن و رفاہیت کی ارزانی اور دوسری ملکی اور تمدنی ترقیوں کے لحاظ سے بنی امیہ کا عہد زریں ہے۔

فتوحات پر تبصرہ

لیکن کسی ملک کا فتح کر لینا نہ انسانیت کی کوئی خدمت ہے' نہ تمدن کی' بلکہ آج کل کے نقطہ نظر

---

[1] فہرست ابن ندیم ص۔ ۶ و مابعد' ابن خلکان تذکرہ حجاج بن یوسف۔

سے اس کو سلب آزادی سے تعبیر کیا جائے گا۔ ولیدی دور کی فتوحات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں جو جو ملک فتح ہوئے ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ دفعۃً پستی کی جانب سے ابھر کر بلند سطح پر آ گئے۔ اس کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ اندلس کی فتح ہے۔ ایک یورپین مؤرخ کی زبان سے مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے اندلس کی پستی اور تاریکی کا یہ حال تھا:

اسپین کی عام حالت

''اواخر صدی ہفتم اور اوائل صدی ہشتم کی تاریخ اسپین غیر معمولی طور پر ظلمات کے دھندلکے میں پھنسی ہوئی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اس میں سیاسی اور تمدنی مصائب ملک بھر پر پڑے ہوئے تھے۔'' [1]

حکومت کی حالت

''آٹھویں صدی کے شروع میں سلطنت وزیگاتھ بظاہر زوروں پر تھی اور نہایت مرفہ الحال مگر اس کی اصلی اور واقعی کمزوری اہالیان کلیسا کی شان اور دربار شاہی کے تکلفات اور رعب میں چھپی ہوئی تھی۔ جنہوں نے اس سلطنت کے مصائب اور زیادتیوں پر بے بود سا نقاب ڈال رکھا تھا۔

خواہشات نفسانی کے غلام بادشاہان وزیگاتھ میں سے اپنے اجداد کی خوبیاں بالکل ختم ہو چکی تھیں۔ ریکارڈ اور ویمیا کے جانشین ایسے کمزور مگر ظالم تھے کہ ان پر لفظ بادشاہ کا اطلاق متنازعہ فیہ امر ہے۔ ان کی نفسیات نے نہ رسوم مہماں نوازی کو قائم رکھا' نہ حقوق دوستی کو ملحوظ' نہ اپنے رتبہ کو برقرار رکھ سکے' نہ اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں سن وسال کی پرواہ کی''۔ [2]

دربار شاہی میں تعیش کا دور

''تمام دربار شاہی ایک ہی حمام میں تھے' عیش ونشاط وشہوت رانی کا زور تھا۔ کلیسا کی نہایت مقدس روایات کی خلاف ورزی تو ہوتی تھی' غضب تو یہ ہے کہ تعداد ازواج اور کنیزوں کا رکھنا بھی جائز قرار دے دیا گیا تھا۔ دیندار لوگ ان عیش کے بندوں کی

---

[1] اخبار الاندلس ایس پی۔ اسکاٹ ج اول۔ ص۔ ۲۰۳ ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب۔

[2] اخبار اندلس ایس پی۔ اسکاٹ ج۔ ا ص ۲۰۶ ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب۔

زیادتیوں سے تنگ آ گئے تھے۔ نہ ان خرابا تیوں سے گرجاؤں کی قربان گاہیں محفوظ تھیں' نہ اقبال گناہ کے منبر''۔ ❶

مذہبی پیشواؤں کی حالت

''بادشاہ کو منہمک منہیات دیکھ کر چھوٹے بڑے تمام پادری انہی خرابیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ اسقف کے محل میں ہر روز فساد وعناد کے تماشے نظر آتے تھے۔ اور ہر رات کو شور وشغب کی آوازیں وہاں سے بلند ہوتی تھیں۔ عوام الناس پہلے ہی کہاں کے معصوم تھے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر اور بھی خراب ہوتے چلے جاتے تھے۔ پادریوں اور مقتدایان مذہبی کے گھروں کی شرابیں ضرب المثل تھیں۔ ان کے مکان نہ تھے' پری خانے تھے۔ اگر حسن وجمال کہیں ملتا تو یہیں' پادریوں کا اصلی فرض تھا تو یہ کہ وہ اپنے آپ کو ایک رحم مجسم ہستی کے نائب ہو کر فیاضی اور ایثار نفسی دکھائیں' مگر وہ اتنے گرے ہوئے تھے کہ سازش کنندہ اور معاملات سیاست میں دخل دینے والا فرقہ بن گئے تھے۔ امرا وارا کین سلطنت نے مردہ بدست زندہ بن کر اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا' اور تمام نظم ونسق سلطنت ان کے سپرد کر دیا تھا' اور خود بطریق مداہنت عابدوں کا نمونہ بن گئے تھے' اگر ان کی خانگی زندگی کو دیکھا جاتا تو کیا پادری اور کیا امرا عیوب اور گناہوں کے ڈھیر تھے''۔ ❷

کسانوں' مزدوروں' غلاموں اور رعایا کے دوسرے طبقوں کی حالت

''مزارعین کی حالت بالکل چوب مسجد کی تھی۔ وہ تمام عمر بلکہ اولاد در اولاد ایک ہی جاگیر دار کے ہو رہتے تھے اور کہیں اور نہ منتقل ہو سکتے تھے۔ ان کی حالت بالکل غلاموں کی سی ہوتی تھی۔ گواز روئے قانون گاتھ ان کو ان بدقسمتوں سے بہتر ہونا چاہیے تھا' جو بازاروں میں عام جانوروں کی طرح فروخت ہو سکتے تھے۔ آخر زمانہ گاتھ میں جو قانون وضع ہوئے تھے' ان کے موافق غلاموں کی حالت اس سے بھی بدتر ہو گئی تھی' جو رومیوں کے زمانہ میں تھی۔ آخر گاتھ بادشاہوں نے کچھ نرمی کر دی۔ اس سے لوگوں کی حالت اور بھی نازک ہوتی چلی جاتی تھی۔ شادی بیاہ کے متعلق قیود تھیں' اہل وعیال کو الگ رکھنا پڑتا تھا' چھوٹے چھوٹے جرائم پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں' ان اسباب سے ان کی ذلتیں اور بڑھتی جاتی تھیں''۔ ❸

---

❶ اخبار اندلس ایس پی۔ اسکاٹ ج۔ ا' ص ۲۰۸۔

❷ اخبار الاندلس ایس پی۔ اسکاٹ ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ج۔ ا' ص ۱۹۸۔

❸ اخبار الاندلس ایس پی۔ اسکاٹ ترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ج۔ ا' ص ۱۹۹۔

''پادریوں کی جاگیروں پر ہزاروں غلام تعینات تھے۔ نہ صرف اس لیے کہ زراعت کریں' بلکہ اس واسطے کہ بہترین اشیا پیدا کریں جو اس زمانے میں مل سکتی تھیں اور وہی ان جاگیرداروں کے تکلفات کو بڑھا سکتی تھیں۔ ان بدقسمت مزدوروں کی مشقت روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی اور آزادی کی امیدیں' جس کا وہ نسلوں سے انتظار کرتے چلے آتے تھے' گھٹتی چلی جاتی تھیں' بلکہ اب تو بالکل ہی نہ رہ گئی تھیں اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ جو ناقابل برداشت بوجھ ڈالا جا چکا ہے وہ قیامت تک ہلکا ہونے والا نہیں''۔ ❶

''غلاموں کا ایک جم غفیر تھا کہ باوجود اپنے آقاؤں کے چابکوں کے ابھی تک زمانہ آزادی کی روایت کو نہیں بھولے تھے اور ایک ذرا سی تحریک پر بلوہ کرنے کو تیار تھے اور اس دن کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے کہ جس دن ان کو آزادی کامل ہو جائے''۔ ❷

یہودیوں کی حالت

''مزارعین اور غلاموں کے علاوہ ایک اور فرقہ تھا' جس کی تعداد دونوں سے کم تھی' لیکن از روئے اصل و نسل و از روئے قانون وہ دوامی غلام تھے۔ اتنی بات ان میں زیادہ تھی کہ وہ دونوں سے زیادہ عقیل و فہیم اور ہوشیاری و چالاکی میں بڑھے ہوئے تھے۔ یہ فرقہ یہودیوں کا تھا۔ سترھویں دینی کونسل کے ایک حکم ناطق کے موافق ان کی تمام جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں اور ان کو با مشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی۔'' ❸

یہودی تھے کہ دونوں فریق (امرا و مذہبی پیشوا) کے ہاتھ سے تنگ تھے' کون سی سختی و تشدد تھا کہ ان پر کیا نہ جاتا ہو' وہ ہر وقت پریشانی بلکہ مصیبت میں گرفتار رہتے تھے'' ❹

مسلمان کے داخلے سے قبل اندلس کا یہ نقشہ تھا۔ ان کے داخلہ کے بعد دفعۃً حالت بدل گئی' چنانچہ یہی مؤرخ لکھتا ہے:

''فاتحین (مسلمانوں) نے پرانے زمانے کے قوانین کا احترام قائم رکھا۔ صرف فرق اتنا ہوا کہ اس کے دستور العمل اپنے قوانین کے تابع کر دیئے۔ مفتوحین پر وہی قانون قابل نفاذ تھا' مگر اسی حد تک کہ شرع اسلام کے خلاف نہ پڑے۔ اپنے عدل و

---

❶ اخبار الاندلس ج۔۱' ص ۲۰۱۔ ❷ اخبار الاندلس ج۔۱' ص ۲۱۲۔
❸ اخبار الاندلس ج اول ص ۲۰۱۔ ❹ اخبار الاندلس ج اول ص ۲۱۲۔

انصاف' مساحت ومراسم خسروانہ سے اس نئی سلطنت نے بہت ہی جلد دلوں میں گھر کرلیا۔ یہودی مرفہ الحال ہوگئے۔ عیسائی اپنے تعصّبات مذہبی بھول گئے۔ غلاموں نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس سے ان کا داغ غلامی ہمیشہ کے لیے مٹ گیا اور وہ بادشاہوں کے مساوی ہوگئے۔ [1] ذمیوں کی حفاظت کا جو وعدہ کیا گیا تھا' اس کا ایفا کیا گیا۔ ذات' جائداد اور مذہبی آزادی کا جو عہد کیا گیا تھا' وہ بہرحال پورا کیا۔ عوام الناس تو اس سے بہت ہی خوش ہوئے' اگر ناراض تھے تو وہ مذہبی دیوانے جنہوں نے ایسے فیاض اور سخاوت شعار دشمنوں کو گالیاں دیں' حالانکہ ان کی مراعات سے وہ فائدہ اٹھاتے تھے اور انہی کا نمک کھاتے تھے''۔ [2]

لیبان نے مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے اسپین کی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے:

''عربوں کی فوج کشی کے زمانہ میں گاتھ اور اطالیہ کی اقوام کا باہمی میل جول امراہی میں ہوا تھا اور عامہ خلائق غلامی کی حالت میں تھی'' [3]

''اسپین میں تمدنی تفریقیں' اندرونی نااتفاقیاں' فوجی جوش کا نہ ہونا' رعایا کی بے توجہی' ان کا بندہ زراعت ہونا' یہ حالت تھی گاتھوں کی سلطنت کی' جس وقت عرب ملک میں پہنچے ہیں۔ آپس کی نااتفاقی اور رقابت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ دو بڑے امرائے اندلس یعنی کاونٹ جولین اور اشبیلیہ کا رئیس الاساقفہ عربوں کی فوج کشی میں معاون تھے'' [4]

عربوں کے داخلہ کے بعد ہی یہ نقشہ ہوگیا

''فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد ہی عربوں نے ترقی شروع کردی۔ ایک صدی کے اندر اندر غیر مزروعہ زمینیں کاشت ہونے لگیں۔ اجاڑ بستیاں آباد ہوگئیں' بڑی بڑی عمارتیں بن گئیں اور دوسری اقوام سے تجارتی تعلقات قائم ہوگئے۔ اس کے بعد ہی عربوں نے علوم وادب کی طرف توجہ کی اور یونانی اور لاطینی کتابوں کے ترجمے کرائے اور دارالعلوم قائم کیے' جو مدت تک یورپ میں علم کی روشنی پھیلاتے رہے۔ [5]

مسلمانوں نے اندلس کی تہذیب کو ترقی کی جس معراج کمال تک پہنچایا' اس سے تاریخیں معمور ہیں۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ بنی امیہ ہی نے اسے فتح کیا اور انہی نے اسے کمال اوج تک پہنچایا۔

---

[1] اخبار الاندلس ج اول ص ۲۵۸۔ [2] اخبار الاندلس ج ۱' ص ۲۵۷۔
[3] تمدن عرب لیبان ص ۲۴۷۔ [4] تمدن عرب لیبان ص ۴۷۔ [5] تمدن عرب لیبان ص ۲۴۷۔

اس دور کے اور مفتوحہ ممالک کی ترقی کا بھی یہی حال تھا۔ محمد بن قاسم نے سندھ میں جو نظام قائم کیا تھا' اس کے جستہ جستہ حالات چچ نامہ وغیرہ میں ملتے ہیں' لیکن ان سب کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ ولید کا دور تمدنی ترقیوں کے اعتبار سے بنی امیہ کا ممتاز ترین دور ہے۔ آئندہ سطور میں اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ اس دور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں کی جو قوت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی' وہ ایک مقصد پر متحد ہوگئی۔ اس سے کم از کم ولید کے زمانہ میں خانہ جنگی کا خاتمہ ہوگیا۔ جس سے ملک کو بڑا فائدہ پہنچا۔ اسلامی حکومت کا رقبہ ہندوستان اور چین سے لے کر فرانس کی حد تک وسیع ہوگیا اور مفتوحہ ملکوں سے جو دولت ہاتھ آئی اس سے ملک کی تمدنی ترقی میں بڑا اضافہ ہوا۔

فوجی نظام میں وسعت و ترقی

فوجی نظام میں بڑی وسعت و ترقی ہوئی۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک وقت میں کئی کئی محاذوں' ہندوستان' وسط ایشیا اور یورپ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور سب میں کامیابی ہوئی۔ فوج کی جزوی ضروریات کی فراہمی کا اتنا اہتمام تھا کہ سندھ کی فوج کشی میں حجاج نے سوئی دھاگہ تک ساتھ کر دیا تھا۔ خورد و نوش کے سامان کا اتنا مکمل انتظام تھا کہ روٹی سرکہ میں بھگو کر خشک کر کے ساتھ کر دی تھی کہ ضرورت پڑنے پر پانی میں بھگو کر سرکہ تیار کر لیا جائے۔ [1]

جہاز سازی کے کارخانے

جہاز سازی کے کارخانے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ سے قائم ہوگئے تھے۔ ولید کے زمانہ میں جب بحری قوت میں اضافہ ہوا تو نئے کارخانے کھولے گئے' چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے تیونس میں ایک کارخانہ قائم کیا جس میں صرف اس کے زمانہ میں سو جہاز تیار ہوئے تھے۔ [2]

رفاہ عام کے کام

حکومت کے شعبوں میں ترقی کے علاوہ رفاہ عام کے اتنے کام ہوئے اور رعایا کی راحت و آسائش کے اتنے سامان مہیا کیے گئے کہ خلفائے راشدین کے زمانے کے علاوہ اس کی نظیر نہیں ملتی' بلکہ ولید کے بعض کارنامے اس دور سے بھی بڑھ گئے۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۲۔ [2] کتاب المونس ص ۳۳۔

سڑکوں کی تعمیر

تخت نشینی کے تیسرے سال یعنی ۸۸ھ میں تمام ممالک محروسہ میں سڑکیں درست کرائیں اور ان پر میل نصب کرائے۔ ❶

نہروں اور کنوؤں کی تعمیر

تمام راستوں پر کنویں بنوائے اور نہریں جاری کرائیں۔ ❷

مہمان خانے

مسافروں کی سہولت کے لیے جا بجا مہمان خانے قائم کیے۔

شفاخانے

ولید سے پہلے اسلامی حکومت میں اور مختلف قسم کی ترقیاں ہوئی تھیں، لیکن اب تک حفظان صحت اور شفاخانوں کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ولید نے سارے ممالک محروسہ میں شفاخانے قائم کیے۔ ❸

معذوروں کی کفالت کا انتظام

یہ ولید کا قابل فخر کارنامہ ہے کہ اس نے تمام ممالک محروسہ کے معذور، ناکارہ اور اپاہج لوگوں کے روزینے مقرر کر کے انہیں بھیک مانگنے کی ممانعت کر دی۔ اندھوں کی رہنمائی اور اپاہجوں کی خدمت کے لیے آدمی مقرر کیے۔ ❹ یہ وہ کارنامہ ہے جس سے آج کل کی متمدن حکومتیں بھی عاجز ہیں۔

یتیموں کی پرورش و پرداخت

یتیموں کی کفالت اور ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ ❺

بازار کے نرخ کی نگرانی

اشیا کے نرخ کی نگرانی بھی رعایا کی بڑی خدمت ہے، ولید خود بازاروں میں جا کر چیزوں کی قیمت دریافت کر کے ان کو کم کراتا تھا۔ ❻

---

❶ طبری ص۔۱۹۵ و کتاب العیون والحدائق ص ۳۔ ❷ طبری ص ۱۹۵ و کتاب العیون والحدائق ص ۳۔
❸ یعقوبی ج۔۲ ص ۳۴۸۔ ❹ تاریخ الخلفاء ص۔۲۲۴ و طبری ج۔۸ ص ۱۲۷۱۔
❺ تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴۔ ❻ طبری ج ۸ ص ۱۲۷۱۔

روزہ داروں کے لیے کھانا

رمضان میں تمام مسجدوں میں روزہ داروں کے لیے کھانے کا انتظام کراتا تھا۔ ❶

علمی و تعلیمی خدمات

اس دور میں مسلمانوں کی تعلیم و تعلّم کا مرکز مذہب ہی تھا اور اس کی بنیاد کلام الٰہی پر تھی۔ اس لیے ان کی تعلیم و تعلّم کا دائرہ اسی تک محدود تھا۔ قرآن کی تعلیم کی جانب ولید کی بڑی توجہ تھی' وہ ہمیشہ لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا رہتا تھا۔ حفظ قرآن پر عطیے دیتا تھا اور جو لوگ اس سے غفلت کرتے تھے' انہیں سزا دیتا تھا۔ ❷

حجاج نے اہل عجم کی تعلیمی سہولت کے لیے کلام اللہ پر نقطے اور اعراب لگوائے۔ ❸

ولید نے یکسوئی کے ساتھ علم کی خدمت اور تعلیم و تعلم میں سہولت کے لیے علما و فقہا کے وظائف مقرر کیے۔ ❹

تعمیرات

ولید کو تعمیرات کا بڑا ذوق و شوق تھا۔ اس نے بہت سی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں۔ کان شدید التکلف بالعمارات والابنیۃ والاتخاذ المصانع والصیاع ❺ ولید کے ذوق تعمیر اور اس کے عہد کی تعمیرات کی وجہ سے یہ مذاق اتنا عام ہو گیا تھا کہ جب لوگ آپس میں ملتے تھے تو عمارات ہی پر گفتگو ہوتی تھی۔ ❻

مسجد نبوی کی تعمیر

یوں تو ولید نے بکثرت عمارتیں بنوائیں۔ لیکن اس کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ مسجد نبوی اور جامع دمشق کی تعمیر اور اس کی تزئین و آرائش ہے۔ ان دونوں مسجدوں کو اس نے بڑے حوصلے سے تعمیر کرایا اور ان کی تعمیر پر بے دریغ دولت صرف کی اور ان کی آرائش میں اس زمانہ کی تمام صناعیاں ختم کر دیں۔ ۸۸ھ میں اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو جو اس زمانہ میں مدینہ کے گورنر تھے' لکھا کہ مسجد نبوی کی پرانی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا جائے اور مسجد سے متصل امہات المؤمنین کے جو

---

❶ کتاب العیون والحدائق ص ۱۷۔ ❷ طبری ج ۸ ص ۱۷۱۔ ❸ فہرست ابن ندیم۔
❹ تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴۔ ❺ آداب السلطانیہ ص ۱۱۴۔ ❻ طبری ج۔ ۸ ص ۱۲۷۳۔

حجرے اور دوسرے مکانات ہیں' انہیں خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر دیا جائے۔ جو لوگ مکان بیچنے میں تامل کریں ان سے زبردستی لے کر ان کی قیمت ادا کر دی جائے اور جو قیمت نہ لے اس کی قیمت خیرات کر دی جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکم کی پوری تعمیل کی۔ طبری کا بیان ہے کہ اس کار خیر میں کسی کو تامل نہیں ہوا۔ سب نے قیمت لے کر مکانات دے دیئے۔ **فاجاب القوم الی الثمن فاعطاهم اياه** [1] لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مکانات کے لینے میں جبر سے کام لینا پڑا۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے ارادہ کے ساتھ ہی ولید نے قیصر روم کو لکھا کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد بنوانا چاہتے ہیں۔ تم سے جو سامان ہو سکے بھیجو۔ اس خط پر اس نے ایک لاکھ مثقال سونا' چالیس گٹھے منبت کاری کا سامان اور بہت سے کاریگر بھیجے۔ اس کے علاوہ مدائن سے نقش و نگار کا سامان منگایا گیا۔ [2] تعمیر کا سامان مہیا ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن محمد بن ابی بکر' سالم بن عبداللہ' ابوبکر بن عبدالرحمٰن' عبیداللہ بن عبداللہ' خارجہ بن زید اور عبداللہ بن عبداللہ بن عمر وغیرہ علمائے مدینہ کی موجودگی میں پرانی عمارت گرا کر ان بزرگوں کے ہاتھوں سے نئی عمارت کی داغ بیل ڈلوائی۔ [3] اور بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے تعمیر کا کام شروع کرایا۔ ایک ایک جھاڑ کے نقش پر کاریگر کو مزدوری کے علاوہ ۳۰ درہم انعام دیتے تھے۔ [4] صرف قبلہ رخ کی دیوار اور اس کی طلائی کے کام پر پینتالیس ہزار اشرفی صرف آئی تھی۔ [5] اس سے پوری عمارت کے مصارف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پوری عمارت پتھر کی تھی۔ تمام در و دیوار اور چھت پر طلائی کا کام اور اعلیٰ درجہ کی مینا کاری تھی۔ مسجد سے متعلق ایک فوارہ بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ تین سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔ ۹۱ھ میں ولید خود اس کے ملاحظہ کے لیے مدینہ گیا اور عمارت دیکھ کر خوشنودی ظاہر کی۔ فوارہ بہت پسند کیا' اس کی نگرانی کے لیے خدام مقرر کیے اور اہل مسجد کو اس کا پانی استعمال کرنے کا حکم دیا۔ [6] اور اس تعمیر کی خوشی میں اہل مدینہ میں نقد روپیہ اور طلائی و نقرئی ظروف تقسیم کیے۔ [7]

جامع دمشق کی تعمیر

دوسری اہم تعمیر جامع اموی یا جامع دمشق ہے۔ اس کی تعمیر نہ صرف ولید کا بلکہ اس دور کا عظیم

---

[1] طبری ج۔۸' ص۔۱۳۱۳ و خلاصۃ الوفاء۔ [2] خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۹۔
[3] طبری ج۔۸' ص ۱۲۷۴۔ [4] خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۹۔ [5] خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۹ و ۱۴۰۔
[6] ابن اثیر ج۔۴' ص ۲۰۴۔ [7] کتاب العیون والحدائق ص ۱۱۔

الشان تعمیری کارنامہ ہے۔ اس کی تعمیر میں بے دریغ دولت صرف ہوئی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ملک شام کا پورا سات برس کا خراج صرف ہوا تھا۔ ❶ نقد کے حساب سے چھپن لاکھ اشرفی اس کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ ❷

اس کی تعمیر کے لیے ہندوستان، فارس، مغرب اور روم وغیرہ مختلف ملکوں سے کاریگر اور تعمیر کا سامان منگوایا گیا تھا۔ صرف جزیرہ قبرص سے اٹھارہ جہازوں پر سونا اور چاندی آیا تھا۔ قیصر روم نے علیحدہ منبت کاری کا سامان بھیجا تھا ❸ سنگ مرمر اور سنگ ساق وغیرہ جن جن مقاموں کا مشہور تھا، وہاں سے منگوایا گیا تھا۔ یہ سامان اتنا قیمتی تھا کہ پتھر کے بعض بعض ستونوں کی قیمت کئی کئی سو اشرفی تھی۔ ❹ بارہ ہزار مزدور کام کرتے تھے اور پورے آٹھ یا نو سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔ ❺ یہ اتنی وسیع تھی کہ بیک وقت بیس ہزار آدمی سما سکتے تھے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی، جس میں مختلف رنگ کے پتھروں سے بوقلمونی پیدا کی گئی تھی۔ در و دیوار پر طلائی اور لاجوردی کام اور مختلف رنگوں کی منبت کاری تھی۔ نقش و نگار اور طغرے صنعتی نزاکت و نفاست کا بہترین نمونہ تھے۔ محرابوں میں تناسب کے ساتھ بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ چھت منقش ساج کی تھی۔ اوپر سے سیسہ کی چادر چڑھی ہوئی تھی۔ ❻

خارجی تزئین و آرائش کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ صرف چھ سو قندیلیں، سونے کی زنجیروں میں آویزاں تھیں۔ ❼ غرض یہ عمارت عظمت و شان اور آرائش و زیبائش ہر لحاظ سے اس دور کے عجائبات میں تھی اور دنیا کی بڑی عمارتوں میں اس کا پانچواں نمبر شمار کیا جاتا تھا۔ ❽

دور دور سے لوگ اسے دیکھنے کے لیے آتے تھے اور متحیر ہوتے تھے۔ یہ مسجد سر سے پاؤں تک سونے چاندی اور جواہرات سے لپی ہوئی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں اسے صرف بے جا سمجھ کر کل بیش قیمت سامان نکلوا کر بیت المال میں داخل کرنے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں روم کے قاصد آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے جامع دمشق کو دیکھ کر کہا کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے، لیکن اس عمارت کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسلمان ایک زندہ رہنے والی قوم ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ ❾ مؤرخین اور جغرافیہ

---

❶ احسن التقاسیم بشاری ص۔ ۱۵۸۔ ❷ مسالک الابصار ج۔ ۱ ص ۱۸۰۔ ❸ احسن التقاسیم ص ۱۵۸۔
❹ مسالک ابصار ج۔ ۱ ص ۱۸۸۔ ❺ ایضاً و کتاب البلدان ص ۱۰۷۔
❻ مسالک الابصار اصطخری ص۔ ۶۰ و کتاب البلدان ص ۱۰۸۔ ❼ کتاب البلدان ص ۱۰۷۔
❽ مسالک الابصار ج ۱ ص ۱۸۶۔ ❾ کتاب البلدان ص ۱۰۸۔

نویسوں نے اس مسجد کے عجائب ونوادر کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔

دوسری مسجدیں

ان دونوں مسجدوں کے علاوہ ولید نے مکہ، مدینہ اور بیت المقدس وغیرہ مقدس مقامات کی پرانی مسجدوں کی توسیع کرائی اور نئی مسجدیں تعمیر کرائیں۔ [1] اسی زمانہ میں قرہ بن شریک نائب السلطنت مصر نے جامع مصر تعمیر کرائی اور اسے آراستہ وپیراستہ کیا۔ [2]

روضہ نبوی ﷺ کی مرمت

اس وقت روضہ مبارک کی کوئی بڑی عمارت نہ تھی۔ مزار مبارک صرف چار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ ولید کے زمانے میں دیواریں شکستہ ہو چکی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے چاروں طرف دوہری دیوار تعمیر کرادی کہ اگر ایک کو صدمہ پہنچے تو دوسری سے پردہ قائم رہے۔ [3]

ایک ناگوار واقعہ

غرض ہر اعتبار سے ولید کا دور نہایت کامیاب تھا۔ البتہ حجاج کی فطری ستم شعاری کی وجہ سے مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا ایک ناگوار واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابن اشعث کی بغاوت میں جو عبدالملک کے زمانہ میں حجاج کے خلاف ہوئی تھی، بعض دوسرے اکابر کی طرح حضرت ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن اشعث کا ساتھ دیا تھا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد اور بزرگوں کے ساتھ وہ بھی گرفتار ہوئے۔ ان میں سے جن لوگوں نے معذرت کی، حجاج نے انہیں چھوڑ دیا، لیکن ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی اور صداقت نے اس کی اجازت نہ دی، چنانچہ گرفتاری کے بعد بھی انہوں نے نہایت جرأت و بے باکی سے گفتگو کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حجاج نے ۹۴ھ میں ان کو شہید کرا دیا۔ [4] اگر حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بھی امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مصلحت وقت کا لحاظ کر کے خاموش رہتے تو ممکن تھا کہ وہ انہیں بھی رہا کر دیتا، لیکن آپ کی جرأت وحق گوئی کے بعد حجاج جیسے قدر ناشناس سے عفو ودرگزر کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اگرچہ اس واقعہ کا براہ راست ولید سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن چونکہ اسی کے دور میں پیش آیا، اس لیے اس کا دامن بھی اس کی ذمہ داری سے بری

---

[1] کتاب العیون والحدائق ص ۷ وکتاب البلدان ص ۱۰۷۔ [2] دول السلام ذہبی ج ۱ ص ۸۔
[3] کتاب العیون والحدائق ص ۹۔
[4] اس واقعہ کی تفصیلات ابن سعد ج ۶، ص ۱۸۴، ۱۸۵ وابن خلکان ج ۱، ص ۲۰۵ و ۲۰۶ میں موجود ہے۔

نہیں ہے۔

ذاتی حالات

جیسا کہ ابتدا میں لکھا جا چکا ہے' ولید کو علم وفن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ عربی زبان تک غلط بولتا تھا۔ عبدالملک نے اس نقص کو دور کرانے کی بڑی کوشش کی۔ اس کے لیے خاص معلم مقرر کیے' لیکن تعلیم کا الٹا اثر ہوا۔ اس لیے عبدالملک نے معذور سمجھ کر چھوڑ دیا' [1] لیکن جہانبانی کے اور اوصاف میں اس کا جو درجہ تھا وہ اس کے عہد کے کارناموں سے ظاہر ہے۔

مذہبی زندگی

خلفائے بنی امیہ کے متعلق عام طور سے یہ غلط شہرت ہے کہ مذہب کی جانب ان کا رجحان کم تھا۔ ولید نے جو مذہبی خدمات انجام دیں' اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ اس کی پرائیویٹ زندگی بھی مذہبی تھی۔ دن میں ایک قرآن ختم کرتا تھا۔ [2] دوشنبہ اور پنجشنبہ کو پابندی کے ساتھ روزہ رکھتا تھا۔ [3] رمضان میں روزہ داروں کے لیے کھانا بھجواتا تھا۔ [4] صلحا اور اخیار میں روپیہ تقسیم کراتا تھا۔ [5] اپنے دور حکومت میں دو مرتبہ حج کیا۔ [6]

بھائیوں کے ساتھ سلوک

دوسرے اموی فرمانرواؤں کے برعکس ولید کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اس کا طرز عمل بہت مشفقانہ تھا۔ ان سے محبت کرتا تھا اور ان کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ [7]

البتہ ایک مرتبہ اس نے سلیمان کے بجائے اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ بعض بڑے امرا نے بھی حمایت کی تھی' لیکن اس ارادے سے باز آ گیا۔

سخت گیری

ان تمام خوبیوں کے ساتھ اس میں ایک عیب یہ تھا کہ وہ بڑا سخت گیر تھا۔ اس سخت گیری کی وجہ سے ہزاروں آدمی قید و بند میں مبتلا ہوئے۔

---

[1] ابن اثیر ج ۵' ص ۴۔ [2] دول الاسلام ذہبی ج ۱' ص ۴۸۔ [3] یعقوبی ج ۲' ص ۳۴۸۔
[4] یعقوبی ج ۲ ص ۳۴۸۔ [5] دول الاسلام ذہبی ج ۱' ص ۴۸۔ [6] یعقوبی ج ۲' ص ۳۴۹۔
[7] مروج الذہب مسعودی ج ۲' ص ۵۹۹۔

سلیمان بن عبدالملک

(۹۶ھ تا ۹۹ھ مطابق ۷۱۴ء تا ۷۱۷ء)

سلیمان بن عبدالملک ولید کا حقیقی بھائی تھا۔ خود عبدالملک اسے ولید کے بعد ولی عہد بنا گیا تھا۔ اس لیے اس کی وفات کے بعد جمادی الثانی ۹۶ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

سلیمان فطرتاً صالح و سعید تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس کے مشیر و ہم جلیس تھے۔ ان کی صحبت نے اس کو اور زیادہ سنوار دیا تھا۔ اس لیے بعض حیثیتوں سے اپنے پیشروؤں سے زیادہ بہتر حکمران ثابت ہوا اور اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی اموی حکومت کی سیاست بدل گئی۔ جس کا اندازہ سلیمان کی پہلی ہی تقریر سے ہوتا ہے۔ تخت نشینی کے بعد اس نے سب سے پہلے یہ تقریر کی:

''الحمدللہ! دنیا دھوکے کی جگہ اور باطل کا گھر ہے۔ رونے والے کو ہنساتی ہے اور ہنسنے والے کو رلاتی ہے۔ بے خوف کو خوف زدہ کرتی ہے اور خوفزدہ کو امن دیتی ہے۔ دولت مند کو محتاج کرتی ہے اور محتاج کو دولت مند بناتی ہے۔ اہل دنیا کو مائل کرنے والی' دھوکہ دینے والی اور ان کے ساتھ کھیلنے والی ہے۔

''عباداللہ! کتاب اللہ کو اپنا پیشوا بناؤ اور اس کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ اسے اپنا راہنما مانو کہ وہ اپنے ماقبل کتابوں کی ناسخ ہے اور خود اس کو کسی کتاب نے منسوخ نہیں کیا''۔

''عباداللہ! یہ قرآن شیطان کے مکر کو اس طرح کھول دیتا ہے' جس طرح صبح صادق کی روشنی رات کی تاریکی کو دور کر دیتی ہے''۔ [1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس کے مشیر تھے' اس لیے عملی طور پر بھی اس کے محاسن کا ظہور ہوا۔ چنانچہ تخت نشینی کے ساتھ ہی احسن السیرۃ و رد المظالم' [2] ولید کے دور کے تمام قیدیوں کو جو ناحق قید کیے گئے تھے رہا کر دیا اور جیل خانے بالکل خالی ہو گئے۔ [3]

لیکن اس خوبی کے ساتھ سلیمان میں انتقام کا مادہ زیادہ تھا' چنانچہ جن جن لوگوں سے ولی عہد کے زمانے میں اس کو کسی قسم کی شکایت تھی' ان کا انجام اچھا نہ ہوا' جن میں بعض بڑے بڑے فاتحین اور

---

[1] مسعودی ج۔۲' ص۔۶۶۰ و کتاب البیان والتبیین جاحظ ج۔۱' ص ۱۶۶۔

[2] ابوالفدا ج۔۱' ص ۲۰۰۔ [3] ابن اثیر ج۔۵' ص ۱۴۔

اموی حکومت کے ستون اعظم تھے۔ اس سے حکومت کی عسکری قوت کو نقصان پہنچا۔ اس کے دور میں اس کے محاسن اور انتقام دونوں کے مظاہر ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔

قتیبہ بن مسلم کی بغاوت اور اس کا قتل

اس کی تخت نشینی کے بعد ہی قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ گو اس کے قتل کو سلیمان سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے' لیکن اس کا سلسلہ بھی اسی سے ملتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سلیمان ولیدی دور کے تمام جابر عمال خصوصاً حجاج اور اس کے ماتحت حکام کے' جن میں ایک قتیبہ بھی تھا' سخت مخالف تھا۔ پھر ان دونوں نے سلیمان کی ولی عہدی سے اخراج کی تجویز میں ولید کی تائید کی تھی۔ [1] اس لیے ان دونوں کے ساتھ اس کو دوہری مخالفت تھی۔ حجاج کا انتقال ولید ہی کے دور میں ہو چکا تھا۔ البتہ اس کے ماتحت حکام اور قتیبہ باقی تھے' چنانچہ جب اس نے حجاج کے زمانہ کے مظالم کی اصلاح وتلافی کی طرف توجہ کی **هم سليمان فى اصلاح ما افسده الحجاج** ۔ [2] تو اس کے ماتحت حکام کی دار وگیر شروع ہوئی۔ [3] گو اس سلسلہ میں سلیمان نے قتیبہ سے کوئی مواخذہ نہیں کیا تھا' لیکن اس کا رخ دیکھ کر خود قتیبہ کو اس کی جانب سے خوف پیدا ہو گیا اور اسے سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ سلیمان اسے خراسان کی ولایت سے معزول کر کے اس کے حریف مقابل یزید بن مہلب کو جسے وہ بہت مانتا تھا' خراسان کا والی نہ بنا دے۔ چنانچہ پہلے اس نے سلیمان کو کئی خط لکھے' جس میں اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور سرزمین عجم میں اپنی خدمات کی تفصیل اور اہل عجم میں اپنی دھاک لکھ کر اخیر میں دھمکی دی کہ اگر یزید بن مہلب کو اس کی جگہ مقرر کیا گیا تو وہ علم بغاوت بلند کر دے گا۔ سلیمان نے اس دھمکی پر بھی اس کے ساتھ طرز عمل نہیں بدلا' بلکہ خراسان کی حکومت کا پروانہ اس کو بھیج دیا' لیکن قتیبہ کو اس سے بدگمانی اتنی تھی اور اپنی طاقت اور اپنے ماتحت قبائل کی اطاعت کیشی پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے سلیمان کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا اور حکومت کا پروانہ ملنے سے پہلے علم بغاوت بلند کر دیا اور اپنے ماتحتوں کو فسخ بیعت پر ابھارا' لیکن خلاف توقع کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر وہ جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور قبیلہ بنی تمیم پر سخت برہمی ظاہر کی۔ اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ خود قبیلہ بنی تمیم اس سے بگڑ گیا اور وکیع بن الاسود تمیمی کو سردار بنا کر قتیبہ کے مقابلہ میں آ گیا۔ کئی ہزار اہل عجم نے بھی ساتھ دیا۔ دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ قتیبہ کی قوت کمزور تھی۔ اس نے شکست کھائی' وہ خود' اس کے بھائی اور لڑکے مارے گئے اور اس کا سر قلم کر کے سلیمان کے پاس بھجوا دیا گیا۔ قتیبہ کے قتل کے بعد سلیمان نے یزید بن مہلب کو

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۴۔ [2] کتاب العیون والحدائق ص ۲۲۔ [3] یعقوبی ج ۲ ص ۳۵۴۔

خراسان کا والی مقرر کیا۔ ❶

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور قتل

محمد بن قاسم اس زمانہ میں سندھ کی مہمات میں مشغول تھا' چنانچہ ملتان کی فتح کے بعد جس کا حال ولید کے دور میں گزر چکا ہے' اس نے بیلمان اور درسرست (سورٹھ) کے علاقوں کو مطیع کیا اور کیرج (جے پور) کے راجہ کو شکست دی۔ ❷

محمد بن قاسم صالح نوجوان تھا۔ اس نے سندھ فتح کیا۔ وہاں اچھے اثرات پیدا کیے۔ عادلانہ نظام حکومت قائم کیا' لیکن وہ حجاج کا بھتیجا تھا۔ اس لیے عتاب سے نہ بچ سکا' چنانچہ سلیمان نے اسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق بھیج دیا۔ صالح بن عبدالرحمٰن یہاں کا والی تھا۔ اس کے بھائی آدم کو جو خارجی تھا' حجاج نے قتل کیا تھا۔ صالح نے اس کا انتقام محمد بن قاسم سے لیا اور اسے قید میں طرح طرح کی تکلیفیں دے کر قتل کرا دیا۔ اہل سندھ پر محمد بن قاسم کی خوبیوں کا اتنا اثر تھا کہ وہ اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور اہل کیرج نے اظہار عقیدت کے لیے اس کی تصویر بنا کر رکھی۔ ❸

موسیٰ بن نصیر پر عتاب

اس سے بھی زیادہ افسوسناک واقعہ موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس کا ہے۔ تمام مؤرخین بالاتفاق اس واقعہ کی صورت یہ لکھتے ہیں کہ موسیٰ بن نصیر جس وقت اندلس سے واپس ہوا' اس وقت ولید مرض الموت میں مبتلا ہو چکا تھا اور اس کی حالت مایوس کن تھی۔ اس لیے سلیمان نے چاہا کہ اندلس کی بے کراں دولت اس کی تخت نشینی کے بعد دمشق پہنچے' چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر کو' جو ابھی راستہ میں تھا' لکھ بھیجا کہ امیر المؤمنین کا دم بازپسیں ہے۔ تم ایسی رفتار سے سفر کرو کہ ان کے بعد دمشق پہنچو۔ موسیٰ کی یہ خواہش تھی کہ آقائے ولی نعمت کی زندگی میں دمشق پہنچ جائے کہ وہ اس کی کارگزاری اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اس لیے سلیمان کے حکم کی تعمیل نہیں کی اور ولید کی زندگی ہی میں دمشق پہنچ گیا۔ گو ولید اس وقت مرض الموت میں مبتلا تھا' لیکن موسیٰ کے حسن خدمت کے صلہ میں اس کی بڑی قدر افزائی کی۔ اس عدول حکمی پر سلیمان موسیٰ کا دشمن ہو گیا اور ولید کے بعد اس کا بدلہ لیا۔ برسر عام اس کی سخت تحقیر کی' دھوپ میں کھڑا کیا'

---

❶ طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں اس معرکہ کی تفصیلات بہت طویل ہیں' ہم نے خلاصہ لکھا ہے۔

❷ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۵۔ ❸ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۶ وابن اثیر ج ۴' ص ۲۳۳۔

پھر یزید بن مہلب کی سفارش پر کئی لاکھ تاوان عائد کر کے چھوڑ دیا۔ جسے وہ پورا نہ کر سکا اور اس کے چند دنوں کے بعد تباہ حالی میں اس کا انتقال ہوا۔ ❶

ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اس شکل میں سلیمان کے دامن پر ایک بدنما داغ ہے۔ اتنا بڑا فاتح ایک ذرا سی عدول حکمی پر ہرگز اس توہین آمیز سلوک کا مستحق نہ تھا' لیکن اس واقعہ کی تمام تفصیلات اور مختلف بیانات کو پیش نظر رکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ گو سلیمان کے عتاب کا بنیادی سبب یہی واقعہ تھا' لیکن اس کے ساتھ اور بھی چند اسباب پیدا ہو گئے:

① ان میں ایک بڑا سبب یہ تھا کہ سلیمان کے علی الرغم ولید نے موسیٰ کی بڑی عزت افزائی کی۔ پچاس ہزار اشرفیوں کا گراں قدر انعام دیا۔ تین خلعت عطا کیے۔ اس کے لڑکوں کے مراتب بڑھائے' ان کے وظائف مقرر کیے' اس کے پانچ سو غلاموں کو عطیے دیئے اور جو معززین وعمائد اندلس کی مہم میں شریک ہوئے تھے' ان سب کی قدر افزائی کی۔ ❷ مال غنیمت کے بہت سے نوادر خانہ کعبہ کی نذر کیے۔ ❸

اس سے ایک طرف سلیمان کے خلاف مزاج موسیٰ کی عزت افزائی ہوئی۔ دوسری طرف اس داد و دہش میں اندلس کے مال غنیمت کا معتد بہ حصہ صرف ہو گیا۔

② سلیمان اور موسیٰ میں جو گفتگو ہوئی' وہ بھی کچھ خوش گوار نہ تھی۔ موسیٰ نے اپنے ایک لڑکے عبدالعزیز کو اندلس کا اور دوسرے لڑکے عبداللہ کو پورے شمالی افریقہ کا والی بنا دیا تھا۔ سلیمان کو سیاسی نقطہ نظر سے ایک ہی گھر میں شمالی افریقہ سے لے کر فرانس کی حد تک کی حکومت پسند نہ آئی۔ اس نے موسیٰ سے کہا کہ اب تم اتنے مغرور ہو گئے یعنی تمہارے بیٹوں کے علاوہ کوئی اور حکومت کا اہل نہ تھا۔ موسیٰ نے جواب دیا امیر المومنین میرے لڑکوں نے اندلس' میورقہ' منورقہ' سردانیہ اور سوس اقصیٰ کو زیر نگیں کیا۔ اس لیے مجھ سے زیادہ معزز کون ہو سکتا ہے۔ سلیمان کو اس کا یہ جواب ناگوار ہوا۔ ❹

③ تیسرا سبب یہ تھا کہ طارق بن زیاد کو موسیٰ سے شکایت تھی۔ اس لیے سلیمان کو اس کے خلاف بھڑکایا' اگرچہ موسیٰ بڑا متدین اور صالح امیر تھا' اس کے متعلق کسی خیانت کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا' لیکن اس بارے میں طارق جیسے شخص کی شہادت جو اندلس کی مہمات میں برابر اس کے ساتھ رہا تھا' نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ پھر موسیٰ کی زندگی بڑی امیرانہ تھی۔ اس کے ہزاروں غلام تھے۔ ان سب سے بڑھ کر سلیمان کے دل میں پہلے سے اس کی جانب سے غبار تھا۔ ان اسباب کی بنا پر اس کے دل

---

❶ سب تاریخوں میں واقعہ کی صورت یہی ہے۔ ❷ کتاب الامامہ والسیاسہ ج۔۱' ص ۷۳۔

❸ کتاب الامامہ والسیاسہ ج۔۱' ص ۶۸۔ ❹ کتاب الامامۃ والسیاسہ ج۱' ص ۷۳۔

میں اور زیادہ بدگمانی پیدا ہوگئی۔ [1]

بحیثیت تاریخ نگار کے ان تمام واقعات کا لکھ دینا ضروری تھا' ورنہ درحقیقت ان میں سے کوئی واقعہ ایسا نہیں جو موسیٰ کے ساتھ سلیمان کے طرز عمل کے جواز کے لیے کافی ہو۔ یہ دھبہ بہرحال اس کے دامن پر ہے۔ گو کسی مؤرخ نے تصریح کے ساتھ نہیں لکھا ہے' لیکن مختلف مقدمات وواقعات کو پیش نظر رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سلیمان کے اس طرز عمل کا ایک سبب اموی عمال کے زور کو جو حکومت پر چھائے ہوئے تھے' توڑنا بھی تھا۔ حجاج اور اس کے ماتحت عمال کی خودسری اور ان کے مظالم کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ ان کے اعمال وافعال پر عام طور سے کوئی احتساب ومواخذہ نہ تھا۔ گو موسیٰ ان عمال میں نہ تھا' لیکن وہ بھی ناکردہ گناہ اس زد میں آ گیا۔

عبدالعزیز بن موسیٰ کا قتل

موسیٰ کا لڑکا عبدالعزیز والی اندلس شجاعت وشہامت میں باپ کا خلف الصدق تھا۔ باپ کے ساتھ اس ناپسندیدہ طرز عمل کے بعد بیٹے سے وفاداری کی امید رکھنا اصول سیاست کے خلاف تھا' لیکن قبل اس کے کہ سلیمان عبدالعزیز کی جانب توجہ کرتا خود عبدالعزیز کی فوج نے اس کی ایک لغزش پر اسے قتل کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبدالعزیز نے راڈرک کی بیوہ سے شادی کی تھی' جو اس پر بہت حاوی ہوگئی تھی۔ اس نے عبدالعزیز سے پوچھا کہ اس کے سابق شوہر کی طرح رعایا اس کو سجدہ کیوں نہیں کرتی۔ عبدالعزیز نے جواب دیا یہ ہمارے مذہب میں حرام ہے' لیکن بیوی سے مرعوب زیادہ تھا۔ اس کے دل میں اپنا وقار قائم رکھنے کے لیے اپنی نشت گاہ میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنوایا' جس میں بغیر جھکے ہوئے کوئی شخص اندر داخل نہیں ہوسکتا تھا اور بیوی کو سمجھا دیا کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے جھکتے ہیں۔ فوج کو اس کی خبر ہوئی تو وہ عبدالعزیز سے بگڑ گئی اور اسے قتل کر دیا۔ [2] بعض روایتوں میں ہے کہ اس کے قتل میں سلیمان کا ہاتھ بھی تھا۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ بیوی کے اصرار سے اس نے تاج بنوایا تھا' جسے خلوت میں پہنتا تھا۔ اس کی فوج نے اس سے یہ سمجھا کہ وہ بیوی کی محبت میں نصرانی ہوگیا ہے' اس لیے اس کو قتل کر دیا۔ فقالوا تنصر ثم هجموا عليه فقتلوه. [3]

فتوحات

---

[1] نفح الطیب ج۔۱ ص ۱۳۲۔ [2] مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۲۰۔ [3] البیان المغرب ج۔۱ ص ۵۴ ترجمہ اردو۔

ولید کے دور میں بعض فتوحات بھی حاصل ہوئیں۔ جرجان اور طبرستان کے علاقے پہاڑی اور دشوار گزار تھے' کوئی شخص ان پر فوج کشی کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک اولوالعزم بہادر سعید بن العاص نے فوج کشی کی تھی' لیکن فتح نہ کر سکے تھے۔ البتہ مصالحت کے ذریعہ خراج وصول کر لیا تھا' لیکن ادھر عرصہ سے دونوں علاقوں نے خراج روک کر خراسان کا راستہ بند کر دیا تھا۔ قتیبہ کے بعد جب یزید بن مہلب خراسان کی ولایت پر مامور ہوا تو ۹۸ھ میں اس نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ جرجان پر فوج کشی کی اور سب سے پہلے قہستان کا محاصرہ کیا۔ یہ علاقہ بالکل پہاڑی تھا۔ قہستانی پہاڑی قلعوں سے نکل کر لڑتے تھے اور جب کمزور پڑ جاتے تھے تو پھر پہاڑیوں میں گھس جاتے تھے' اس لیے زور نہ چلتا تھا۔ یزید نے ناکہ بندی کر کے رسد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا۔ اس سے قہستانی بے بس ہو کر صلح پر مجبور ہو گئے اور یزید نے شہر میں داخل ہو کر بڑی دولت حاصل کی اور بہت سے آدمی گرفتار کیے۔

قہستان کے بعد جرجان کا رخ کیا۔ یہاں کے باشندے قہستان کا انجام دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے خود پیش قدمی کر کے صلح کر لی اور سامان رسد سے اسلامی فوج کی مدد کی۔ اس سے یزید کا حوصلہ اور بڑھا اور وہ عبداللہ بن معمر یشکری کو چار ہزار مسلمانوں کے ساتھ جرجان میں چھوڑ کر طبرستان کی طرف بڑھا۔ یہاں کے حاکم نے بھی تاب مقابلہ نہ پا کر صلح کا پیام بھیجا' لیکن یزید پر فتح کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ اس نے صلح کرنے سے انکار کر دیا اور خود طبرستان کی طرف بڑھ گیا اور اپنے بھائی ابوعیینہ اور اپنے لڑکوں کو فوج دے کر آگے روانہ کر دیا۔ حاکم طبرستان مجبور ہو کر مقابلہ میں آیا۔ پہاڑ کے دامن میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ حاکم طبرستان نے شکست کھائی اور طبرستانی پہاڑیوں میں بھاگ گئے۔ ابوعیینہ نے ناعاقبت اندیشی سے پہاڑ کی چڑھائی پر تعاقب کیا۔ شکست خوردہ طبرستانیوں نے اوپر پہنچ کر تیر اور پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ مسلمان نیچے تھے' اس لیے وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور بہت سے آدمی پہاڑ سے گر کر ضائع ہوئے' جو بچ رہے وہ کسی نہ کسی طرح یزید کے پاس پہنچے۔ اس کامیابی کے بعد حاکم طبرستان نے حاکم جرجان سے خط و کتابت کر کے جرجان میں بغاوت کرا دی۔ ان لوگوں نے شبخون مار کر چار ہزار مسلمانوں کو جو جرجان میں تھے' قتل کر دیا اور جرجان اور خراسان کے درمیان راستہ بند کر دیا کہ مسلمانوں کو خراسان سے مدد نہ مل سکے۔ دوسری طرف حاکم طبرستان نے بھی ناکہ بندی کر دی اور مسلمان ہر طرف سے محصور ہو گئے۔ اسلامی فوج میں عجمی مسلمان بھی تھے۔ یزید نے ایک عجمی حیان نبطی سے کہا کہ اس مصیبت سے رہائی کی تم ہی کوئی صورت نکالو۔ طبرستان جا کر وہاں کے

باشندوں کو کسی طرح مصالحت پر آمادہ کرو' گو وہ عجمی تھا لیکن خود مسلمان اور مسلمانوں کا خیر اندیش تھا۔ اس نے طبرستان جا کر یہاں کے حاکم سے کہا کہ اگرچہ مذہب نے ہم دونوں کو جدا کر دیا ہے' لیکن میں تمہاری ہی قوم کا فرد ہوں اور تمہارا خیر خواہ بھی۔ یزید نے خراسان سے فوجیں طلب کی ہیں جن کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہے' اس لیے میرا مشورہ ہے کہ فوراً صلح کر لو' اس سے تم لوگ محفوظ ہو جاؤ گے اور یزید کے انتقام کا رخ جرجان کی طرف پھر جائے گا۔ حاکم طبرستان کی سمجھ میں آ گیا' اس نے بہت ساری نقدی وجنس دے کر صلح کر لی۔ طبرستان کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد یزید نے جرجان کے باغیوں کا محاصرہ کیا۔ یہ لوگ حسب دستور پہاڑیوں سے نکل کر مقابلہ کرتے تھے اور پھر قلعوں میں گھس جاتے تھے۔ قلعوں میں پہنچنے کا راستہ معلوم نہ تھا۔ اس لیے کئی مہینے تک کامیابی کی کوئی صورت نہ نکلی۔ پھر اتفاق سے اسی نواح کا ایک واقف کار مل گیا۔ اس نے جا کر قلعہ تک پہنچا دیا۔ یہاں پہنچتے ہی ایک طرف سے یزید نے اور دوسری طرف سے خالد بن یزید نے حملہ کر دیا۔ اہل قلعہ بالکل مطمئن تھے' انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا۔ اس لیے وہ اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہو کر قلعے میں گھس گئے۔ یزید نے محاصرہ کر لیا۔ محصورین کے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی۔ یزید نے ان سے مسلمانوں کے قتل کا پورا پورا بدلہ لیا اور ان کی قوت بالکل توڑ دی اور آئندہ بغاوت کے خطرہ کے انسداد کے لیے شہر جرجان بسا کر مسلمانوں کی آبادی قائم کی اور جہم بن قیس کو یہاں کا حاکم بنا کر خراسان واپس ہوا۔ [1]

قسطنطنیہ پر حملہ اور ناکامی

اس دور کا ایک اہم اور تاریخی واقعہ بزنطینی حکومت کے پایہ تخت قسطنطنیہ پر حملہ ہے۔ یہ حکومت مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف تھی۔ دونوں حکومتوں کی سرحدیں کئی مقامات پر ملتی تھیں۔ مسلمانوں کے بہت سے مقبوضات بحر روم کے ساحل پر تھے۔ اس لیے ان دونوں میں ہمیشہ کسی نہ کسی سرحد پر معرکہ آرائی رہتی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اس کے مقابلہ کے لیے ''صائفہ'' کے نام سے ایک مستقل فوج قائم کر دی تھی' جو ہر سال گرمیوں کے موسم میں رومیوں سے برسر پیکار رہتی تھی۔ انہی کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے رومیوں کی قوت توڑ دی جائے اور مسلمانوں کے لیے یورپ کا دروازہ کھول دیا جائے' چنانچہ ۴۹ھ میں انہوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا' لیکن یہ مہم ناکام رہی تھی۔ اس کے بعد کسی خلیفہ نے ادھر توجہ نہ کی' لیکن رومیوں سے آویزش

[1] ابن اثیر ج۔۵ ص۔۱۱ تا ۱۳ ملخصاً۔

کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

سلیمان کے زمانہ میں قسطنطنیہ کی اندرونی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ نسطاط دوم (ANASTASIAS-II) کے زمانہ میں جو خانہ جنگی اور طوائف الملوکی بپا ہوگئی تھی' اس کا سلسلہ تیدوس سوم (THEODORIUS-III) تک برابر قائم تھا۔ [1] اس لیے سلیمان کو پھر قسطنطنیہ کا خیال پیدا ہوا' چنانچہ ۹۸ھ میں اس نے بڑے اہتمام سے فوج کشی کی تیاریاں کیں۔ تمام ممالک محروسہ سے فوجیں جمع کیں اور ہر طرح کے آلات حرب' قلعہ شکن اسلحہ' آتش گیر مادے اور سامان رسد کے ذخیرے فراہم کر کے اپنے بھائی مسلمہ کو ایک جرار لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا۔ قنسرین تک خود پہنچانے کے لیے گیا اور مسلمہ کو رخصت کرنے کے بعد فوج کی خبر گیری اور امداد کے لیے وزابق میں ٹھہر گیا اور اس مہم کے انجام تک برابر یہاں مقیم رہا۔ [2] مسلمہ بری اور بحری دونوں سمتوں سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھا۔ بحری بیڑہ بحر اسود کی سمت روانہ ہوا اور خود مسلمہ خشکی کے راستے سے ایشیائے کوچک ہوتا ہوا بڑھا۔ عموریہ میں لیون (LEON-III) جو آگے چل کر قسطنطنیہ کے تاج و تخت کا مالک ہوا' اس سے ملا اور وعدہ کیا کہ وہ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دے گا۔ [3] چنانچہ مسلمہ عموریہ سے اس کی راہنمائی میں قسطنطنیہ پہنچا۔ اس درمیان میں بحری بیڑا بھی پہنچ گیا تھا۔ مسلمہ نے خشکی اور تری دونوں سمتوں سے محاصرہ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ بند کر دیا کہ باہر سے اہل شہر کو امداد نہ پہنچنے پائے اور وہ مجبور ہو کر سر اطاعت خم کر دیں۔ مسلمہ اس عزم کے ساتھ آیا تھا کہ وہ بغیر قسطنطنیہ کو فتح کیے واپس نہ جائے گا۔ اس لیے سامان رسد کا کافی ذخیرہ ساتھ لایا تھا' پھر احتیاطاً آس پاس کی افتادہ زمینوں میں کھیتی کرا دی کہ اگر محاصرہ طول کھینچے تو سامان رسد کی کمی نہ ہونے پائے۔ اس اہتمام کے

---

[1] اس کی تفصیل انگریزی اور عربی دونوں تاریخوں میں ہے۔ [2] کتاب العیون والحدائق ص ۳۰۔

[3] لیون ابتدا میں اناطولیہ کا معمولی باشندہ تھا۔ شام میں اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ عرب مؤرخین اسے عموریہ کا بطریق لکھتے ہیں۔ طوائف الملوکی کے زمانہ میں قسطنطنیہ پہنچا۔ آدمی حوصلہ مند تھا۔ اپنی بہادری اور کارناموں سے بڑا نام پیدا کیا اور نسطاس کے زمانہ میں مشرقی فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔ پھر تیدوس کے پر آشوب دور میں اسے تاج و تخت کی ہوس پیدا ہوئی۔ لیکن شاہی خاندان سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا' اس لیے اس آرزو کا پورا ہونا دشوار تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے مسلمہ کو ابھارا اور قسطنطنیہ پر قبضہ کرا دینے کا وعدہ کیا۔ اس لیے کہ تیدوس میں کوئی دم نہ تھا۔ وہ اندرونی نظام سنبھالنے سے عاجز تھا اور لیون اپنے کارناموں سے کافی نام اور رسوخ پیدا کر چکا تھا۔ اس لیے مسلمہ کے حملہ ہی کی صورت میں اس کی کامیابی کا امکان تھا' لیکن انگریزی مؤرخین نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ ان کے بیان کے مطابق لیون ہی کے زمانہ حکومت میں مسلمانوں کا حملہ ہوا تھا اور اسی نے مدافعت کی۔

ساتھ کئی مہینے محاصرہ قائم رہا۔ اس درمیان میں برابر بحری اور بری جنگ ہوتی رہی۔ اہل قسطنطنیہ کچھ دنوں تک مدافعت کرتے رہے' پھر مسلمانوں کے عزم کو دیکھ کر مصالحت کے لیے آمادہ ہو گئے' لیکن مسلمہ نے انکار کر دیا۔ تیدوس سوم بالکل نااہل تھا۔ اس میں حکومت کا اندرونی نظام سنبھالنے کی بھی اہلیت نہ تھی۔ اس لیے اہل قسطنطنیہ مجبور ہو کر لیون سے جس کی شجاعت کا کافی شہرہ ہو چکا تھا' امداد کے طالب ہوئے۔ ایک بیان یہ ہے کہ خود لیون نے کہلا بھیجا کہ اگر تاج و تخت اس کے حوالے کر دیا جائے تو وہ قسطنطنیہ سے مسلمانوں کو ہٹا دے گا۔ ادھر اس نے مسلمہ کو یقین دلا رکھا تھا کہ اگر اسے قسطنطنیہ کی حکومت مل گئی تو وہ اس کی اطاعت قبول کر لے گا اور قسطنطنیہ کا خزانہ اس کے حوالہ کر دے گا۔ اس لیے مسلمہ اس کے اور اہل قسطنطنیہ کے درمیان نامہ و پیام میں مزاحم نہ ہوا' بلکہ ہر طرح اس کی حمایت کی۔ تیدوس کی نااہلی کی وجہ سے رومیوں نے لیون کی شرط منظور کر لی اور اسے بلا کر حکومت حوالہ کر دی۔ [1] لیون کی خوش قسمتی سے اس کی تخت نشینی کے بعد ہی قدرت کی جانب سے مسلمانوں کی شکست کے سامان پیدا ہو گئے۔ عرب یورپ کی سردی کے یوں بھی عادی نہ تھے۔ اتفاق سے اس سال غیر معمولی برفباری اور سردی ہوئی' جس کا مسلمان تحمل نہ کر سکے اور ہزاروں آدمی بیمار پڑ کر مر گئے۔ محاصرہ کی طوالت کی وجہ سے سامان رسد بھی ختم ہو چلا تھا۔ کھیتی کچھ برفباری کی کثرت نے برباد کر دی اور کچھ جنگی مشغولیت کی وجہ سے مسلمان دیکھ بھال نہ کر سکے۔ اس لیے سامان رسد کا سخت قحط پڑ گیا اور مسلمان بھوکے مرنے لگے۔ سلیمان ایشیائے کوچک کی سرحد پر موجود تھا' لیکن برفباری کی کثرت کی وجہ سے وہ بھی مدد نہ کر سکا اور ہزاروں مسلمان لقمہ اجل ہو گئے۔ یہ مصیبت تھی ہی' اس پر مستزاد یہ ہوا کہ بلقانیوں نے اڈریانوپل کی اسلامی فوج کو برباد کر دیا۔ [2] ان مخالف حالات کی وجہ سے اسلامی فوج کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ جو لوگ باقی بچے وہ طرح طرح کے مصائب کا شکار ہوئے۔ اسی دوران میں سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے انتقال کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے امداد بھیج کر باقی ماندہ فوجوں کو واپس بلا لیا۔ اگر یہ مہم ناکام نہ ہوئی ہوتی تو مشرقی یورپ میں اسی زمانہ میں مسلمان پہنچ گئے ہوتے۔

علالت' ولی عہدی اور وفات

سلیمان وابق میں مقیم تھا کہ یہیں مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت تک ولی عہدی کا فیصلہ

---

[1] جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ یہ عربی مؤرخین کا بیان ہے۔ ابن اثیر ج ۴' ص ۱۰ و کتاب العیون والحدائق ص ۳۳۔ [2] یہ واقعات ابن اثیر' کتاب العیون والحدائق اور دی اسٹوری آف دی نیشنز کے بیان کا خلاصہ ہیں۔

نہ ہوا تھا۔ جب حالت زیادہ خراب ہوئی' تو اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا۔ محدث رجاء بن حیوۃ ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا ''خلیفہ ایسے صالح شخص کو بنانا چاہیے کہ قبر میں امن حاصل رہے''۔ سلیمان خود بھی صالح تھا اس لیے رجاء کے کہنے سے وہ اس مسئلہ پر غور کرنے لگا اور دو دن کے بعد وصیت نامہ چاک کر ڈالا اور رجاء بن حیوۃ سے پوچھا کہ میرے لڑکے داؤد کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت قسطنطنیہ کی مہم میں ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ زندہ بھی ہیں یا مر گئے ہیں۔ [1] سلیمان نے کہا پھر کیا رائے دیتے ہو؟ رجاء نے کہا اصل رائے تو آپ کی ہے' آپ نام لیجئے میں غور کروں گا۔ [2] سلیمان نے پوچھا عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ رجاء نے عرض کیا' میرے نزدیک وہ نہایت فاضل اور برگزیدہ مسلمان ہیں۔ سلیمان نے کہا واللہ! میرا بھی یہی خیال ہے' لیکن اگر میں عبدالملک کی اولاد کو بالکل نظر انداز کر کے ان کو خلیفہ بنا دوں تو بڑا فتنہ بپا ہو جائے گا اور وہ لوگ ان کو خلافت پر قائم نہ رہنے دیں گے۔ اس لیے عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) کو خلیفہ اور عبدالملک کو ولی عہد نامزد کرتا ہوں۔ اس سے وہ لوگ مطمئن ہو جائیں گے اور عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) کی خلافت مان لیں گے۔ رجاء نے بھی اس کی تائید کی اور اسی وقت سلیمان نے خود اپنے قلم سے یہ وصیت نامہ لکھا:

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' یہ تحریر اللہ کے بندے سلیمان امیر المؤمنین کی جانب سے عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) کے لیے ہے' میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا اور تمہارے بعد یزید بن عبدالملک کو' مسلمانو! ان کا کہنا سننا' ان کی اطاعت کرنا' اللہ سے ڈرنا۔ آپس میں اختلاف نہ پیدا کرنا کہ دوسرے تم پر حرص وطمع کی نگاہ ڈالیں''۔

اس وصیت نامہ پر مہر کر کے رجاء کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ وہ اہل خاندان کو جمع کر کے بغیر نام ظاہر کیے ہوئے ان سے نامزد کردہ خلیفہ کی بیعت لے لیں۔ انہوں نے فوراً اس کی تعمیل کی۔ سب نے بالاتفاق سمعنا و اطعنا کہا' اس کے بعد پھر سب کے سب سلیمان کو دیکھنے کے لیے گئے' اور ان کے سامنے سب نے فرداً فرداً بیعت کی۔ [3] اس مرحلہ سے فراغت کے بعد صفر ۹۹ھ میں سلیمان کا انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت پینتالیس سال کی عمر تھی' مدت خلافت دو سال آٹھ مہینے۔

---

[1] قسطنطنیہ کی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا تھا۔

[2] ایک روایت یہ ہے کہ خود رجاء نے عمر بن عبدالعزیز کا نام پیش کیا تھا۔

[3] یہ تفصیلات ابن سعد ج۔۵' ص۔۲۲۷ تا ۲۲۹ سے ماخوذ ہیں۔

اولاد

انتقال کے بعد دس لڑکے یادگار چھوڑے۔ یزید' قاسم' سعید' عثمان' عبداللہ' عبدالواحد' حارث' عمرو' عمر اور عبدالرحمٰن۔

سلیمانی دور پر تبصرہ

سلیمان کا دور بیرونی فتوحات کے لحاظ سے کچھ زیادہ کامیاب نہیں تھا' لیکن اندرونی اصلاحات کے اعتبار سے بہت ممتاز ہے۔ اس کے زمانے میں اموی حکومت رقبہ کی وسعت اور تمدنی ترقی کے لحاظ سے اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ ان دونوں پہلوؤں پر توجہ کی چنداں حاجت نہ تھی' بلکہ اب اس کے مفاسد کی اصلاح کی ضرورت تھی۔ اس لیے سلیمان کی توجہ زیادہ تر اسی جانب رہی۔ خود بھی مصلحانہ خیالات رکھتا تھا' پھر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس کے وزیر و مشیر تھے۔ اس لیے تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے اصلاحات شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل اصلاح اموی عمال تھے' جنہوں نے اپنے مظالم و مطلق العنانی سے اموی خلفا کو بدنام کر رکھا تھا۔ خود خلفا کچھ ایسے جابر و ظالم نہ تھے' بلکہ عام دنیاوی حکمرانوں کی طرح ان میں اچھے بھی تھے' برے بھی۔ ممکن ہے کہ ان سے کچھ ظالمانہ افعال سرزد ہوئے ہوں اور ضرور ہوئے' لیکن جیسا کہ عام طور سے شہرت ہے' ظلم ان کی خصوصیت نہ تھی۔ اس شہرت کا اصل سبب یہ ہے کہ ان کے بعض عمال خصوصاً حجاج اور اس کے ماتحت حکام ظالم اور مطلق العنان تھے اور خلفا ان کی مطلق العنانی کا بہت کم تدارک کرتے تھے۔ اس لیے ان کے مظالم بھی ان کی طرف منسوب ہو گئے۔ سلیمان نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا۔ اس لیے تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے عمال کا مواخذہ و احتساب شروع کر دیا۔ اس کے دور سے پہلے جو لوگ ناحق قید کیے گئے تھے' سب کو رہا کر دیا۔ جلاوطن اشخاص کو واپسی کی اجازت دے دی۔ اس سلسلہ میں اتنے قیدی رہا کیے گئے کہ قید خانے خالی ہو گئے۔

حجاج خود مر چکا تھا' لیکن اس کے ماتحت عمال موجود تھے۔ سلیمان نے ان میں سے اکثروں کو معزول کر دیا اور بعض کو سزائیں دیں۔ اس میں اتنی وسعت اور شدت برتی کہ اچھے برے عمال میں بھی امتیاز نہیں کیا' چنانچہ حجاج کے متعلقین کے سلسلے میں محمد بن قاسم فاتح سندھ بھی ناکردہ گناہ کی زد میں آ گیا۔

جیسا کہ میں نے اوپر بھی لکھا ہے' میرا خیال ہے کہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ بھی جو سلوک ہوا' وہ درحقیقت اسی جذبہ کا نتیجہ تھا۔ سلیمان اس کی مطلق العنانی گوارہ نہ کر سکا' گو وہ ناکردہ گناہ اس کے

عتاب کا شکار ہوا' لیکن اس کا ایک بڑا سبب موسیٰ کی مطلق العنانی تھی۔

مذہبی اصلاحات

سلیمان نے بعض خالص مذہبی اصلاحات بھی کیں۔ اموی خلفا نماز عموماً تاخیر سے پڑھا کرتے تھے۔ سلیمان نے اول وقت کا اہتمام کیا۔ [1]

مکہ میں چشمہ کا اجراء

ان اصلاحات کے ساتھ اس نے اور بہت سے مفید کام کیے۔ مکہ میں میٹھے پانی کی بڑی قلت تھی۔ سلیمان نے آب شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا۔ یہ چشمہ خالد بن عبداللہ والی مکہ کے زیر نگرانی تعمیر ہوا۔ اس کے لیے کوہ ثبیر کے دامن میں ایک بڑا سنگی تالاب بنایا گیا تھا' اور اس سے سیسہ کے نل کے ذریعہ حرم میں پانی لایا گیا تھا' جو رکن و زمزم کے درمیان سنگ رخام کے فوارے میں گرتا تھا۔ اس کے افتتاح کی تقریب میں خالد نے تمام اہل مکہ کی دعوت کی۔ اس چشمہ کی وجہ سے مکہ میں میٹھے پانی کی افراط ہوگئی' گو زمزم کے مقابلہ میں اس کو مقبولیت نہ ہوئی۔ [2]

رملہ کی آبادی

شام میں ایک شہر رملہ آباد کیا۔ ولید کے زمانے میں جب کہ وہ فلسطین کا حاکم تھا' اسے رملہ کی جائے وقوع اور اس کی آب و ہوا بہت پسند آئی' چنانچہ اسی زمانے میں اس نے اپنے قیام کے لیے یہاں چند عمارتیں بنوائیں۔ پھر جب خلیفہ ہوا تو اسے بڑی ترقی دی۔ بہت سی عمارتیں' جامع مسجد' تالاب اور حوض بنوائے۔ آبادی کو بڑھانے کے لیے لوگوں کو یہاں منتقل کیا۔ اس سلسلہ میں سرکاری عمارتوں کے علاوہ اور بہت سی عمارتیں بن گئیں اور رملہ اچھا خاصا شہر ہوگیا۔ سلیمان اکثر رملہ ہی میں رہتا تھا۔ اس لیے اسے پایہ تخت کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ [3]

قریش اور اہل مدینہ کے وظائف

اس کا طرز عمل اہل مدینہ اور قریش کے ساتھ بڑا فیاضانہ تھا۔ ۹۷ھ میں جب حج کے سلسلے میں مدینہ گیا تو عام اہل مدینہ میں روپیہ تقسیم کیا اور خاندان قریش میں چار ہزار وظیفے مقرر کیے' لیکن ان کے حلیفوں اور موالی کو نظر انداز کر دیا۔ قریش نے کہا ہمارے حلیف اور موالی ہم سے زیادہ مقدم ہیں' اس لیے

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۶۔ [2] یعقوبی ج ۲' ص ۳۵۲۔ [3] معجم البلدان ذکر رملہ۔

ہمارے وظیفے ان کی جانب منتقل کر دیئے جائیں۔ اس درخواست پر سلیمان نے ان کے وظائف برقرار رکھے اور انہی کے برابر حلیفوں اور موالی کے علیحدہ وظیفے مقرر کیے۔ [1]

سب سے بڑا کارنامہ

اس کا سب سے بڑا کارنامہ جو سینکڑوں کارناموں اور اصلاحوں سے بڑھ کر ہے، وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ولی عہدی ہے، جنہوں نے اموی سلطنت کو خلافت راشدہ کے قالب میں بدل دیا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ خود سلیمان کے بیٹے اور حقیقی بھائی موجود تھے اس کا یہ کارنامہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں جو اصلاحات ہوئیں، اس کی سعادت میں سلیمان کا بھی حصہ ہے۔

ذاتی حالات

ذاتی حیثیت سے وہ بڑا صاحب اوصاف تھا۔ مؤرخین اسے ''مفتاح الخیر'' (بھلائی کی کنجی) لکھتے ہیں۔ [2] وہ اپنے پیش رو کے برعکس بڑا فصیح و بلیغ تھا۔



---

[1] یعقوبی ج۔۲، ص ۳۵۲۔ [2] ابن اثیر ج۔۵، ص ۱۱۴۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

(۹۹ھ تا ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۷ء تا ۷۱۹ء)

سلیمان کی وفات کے بعد صفر ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تخت نشین ہوئے۔ آپ مشہور اموی فرمانروا مروان بن حکم کے پوتے تھے۔ باپ کا نام عبدالعزیز تھا۔ آپ کی ماں ام عاصم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔ اس لیے آپ کی رگوں میں فاروقی خون بھی شامل تھا۔ عبدالعزیز خاندان شاہی کے ممتاز رکن تھے۔ اکیس سال تک مصر کے گورنر رہے۔ اس لیے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش تمول و ثروت اور عیش و تنعم کے گہوارہ میں ہوئی، جس کے اثرات خلافت ملنے تک باقی تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام کے ساتھ مشہور محدث صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہوئی۔ عمر رحمۃ اللہ علیہ فطرتاً صالح و سعید تھے۔ تعلیم و تربیت نے ان کے جوہروں کو اور زیادہ چمکا دیا تھا اور وہ ہر اعتبار سے اپنے خاندان سے بالکل الگ تھے۔ علمی لحاظ سے وہ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ علمی حیثیت سے انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے وہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خود شاہی خاندان کے رکن تھے۔ پھر عبدالملک کے بھتیجے اور داماد تھے۔ اس لیے وہ مختلف ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہے، لیکن اس دور میں بھی ان کی فطری سعادت نے ساتھ نہ چھوڑا اور وہ جہاں جہاں رہے، اپنے حسن عمل کی بہترین یادگاریں چھوڑیں۔ ولید نے جب ان کو مدینہ کی گورنری پر بھیجنا چاہا تو انہوں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ وہ دوسرے عمال کی طرح ظلم نہ کریں گے، ولید نے اسے منظور کیا۔ [1]

مدینہ پہنچنے کے بعد وہاں کے اکابر فقہا کو بلا کر ان سے کہا کہ میں نے آپ لوگوں کو ایسے کام کے لیے زحمت دی ہے کہ اس میں میرا ہاتھ بٹانے سے آپ لوگوں کو ثواب ملے گا، اور آپ حامی حق قرار پائیں گے۔ میں آپ لوگوں کی رائے اور مشورہ کے بغیر کوئی کام سرانجام نہ دوں گا۔ جب آپ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو کسی ظلم و زیادتی کی خبر ملے تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے ضرور اس کی خبر کیجئے۔ [2]

اس مبارک اصلاح کے ساتھ انہوں نے حکومت کا آغاز کیا اور اپنے دور حکومت میں انہوں نے بہت سے مفید کام انجام دیئے، جن کی تفصیل ولید کے دور میں گزر چکی ہے۔ ان میں سب سے بڑا کارنامہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر ہے۔ ان تمام اخلاقی محاسن کے ساتھ بہر حال وہ شاہی خاندان کے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۳۲۔ [2] ابن سعد ج ۵، ص ۲۴۵۔

رکن اور عیش و تنعم میں پلے ہوئے تھے۔ اس لیے ان کی زندگی بڑی مترفانہ تھی' چنانچہ جب مدینہ کی گورنری پر وہ گئے ہیں' تو تیس اونٹوں پر ان کا ذاتی سامان بار تھا۔ ❶

خوش لباسی اور نفاست کا یہ حال تھا کہ جس لباس پر ایک مرتبہ کسی کی نظر پڑ جاتی تھی' پھر اسے نہ پہنتے تھے۔ ❷ خوشبویات کا بڑا شوق تھا۔ داڑھی پر عنبر کا سفوف چھڑکتے تھے۔ ❸ اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ خوش لباس اور جامہ زیب آدمی مانے جاتے تھے۔ رجاء بن حیوۃ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ خوش لباس' معطر اور تبختر کی چال چلنے والے تھے۔ ❹

خلافت

سلیمان نے جس طرح ان کی خلافت کی وصیت کی' اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ سلیمان کی وفات کے بعد رجاء بن حیوۃ نے اس خطرہ سے کہ موت کی خبر سننے کے بعد مبادا اہل خاندان عمر بن عبدالعزیز کی بیعت میں کچھ لیت ولعل کریں' موت کی خبر کو مخفی رکھا اور دوبارہ اہل خاندان کو جمع کر کے ان سے سلیمان کے وصیت نامہ پر پھر بیعت لی۔ بیعت کو مستحکم کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا نام سن کر صرف ہشام بن عبدالملک نے ان کی بیعت سے انکار کیا' لیکن رجاء نے کہا خاموشی سے بیعت کرو ورنہ تمہارا سر قلم کر دوں گا اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھا دیا اور کسی نے چون و چرا نہیں کی۔

خلافت کا بار سر پر آتے ہی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بالکل بدل گئی اور تخت خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی ابوذر غفاری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کا قالب اختیار کر لیا۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول جب آپ کے سامنے شاہی سواری پیش کی گئی تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا میرے لیے میرا خچر کافی ہے۔ ❺ گھر آئے تو اس بار عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا۔ لونڈی نے پوچھا خیر ہے؟ آپ اتنے متفکر کیوں ہیں؟ فرمایا اس سے بڑھ کر فکر و تشویش کی بات کیا ہوگی کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔ ❻

---

❶ یعقوبی ج۔۲' ص ۳۳۹۔ ❷ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۶۔
❸ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۵۱۔ ❹ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۱۔
❺ یہ تمام واقعات ابن سعد ج۔۵' ص۔ ۲۴۷ تا ۲۴۸ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔
❻ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۵۲۔

خلافت سے دستبرداری اور آمادگی

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فطرتاً خلافت کی عظیم الشان ذمہ داریوں سے گھبراتے تھے۔ پھر خلافت کے بارے میں آپ کا جو نقطہ نظر تھا اس کے اعتبار سے آپ کا انتخاب شوریٰ سے نہ ہوا تھا' اس لیے غور وفکر کے بعد آپ اس سے دستبرداری کے لیے آمادہ ہو گئے اور مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے کہا:

''لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لیے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے' اس لیے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے' میں خود اسے اتارے دیتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو''۔

یہ تقریر سن کر مجمع نے شور بلند کیا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے اور ہم سب آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ آپ اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے اختلاف نہیں ہے تو اس وقت آپ نے اس بار عظیم کو قبول فرمایا اور مسلمانوں کے سامنے تقریر کی۔ اس میں تقویٰ و آخرت کی تلقین کے بعد خلیفہ اسلام کی اصل حیثیت واضح کی' جسے اموی فرمانرواؤں نے ملوکیت میں گم کر دیا تھا۔

''امابعد! تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے اور اللہ نے اس پر جو کتاب اتاری ہے' اس کے بعد دوسری کتاب آنے والی نہیں ہے۔ اللہ نے جو چیز حلال کر دی ہے وہ قیامت تک کے لیے حلال ہے اور جو حرام کر دی وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف (احکام الٰہی کو) نافذ کرنے والا ہوں۔ خود اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں' بلکہ محض پیرو ہوں' کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں تم میں سے کوئی ممتاز آدمی بھی نہیں ہوں بلکہ معمولی فرد ہوں' البتہ تمہارے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے زیادہ گرانبار کیا ہے''۔ [1]

اپنی حیثیت واضح کرنے کے بعد امور خلافت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس بارے میں آپ کا مطمع نظر اپنے پیشروؤں سے بالکل مختلف تھا۔ آپ اموی حکومت کے پورے نظام میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جب سے اسلامی خلافت نے شخصی سلطنت کا قالب اختیار کیا تھا' اس وقت سے اس

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۸۔

میں مستبد حکومتوں کی تمام برائیاں آ گئی تھیں۔ مذہبی روح کمزور پڑ گئی تھی۔ رعایا کی آزادی ختم ہو گئی تھی۔ جمہور کی آواز دب گئی تھی۔ بیت المال ذاتی خزانہ بن گیا تھا۔ جو ہر طرح کی جائز و ناجائز آمدنیوں سے بھرا جاتا تھا اور اسی بے عنوانی سے صرف کیا جاتا تھا۔ خاندان شاہی کے ارکان اور امرا کے قبضہ میں کروڑوں روپیہ کی جاگیریں تھیں۔ عمال و حکام کے افعال و اعمال پر کوئی احتساب اور مواخذہ نہ تھا اور اس قبیل کی وہ تمام برائیاں جو عموماً شخصی حکومتوں میں ہوتی ہیں' اموی حکومت میں موجود تھیں اور اسلامی خلافت کی حقیقی روح بالکل مردہ ہو گئی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی مقصد خلافت راشدہ کا دوبارہ احیا تھا' لیکن اموی حکومت کو دوبارہ جمہوری بنا دینا آپ کے اختیار میں نہ تھا۔ اس لیے آپ کم سے کم اس کی برائیاں دور کر کے طرز جہانبانی میں اس کو خلافت راشدہ سے قریب تر کر دینا چاہتے تھے۔ یہ انقلاب جتنا اہم تھا اتنا ہی خطرناک اور نازک بھی تھا' لیکن آپ نے تمام مشکلات کو نظر انداز کر کے کام شروع کر دیا۔

غصب شدہ مال اور جائیداد کی واپسی

اس سلسلہ میں سب سے مقدم فرض رعایا اور زیردستوں کے اس مال و جائیداد کی واپسی تھی' جسے شاہی خاندان کے ارکان' اموی عمال اور دوسرے عمائد نے اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ یہ ایسا نازک کام تھا جس کو ہاتھ لگانا سارے خاندان کی مخالفت مول لینا تھا' لیکن سب سے پہلے آپ نے اسی کار خیر کو شروع کیا۔ خود آپ کے پاس بہت بڑی موروثی جاگیر تھی۔ بعض خیر خواہوں نے عرض کیا کہ اگر جاگیر واپس کر دیں گے تو اولاد کے لیے کیا انتظام کریں گے۔ فرمایا ان کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ [1] اس کے بعد اہل خاندان کو جمع کر کے فرمایا: ''بنی مروان! تم کو دولت اور شرف کا بڑا حصہ ملا ہے۔ میرا خیال ہے کہ امت کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضہ میں ہے''۔ ان لوگوں نے جواب دیا ''اللہ کی قسم! جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہ ہو جائیں گے' اس وقت تک یہ جائیدادیں واپس نہیں ہو سکتیں۔ اللہ کی قسم! نہ ہم اپنے آباؤ اجداد کو کافر بنا سکتے ہیں اور نہ اپنی اولادوں کو مفلس بنائیں گے''۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اللہ کی قسم اگر اس حق میں تم میری مدد نہ کرو گے تو میں تم کو ذلیل اور رسوا کر کے چھوڑوں گا''۔ [2]

اس کے بعد عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے تقریر کی: ''ان لوگوں (یعنی اموی خلفاء) نے ہم ارکان خاندان کو ایسی جاگیریں اور عطایا دیئے' اللہ کی قسم جن کے دینے کا نہ ان کو کوئی حق تھا اور نہ

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۰۸۔ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۱۵۔

ہمیں ان کے لینے کا۔ اب میں سب کو ان کے اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں' اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں''۔

اس تقریر کے بعد جاگیروں کی اسناد کا خریطہ منگوایا' عیسیٰ بن مزاحم ان اسناد کو نکال کر پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ انہیں قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے تھے۔ صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ [1] اور اپنی اور اپنے پورے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی' حتیٰ کہ اپنے پاس نگینہ تک نہ رہنے دیا۔ [2] آپ کی بیوی فاطمہ کو ان کے باپ عبدالملک نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بیوی سے کہا کہ اسے بیت المال میں داخل کر دو یا مجھے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ' اطاعت شعار بیوی نے اسی وقت وہ پتھر بیت المال میں داخل کر دیا۔ [3]

فدک کا فیصلہ

فدک کا علاقہ خلفائے راشدین کے زمانے سے ان میں اور اہل بیت میں متنازعہ فیہ چلا آتا تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا۔ اس کی آمدنی آپ اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اسے آپ سے مانگا تھا' لیکن آپ نے نہیں دیا' اس لیے خلفائے راشدین نے بھی اس کو اپنے انتظام میں رکھا اور اس کی آمدنی انہی مصارف میں صرف کرتے رہے' جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرماتے تھے۔ مروان نے اپنے زمانہ میں اسے جاگیر بنا لیا تھا۔ اس لیے وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے قبضہ میں آیا۔ اس پر ان کی اور ان کے اہل وعیال کی معاش کا دارومدار تھا' لیکن وہ اہل بیت کی وراثت میں نہ تھا' اس لیے انہیں بھی واپس نہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل کی تحقیقات کر کے فدک کو اپنے ملک سے نکال کر پھر اس کے قدیم مصارف کے لیے مخصوص کر دیا اور آل مروان سے کہا ''فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا' جس کی آمدنی آپ اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے' فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے مانگا تھا' لیکن آپ نے نہیں دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک اسی پر عمل ہوتا رہا۔ پھر مروان نے اسے اپنی جاگیر بنا لیا اور وہ وراثۃً میرے قبضہ میں آئی' لیکن جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی نہیں دی' اس پر میرا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں تم کو گواہ بناتا

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۳۰۸۔ [2] ابن سعد ج ۵' ص ۳۵۲۔
[3] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳۔

ہوں کہ فدک میں جو صورت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی' میں اس کو اسی حالت پر لوٹاتا ہوں۔'' [1] اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں کو واپس کرانے کے بعد عام مغصوبہ اموال کی واپسی کی طرف متوجہ ہوئے اور عمال کے پاس تاکیدی احکام بھیج کر تمام ممالک محروسہ کے غصب شدہ مال واملاک کو واپس کر دیا۔ عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ وہاں کا خزانہ خالی ہو گیا اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو عراق کی حکومت کے اخراجات کے لیے دارالخلافہ سے روپیہ بھیجنا پڑا۔ [2] ملکیت کے ثبوت کے لیے بڑی سہولت رکھی تھی۔ زیادہ زحمت نہ اٹھانا پڑتی تھی۔ معمولی شہادت پر مال واپس مل جاتا تھا۔ [3] جو لوگ مر چکے تھے ان کے ورثاء کو واپس ملتا تھا۔ [4] اس کا سلسلہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات تک برابر قائم رہا۔ [5] غرض مال وجائیداد اور نقد وجنس کی قسم سے جو بھی ناجائز طور پر کسی کے قبضہ میں تھا' ایک ایک کر کے ان کے اصلی وارثوں کو واپس کر دیا گیا [6] عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال دُنیا کی کوئی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

خاندان بنی امیہ کی برہمی

عمر بن عبدالعزیز کے اس عدل نے بنی امیہ کو بالکل تہی دست کر دیا تھا۔ اس لیے قدرتاً ان میں بڑی برہمی پیدا ہوئی' چنانچہ آل مروان نے ہشام کو اپنا وکیل بنا کر ان سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے جا کر کہا کہ ان امور میں جن کا تعلق آپ کے زمانہ سے ہے آپ جو چاہے کیجئے' لیکن گذشتہ خلفا جو کچھ کر گئے ہیں اسے اسی حالت پر رہنے دیجئے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر ایک ہی معاملہ کے لیے تمہارے پاس دو دستاویز ہوں۔ ایک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اور دوسری عبدالملک کی تو تم ان میں سے کس کو قبول کرو گے۔ ہشام نے کہا کہ جو پہلے کی ہو۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا تو پھر میں نے کتاب اللہ کو سب سے زیادہ قدیم دستاویز پایا اس لیے میں ہر اس چیز میں جو میرے اختیار میں ہے' خواہ وہ میرے زمانہ کی ہو یا مجھ سے پہلے کی ہو میں اسی قدیم دستاویز کے مطابق عمل کروں گا۔ اس پر سعید بن خالد نے کہا' امیر المؤمنین! جو چیز آپ کی ولایت میں ہے اس میں آپ حق وانصاف کے مطابق جو فیصلہ چاہے کیجئے' لیکن گذشتہ خلفا اور ان کی بھلائیوں اور برائیوں کو ان کی

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی صفایا رسول اللہ ﷺ وطبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اہل بیت کو فدک واپس کر دیا تھا لیکن یہ غلط ہے۔

[2] ابن سعد ج۔۵' ص ۲۵۲۔ [3] ابن سعد ج۔۵' ص ۲۵۲۔ [4] تہذیب الاسماء جلد اول ص ۲۰۔

[5] ابن سعد ج۔۵' ص ۱۵۱۔ [6] ابن سعد ج۔۵' ص ۲۵۲۔

حالت پر رہنے دیجئے۔ اتنا آپ کے لیے کافی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں اللہ کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے لڑکوں کو چھوڑ کر مر جائے اور بڑے لڑکے اپنی قوت کے زور سے سارے مال پر قبضہ کر کے کھا جائیں اور چھوٹے لڑکے تم سے مدد چاہیں تو تم کیا کرو گے۔ سعید نے جواب دیا ان کے حقوق واپس دلاؤں گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہی تو میں نے بھی کیا۔ مجھ سے پہلے کے خلفا نے ان لوگوں کو اپنی قوت سے دبایا۔ ان کے ماتحتوں نے بھی ان کی تقلید کی' اب جب میں خلیفہ ہوا تو یہ کمزور لوگ میرے پاس آئے' ایسی صورت میں میرے لیے اس کے سوا چارۂ کار کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور اعلیٰ سے ادنیٰ کا حق دلاؤں۔ [1] ان کے خاندان والوں کو بیت المال سے جو وظائف اور گذارے ملتے تھے بند کر دیئے۔ عیینہ بن سعد نے شکایت کی کہ امیر المؤمنین آپ پر ہم لوگوں کا بھی حق ہے۔ آپ نے فرمایا میرے ذاتی مال میں تمہارا حق ہو سکتا تھا' مگر اس میں اتنی گنجائش نہیں اور بیت المال میں تمہارا اس سے زیادہ حق نہیں ہے جتنا برک غماد کے آخری حدود میں رہنے والے کا۔ واللہ! اگر ساری دنیا تم لوگوں کی رائے کی ہو جائے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو۔ [2] غرض آپ کے اعزہ' اقربا اور اہل خاندان نے آپ کو ہر طرح سے روکنے کی کوشش کی' لیکن کوئی چیز آپ کو قیام عدل سے نہ روک سکی اور آپ نے سارے اموال مغصوبہ واپس دلا کر چھوڑے۔

بیت المال کی آمدنی اور اس کے مصارف کی اصلاح

اموی خلفا نے بیت المال کو ذاتی خزانہ بنا لیا تھا اور اس کی آمدنی اور مصارف کسی چیز میں بھی احتیاط نہ برتی جاتی تھی۔ جائز و ناجائز ہر طرح کی آمدنی سے خزانہ بھرا جاتا تھا اور اسی بے عنوانی کے ساتھ صرف کیا جاتا تھا۔ بیت المال کا بڑا حصہ ان کے ذاتی تعیش پر صرف ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بھی پوری اصلاح کی اور اس کے تمام ناجائز مصارف بند کر دیئے۔ اموال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں بہت بڑا حصہ بیت المال میں واپس ہو گیا تھا۔ اپنے گھر کا ایک ایک نگینہ تک انہوں نے بیت المال میں داخل کر دیا تھا۔ خاندان کے تمام وظائف بند کر دیئے۔ شاہی شکوہ و تجمل کے تمام اخراجات موقوف کر دیئے' چنانچہ تخت نشینی کے بعد جب شاہی اصطبل کے داروغہ نے سواریوں کے اخراجات مانگے تو حکم دیا کہ تمام سواریوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔ میرے لیے میرا خچر کافی ہے۔ [3] خود اپنا تمام ذاتی سامان امارت' لونڈی' غلام' فرش و

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ابن جوزی ص ۱۱۸ و ۱۱۹۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۴' ۱۱۵۔
[3] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۱۔

فروش' لباس وعطریات وغیرہ بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔ [1] بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لیے حجاج نومسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بالکل بند کر دیا اور ایک عام حکم جاری کر دیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ چھوڑ دیا جائے۔ اس حکم پر تنہا مصر میں اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ حیان بن شریح نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ بھیجا کہ ''اس حکم کی وجہ سے اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے ہیں کہ آمدنی گھٹ گئی ہے اور مجھے قرض لے کر مسلمانوں کو وظیفے دینے پڑے''۔ آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ''جزیہ بہر حال موقوف کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے محصل بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔'' [2] اس بارے میں اتنی سختی برتی کہ فرمان عام جاری کر دیا کہ اگر کسی غیر مسلم کا جزیہ ترازو میں رکھا جا چکا ہو اور اس حالت میں بھی وہ اسلام قبول کر لے یا نئے سال کے آغاز سے ایک دن پہلے (جبکہ پورے سال کا جزیہ عائد ہو جاتا ہے) اسلام لے آئے تو بھی جزیہ نہ لیا جائے۔ [3]

خراج کی وصولی کے متعلق عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو فرمان لکھا:

''زمین کا معائنہ کرو' بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو۔ اگر بنجر زمینوں میں کچھ صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش خراج لو اور ان کی اصلاح کرو کہ وہ آباد ہو جائیں۔ جن آباد زمینوں پر پیداوار نہیں ہوتی ان کا خراج نہ لو اور جو زمینیں قحط زدہ ہو جائیں ان کے مالکوں سے نرمی سے خراج وصول کرو۔ خراج میں صرف وزن سبعہ لو۔ ٹکسال والوں' چاندی پگھلانے والوں سے نوروز کے ہدیے عرائض نویسی' شادی اور گھروں کا ٹیکس اور نکاح کا نہ لیا جائے' جو ذمی مسلمان ہو جائے اس پر ٹیکس نہیں ہے''۔ [4]

ان کے علاوہ جس قدر ناجائز ٹیکس تھے' سب موقوف کر دیئے۔ [5]

بیت المال کی حفاظت کا انتظام

بیت المال کی حفاظت کا نہایت سخت انتظام کیا۔ ذرا سی بے احتیاطی پر سخت باز پرس کرتے۔ ایک مرتبہ یمن کے بیت المال سے ایک اشرفی گم ہو گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں

---

[1] تہذیب الاسماء ج۔۱' ص ۲۱۔ [2] مقریزی ج۔۲' ص ۱۲۵۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۶۲۔
[4] کتاب الخراج ص ۴۹۔ [5] ابن سعد ج ۵' ص ۱۸۳۔

کے افسر خزانہ کو لکھا کہ میں تمہاری امانت پر بدگمانی نہیں کرتا' لیکن تم کو لاپرواہی کا مجرم قرار دیتا ہوں اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا مدعی ہوں' تم پر فرض ہے کہ اپنی صفائی میں شرعی قسم کھاؤ۔ ❶ یزید بن مہلب بن ابی صفرہ والی خراسان کو خیانت کے جرم میں موقوف کر دیا۔ ❷

دفتری اخراجات میں تخفیف کی' ابوبکر بن حزم نے سلیمان کے زمانہ میں کاغذ' قلم' دوات اور روشنی کے مصارف میں اضافہ کی درخواست کی تھی' ابھی اس پر کوئی حکم صادر نہ ہوا تھا کہ سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ابوبکر کو لکھا کہ وہ دن یاد کرو جب تم اندھیری رات میں بغیر روشنی کے کیچڑ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی میں جاتے تھے اور آج واللہ! اس سے کہیں تمہاری حالت بہتر ہے۔ قلم باریک کرو اور سطریں قریب قریب لکھا کرو۔ ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لو' میں مسلمانوں کے خزانہ سے کوئی ایسی رقم نہیں دینا چاہتا' جس سے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچے۔ ❸ تمام عمال کو ہدایت لکھی کہ کوئی عامل بڑے کاغذ پر جلی قلم سے نہ لکھے' خود آپ کے فرامین ایک بالشت سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ ❹ اس سلسلہ میں انہوں نے جس قدر احتیاط برتی اس کی تفصیل آئندہ ان کی دیانت کے حال میں آئے گی۔

مصارف میں اصلاح

بیت المال کی آمدنی کا بڑا حصہ خلفا کے ذاتی تعیش اور حکومت کے ظاہری دبدبہ و شکوہ پر صرف ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جیسا کہ اوپر گذر چکا تمام غیر ضروری مصارف بند کر کے اس کو مسلمانوں کے مفاد کے لیے مخصوص کر دیا۔ گذشتہ خلفا خمس کے مقررہ مصارف کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس کو صحیح مصرف میں لگایا۔ ❺

ملک میں جتنے مجبور اور معذور اشخاص تھے' سب کے نام درج رجسٹر کر کے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اگر اس میں کسی عامل سے ذرا سی بھی غفلت ہوتی تھی' تو سخت تنبیہ کرتے تھے۔ ❻ بعضوں کو نقد کے بجائے جنس ملتی تھی۔ ❼ وہ قرض دار جو ناداری کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے تھے' ان کے قرض کی ادائیگی کی ایک مد قائم کی۔ ❽

شیر خوار بچوں کے وظائف مقرر کیے۔ ❾ ایک عام لنگر خانہ قائم کیا جس سے فقرا اور مساکین

---

❶ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۸۵۔ ❷ یعقوبی ج ۲ ص ۳۱۳۔ ❸ ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۶۔
❹ ابن سعد ج ۵' ص ۲۹۶۔ ❺ ابن سعد ج ۵' ص ۲۵۷' ۲۵۸۔ ❻ اصابہ ج ۵' ص ۸۰۔
❼ ابن سعد ص ۳۵۵۔ ❽ ابن سعد ص ۲۵۷۔ ❾ ابن سعد ص ۲۵۵۔

کو کھانا ملتا تھا۔ [1]

ان کے علاوہ تمام ملک کے حاجتمندوں میں صدقات تقسیم ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو غربا میں صدقات تقسیم کرنے کے لیے رقعہ بھیجنا چاہا۔ اس نے عذر کیا کہ میں ناواقفیت کی وجہ سے وہاں کے امیر و غریب میں امتیاز نہیں کر سکتا' فرمایا جو تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اسے دے دینا۔ [2]

رعایا کی خوشحالی

ناجائز آمدنیوں کے سدباب' مظالم کے انسداد اور عام داد و دہش کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے زمانہ میں رعایا بڑی آسودہ حال ہو گئی۔ ملک کے طول و عرض سے افلاس اور غربت کا نام و نشان مٹ گیا اور کچھ دنوں میں صدقہ لینے والے نہ ملتے تھے۔ مہاجر بن یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگ صدقہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے۔ ایک ہی سال میں یہ حال ہو گیا کہ ایک سال پہلے جو لوگ صدقہ لیتے تھے' وہ دوسرے سال دوسروں کو صدقہ دینے کے قابل ہو گئے تھے۔ [3]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صرف ڈھائی برس خلافت کی۔ اس مختصر مدت میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ لوگ عمال کے پاس صدقہ کا مال تقسیم کرانے کے لیے لے جاتے تھے اور کوئی لینے والا نہ ملتا تھا اور وہ لوگ مجبور ہو کر صدقہ واپس لے جاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے رعایا کو اس قدر آسودہ حال کر دیا تھا کہ کوئی شخص حاجت مند باقی ہی نہ رہ گیا تھا۔ [4]

ظالم عہدہ داروں کا تدارک اور مظالم کی اصلاح

اموی عمال عموماً ظلم و جور کے خوگر تھے۔ سلیمان نے اپنے زمانہ میں ایک حد تک اس کا تدارک کیا تھا' لیکن ابھی اس کے آثار باقی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری اصلاحات کے ساتھ اس کی جانب بھی توجہ کی اور حجاج کے پورے خاندان کو' جو سب سے زیادہ ظالم تھا' یمن جلاوطن کر دیا اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں' جو عرب میں بدترین خاندان ہے' اس کو اپنے حدود حکومت میں منتشر کر دو۔ [5]

حجاج سے تعلق رکھنے والے تمام عمال کو ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کر دیا۔

---

[1] ابن سعد ص ۲۷۹۔ [2] زرقانی شرح موطا ج ۴' ص ۲۳۷۔
[3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۸۵۔ [4] فتح الباری ج ۶' ص ۴۵۱۔
[5] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۰۔

بدنام عمال سے حکومت کو صاف کرنے کے ساتھ ہی عام عمال کی اصلاح کے لیے ان کے نام ایک عام فرمان جاری کیا کہ عام لوگ ان برے عمال کی وجہ سے جنہوں نے برے دستور قائم کیے اور کبھی انصاف، نرمی اور احسان کا ارادہ نہیں کیا، سخت مصیبت، سختی اور جور وظلم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ [1]

ایک والی عبدالحمید کو لکھا کہ وسوسہ شیطانی اور حکومت کے ظلم و جور کے بعد انسان کی بقا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے میرا خط ملتے ہی ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔ [2] ظلم و جور کے جتنے وسیلے تھے، سب یک قلم بند کر دیئے۔ اموی دور میں ذرا ذرا سی بدگمانی اور سوئے ظن پر سزا دینا عام تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس طریقہ کو بالکل بند کر دیا۔ موصل میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں بکثرت ہوتی تھیں۔ یہاں کے والی غسانی نے لکھا کہ جب تک لوگوں کو شبہ میں نہ پکڑا جائے گا اور سزا نہ دی جائے گی، اس وقت تک یہ وارداتیں بند نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے لکھا صرف شرعی ثبوت پر مواخذہ کرو، اگر حق ان کی اصلاح نہیں کر سکتا تو اللہ ان کی اصلاح نہ کرے۔ [3] اسی طرح جراح عبداللہ بن حکمی والی خراسان نے لکھا کہ اہل خراسان کی روش نہایت خراب ہے۔ ان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی اور چیز درست نہیں کر سکتی، اگر امیر المؤمنین مناسب سمجھیں تو اس کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ نے جواب میں لکھا۔ ''تمہارا یہ کہنا کہ اہل خراسان کو کوڑے اور تلوار کے علاوہ کوئی اور شے درست نہیں کر سکتی، بالکل غلط ہے۔ ان کو عدل اور حق درست کر سکتا ہے۔ اسی کو جہاں تک ہو سکے عام کرو۔'' [4]

ظلم کا ایک طریقہ یہ تھا کہ عمال چیزوں کا نرخ گھٹا کر کم قیمت پر خرید لیا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے قانون بنا دیا کہ ''کوئی عامل کسی رعایا کا مال کم قیمت پر نہیں خرید سکتا'' فارس کے عہدہ داروں کے متعلق اس قسم کی عام شکایت تھی۔ یہاں کے والی کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ماتحت عہدہ دار پھلوں کا تخمینہ کر کے کم قیمت پر ان کو خرید تے ہیں اور کردوں کے قبیلے مسافروں سے عشر وصول کرتے ہیں، اگر یہ معلوم ہو گیا کہ تمہارے ایما سے ہوتا ہے یا تم اسے پسند کرتے ہو تو میں تم کو نہ چھوڑوں گا۔ بشر بن صفوان، عبداللہ بن صفوان، عبداللہ ابن عجلان اور خالد بن سالم کو اس کی تحقیقات کے لیے بھیجتا ہوں۔ اگر یہ اطلاع صحیح نکلی تو پھل ان کے مالک کو واپس کر دیئے جائیں گے اور جن جن باتوں کی اطلاع ملی ہے: یہ لوگ ان سب کی تحقیقات کریں گے۔ تم اس میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کرنا۔ [5]

---

[1] یعقوبی ج۔۲ ص ۳۶۲۔ [2] ابن سعد ج۔۵، ص ۲۷۱۔ [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۸۔
[4] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۳۔ [5] ابن سعد ج۔۵، ص ۲۸۹، ۲۹۰۔

ذمیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل

کسی حکمران کے عدل وانصاف اور ظلم و جور کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار دوسری ماتحت قوموں اور اہل مذاہب کے ساتھ اس کا سلوک اور طرز عمل ہے۔ اس معیار سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور سراپا عدل تھا۔ انہوں نے ذمیوں کے حقوق کی جیسے حفاظت کی اور ان کے ساتھ جو نرمی برتی، اس کی مثال عہد فاروقی کے علاوہ تاریخ اسلام کے کسی دور میں نہیں مل سکتی۔ ذمیوں کی اور مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت میں سرمو فرق نہیں کیا۔ ان کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی۔ جزیہ کی وصولی میں نرمی اور سہولت پیدا کی۔ ان کے لیے ہر طرح کی آسانیاں مہیا کیں۔ عمال کو وقتاً فوقتاً ان کے متعلق احکام لکھتے رہتے۔

عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی برتو، ان میں جو بوڑھا اور نادار ہو جائے، اس کی کفالت کا انتظام کرو۔ اگر اس کا کوئی صاحب حیثیت رشتہ دار ہو تو اسے اس کی کفالت کا حکم دو، ورنہ بیت المال سے کفالت کا انتظام کرو، جس طرح اگر کوئی تمہارا غلام بوڑھا ہو جائے تو اسے یا تو آزاد کرنا پڑے گا یا مرتے دم تک اس کی کفالت کرنی پڑے گی۔ [1]

ذمی کے خون کی قیمت مسلمانوں کے خون کے برابر قرار دی۔ ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حیرہ کے حاکم کو لکھا کہ قاتل کو فوراً مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دو۔ وہ چاہیں قتل کریں چاہیں معاف کریں، چنانچہ اس حکم پر قاتل حوالے کر دیا گیا اور مقتول کے ورثاء نے اسے قتل کر دیا۔ [2] کوئی مسلمان ذمیوں کے مال پر دست درازی نہیں کر سکتا تھا۔ جو ایسا کرتا تھا، اسے پوری سزا ملتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ شعوذی نے ایک سرکاری ضرورت سے ایک نبطی گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو چالیس کوڑے لگوائے۔ [3]

مال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں شاہی خاندان سے ذمیوں کی زمینیں بھی واپس دلائیں۔ ایک ذمی کی زمین عباس بن ولید کے قبضہ میں تھی۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دعویٰ کیا کہ عباس نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عباس سے پوچھا تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ انہوں نے کہا والد نے مجھے جاگیر دی تھی اور میرے پاس اس کی سند موجود ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب ولید کی سند پر

---

[1] ابن سعد ج۔۵، ص۲۸۰۔ [2] نصب الرایہ ص۳۶۰۔ [3] ابن سعد ج۔۵، ص۲۷۶۔

مقدم ہے اور ذمی کی زمین واپس دلا دی۔ [1] ان کے وہ مذہبی حقوق جو گذشتہ خلفا کے زمانہ میں سلب ہو گئے تھے' از سر نو قائم کیے۔ دمشق کا ایک گرجا ایک عرصہ سے ایک مسلمان خاندان کی جاگیر میں چلا آتا تھا۔ عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دعویٰ کیا۔ انہوں نے واپس دلا دیا۔ اسی طریقہ سے ایک مسلمان نے ایک گرجا کی نسبت عذرداری کی کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر یہ عیسائیوں کے معاہدہ میں ہے تو تم اس کو نہیں پا سکتے۔ [2] جزیہ کی وصولی کے سلسلہ میں عمال ذمیوں کے اوپر جو سختیاں کرتے تھے ان کو بالکل بند کر دیا اور جو بے عنوانیاں ہو چکی تھیں حتی الامکان ان کی تلافی کی کوشش کی۔ ابن اشعث کی بغاوت کی حمایت کے الزام میں حجاج نے عراق کے ذمیوں کے جزیہ کی مقدار بڑھا دی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس اضافہ کو گھٹا دیا [3] جزیہ کی وصولی میں ان کے ساتھ اتنی نرمی برتی جاتی تھی کہ اس سے بازار کا نرخ چڑھ جاتا تھا' لیکن اس کا آپ نے کوئی لحاظ نہ کیا۔ آپ کے زمانہ میں غلہ کا نرخ بہت چڑھ گیا تھا۔ ایک شخص نے اس کا سبب پوچھا' آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ خلفا جزیہ کی وصولی میں ذمیوں کو بڑی سخت تکلیفیں دیتے تھے اور میں ان پر اتنا ہی بار ڈالتا ہوں جس کو وہ اٹھا سکیں۔ اس لیے ہر شخص آزادی کے ساتھ جس طرح چاہتا ہے' اپنا غلہ فروخت کرتا ہے۔ [4]

مقدمات میں ذمیوں اور شاہی خاندان میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ دونوں کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو برابر کھڑا کیا۔ ہشام کو یہ ناگوار ہوا۔ اس نے تمکنت میں آ کر عیسائی کے ساتھ سخت کلامی کی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی۔ [5]

محاصل میں اضافہ

یہ حیرت انگیز امر ہے کہ جزیہ کی وصولی میں ان سہولتوں اور ناجائز آمدنیوں کے سدباب کے باوجود بیت المال کی آمدنی پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ بعض ملکوں کی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا' چنانچہ عراق کی آمدنی حجاجی دور سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ حجاج پر لعنت کرے' نہ اس کو دین کا سلیقہ تھا' نہ دنیا کا۔ وہ باوجود اپنے مظالم کے عراق سے دو کروڑ اسی لاکھ سے زیادہ وصول نہ کر سکا اور زمین کی آبادی کے لیے کاشت کاروں کو بیس لاکھ قرض دینے کے بعد

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۴۔ [2] فتوح البلدان ص ۱۳۰۔ [3] فتوح البلدان ص ۱۳۰۔
[4] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۷۶۔ [5] کتاب العیون والحدائق۔

کل ایک کروڑ سات لاکھ کا اضافہ ہوا۔ اور میرے زمانہ میں بغیر کسی ظلم وزیادتی کے بارہ کروڑ چالیس لاکھ آمدنی ہوگئی۔ اگر میں زندہ رہا تو ابھی اس آمدنی میں اور اضافہ ہوگا۔ [1]

رفاہ عام کے کام

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جس قدر اصلاحیں کیں ان میں سے کوئی بھی رفاہ عام سے خالی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے بھی آپ نے بہت سے رفاہ عام کے کام کیے۔ ممالک محروسہ میں بکثرت سرائیں بنوائیں۔ خراسان کے والی کو لکھا کہ وہاں کے تمام راستوں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں۔ [2] سمرقند کے والی سلیمان بن ابی السری کو حکم بھیجا کہ اس علاقہ کے تمام شہروں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں اور جو مسلمان ادھر سے گزرے ایک شبانہ یوم اس کی میزبانی کی جائے۔ اس کی سواری کی حفاظت کی جائے۔ بیمار مسافروں کی دو دن میزبانی کی جائے۔ جس کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو اس کا سامان کیا جائے۔ [3]

احیائے شریعت اور مذہبی خدمات

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح حکومت کا سیاسی ڈھانچہ بدلا اور اس کے ہر شعبہ میں اصلاحات کیں اسی طرح شریعت کا احیا اور اس کی تجدید کی اور امویوں کے مذہبی تساہل سے جو امور جادہ شریعت سے ہٹ گئے تھے انہیں دوبارہ اس راستہ پر لگایا۔ عمال کے نام جو فرامین جاتے تھے ان سب میں احیائے شریعت اور استیصال بدعت کی تاکید ہوتی تھی۔ [4]

عدی بن ارطاۃ کو ایک فرمان لکھا کہ ایمان چند فرائض، چند احکام اور چند سنن کا نام ہے۔ جس نے ان اجزاء کی تکمیل کی اس نے ایمان کو مکمل کرلیا اور جس نے ان کی تکمیل نہیں کی اس نے ایمان کی تکمیل نہیں کی۔ اگر میں زندہ رہا تو ان تمام اجزاء کو تمہارے سامنے واضح کردوں گا کہ تم اس پر عمل کرو اور اگر مرگیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں ہے۔ [5]

چنانچہ عقائد وعبادات واخلاق وغیرہ میں جو تغیر پیدا ہو چلا تھا اسے پوری شدت کے ساتھ روکا، عقائد میں معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے قضا وقدر کا پیچیدہ مسئلہ چھیڑ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے توبہ کرائی۔ [6] اور محدثین وفقہا کو لکھا کہ وہ ان خیالات کو قبول نہ کریں۔ [7]

---

[1] فتوح البلدان ذکر سواد۔ [2] ابن سعد ج۔۵ ص ۲۵۴۔ [3] طبری ص ۱۳۶۴۔
[4] ابن سعد ج۔۵ ص ۲۵۲۔ [5] بخاری کتاب الایمان باب قول النبیؐ بنی الاسلام علی خمس۔
[6] تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴۔ [7] طبقات ج۔۵ ص ۲۸۴۔

اموی خلفا خصوصاً حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمال کے نام فرمان جاری کیا کہ "نماز کے وقت تمام کاروبار چھوڑ دیا کرو، جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے، وہ دوسرے فرائض کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا"۔ [1]

حجاج کے زمانہ میں زکوٰۃ کا نظام خراب ہو گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عمال کو حکم دیا کہ وہ زکوٰۃ کے معاملہ میں حجاج کی روش سے احتراز کریں اور عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ میں زکوٰۃ کے معاملہ میں تم کو حجاج کی روش سے روکتا ہوں۔ وہ اس کو غیر محل سے لیتا تھا اور بے محل صرف کرتا تھا۔ [2] خطوط میں لوگوں کو صدقات اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ [3]

انسداد شراب نوشی

دوسرے عیش و تنعم کے ساتھ شراب نوشی کا رواج بھی ہو چکا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے انسداد کا پورا انتظام کیا اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کر دیا کہ کوئی ذمی مسلمانوں کے شہروں میں شراب نہ لانے پائے [4] اور شراب کی دکانوں کو حکماً بند کر دیا۔ [5]

بعض حیلہ جو نبیذ کے بہانہ سے شراب پیتے تھے ان کے بارے میں عدی بن ارطاۃ کو لکھا "لوگ شراب پی کر بدمستی میں نہایت برے کام کرتے ہیں اور اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ شراب پینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جو چیز اس قسم کے کام کراتی ہے اس کے استعمال میں سخت نقصان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں آب شیریں، دودھ اور شہد جیسی پینے کی چیزیں پیدا کی ہیں، جو شخص نبیذ بنائے وہ صرف چمڑے کے مشکیزے میں، جس پر زفت کا روغن نہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے ظرف سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کسی نے شراب پی تو اس کو سخت سزا دی جائے گی اور جو چھپ کر پیئے گا اس کو اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا ہے۔" [6]

اخلاق کی اصلاح

اہل عجم کے اثر سے اسلام کی تعلیم کے خلاف مسلمانوں میں بہت سے عادات و رسوم، لہو و لعب کی تفریحات اور عیش و تنعم کے لوازم پیدا ہو چلے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سختی کے ساتھ روکا۔ ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمان لہو و لعب میں مشغول ہو گئے ہیں اور خواتین

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۲۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۸۸۔ [3] طبقات ج ۵ ص ۲۶۸۔
[4] طبقات ج ۵ ص ۲۶۹۔ [5] کتاب الولاۃ کندی ص ۶۸۔ [6] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۲۔

جنازہ کے ساتھ بال بکھیرے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں۔ آپ نے تمام عمال کو فرمان بھیجا' جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ سفہاء کی عورتیں زمانہ جاہلیت کی طرح موت کے وقت بال کھولے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں۔ اس نوحہ و ماتم پر قدغن بلیغ کرو' اہل عجم چند چیزوں سے جنہیں شیطان نے ان کی نگاہ میں محبوب کر دیا' دل بہلاتے تھے' مسلمانوں کو اس لہو ولعب اور راگ باجے سے روکو اور جو نہ مانے اسے اعتدال کے ساتھ سزا دو۔'' ❶

اہل عجم کے اثر سے حماموں کا عام رواج ہو گیا تھا' جن میں عورتیں اور مرد بے باکانہ غسل کرتے تھے اور پردہ بلکہ شرم وحیا کا بھی کوئی لحاظ نہ رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں کو حمام میں جانے سے بالکل روک دیا اور مردوں کو حکم دیا کہ وہ بغیر تہبند کے حمام میں غسل نہ کریں اس حکم پر نہایت سختی سے عمل کرایا جاتا تھا اور اس کی خلاف ورزی پر سزا دی جاتی تھی۔ ❷

حمام کی دیواروں پر خلاف شریعت تصویریں ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہیں خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور فرمایا اگر مصور کا نام معلوم ہوتا تو میں اس کو سزا دیتا۔ ❸

اسلام میں مردوں کے لیے بال سنوارنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ بال سنوارنا مسنون ہے' لیکن اس زمانے کے شوقین اس سے بڑھ کر پٹیاں جماتے تھے۔ آپ نے پولیس کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کے دن مسجد کے دروازہ پر کھڑی ہو جایا کرے اور جو بھی شخص پٹیاں جمائے ہوئے گزرے اس کے بال کاٹ دیا کرے۔ ❹

اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی روح آپ کے دور کی خصوصیت بن گئی تھی۔ طبری کا بیان ہے کہ ولید عمارتوں کا بانی تھا۔ اس لیے اس کے زمانہ کا عام مذاق یہی ہو گیا تھا اور لوگ آپس میں صرف تعمیر اور عمارتوں پر گفتگو کرتے تھے۔ سلیمان کو عورتوں سے نکاح سے دلچسپی تھی۔ اس لیے اس کے زمانہ میں اسی کا چرچا تھا اور لوگوں کا موضوع بحث شادی اور لونڈیاں تھیں' لیکن جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تخت خلافت پر قدم رکھا تو مذہب' عبادت اور اس کی تفصیلات موضوع بن گئیں ❺ غرض حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے احیائے شریعت کے ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی نگہداشت بھی فرمائی۔

ایک بری بدعت کا خاتمہ

---

❶ طبقات ابن سعد ج۔۵' ص ۲۹۰۔ ❷ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۸۰۔
❸ سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۸۱۔ ❹ سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۸۱۔
❺ طبری ص ۱۲۷۲' ۱۲۷۳۔

اموی خلفا نے ایک بری بدعت یہ جاری کی تھی کہ وہ خود اور ان کے تمام عمال خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعن وطعن کیا کرتے تھے اور اسے خطبہ کا جز بنا دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بالکل بند کر دیا اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو نا ملائم الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں وہ بند کر دیے جائیں اور اس کی جگہ کلام اللہ کی یہ آیت داخل کی:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ [۱۶/النحل:۹۰]

''اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش، برائی اور ظلم سے منع کرتا ہے کہ شاید تم سمجھو۔''

جو آج تک جاری ہے۔ ❶

اشاعت اسلام

اسلامی حکومت کے حدود میں توسیع کی بجائے اسلام کی توسیع واشاعت کو مقصد قرار دیا اور اپنی ساری توجہ اس کی تبلیغ میں صرف کر دی اور اس کے لیے ہر طرح کے مادی واخلاقی ذرائع اختیار کیے۔ فوجی افسروں کو ہدایت تھی کہ وہ رومیوں کی کسی جماعت سے اس وقت تک جنگ نہ کریں جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ دے لیں۔ ❷ تمام عمال کو حکم تھا کہ وہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں، جو ذمی اسلام قبول کرے اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔ اس سے اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ تنہا جراح بن عبداللہ حکمی والی خراسان کے ہاتھوں پر چار ہزار ذمی مسلمان ہوئے۔ ❸ اسماعیل بن عبداللہ والی مغرب کی تبلیغ سے سارے شمالی افریقہ میں اسلام پھیل گیا۔ ❹

سندھ کے حکمرانوں اور زمینداروں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے۔ ان میں سے اکثروں نے اسلام قبول کیا۔ ان سب کی جائیدادیں اور زمینیں ان ہی کے قبضہ میں رہنے دی گئیں اور انہیں مسلمانوں کے برابر حقوق عطا کیے گئے۔ راجہ داہر کا لڑکا جے سنگھ بھی انہی لوگوں میں تھا۔ ❺ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ سے مختلف ملکوں میں اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ بعض عمال نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی ورہبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ تحصیل دار بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ ❻ میں یہ

---

❶ تاریخ الخلفاء ص ۲۴۴ وابن سعد ص ۲۹۱۔
❷ ابن سعد ترجمہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔
❸ ابن سعد ترجمہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ج ۵، ص ۲۸۵۔
❹ فتوح البلدان ص ۳۵۷۔
❺ فتوح البلدان ص ۴۴۱۔
❻ مقریزی جلد اول ص ۱۲۵۔

پسند کرتا ہوں کہ سارے ذمی مسلمان ہو جائیں اور ہم لوگوں کی حیثیت محض کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھ سے کمائیں کھائیں۔ [1] بعض عمال نے رائے دی کہ اکثر ذمی جزیہ کے خوف سے مسلمان ہوتے ہیں۔ ختنہ کر کے ان کا امتحان لیا جائے۔ آپ نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہادی ورہنما تھے خاتن نہ تھے۔ [2]

آپ کے محاسن اخلاق اور تبلیغ اسلام سے آپ کا شغف سن کر بعض ملکوں نے جن کا اسلام کی طرف میلان تھا۔ وفد بھیج کر اپنے یہاں مبلغین کو بھیجنے کی درخواست کی' چنانچہ تبت کے وفد کے ساتھ آپ نے سلیط بن عبداللہ حنفی کو چین روانہ کیا۔ [3]

فتوحات

چونکہ حکومت کی خدمت کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر عام فرمانرواؤں سے بالکل مختلف تھا اس لیے آپ کے دور میں فوجی سرگرمیوں اور فتوحات جو عموماً حکومتوں کا سب سے مقدم فرض تصور کی جاتی ہیں' سب سے آخری درجہ میں نظر آتی ہیں' چنانچہ سندھ اور اسپین میں بعض معمولی فتوحات کے علاوہ جہاں پہلے سے مہم جاری تھی' آپ کے دور میں کوئی قابل ذکر فتوحات نہیں ہوئیں بلکہ مہمات سے فوجیں واپس بلا لیں۔

خانہ جنگی اور خونریزی کا خاتمہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک اسلامی تاریخ کے اوقات مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روکنے کے لیے اتنی احتیاط برتی کہ سرکش اور فتنہ جو اسلامی فرقوں کے مقابلہ میں بھی تلوار نہ اٹھائی۔ خارجی جو نہ صرف حکومت کے خلاف تھے' بلکہ ان کا وجود امن عامہ کے لیے بھی خطرہ تھا' کسی کی جان و مال ان سے محفوظ نہ تھا۔ اس لیے گذشتہ خلفا کے زمانوں میں برابر ان سے مقابلہ جاری رہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے مقابلہ میں بھی تلوار روک لی اور عبدالحمید والی کوفہ کو جو پہلے سے خوارج کے مقابلہ پر مامور تھے' لکھا کہ جب تک یہ لوگ خونریزی اور فتنہ وفساد نہ برپا کریں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ان کی شورش کے تدارک کے لیے کسی دور اندیش آدمی کو مقرر کیا جائے۔ عبدالحمید کو یہ ہدایت دینے کے ساتھ آپ نے خوارج کو افہام وتفہیم کے ذریعہ شورش انگیزی سے روکنے کی کوشش کی اور خوارج کے سردار بسطام کو لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ تم میرے پاس آ کر بحث ومناظرہ کرو۔ اگر ہم لوگ حق پر ہوں تو تم

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۹۔ [2] ابن سعد ج۔۵' ص ۲۸۸۔ [3] یعقوبی ج۔۲' ص ۳۶۲۔

لوگ عام مسلمانوں کی طرح مطیع ہو جاؤ اور اگر تم حق پر ہو تو ہم اپنے متعلق غور کریں۔

اس دعوت پر بسطام نے مناظرہ کے لیے دو شخصوں کو بھیجا۔ فریقین میں مناظرہ ہوا۔ طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے حق کا اعتراف کر لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا وظیفہ مقرر کیا اور دوسرا لوٹ گیا۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے آخری دور حکومت کا واقعہ ہے۔ اس لیے آپ کی زندگی میں خوارج کے ساتھ کوئی معرکہ پیش نہیں آیا' [1] لیکن ابن سعد کا بیان ہے کہ خارجیوں پر اس مناظرہ کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بدستور اپنی روش پر قائم رہے۔ اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو مجبور ہو کر ان شرائط کے ساتھ عبدالحمید کو ان سے مقابلہ کی اجازت دینی پڑی کہ:

① عورت' بچے اور قیدی قتل نہ کیے جائیں' زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔

② فتح کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آئے وہ خوارج کے اہل وعیال کو واپس کر دیا جائے۔

③ قیدی صرف اس وقت تک قید میں رہیں جب تک وہ راہ راست پر نہ آ جائیں۔

ان پابندیوں کے ساتھ عبدالحمید نے مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی' ان کے بعد مسلمہ بن عبدالملک بھیجے گئے۔ انہوں نے چند دنوں میں قابو حاصل کیا۔

علالت

ابھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا کہ رجب ۱۰۱ھ میں آپ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ اس بارے میں دو بیانات ہیں۔ ایک یہ کہ علالت طبعی تھی۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ زہر کا نتیجہ تھا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بنی امیہ نے جب یہ محسوس کیا کہ اگر کچھ دنوں تک آپ کی خلافت قائم رہی تو آپ بنوامیہ کا زور توڑ کر خلافت کی اصلاحات کو اس قدر مستحکم کر دیں گے کہ پھر ان کا گذشتہ اقتدار واپس نہ آ سکے گا اس لیے انہوں نے آپ کے ایک خادم کو ایک ہزار اشرفی دے کر زہر دلوا دیا۔ آپ کو دوران علالت میں اس کا علم ہو گیا' لیکن آپ نے اس کا کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ اشرفیاں واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔ [2]

یزید بن عبدالملک کو وصیت

---

[1] اس مناظرہ کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے' دیکھو طبری ص۔ ۱۳۴۸' ۱۳۴۹ وابن اثیر ج۔ ۴' ص ۱۹'۱۸۔ [2] ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز۔

اس بیماری سے بچنے کی امید نہ تھی۔ اس لیے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کو جسے سلیمان نامزد کر گیا تھا یہ وصیت نامہ لکھوایا

''میں تم کو اس حال میں یہ وصیت نامہ لکھ رہا ہوں کہ مرض نے بالکل لاغر کر دیا ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ خلافت کی ذمہ داریوں کے بارے میں مجھ سے سوال کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کا محاسبہ کرے گا اور میں اس سے کوئی کام نہ چھپا سکوں گا۔

﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَائِبِيْنَ﴾ [۷/الاعراف:۷]

''ہم ان لوگوں سے اپنے ذاتی علم سے واقعات بیان کرتے ہیں اور ہم غیر حاضر نہ تھے۔''

ایسی حالت میں اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوا اور ایک طویل عذاب سے نجات پائی اور اگر ناراض ہوا تو میرے انجام پر افسوس ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ محض اپنی رحمت سے عذاب دوزخ سے نجات دے اور اپنی رضا سے جنت عطا کرے۔ تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے اور رعایا کا خیال رکھنا چاہیے' کیونکہ میری طرح تم بھی تھوڑے ہی دن زندہ رہو گے۔ تم کو اس سے بچنا چاہیے کہ غفلت میں کوئی ایسی لغزش سرزد ہو جائے' جس کی تلافی نہ کر سکو۔ سلیمان بن عبدالملک اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو وفات دی۔ اس نے مجھے خلیفہ بنایا اور میرے بعد تم کو نامزد کیا۔ میں جس حال میں تھا' اگر وہ اس لیے ہوتا کہ بہت سی بیویوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں تو اللہ نے مجھے ایسے بہتر سامان دیئے تھے' جو وہ اپنے کسی بندہ کو دے سکتا ہے' لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں' بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔ [1]

اولاد کے متعلق ارشاد

یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے موروثی جاگیر اور گھر کا ایک ایک تنکا بیت المال میں واپس کر دیا تھا اور آپ کی وفات کے وقت آپ کی اولاد کی معاش کا کوئی سامان نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے وفات سے کچھ پہلے آپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے آپ سے عرض کیا امیر المؤمنین آپ نے مال و دولت سے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا اور انہیں بالکل خالی ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق مجھے یا خاندان کے کسی فرد کو کچھ وصیت کرتے جایئے۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے ان کا کوئی حق

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۸۰۔

تلف نہیں کیا' البتہ جس مال میں ان کا حق نہ تھا وہ ان کو نہیں دیا۔ تم کہتے ہو ان کے متعلق کسی کو وصیت کرتا جاؤں' تو اس معاملہ میں میرا وصی اور والی میرا رب ہے' جو صلحا کا ولی ہوتا ہے۔ میرے لڑکے اگر اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے گا اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں مال دے کر ان کو گناہ کے لیے اور قوی نہ بناؤں گا' پھر لڑکوں کو بلا کر باچشم پرنم فرمایا:

''میری جان تم پر قربان' جن کو میں نے خالی ہاتھ چھوڑا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا۔ بچو! تم کو کوئی ایسا عرب اور ذمی نہ ملے گا' جس کا تم پر حق ہو۔ بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی۔ ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے۔ دوسرے یہ کہ تم تہی دست رہو اور وہ جنت میں جائے۔ بس اللہ نگہبان' اللہ تم کو حفظ و امان میں رکھے۔'' [1]

وفات

ان مراحل سے فراغت کے بعد رجب ۱۰۱ھ میں انتقال ہوا۔ اس وقت عمر ۳۹ یا ۴۰ سال کی تھی۔ دیر سمعان میں دفن کیے گئے۔ مدت خلافت دو سال پانچ مہینے۔

ازواج واولاد

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے چار بیویاں تھیں۔ ان سب سے اولادیں ہوئیں جن کی مجموعی تعداد پندرہ سولہ تھی۔

حلیہ

صورتاً بہت شکیل تھے۔ رنگ گورا اور چہرہ وجیہ تھا۔ خلافت سے پہلے عیش وعشرت کی زندگی کے باعث جسم نہایت شاداب اور تروتازہ تھا۔ خلافت کے بعد اس کی ذمہ داریوں کے احساس اور زاہدانہ زندگی کی وجہ سے اتنے لاغر ہو گئے تھے کہ پسلیاں نمایاں ہو گئی تھیں۔

مختصر تبصرہ

اوپر کے حالات خود عمری خلافت کی خصوصیات کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۸۰۔

بعد مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں رہتی' لیکن بعض پہلوؤں کو پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خلافت کو اسلامی بنانا چاہتے تھے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقی خواہش یہ تھی کہ موروثی حکومت پھر اسلامی خلافت سے بدل جائے' لیکن یہ بنیادی تبدیلی آپ کے اختیار میں نہ تھی۔ بنی امیہ میں موروثی حکومت اصولی حیثیت سے مسلم ہو چکی تھی۔ خواہ خلیفہ بنی امیہ کی کسی شاخ سے بھی ہو۔ چنانچہ سلیمان خود حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد یزید بن عبدالملک کو خلیفہ نامزد کر گیا تھا' اس لیے انتخاب خلیفہ کا معاملہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار میں نہ رہ گیا تھا۔ آپ نے بعض موقعوں پر خود اس معذوری کا اظہار کیا۔ اس موقع پر فرمایا کہ اگر خلافت کا مسئلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم بن عبداللہ کو خلیفہ بنا دیتا۔ [1] ایک مرتبہ جب بنی امیہ نے آپ کی عادلانہ روش کے خلاف زیادہ احتجاج کیا تو آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر آئندہ تم لوگوں نے میرے سامنے اس قسم کی باتیں کیں تو میں خلافت سے دستکش ہو کر مدینہ چلا جاؤں گا اور اس کو شوریٰ پر چھوڑ جاؤں گا۔ اس کا حقیقی اہل (قاسم بن عبداللہ) میری نگاہ میں موجود ہے۔ [2]

ملوکیت کے امتیازات کا استیصال

لیکن یہ انقلاب آپ کے بس میں نہ تھا' اس لئے جہاں تک ہو سکا ملوکیت کے امتیازات اور شہنشاہیت کے برے مظاہر کو مٹایا اور تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سب سے اول خلیفہ کی حیثیت واضح کی کہ:

> ''میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ میں خود اپنی جانب سے کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں' بلکہ محض پیرو ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی پیروی کی جائے۔ میں تم میں بہتر آدمی بھی نہیں ہوں' البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زیادہ گرانبار کیا ہے۔ [3]

چنانچہ بادشاہت کے ایک ایک امتیاز کو مٹا دیا۔ خلفا کے ساتھ نقیب و علمبردار چلتے تھے۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان پر درود و سلام بھیجا جاتا تھا۔ سلام میں خاص امتیاز برتا جاتا تھا۔

---

[1] ابن سعد ج۔۵' ص ۲۵۴۔ [2] ابن سعد ج۔۵' ص ۲۵۳۔ [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۰۸۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب مراسم کو بند کرا دیا' چنانچہ حسب دستور جب کوتوال نے نیزہ اور نشان لے کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا تو آپ نے روک دیا اور فرمایا میں مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔ [1] عام حکم جاری کر دیا کہ سلام میں خصوصیت نہ برتی جائے بلکہ صرف عام سلام کیا جائے۔ [2] عمال کے نام فرمان جاری کیا کہ پیشہ ور واعظ خلفا پر درود وسلام بھیجتے ہیں انہیں روک دو۔ اور حکم دو کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے دعا کریں اور خلیفہ کے ساتھ خصوصیت چھوڑ دیں۔ [3]

ابوبکر بن محمد کو لکھا کہ کسی شخص کو صرف اس لیے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندان خلافت سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ سب عام مسلمانوں کے برابر ہیں۔ [4] اور اسے عملاً برت کر دکھایا۔ ایک مرتبہ آپ کے سالے اور چچیرے بھائی مسلمہ بن عبدالملک فریق کی حیثیت سے مقدمہ میں آئے اور سرکاری فرش پر بیٹھ گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے روک دیا کہ اپنے فریق کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے۔ یا عام لوگوں کے برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنا دو۔ [5] شاہی خاندان کے وظائف عام مسلمانوں کے برابر کر دیئے۔ غرض آپ نے قصر ملوکیت کے تمام کنگروں کو پست کر دیا۔ امور خلافت کے انتظام وانصرام میں عہد فاروقی کو اپنے لیے نمونہ بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم کو لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اگر اللہ مجھ کو اس کی استطاعت دے تو میں رعایا کے معاملات میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روش اختیار کروں۔ اس لیے تم میرے پاس ان کی وہ تحریریں اور فیصلے' جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کیے ہیں' بھیجو' اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا۔ [6] اس عزم پر انہوں نے کہاں تک عمل کیا' اس کا اندازہ کرنے کے لیے اوپر کے واقعات کافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض حیثیتوں سے آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ عہد رسالت سے بہت قریب تھا' اسلامی روح زندہ تھی' مسلمان دنیا میں مبتلا نہ ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی مزاحم طاقت موجود نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے جو کچھ کیا وہ کچھ زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے' لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہر طرح کے مخالف حالات میں عہد فاروقی کو زندہ کر دکھایا۔ خود اس زمانہ کے اکابر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے کو فاروقی کارناموں سے افضل سمجھتے تھے' چنانچہ سالم بن عبداللہ نے آپ کو لکھا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ دوسرا زمانہ تھا' دوسرے لوگ تھے' اگر تم نے اس زمانہ اور ان لوگوں میں

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۵۳۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۳۔ [3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۳۶۔
[4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲۔ [5] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔
[6] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۳۱' ۱۳۲ و ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۲۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی پیروی کی تو تم ان سے افضل ہو گے۔ [1] اسی لیے بعض محدثین ان کو پانچواں خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ [2]

فضل وکمال

ان اوصاف کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ علمی اعتبار سے اپنے دور کے جلیل القدر عالم تھے۔ اگر سیاسی حالات نے انہیں تخت شاہی پر نہ بٹھا دیا ہوتا تو وہ مسند علم کی زینت ہوتے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں (کان فقیھا مجتھدا عارفا بالسنن کبیر الشان ثبتا حجۃ حافظا قانتا للہ اواھا منیبا) [3] امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ان کی جلالت شان، فضیلت علمی، وفور علم، صلاح، آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور خلفائے راشدین کی پیروی پر سب کا اتفاق ہے۔ [4] اس عہد کے اکابر علما ان کے سامنے طفل دبستان تھے۔ میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کا جو خود ایک بڑے صاحب علم تابعی ہیں بیان ہے کہ علما عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے تلامذہ معلوم ہوتے تھے۔ [5] مشہور صاحب علم تابعی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ انہیں تعلیم دینے گئے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ [6] تفسیر، حدیث، فقہ جملہ دینی علوم میں انہیں عبور حاصل تھا۔

علما کی قدردانی اور ان سے مشورہ

اس فضل وکمال کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے دربار میں شعرا اور ظرفا کی جگہ علما اور ارباب کمال کا مجمع ہو گیا تھا اور ان کی بڑی قدردانی تھی۔ دور دور سے علما اور فقہا کو بلا کر ان کی قدر افزائی فرماتے۔ امور خلافت میں وہی آپ کے مشیر اور ہم جلیس تھے۔ ان میں میمون بن مہران، رجاء بن حیوۃ، ریاح بن عبیدہ، سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب قرظی اور سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہم خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مذہبی امور میں سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے ضرور مشورہ فرماتے تھے۔

تعلیمی خدمات

مذہبی تعلیم کی اشاعت کی جانب آپ کی خاص توجہ تھی۔ قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ لوگوں کو چاہیے کہ عام طور پر علم کی اشاعت کریں۔ تعلیم کے لیے حلقہ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۳۱ و ۱۳۲۔ وابن سعد ج ۵ ص ۲۹۲۔
[2] ابوداؤد کتاب السنہ باب فی التفضیل۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص ۱۰۵۔
[4] تہذیب الاسماء ج۔۱ ص ۱۷۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص ۱۰۶۔ [6] ابن سعد ج۔۵ ص ۲۷۱۔

وہ جان جائیں کیونکہ علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا جب تک خزانہ نہ بن جائے۔ [1] ایک اور عامل کو لکھا کہ اہل علم کو حکم دو کہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں کیونکہ حدیثیں مردہ ہو رہی ہیں۔ [2] جو علما اس مقدس فرض میں مشغول تھے انہیں فکر معاش سے بے نیاز کر دیا۔ حمص کے گورنر کو لکھا کہ جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا ہے' بیت المال سے سو سو دینار ان کا وظیفہ مقرر کر دو کہ وہ اطمینان کے ساتھ اس خدمت کو انجام دے سکیں۔ [3]

تعلیم کی اشاعت کے لیے طلبہ کے وظائف مقرر کیے۔ [4] مختلف ملکوں میں تعلیم کے لیے علما بھیجے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مشہور صاحب علم غلام نافع کو جو مدینہ کے بڑے فقیہ تھے' حدیث کی تعلیم دینے کے لیے مصر بھیجا۔ [5] قاری جعثل بن عامان کو قرأت کی تعلیم دینے کے لیے مصر و مغرب بھیجا۔ [6] یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یجمد اشعری کو بدوؤں کی تعلیم و تربیت پر مقرر کیا۔ [7] تعلیم کے ساتھ ارشاد و ہدایت کے لیے تمام ممالک محروسہ میں' واعظ اور مفتی مقرر کیے' چنانچہ حجاج ابو کثیر اموی اسکندریہ کے واعظ تھے۔ [8]

ایک اہم دینی خدمت

آپ کا سب سے بڑا تعلیمی و مذہبی کارنامہ احادیث نبوی کی حفاظت اور اس کی اشاعت ہے' اگر انہوں نے ادھر توجہ نہ کی ہوتی تو احادیث نبوی کا متعدد حصہ ضائع ہو جاتا۔ آپ نے جب دیکھا کہ بڑے حفاظ حدیث اٹھتے چلے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ حدیثیں بھی دفن ہوتی جا رہی ہیں' تو قاضی ابوبکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی کی تلاش و جستجو کر کے انہیں لکھ لو۔ مجھے علما کے ساتھ علم کے بھی مٹ جانے کا خوف ہے' لیکن یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں قبول کی جائیں۔ [9] اس قسم کا فرمان تمام صوبوں کے والیوں کو لکھا۔ [10] اس حکم پر تمام محدثین سے حدیثیں تلاش کر کے ان کے مجموعے مرتب کیے گئے اور تمام ممالک محروسہ میں بھیجے گئے۔ سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے دفتر کے دفتر حدیثیں لکھیں اور انہوں نے اس کا ایک

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۹۴۔
[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۹۴۔
[3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۹۵۔
[4] جامع بیان العلم ص ۸۸۔
[5] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۱۹۔
[6] حسن المحاضرہ ص ۱۱۹۔
[7] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۷۴۔
[8] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۰۸۔
[9] بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم۔ [10] فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۴۔

ایک مجموعہ تمام ممالک محروسہ میں بھیجا۔ [1]

مغازی اور مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم واشاعت

مغازی اور مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب اس وقت تک عملی حیثیت سے کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی تھی۔ سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عاصم بن قتادہ کو جو مغازی اور سیرت کے بڑے عالم تھے، حکم دیا کہ وہ جامع دمشق میں ان دونوں چیزوں کا درس دیا کریں۔ [2]

بعض یونانی تصانیف کی اشاعت

اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مقصد مذہبی تعلیم یعنی کتاب وسنت کی اشاعت تھا، لیکن انہوں نے غیر قوموں کے علم سے بھی فائدہ اٹھایا۔ مروان بن حکم کے زمانہ میں ایک یونانی حکیم کی طبی کتاب کا ترجمہ ماسرجویہ نے کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نقلیں کرا کے ملک میں انہیں شائع کیا۔ [3] غرض حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی علم نوازی کی وجہ سے ان کے دور میں علم وتعلیم کی کافی اشاعت ہوئی۔

فضائل اخلاق

اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مجددانہ کارناموں کے بعد آپ کے فضائل اخلاق پر روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ درحقیقت یہ سب فضائل اخلاق ہی کے پرتو ہیں، لیکن محض اس خیال سے کہ خالص اخلاقی رخ بھی سامنے آجائے۔ آپ کے فضائل اخلاق کے کچھ واقعات بھی لکھ دیئے جاتے ہیں۔

خشیت الٰہی

تمام فضائل اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے۔ حکومت کا جاہ وجلال اللہ تعالیٰ سے غافل اور مواخذہ سے بےخوف بنا دیتا ہے، لیکن عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دل کو اسی شے نے خوف وخشیت سے لبریز کر دیا تھا۔ معمول تھا کہ عشاء کے بعد تنہائی میں بیٹھ کر رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی۔ بیدار ہوتے تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا اور ساری ساری رات اسی طرح گزر جاتی۔ [4]

---

[1] جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۸۔ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن قتادہ۔
[3] اخبار الحکماء تذکرہ ماسرجویہ۔ [4] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۸۸۔

ذمہ داری کا احساس اور مواخذہ کا خوف

اس خشیت الٰہی کا نتیجہ تھا کہ آپ خلافت کی ذمہ داریوں اور امت کے حقوق کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے آپ کے شبینہ مشغلہ کو دیکھ کر اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے ٹالا مگر انہوں نے اصرار کیا کہ میں اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے، سیاہ و سپید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں۔ اس لیے جب میں بے کس، غریب محتاج، فقیر، گم شدہ اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں، جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کے مدعی ہوں گے، ایسی حالت میں اگر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی معقول عذر اور دلیل نہ پیش کر سکا تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور جتنا میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اتنا ہی میرا دل خوفزدہ ہوتا ہے۔ [1]

جب لوگ آپ کے گریہ و بکا کے متعلق کچھ کہتے تو آپ فرماتے کہ تم لوگ رونے پر مجھے ملامت نہ کرو، کیونکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلہ میں عمر پکڑا جائے گا۔ [2]

اپنے ایک فوجی افسر سلیمان بن ابی کریمہ کو ایک مرتبہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و خشیت کا سب سے زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جس کو اس نے آزمائش میں ڈالا جس میں میں ہوں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں۔ میں اپنی حالت سے سخت دل گرفتہ ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جانے والے ہو، میری حالت پر خطر اور میرا خطرہ بہت بڑا ہے۔ [3]

تقویٰ و تورع

آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں تقویٰ و تورع تھا۔ یوں تو آپ کا تقویٰ ہر شعبہ

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۸۸۔ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۹۱، ۲۹۲۔
[3] ابن سعد ج ۵، ص ۲۹۲۔

زندگی میں نمایاں تھا' لیکن مسلمانوں کے مال میں آپ نے اس کا جو نمونہ پیش کیا اس کی مثال سلاطین وفرمانرواؤں کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ بیت المال سے معمولی سا فائدہ بھی اٹھانا گوارہ نہ تھا۔ رات کو جب تک خلافت کا کام کرتے تھے اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے۔ اس کے بعد گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلواتے تھے۔ [1]

بیت المال کی جانب سے فقرا و مساکین کے لیے جو مہمان خانہ تھا اس کے باورچی خانہ سے اپنے لیے پانی تک گرم نہ کراتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی لاعلمی میں ملازم ایک مہینہ تک عام مطبخ میں پانی گرم کرتا رہا۔ آپ کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کرادی۔ [2] ایک مرتبہ غلام کو گوشت کا ٹکڑا بھوننے کا حکم دیا' وہ اسی بطخ سے بھون لایا' آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا اور غلام سے فرمایا' تم ہی کھالو میری قسمت کا نہ تھا۔ [3]

ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے۔ آپ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کا چھوٹا بچہ ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ آپ نے اس کے منہ سے چھین لیا۔ وہ رونے لگا اور جا کر ماں سے شکایت کی۔ ماں نے بازار سے سیب منگوا دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ گھر واپس آئے تو انہیں سیب کی خوشبو معلوم ہوئی۔ پوچھا فاطمہ! سرکاری سیب تو یہاں نہیں آیا۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم میں نے اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا۔ اس لیے کہ مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصہ کے سیب کے بدلہ میں اپنے کو اللہ کے حضور برباد کروں۔ [4]

آپ کو لبنان کا شہد بہت مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ اس کی خواہش ظاہر کی تو آپ کی بیوی فاطمہ نے لبنان کے حاکم ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا۔ انہوں نے بہت سا شہد بھجوا دیا۔ فاطمہ نے اسے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا، معلوم ہوتا ہے تم نے ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا تھا، چنانچہ اس کو چکھا تک نہیں اور بچوا کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کرادی اور ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا کہ تم نے فاطمہ کے کہلانے پر بھیجا ہے۔ اللہ کی قسم اگر آئندہ تم نے ایسا کیا تو اپنے عہدہ پر نہیں رہ سکتے اور میں تمہارے چہرہ پر نظر نہ ڈالوں گا۔ [5]

احتیاط کا آخری نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال کا مشک آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷ و ابن سعد ج ۵' ص ۲۹۵۔ [2] ابن سعد ج ۵' ص ۲۹۵۔
[3] سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ [4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶۱۔
[5] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۵۸۔

نے ناک بند کرلی کہ خوشبو ناک میں نہ جانے پائے۔ لوگوں نے عرض کیا، امیر المؤمنین خوشبو سونگھنے میں کیا حرج ہے؟ فرمایا مشک کا انتفاع یہی ہے۔ [1] تختِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد تحفہ و ہدیئے قبول کرنے بند کردیئے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے پاس سیب اور دوسرے میوے بھیجے، آپ نے واپس کردیا، بھیجنے والے نے آپ سے کہا کہ ہدیہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماتے تھے، آپ نے جواب دیا، لیکن ہمارے اور ہمارے بعد والوں کے لیے وہ رشوت ہے۔ [2]

تواضع ومساوات

بنی امیہ نے حاکم ومحکوم اور آقا وغلام کی جو تفریق پیدا کردی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بالکل مٹا دیا تھا اور خود مساوات کا عملی نمونہ قائم کیا۔ ملازمین تک کو تعظیم کے لیے اٹھنے کی ممانعت کردی اور خود ان کے برابر بیٹھتے تھے۔ [3] بلکہ ان کی خدمت میں بھی تامل نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے ایک لونڈی کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے پنکھا لے کر خود ان کو جھلنا شروع کردیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو دیکھ کر گھبرائی۔ آپ نے فرمایا، آخر تم بھی میری طرح ہو، تم کو بھی گرمی لگتی ہوگی، جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں، میں نے بھی تم کو جھل دیا۔ [4] اگر ملازم سو جاتے تو خود اپنے ہاتھ سے کام کرلیتے۔ ملازم کے آرام میں خلل نہ ڈالتے۔ ایک مرتبہ رجاء بن حیوۃ سے گفتگو میں رات زیادہ گزر گئی اور چراغ جھلملانے لگا۔ ملازم قریب ہی سویا ہوا تھا۔ رجاء نے جگانا چاہا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے روک دیا۔ رجاء نے خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے انہیں بھی روک دیا اور خود اٹھ کر تیل لیا اور چراغ میں ڈال کر واپس آئے اور فرمایا جب میں اٹھا، تب بھی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھا اور اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔ [5] آپ کی سادگی، تواضع اور مساوات اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ جو لوگ آپ کو پہچانتے نہ تھے، انہیں عام مجمعوں میں پہچاننے میں دقت ہوتی تھی۔ [6]

زُہد وورع

خلافت ملنے سے پہلے آپ کی زندگی جس عیش وتنعم کی تھی، اس کی تصویر اوپر گذر چکی ہے۔ خلافت کے بعد سارے تکلفات سے دستکش ہوگئے اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قالب اختیار کرلیا۔ لونڈی، غلام، فرش، لباس وغیرہ جملہ عیش وتکلف کے سامانوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶۳۔ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶۰۔
[3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۷۔ [4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۲۔
[5] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۳، ۱۷۴۔ [6] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۳، ۱۷۴۔

داخل کر دی تھی۔ گزارے کے لیے صرف چار سو دینار سالانہ لیتے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ لیتے تھے۔ ❶

لباس

ایک زمانہ میں چار سو کی قیمت کا کپڑا جسم پر بار معلوم ہوتا تھا اور دن بھر کئی کئی جوڑے بدلے جاتے تھے۔ اب صرف ایک جوڑا رہ گیا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔ ❷ مرض الموت میں ایک قمیض نہ تھی کہ بدلائی جاتی۔ آپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے اپنی بہن سے کہا کہ قمیص میلی ہوگئی ہے' لوگ عیادت کے لیے آتے ہیں' دوسری بدلوا دو وہ سن کر چپ رہیں۔ مسلمہ نے جب دوبارہ کہا تو بولیں خدا کی قسم اس کے علاوہ دوسرا کپڑا نہیں ہے۔ ❸ پھر ایک جوڑا بھی سالم نہ ہوتا تھا بلکہ پیوند پر پیوند لگے ہوتے تھے۔ آپ کے بچے بھی اسی تنگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی بچی آمنہ کے پاس کپڑا نہ تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ فرش پھاڑ کر کرتہ بنا دیا جائے۔ آپ کی بہن کو معلوم ہوا تو ایک تھان بھجوا دیا اور منع کر دیا کہ عمر سے نہ مانگنا۔ ❹ ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے کپڑے مانگے۔ آپ نے ان سے فرمایا خیار بن رباح کے پاس رکھے ہیں۔ ان سے جا کر لے لو۔ عبداللہ گئے تو خیار نے گزی کے کپڑے نکال کر دیئے۔ یہ لڑکے تھے۔ بولے یہ تو ہمارے پہننے کے لائق نہیں ہیں۔ خیار نے کہا، میرے پاس امیر المؤمنین کے یہی کپڑے ہیں۔ عبداللہ نے جا کر واپس حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی کہا۔ انہوں نے فرمایا میرے پاس تو یہی کپڑے ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ مایوس ہونے لگے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے واپس بلا کر کہا کہ اگر اپنے وظیفہ سے پیشگی لینا چاہو تو لے سکتے ہو، چنانچہ دو سو درہم دلوائے اور وظیفہ تقسیم کرتے وقت کاٹ لیے۔ ❺



❶ سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۲ و ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۶۔ ❷ ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۲۔
❸ ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۴۔ ❹ ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۵۔ ❺ سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۷۳۔

یزید بن عبدالملک

(۱۰۱ھ تا ۱۰۵ ھ مطابق ۷۱۹ء تا ۷۲۳ء)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد رجب ۱۰۱ھ میں یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس کی ماں عاتکہ یزید بن معاویہ کی لڑکی تھی۔ تخت نشینی کے بعد یزید نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی اور ان کی اصلاحات کو قائم رکھا لیکن چالیس دن سے زیادہ نہ چلا سکا۔ اس کے بعد تمام اصلاحات کو منسوخ کر کے پھر وہی پرانا استبدادی نظام جاری کر دیا۔ [1] اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کیے۔

یزید بن مہلب کی بغاوت اور اس کا خاتمہ

نامور اموی امیر مہلب بن ابی صفرہ کے کارنامے اوپر گذر چکے ہیں۔ اس کی خدمت اور کارناموں کی وجہ سے اس کی اولاد کو بڑا عروج ہوا۔ اس کے سب لڑکے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے اور ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ وہ اپنے حدود حکومت میں چھا گئے تھے۔ جس طرح چاہتے تھے، حکومت کرتے تھے، خلفا کو بھی انہیں ٹوکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

سلیمان کے زمانہ میں یزید بن مہلب خراسان کا مختار کل تھا۔ سلیمان کی وفات سے کچھ دن پہلے اس نے اس کو ایک بڑی آمدنی کی اطلاع دی تھی لیکن بھیجنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ سلیمان کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تخت نشین ہوئے۔ آپ عمال کی خودسری کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ خصوصاً بیت المال کی آمدنی کے معاملہ میں کسی امیر کے ساتھ رورعایت کو راہ نہ دیتے تھے۔ اس لیے اپنے زمانہ میں انہوں نے یزید سے اس رقم کا مطالبہ کیا۔ اس نے ٹالنے کی کوشش کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عدی بن ارطاۃ والی عراق کو لکھا۔ انہوں نے ابن مہلب کو پکڑ کر دربار خلافت میں بھجوا دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پھر مطالبہ کیا۔ یزید نے کہا کہ امیر المؤمنین سلیمان میرا جتنا لحاظ کرتے تھے، وہ آپ کو معلوم ہے، اگر وہ زندہ ہوتے تو مجھ سے اس رقم کا مطالبہ نہ کرتے۔ میں نے صرف ان کے علم کے لیے انہیں اطلاع دی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے، اسے میں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر تم نے انکار کیا تو مجھے تم کو قید کر دینا پڑے گا لیکن یزید نے جب اس دھمکی پر

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۷۔

دھیان نہ دیا تو آپ نے اسے قید کر دیا۔ ابھی یہ قید میں تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ ابن مہلب نے اپنے دور امارت میں یزید بن عبدالملک کے بعض سسرال اعزہ کو سزائیں دی تھیں۔ اس بنا پر یزید اس سے برہم تھا اور چونکہ وہ نامزد شدہ ولی عہد تھا، اس لیے ابن مہلب کو خطرہ پیدا ہوا کہ یزید تخت نشینی کے بعد ضرور اس کا انتقام لے گا، اس لیے وہ رشوت دے کر جیل سے فرار ہو گیا۔ اس دوران میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا اور یزید تخت نشین ہوا۔ مہلب کا خاندان عراق میں بڑا صاحب اقتدار تھا، اس لیے اس کے فرار سے یزید کو خطرہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس نے فوراً عدی بن ارطاۃ والی عراق کو آل مہلب کی گرفتاری کا حکم لکھ بھیجا۔ یہ لوگ بالکل بے خبر تھے۔ اس لیے یزید نے آسانی کے ساتھ یزید بن مہلب کے تین بھائی مفضل، مروان اور حبیب کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور یزید بن مہلب کے خطرات کو روکنے کی تدبیریں کیں۔ اس دوران میں یزید بن مہلب بصرہ پہنچ گیا۔ یہاں آ کر جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے بھائی گرفتار ہو چکے ہیں تو اس نے عدی سے مصالحت کی کوشش کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ بصرہ میں آل مہلب کے حامیوں کی بڑی تعداد تھی، ان کی مدد سے اس نے عدی کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور بصرہ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ دارالحکومت پر قبضہ کے بعد عراق اور اس کے پورے ماتحت علاقہ سے اموی حکومت اٹھ گئی اور مہلب نے فارس وغیرہ میں اپنے عمال مقرر کر دیئے۔ یزید بن عبدالملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو اس کے مقابلہ کے لیے عراق روانہ کیا۔ اس وقت ابن مہلب نے یزید بن عبدالملک کی بیعت فسخ کر کے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے ذریعہ بنی امیہ کے مقابلہ پر آمادہ کیا اور انہیں یقین دلایا کہ ان سے جہاد کرنا ترک ودیلم کے ساتھ جہاد سے بہتر ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ ابھی کل تک یہی شخص بنی امیہ کی جانب سے حاکم تھا' اور ان کی خوشنودی کے لیے لوگوں کی گردنیں کاٹتا تھا اور آج وہ انہی لوگوں کو ان کے خلاف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دے رہا ہے لیکن آپ کو لوگوں نے خاموش کرا دیا۔

مسلمہ کے عراق پہنچنے کے بعد ابن مہلب نے اپنے مقبوضات کی حفاظت کے انتظامات کیے۔ اپنے بھائی مروان کو بصرہ کی اور لڑکے معاویہ کو واسط کی نگرانی پر مامور کر کے خود مسلمہ کے مقابلہ کے لیے کوفہ کی طرف بڑھا۔ اس کا بھائی مقدمۃ الجیش کے ساتھ آگے تھا۔ چنانچہ پہلے اس کا اور عباس بن عبدالملک اموی کا مقابلہ ہوا۔ عبدالملک کو شکست ہوئی اور وہ لوٹ کر ابن مہلب سے مل گیا۔ اس کے بعد انبار کے قریب مسلمہ اور یزید بن مہلب کا سامنا ہوا۔ ابن مہلب کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی۔ ابھی

جنگ شروع نہ ہوئی تھی کہ مسلمہ کے آدمیوں نے فرات کے پل میں آگ لگا دی۔ یہی عراقیوں کے گزرنے کا راستہ تھا۔ وہ پل سے دھواں اٹھتے دیکھ کر اتنے بدحواس ہو گئے کہ ان کی بڑی تعداد نے بغیر لڑے میدان چھوڑ دیا۔ ابن مہلب نے ہر چند سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس ہنگامہ میں اس کا بھائی حبیب قتل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد ابن مہلب اپنی مختصر جماعت کے ساتھ جان پر کھیل گیا اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑ کر جان دی۔ اس کا دوسرا بھائی مفضل الگ ایک جتھے کے ساتھ برسر پیکار تھا۔ ابن مہلب نے پہلے سے اس کا انتظام کر لیا تھا کہ اگر اسے اس معرکہ میں شکست ہوگی تو قندابیل یعنی سندھ میں جو اس کے ماتحت تھا، پناہ لے گا۔ اس لیے مفضل بن مہلب اپنے خاندان کو لے کر قندابیل روانہ ہو گیا۔ ایک اموی سردار نے اس کا تعاقب کیا اور مفضل کے بقیہ ساتھی بھی مارے گئے لیکن وہ خود کسی طرح جان بچا کر نکل گیا۔ قندابیل پہنچنے کے بعد یہاں کے حاکم وداع بن حمید نے دھوکہ دیا اور مفضل کو شہر میں داخل ہونے سے روکا۔ اس نے بزور داخل ہونا چاہا لیکن اب اس کے پاس کوئی قوت نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے مفضل، عبدالملک، زیاد اور مروان خاندان مہلب کے تمام ارکان مارے گئے۔ صرف چند صغیر السن بچ گئے۔ انہیں مع عورتوں کے قید کر کے مسلمہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس افسوسناک طریقہ پر اس نامور خاندان کا خاتمہ ہوا جس کی اموی حکومت میں بڑی خدمات تھیں۔ [1]

قصر باہلی پر ترکوں کا قبضہ

آل مہلب کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد یزید نے اپنے بھائی مسلمہ کو عراق کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ اس نے اپنے داماد سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خراسان کا والی بنا دیا۔ ترکستان کے باشندے بڑے سرکش اور جنگجو تھے۔ صرف قوت سے دبتے تھے اور سعید بڑا عیش پرست، کمزور اور نرم دل تھا۔ اس لیے ترکستان کی تمام قوموں کا حوصلہ بڑھ گیا اور خاقان کے اشارہ سے ترکوں کا ایک جرگہ اسلامی حدود میں گھس آیا اور مقام قصر باہلی کو جس میں بہت سے مسلمان آباد تھے، گھیر لیا۔ ان لوگوں نے عثمان بن عبداللہ والی سمرقند سے مدد مانگی۔ اس نے مسیب بن بشیر ریاحی کو چار ہزار فوج دے کر روانہ کر دیا۔ راستہ میں انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ معرکہ بہت سخت ہے، جسے جان عزیز نہ ہو، وہ ساتھ چلے ورنہ لوٹ جائے۔ اس اعلان پر تین ہزار آدمی لوٹ گئے اور مسیب ایک ہزار کی مختصر جماعت کے ساتھ قصر باہلی روانہ ہو گیا۔ قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ ایک ترک حکمران ترکی

[1] ابن اثیر میں اس بغاوت اور اس کے خاتمہ کی تفصیلات بہت طویل ہیں، ہم نے ان کا خلاصہ نقل کیا ہے۔

دہقانوں کی بڑی تعداد کے ساتھ قصر کا محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ مسیّب نے فوراً دو جاسوسوں کو بھیج کر محصور مسلمانوں کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ لوگ صبح تک صبر اور استقلال سے کام لیں اور خود راتوں رات چل کر صبح ہوتے ہوتے پہنچ گیا اور پہنچتے ہی ترکوں پر ٹوٹ پڑا اور اس بہادری سے لڑا کہ ترک محاصرہ اٹھا کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ ترکوں کا اپنا ملک تھا۔ ان کے پلٹنے کا خطرہ تھا۔ اس لیے مسیّب نے ان کے تعاقب سے مسلمانوں کو روک دیا اور کسی نہ کسی طرح محصور مسلمانوں کو قصر باہلی سے نکال لے گیا۔ اس کی واپسی کے بعد ہی دوبارہ ترک پہنچے لیکن اس وقت قصر بالکل خالی ہو چکا تھا۔

صغد پر مسلمانوں کا قبضہ

صغد مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن قصر باہلی کے محاصرہ میں انہوں نے ترکوں کی مدد کی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے سعید کو اس کا انتقام لینے کے لیے آمادہ کیا۔ وہ جیحون کو عبور کر کے صغد کے علاقہ کی طرف بڑھا۔ قریب ہی ان کا جرگہ مل گیا۔ مسلمانوں نے اسے شکست دے کر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا مگر سعید نے روک دیا کہ یہ لوگ امیر المؤمنین کی کھیتی ہیں، ان کو ویران کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں سے واپسی میں ترکوں کی ایک جماعت جوان کی تاک میں چھپی ہوئی تھی، ان پر ٹوٹ پڑی، مسلمان بالکل بے خبر تھے، اس لیے شکست کھا گئے لیکن پھر کل فوج کے پہنچنے کے بعد ترکوں کو پسپا کر دیا۔

سعید بن ہبیرہ کا تقرر اور دوسرا معرکہ

سعید بن عبدالعزیز فطرتاً بڑا کمزور تھا اور اس کی موجودگی میں ترک اور صغد سرکشی سے باز نہیں آ سکتے تھے۔ اس لیے ۱۰۳ھ میں وہ معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ سعید بن ہبیرہ کا تقرر ہوا۔ یہ بڑے دبدبہ اور شکوہ کا شخص تھا۔ اس نے آتے ہی مسلمانوں کو گرمایا کہ ''تم لوگ کثرت تعداد کے بل پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر لڑتے ہو' اس کا نام لے کر کھڑے ہو جاؤ''۔ صغد کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ڈر گئے اور فرغانہ کے فرمانروا سے خجندہ میں قیام کی اجازت چاہی۔ اس نے یہاں ٹھہرانے سے انکار کیا' البتہ ایک پرگنہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور اس کے خالی ہونے تک عارضی طور پر ایک دوسرا مقام تجویز کر دیا' مگر اس دوران میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی۔ صغد نے عارضی قیام کے لیے شعب عصام کو پسند کیا۔ سعید حرشی کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً روانہ ہو گیا اور قبل اس کے کہ صغد شعب عصام میں داخل ہوں' پہنچ گیا اور ہر طرف سے انہیں گھیر لیا۔ صغد نے فرمانروائے فرغانہ سے مدد طلب کی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے قیام کے مستقل انتظام سے پہلے حفاظت کی ذمہ

داری نہیں لی تھی۔ یہ جواب سن کر صغد نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کے پاس جتنے مسلمان قیدی ہیں' سب واپس کر دیں گے اور ان کی بغاوت کی وجہ سے خراج میں جو کمی ہوئی ہے' اسے پوری کر دیں گے۔ آئندہ کوئی فریب نہ کریں گے اور خجندہ چھوڑ دیں گے اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو مسلمانوں کو جنگ کا اختیار رہے گا۔ ابھی یہ شرائط پوری نہ ہوئی تھیں کہ صغد نے ایک مسلمان عورت کو قتل کر دیا۔ سعید کو معلوم ہوا تو انہوں نے صرف قاتل کے قتل پر اکتفا کیا' لیکن اس بدعہدی کے بعد ایک صغد سردار کو سعید کی جانب سے اطمینان نہ رہ گیا۔ اس نے علم بغاوت بلند کر دیا اور اسلامی آبادی پر تاخت کر کے چند مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ سردار تو کسی نہ کسی طرح قتل کر دیا گیا' لیکن اس کے بعد کل صغد باغی ہو گئے اور ڈیڑھ سو مسلمان قیدیوں کو جو ان کے قبضہ میں تھے' تہہ تیغ کر ڈالا۔ اس لیے دوبارہ سعید بڑے جوش و خروش سے ان کے مقابلہ کے لیے اٹھے اور ایک پورے جرگہ کو ختم کر کے صغد کے علاقہ میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور ان کی طاقت کو توڑنے کی پوری کوشش کی۔

کش اور نسف کی اطاعت

کش اور نسف کے علاقے مسلمانوں کے پرانے باجگزار تھے۔ انہوں نے صغد کی بغاوت میں مسلمانوں کے خلاف انہیں مدد دی تھی۔ اس لیے صغد سے نبٹنے کے بعد سعید کش پہنچے۔ اہل کش نے بغیر کسی مزاحمت کے صلح کر لی۔ کش کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد سعید نے مسربل بن خریت کو نسف کے فرمانروا کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ مسربل نے جا کر سمجھایا کہ ''تم باغیوں کا انجام دیکھ چکے ہو' تمہاری خیر اسی میں ہے کہ مسلمانوں کی پیش قدمی سے پہلے ان کی اطاعت قبول کر لو' ورنہ تمہارا بھی وہی انجام ہوگا''۔ اس میں اور مسربل میں پرانے تعلقات تھے۔ اس نے اس خیر خواہانہ مشورہ کو قبول کیا اور اپنے آپ کو سعید کے حوالہ کر دیا' لیکن سعید نے ان کی خطا معاف نہیں کی اور خراسان لے جا کر قتل کر دیا۔

خزر پر حملہ

ترکستان کے بعد دوسرا مخدوش علاقہ خزر کا تھا۔ اس لیے ۱۰۴ھ میں اس علاقہ پر فوج کشی ہوئی۔ خزر' قبچاق اور ارمن نے متحد ہو کر مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کو فاش شکست ہوئی۔ اس کامیابی سے ان کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور انہوں نے سرحد پر بہت بڑا اجتماع کیا۔ یزید کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے جراح بن عبداللہ حکمی کو آرمینیہ کا حاکم مقرر کیا اور خزر کے مقابلہ کے لیے شام سے فوج روانہ کی۔ جراح اسے لے کر خزر کے علاقہ میں داخل ہوا اور باب الابواب میں فوجیں پھیلا دیں۔ دریائے ران

پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد خزر نے فاش شکست کھائی اور ان کا کل سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد بلنجر کی طرف بڑھے اور راستے میں شہر برغو کو مطیع کر کے بلنجر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ بڑا سنگین اور مستحکم قلعہ تھا۔ اہل قلعہ نے تین سو گاڑیوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر قلعہ کے چاروں طرف ان کا حصار قائم کر دیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو بڑھنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ چند مسلمان ہمت کر کے گاڑیوں کی طرف بڑھے۔ اہل قلعہ نے تیروں کا مینہ برسا دیا' لیکن وہ جان پر کھیل کر گاڑیوں تک پہنچ گئے اور وہ رسہ جس میں گاڑیاں بندھی ہوئی تھیں' کاٹ دیا۔ اس کے کٹتے ہی سب گاڑیاں لڑھک کر نیچے آ گئیں اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ خزر نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا' لیکن انہیں شکست ہوئی اور مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی بے شمار دولت ان کے ہاتھ آئی۔ قلعہ پر قبضہ کے بعد قلعہ دار مسلمانوں سے مل کر ان کا جاسوس بن گیا۔ اس کے صلہ میں جراح بن عبداللہ حکمی نے قلعہ مع نقد و جنس اسے واپس کر دیا۔ بلنجر کے بعد قلعہ الوبندر کا رخ کیا۔ یہاں چالیس ہزار ترک خانوادے آباد تھے۔ ان لوگوں نے بغیر کسی مزاحمت کے صلح کر لی' لیکن ابھی جراح الوبندر میں تھے کہ دوسرے ترکمانی قبائل نے مسلمانوں کی ناکہ بندی کر دی۔ بلنجر کے علاقہ دار نے فوراً اس کی اطلاع دی۔ اس لیے جراح رستاق ملی واپس چلے آئے اور دارالخلافہ سے مزید فوجیں طلب کیں۔ ابھی جراح رستاق ملی میں مقیم تھے کہ یزید کا وقت آخر ہو گیا اور یہ مہم ہشام کے زمانہ میں تکمیل کو پہنچی۔

یہ طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے۔ [1] یعقوبی کا بیان ہے کہ بلنجر کی فتح کے بعد جراح نے اس کے فرمانروا کا تعاقب کیا۔ دریائے دیبل پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا۔ جراح اس مقابلہ میں کام آئے۔ [2] لیکن یہ بیان بالکل غلط ہے۔ ہشام کے زمانہ میں جراح بہت دنوں تک اس نواح کی مہمات میں مشغول رہے۔

متفرق فتوحات

ان فتوحات کے علاوہ یزید کے زمانہ میں بعض معمولی فتوحات بھی حاصل ہوئیں۔ ۱۰۳ھ میں روم میں عباس بن ولید نے دلسہ اور ۱۰۵ھ میں مروان بن محمد نے قونیہ فتح کیا۔

خوارج

[1] یہ تمام حالات طبری اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ [2] یعقوبی ج۔۲' ص ۳۷۴۔

بعض مقاموں پر خوارج نے بھی سر اٹھایا' لیکن ان کا فتنہ بڑھنے نہ پایا۔ ۱۰۵ھ میں عقفان خارجی اٹھا' لیکن اس کی جماعت بہت مختصر تھی' جسے محض دھمکا کر منتشر کر دیا گیا۔ اسی سنہ میں بحرین میں مسعود بن ابی زینب عبدی اٹھا اور یمامہ پر حملہ آور ہوا۔ یہاں کے والی سفیان بن عمرو عقیلی نے آسانی سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد ہلال ابن مدلج نے اس کی جگہ لی' یہ بھی شکست کھا کر قتل ہوا۔

ولی عہدی

تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یزید نے اپنے بھائی ہشام اور اس کے بعد اپنے لڑکے ولید کو نامزد کر دیا تھا۔

وفات

شعبان ۱۰۵ھ میں سل کی بیماری میں یزید کا انتقال ہوا۔ اس وقت چالیس سال کے قریب عمر تھی۔ مدت خلافت چار سال ایک مہینہ' کچھ دن۔ اس کی وفات کے سلسلے میں ایک یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ اسے ایک لونڈی حبابہ سے بڑی شیفتگی تھی' وہ مر گئی۔ اس صدمہ کی وہ تاب نہ لا سکا اور چند ہی دنوں کے بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ ممکن ہے یہ روایت صحیح ہے' اس لیے کہ یہ مسلم ہے کہ وہ سل کا مریض تھا' ایسی حالت میں کسی صدمہ سے موت کا جلد واقع ہو جانا کچھ بعید نہیں۔

اولاد

یزید کے دس لڑکے تھے۔ ولید' یحییٰ' محمد' عمر' عبدالجبار' داؤد' ابوسلیمان' عوام' ہاشم' سلیمان۔

عراق کا بندوبست

یزید کا زمانہ بہت مختصر تھا اور اس مختصر زمانہ میں بھی کوئی اہم واقعات و حوادث نہیں پیش آئے۔ وہ طبعاً بہت آرام طلب اور عیش پرست تھا۔ اس لیے تعمیری حیثیت سے اس کے دور میں عراق کے بندوبست کے علاوہ کوئی چیز قابل ذکر نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے عراق کا بندوبست نہیں ہوا تھا۔ یزید نے اپنے آخری دور میں دوبارہ بندوبست کرایا۔ [1]

---

[1] یعقوبی ج۔۲ ص ۳۷۶۔

ہشام بن عبدالملک

(۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ مطابق ۷۲۳ء تا ۷۴۳ء)

یزید کے انتقال کے وقت اس کا بھائی اور ولی عہد ہشام بن عبدالملک پایہ تخت سے باہر رصافہ میں تھا۔ یہیں اس کے سامنے خاتم اور عصائے خلافت پیش کیا گیا اور رمضان ۱۰۵ھ میں وہ دمشق آ کر تخت نشین ہوا۔ ہشام تدبر اور حوصلہ مندی میں عبدالملک کا مثنیٰ تھا۔ اس لیے اس کی تخت نشینی کے بعد اموی حکومت میں پھر ایک حرکت اور گرمی پیدا ہوگئی۔ اس کا دور بیرونی مہمات' فتوحات اور اندرونی گوناگوں انقلابات وحوادث کے اعتبار سے بڑا ہنگامہ خیز تھا۔

ترکستان کی مہمات

وسط ایشیا خاص طور سے لڑائیوں کا مرکز رہا اور فرمانروائے ترکستان خاقان مارا گیا۔ وسط ایشیا کے چھوٹے چھوٹے باجگزار فرمانروا بڑے سرکش تھے۔ جہاں ذرا گرفت ڈھیلی ہوتی وہ باغی ہو جاتے تھے۔ اس کے آزاد فرمانروا اسلامی مقبوضات پر تاخت کیا کرتے تھے۔ اس لیے ہشام نے ان کا زور توڑنے اور انہیں مستقل قابو میں لانے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں ترک وتاتار وغیرہ کی تمام قومیں مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور کابل وترکستان سے لے کر ارمنستان تک آگ لگ گئی' لیکن ہشام کی ہمت اور تدبر نے ان سب پر قابو حاصل کر لیا۔ ہشام کی تخت نشینی کے وقت عمر بن ہبیرہ عراق کا گورنر جنرل تھا۔ ہشام نے اس کی جگہ خالد بن عبداللہ کا تقرر کیا۔ اس وقت ترکوں کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی تھی اور مسلم بن سعید والی خراسان ان کے مقابلہ میں تھا۔ یہ خالد کے حکم سے فرغانہ کی طرف بڑھا۔ یہاں کے فرمانروا نے مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیر لیا اور وہ بڑے خطرہ میں پھنس گئے' لیکن مسلم کسی نہ کسی طرح بچا کر نکال لایا۔ اس مہم کے بعد خالد نے مسلم کو خراسان سے ہٹا کر اپنے بھائی اسعد بن سعید کو اس کی جگہ بھیجا اور جنید بن عبدالرحمٰن کو سندھ کی ولایت پر مامور کیا۔ [1]

اسد نے ۱۰۷ھ میں غور پر فوج کشی کی۔ غوری اپنا کل مال ومتاع ایک غار میں چھپا کر خود ہٹ گئے۔ اسد اسے نکلوا کر صحیح وسالم واپس آیا اور چند دنوں کے بعد ۱۰۸ھ میں دوبارہ حملہ کر کے غوریوں کو شکست دی۔ اس میں قبائلی عصبیت زیادہ تھی جس سے قبائل میں جنگ کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ۱۰۹ھ میں ہشام نے اسے معزول کر کے امیر اشرس بن عبداللہ سلمی کو خراسان کا حاکم بنایا۔ یہ بڑا فاضل اور دیندار

[1] جنید نے سندھ پہنچ کر بہت سی فتوحات حاصل کیں اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

امیر تھا۔ اس نے تلوار روک کر ترکستان میں اسلام کی اشاعت کی کوشش شروع کی اور ابوالصید اء کو ایک جماعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے سمرقند بھیجا۔ ان کی کوشش سے اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ یہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ نہ تھا کہ اسلام کی اشاعت کے مقابلہ میں جزیہ کی آمدنی کی پرواہ نہ کی جاتی۔ اس لیے اشرس کو بازپرس کا خطرہ پیدا ہوا' چنانچہ انہوں نے سمرقند کے عامل حسین بن عمر طہ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ذمیوں نے جزیہ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے۔ اس لیے اس وقت تک ان کا جزیہ معاف نہ کیا جائے جب تک وہ ختنہ نہ کرائیں اور اسلامی فرائض ادا کر کے اپنے سچے مسلمان ہونے کا ثبوت نہ دیں اور حسین بن عمر طہ کی جگہ ہانی بن ہانی کو سمرقند بھیجا۔ اس نے تحقیقات کر کے لکھا کہ نومسلم اسلامی فرائض ادا کرتے ہیں اور مسجد بھی بنالی ہے لیکن اس اطلاع کے بعد بھی اشرس نے جزیہ کی وصولی کا حکم قائم رکھا۔ نومسلموں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور سات ہزار آدمی جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بہت سے حق پسند مسلمانوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ [1]

اشرس کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے مجشر بن مزاحم کو بھیجا۔ اس نے بعض ان مسلمانوں کو جنہوں نے نومسلموں کی حمایت کی تھی' حیلہ سے قید کر کے جزیہ کی معافی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے بعد جب نومسلموں کا جتھا منتشر ہو گیا' اس وقت مجشر نے ان کے تمام سرغنوں اور ان کے حمایتی مسلمانوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور ان سے زبردستی جزیہ وصول کیا۔ اس جبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ صغد اور بخارا میں پھر بغاوت پھیل گئی۔ ترکوں نے ان کا ساتھ دیا اور سارے ماوراء النہر میں شورش بپا ہو گئی۔ اشرس اور قطن بن قتیبہ نے جیحون کو عبور کر کے باغیوں کے مرکز بیکند کا محاصرہ کر لیا۔ ترکوں نے ان کا پانی روک دیا۔ اس لیے وہ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور پانی کی تلاش میں نکلے۔ ترکوں نے روکنے کی کوشش کی' لیکن مسلمانوں نے شکست دے کر پانی حاصل کر لیا۔ ابھی یہ معرکہ ختم ہوا تھا کہ ترکستان کے فرمانروا خاقان نے خراسان کے ایک بڑے شہر کمرجہ کا جس میں زیادہ تر مسلمانوں کی آبادی تھی' محاصرہ کر لیا۔ محصور مسلمانوں نے شہر کے پھاٹک بند کر کے پوری مدافعت کی۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ اسلامی فوجیں فرغانہ تک پہنچ گئیں۔ ان کی اطلاع پا کر خاقان نے کمرجہ کے محصورین سے کہلا بھیجا کہ ہم جس شہر کا محاصرہ کرتے ہیں اسے بغیر فتح کیے ہوئے نہیں ٹلتے' اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ شہر خالی کر کے چلے جاؤ۔ ہم کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔ مسلمانوں نے جواب میں کہلایا کہ ''ہمارا مذہب ہمیں اپنے کو دشمن کے حوالہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے جو کچھ تمہارے بس میں ہے کر گزرو''۔ ان کا

---

[1] ابن اثیر ج۔۵' ص۵۴۔

استقلال دیکھ کر خاقان نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ کمرجہ چھوڑ دیں تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا' مسلمانوں کے پاس مدافعت کی قوت نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے پورا اطمینان حاصل کرنے کے بعد کمرجہ خالی کر دیا۔ خاقان وعدہ پر قائم رہا اور مسلمانوں کو دبوسیہ تک پہنچانے کے لیے ایک دستہ ساتھ کر دیا اور وہ بحفاظت دبوسیہ پہنچ گئے۔

۱۱۱ھ میں اشرس کی جگہ جنید بن عبدالرحمٰن مری کا تقرر ہوا۔ اس نے بھی ترکستان کی مہم جاری رکھی اور ترکوں کے ساتھ کئی معرکے ہوئے۔ آخری معرکہ میں ترکوں نے بڑی فاش شکست کھائی اور خاقان کا چچازاد بھائی گرفتار ہوا۔

۱۱۲ھ میں جنید نے طخارستان پر فوج کشی کی۔ یہ ادھر مشغول تھا' دوسری طرف ترک ہر طرف سے سمرقند پر امنڈ آئے۔ یہاں کے حاکم سورہ بن ابجر نے جنید کو خطرہ کی اطلاع دی۔ اس نے فوج کو سمرقند کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ بعض تجربہ کار لوگوں نے کہا کہ ترکوں کا مقابلہ ہے۔ سب فوجیں منتشر ہیں۔ پچاس ہزار فوج سے کم کام نہ چلے گا۔ انہیں اکٹھا کرنے کے بعد سمرقند کا قصد کرنا چاہیے' لیکن سمرقند کے مسلمانوں کی جان کے خوف سے جنید نے توقف پسند نہ کیا اور جتنی فوج پاس تھی اسی کو لے کر روانہ ہو گیا اور سمرقند کے قریب پہنچ کر ایک گھاٹی میں خیمہ زن ہوا۔ ابھی یہ پہنچا ہی تھا کہ خاقان صغد' فرغانہ اور چاچ وغیرہ کی ٹڈی دل فوج کے ساتھ آ گیا۔ سب سے پہلے مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش کا سامنا ہوا۔ خاقان اسے شکست دے کر پیچھے ہٹاتا ہوا اسلامی لشکر گاہ تک لے آیا۔ جنید نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ دو دن تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ فریقین بڑی شجاعت و پامردی سے لڑے۔ اس معرکہ میں بہت سے مسلمان بہادر کام آئے اور آخر میں ان کا پہلو کمزور پڑ گیا۔ جنید نے سورہ بن ابجر کو' جو قریب ہی سمرقند میں تھا' اطلاع دے کر مدد طلب کی۔ وہ بارہ ہزار فوج لے کر مدد کے لیے روانہ ہوا۔ راستہ میں ترک حائل تھے۔ انہوں نے روکا اور راستہ بند کرنے کے لیے جھاڑیوں میں آگ لگا دی۔ سورہ نے ریلا کر کے نکل جانا چاہا۔ ترک مقابلہ میں آ گئے۔ سورہ نے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اس دار و گیر میں بہت سے ترک اور مسلمان آگ کی لپیٹ میں آ گئے۔ سورہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی جس کے صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور ترکوں نے اس کی پوری فوج تہہ تیغ کر دی۔ بارہ ہزار فوج میں سے کل دو ہزار زندہ بچے۔ ان میں سے سات سو آدمیوں نے مرغاب میں پناہ لی۔ ایک ترک افسر غورک ان سے جان بخشی کا وعدہ کر کے انہیں خاقان کے پاس لے گیا' لیکن اس نے غورک کی امان رد کر دی اور مسلمانوں نے لڑ کر مردانہ وار جان دی۔ سورہ کی فوج کی تباہی کی خبر سن کر جنید نے

سمرقند سے نکل جانا چاہا' لیکن ایک مسلمان نے اس کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اس درمیان میں ترک بھی پہنچ گئے۔ اس لیے جنید کے لیے جنگ کے سوا چارہ کار نہ رہ گیا۔ اس لیے اعلان کر دیا کہ جو غلام اس جنگ میں کارنمایاں دکھائے گا' وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر غلام اس بہادری سے لڑے کہ ترکوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

ترکوں کے ہٹنے کے بعد جنید سمرقند میں داخل ہوا اور ہشام کو مفصل حالات لکھ بھیجے۔ اسے سورہ کی موت کا بڑا صدمہ ہوا اور ترکوں سے انتقام لینے کے لیے بیس ہزار منتخب فوج اور بہت سا سامان حرب بھیجا اور جنید کو فوجوں کی تنخواہوں میں اضافہ کا بھی اختیار دے دیا۔ ابھی جنید سمرقند ہی میں تھا کہ اسے بخارا کی جانب خاقان کی پیش قدمی کی خبر ملی۔ سمرقند سے بخارا کا راستہ بڑا پرخطر اور دشوار گزار تھا۔ ہر قدم پر ترکوں کے حملہ کا خوف تھا' لیکن اہل بخارا کی مدد کے لیے پہنچنا ضروری تھا۔ اس لیے جنید حفاظت کے پورے اہتمام کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ کرمینیہ کے قریب خاقان کے ایک دستہ کا سامنا ہو گیا' لیکن محض معمولی جھڑپ ہوئی۔ اس سے آگے بڑھ کر ترکوں نے اسلامی فوج کے پچھلے حصہ پر چھاپا مارا۔ اس حملہ میں خود ان کا ایک نامور افسر کام آ گیا۔ اس لیے وہ لوگ لوٹ گئے اور جنید بخیر و خوبی بخارا پہنچ گیا۔ اس کے پہنچنے کے بعد پھر ترکوں نے ادھر بڑھنے کی ہمت نہ کی۔

۱۱۶ھ میں جنید کی جگہ خراسان کی ولایت پر عاصم بن عبداللہ ہلالی کا تقرر ہوا۔ اس کے خراسان پہنچنے کے ساتھ ہی ایک مسلمان امیر حارث بن شریح نے علم بغاوت بلند کر دیا اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی دعوت کے ذریعے ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کی مدد سے بلخ' جوزجان' طالقان اور مرو الروز وغیرہ بہت سے شہروں پر قبضہ کر کے خراسان کے پایہ تخت مرو کی طرف بڑھا' لیکن عاصم نے اسے شکست دے کر لوٹا دیا۔ اس کے بیشمار آدمی مارے گئے۔ بہت سے ڈوب کر مرے اور خود عاصم چند ہزار آدمیوں کے ساتھ بچ کر نکل گیا۔ انتظامی حیثیت سے خراسان کا صوبہ ہمیشہ سے عراق کے ماتحت رہا تھا' کچھ دنوں سے اس کو عراق سے الگ کر دیا گیا تھا۔ حارث کی بغاوت کے بعد عاصم نے ہشام سے درخواست کی کہ جب تک خراسان کو عراق سے ملحق نہ کیا جائے گا اس وقت تک اس کا انتظام سنبھالنا مشکل ہے کہ اس الحاق سے اسے عراق کی حکومت بھی مل جائے گی' لیکن ہشام نے خراسان کا عراق سے الحاق تو کر دیا مگر اسے عاصم کے ماتحت کرنے کی بجائے خالد بن عبداللہ قسری والی عراق کے ماتحت رکھا اور اس کے بھائی اسد کو خراسان کا والی مقرر کیا۔

گو حارث نے شکست کھائی تھی' لیکن جن شہروں پر وہ قبضہ کر چکا تھا وہ اب تک اس کے قبضہ

میں تھے۔ اس لیے اس نے دوبارہ قوت حاصل کر لی۔ عاصم اس کے مقابلہ کی تیاری کر رہا تھا کہ اسد خراسان پہنچ گیا۔ عاصم کو اپنی معزولی اتنی ناگوار ہوئی کہ اس نے حارث سے مل جانا چاہا' لیکن شامی فوج نے انکار کیا' اس لیے مجبوراً حارث سے لڑنا پڑا۔ اس مرتبہ بھی حارث نے شکست کھائی' اسے شکست دینے کے بعد اسد نے عاصم کو گرفتار کر لیا۔ اس دوسری شکست کے بعد بھی حارث کی قوت نہ ٹوٹی' بلکہ اس کی شورش اور بڑھ گئی اور خراسان کے اور بہت سے شہروں پر اس نے قبضہ کر لیا۔ اس کے اور اسد کے درمیان مہینوں معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ بڑی دشواریوں کے بعد ۱۱۸ھ میں حارث کا زور ٹوٹا اور وہ خراسان سے بھاگ کر خاقان سے مل گیا۔ حارث کی شورش ختم کرنے کے بعد اسد نے پھر ترکستان کی طرف توجہ کی اور ۱۱۹ھ میں ختل کے کئی قلعوں کو چھین لیا۔ خاقان کو معلوم ہوا تو وہ فوراً مقابلہ کے لیے پہنچا۔ اسد اس وقت واپس ہو رہا تھا' جیحون کے پار دونوں کا سامنا ہوا۔ خاقان نے شکست کھائی اور اسد بخارا لوٹ گیا اور سردیوں کا موسم یہیں بسر کیا۔ سردی ختم ہونے کے بعد خاقان پھر بخارا پہنچا' لیکن اس مرتبہ بھی اسے شکست ہوئی اور اس کا بہت سا سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اس معرکہ کے بعد ایک نامور ترکی سردار کورصول کے ساتھ چوگان کھیلنے میں خاقان کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ خاقان بگڑ گیا اور قسم کھائی کہ وہ کورصول کا ہاتھ توڑ کر رہے گا۔ اس دھمکی پر کورصول خاقان کے خلاف ہو گیا اور شبخون مار کر اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد ترکوں کا شیرازہ بکھر گیا اور ان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی' اس سے فائدہ اٹھا کر اسد نے ختل پر فوج کشی کر دی۔ ترک مقابلہ نہ کر سکے اور ختل چھوڑ کر چین چلے گئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کورصول کو اپنا قائد بنایا۔

۱۲۰ھ میں اسد کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ نصر بن سیار کنانی کا تقرر ہوا۔ یہ بڑا مدبر' منتظم اور بہادر امیر تھا۔ اس نے ہر شعبہ کو بڑی ترقی دی۔ مظالم کی تحقیقات کا محکمہ قائم کیا۔ نومسلموں کا جزیہ بند کیا۔ [1] خراج کی بے عنوانیوں کو دور کر کے از سر نو اس کا نظام کیا۔ ان تعمیری کاموں کے ساتھ ماوراء النہر پر مختلف سمتوں سے فوج کشی کی۔ ۱۲۰ھ میں چاچ پر حملہ کیا۔ دریائے چاچ کے قریب کورصول نے جو خاقان کے بعد ترکوں کا قائد بنا تھا مسلمانوں کے لشکر گاہ پر چھاپہ مارا۔ اتفاق سے ایک مسلمان افسر عاصم بن عمرو کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور نصر کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ بڑا بہادر اور مسلمانوں کا بڑا خطرناک دشمن تھا۔ ۲۷ لڑائیاں لڑ چکا تھا' اس لیے نصر نے اسے قتل کرا دیا۔

حارث بن شریح خاقان کے بعد کورصول کے ساتھ ہو گیا تھا اور اس معرکہ میں اس کے ہمراہ

---

[1] ابن اثیر ج۔۵' ص ۸۷۔

تھا۔کورصول کے خاتمہ کے بعد نصر نے یحییٰ بن حصین کو حارث کے استیصال پر مامور کیا۔ حارث چاچ میں تھا' اس لیے یحییٰ چاچ کی طرف بڑھا۔ایک بڑا ترکی افسر آخرم مقابلہ میں آیا اور مارا گیا۔اس کی موت سے چاچ والوں کی ہمت چھوٹ گئی۔اسی دوران میں نصر بھی پہنچ گیا۔ چاچ کے فرمانروا نے صلح کا پیام دیا۔نصر نے اس شرط پر منظور کیا کہ وہ حارث کو اپنے ہاں سے نکال دے۔حاکم چاچ نے قبول کر لیا اور حارث چاچ سے نکل کر فاراب چلا گیا اور کئی سال آوارہ گردی کے بعد ۱۲۷ھ میں خراسان واپس آ کر مسلمانوں سے مل گیا۔ چاچ سے فراغت کے بعد نصر فرغانہ کے حدود کی طرف بڑھا' لیکن ابتدائی معرکوں کے بعد ہی حاکم فرغانہ نے صلح کی درخواست کی۔نصر نے منظور کر لی اور حاکم فرغانہ کی ماں نے نصر کے پاس آ کر صلح کی تکمیل کی۔ خاقان اور کورصول کے بعد ترکوں کا کوئی راہنما نہ رہ گیا تھا۔ وہ مسلسل لڑتے لڑتے پریشان ہو چکے تھے۔ان کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور اب وہ اپنے وطن میں امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے خواہش مند تھے اور یہ چاہتے تھے کہ نومسلم صغد میں سے جو شخص اپنے مذہب میں لوٹ جائے اسے سزا نہ دی جائے اور ان کے مذہبی امور میں مداخلت نہ کی جائے اور ان کے پاس جو مسلمان قیدی ہیں انہیں عادل قاضی کے فیصلہ کے بغیر واپس نہ لیا جائے۔ خراسان کے سابق والی ان مطالبات کو منظور نہ کرتے تھے' لیکن نصر مدبر امیر تھا۔اس نے منظور کر لیا اور ایک عرصہ کے کشت وخون کے بعد صغد اور مسلمان دونوں کو امن وسکون حاصل ہوا۔

آرمینیہ اور آذربائیجان کا محاذ

ہشامی دور کا دوسرا جنگی محاذ آرمینیہ اور آذربائیجان کا علاقہ تھا۔اس محاذ پر ترک' ارمن اور خزر دلان وغیرہ کی تمام قومیں خاقان کے لڑکے کے زیر قیادت مسلمانوں کے مقابلہ میں متحد ہو گئی تھیں۔ اس لیے یہ علاقے بھی کئی سال تک رزمگاہ بنے رہے۔

اس کی ابتدا ۱۰۶ھ ہی سے ہو گئی تھی' لیکن مسلسل لڑائیوں کا آغاز ۱۱۱ھ سے ہوا۔سب سے اول جراح بن عبداللہ حکمی والی آرمینیہ نے بحرخزر کی سمت سے بحری حملہ کر کے خزر کا ایک شہر فتح کیا۔اس کے انتقام میں خزر نے ۱۱۲ھ میں ترکوں کی مدد سے جراح کا مقابلہ کیا۔مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ جراح اس کے مقابلہ میں کام آئے اور ان کے اہل وعیال خزر کے ہاتھوں قید ہو گئے۔

جراح کے قتل سے خزر کا حوصلہ بہت بڑھ گیا۔وہ یورش کرتے ہوئے موصل تک پہنچ گئے۔اس سے پورا کردستان خطرہ میں پڑ گیا۔ ہشام نے اس کے تدارک کے لیے سعید حرشی کو آذربائیجان بھیجا اور تمام فوجی افسروں کے نام ان کی مدد کا حکم جاری کر دیا۔سعید حرشی مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دیتا اور انہیں

ساتھ لیتا ہوا ارزن آیا اور یہاں سے جراح کی باقی ماندہ شکست خوردہ فوج کو ساتھ لے کر خلاط پہنچا اور محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ خلاط کے بعد چھوٹے چھوٹے قلعوں کو فتح کرتا ہوا برذرعہ آیا۔ یہاں معلوم ہوا کہ خاقان کا لڑکا [1] ورثان کے مسلمانوں کا محاصرہ کیے ہوئے اسلامی آبادیوں پر تاخت کر رہا ہے۔ اہل ورثان کے پاس کوئی جنگی قوت نہ تھی۔ سعید نے فوراً ان کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ لوگ ہمت واستقلال سے کام لیں' بہت جلد مدد پہنچتی ہے۔ اتفاق سے قاصد دشمن کے ہاتھ پکڑا گیا۔ انہوں نے بجبر اس سے وعدہ لیا کہ وہ شہران کے حوالہ کر دیں۔ قاصد نے مصلحتاً اقرار کر لیا' لیکن شہر کے قریب پہنچ کر بآواز بلند اعلان کیا کہ ''میں فلاں شخص سعید حرشی کا قاصد ہوں' وہ عنقریب پہنچنا چاہتے ہیں' تم لوگ دو دن اور استقلال سے کام لو''۔ خزر نے قاصد کو تو قتل کر دیا' لیکن یہ پیغام سن کر اہل ورثان کی ہمت بڑھ گئی۔ اس درمیان میں سعید قریب پہنچ چکا تھا' اس لیے خزر محاصرہ اٹھا کر لوٹ گئے۔

ورثان پہنچنے کے بعد سعید خزر کی تلاش میں باجروان گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ تھوڑے ہی فاصلہ پر موجود ہیں۔ سعید راتوں رات ان کے لشکر گاہ پہنچ گیا۔ خزر بالکل غافل تھے۔ سعید نے شبخون مار کر پورے جرگہ کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد ہی اطلاع ملی کہ قریب ہی ایک دوسرا گروہ موجود ہے اور جراح کے قیدی اہل وعیال بھی اس کے ساتھ ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی سعید فوراً پہنچا اور دفعۃً حملہ کر کے اس گروہ کا بھی خاتمہ کر دیا اور جراح کے اہل وعیال اور دوسرے مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر ان کی دلجوئی کی۔

ان دونوں گروہوں کی تباہی کا حال سن کر خاقان کا لڑکا ایک لشکر جرار کے ساتھ خود حرشی سے مقابلہ کے لیے نکلا۔ ترمذ میں دونوں کا سامنا ہوا۔ خزر کا حملہ اتنا شدید تھا کہ مسلمان اس کی تاب نہ لا سکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہ صورت دیکھ کر خزر کی فوج کے مسلمان قیدیوں نے فریاد کی اور تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ دوسری طرف سے سعید نے للکارا اور مسلمانوں نے سنبھل کر دوبارہ ایسا سخت حملہ کیا اور اس جانبازی سے لڑے کہ خزر کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے مسلمانوں نے دریائے ارس تک تعاقب کر کے ان کا کل سامان چھین لیا اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر باجروان پہنچایا۔ اس شکست نے خاقان کے لڑکے کو اور زیادہ مشتعل کر دیا اور از سر نو فوجیں جمع کر کے دوبارہ انتظام کے لیے نکلا۔ دریائے بیلقان پر اس کا اور سعید کا مقابلہ ہوا۔ خزر بڑی جانبازی سے لڑے۔ اپنی پوری قوت مقابلہ میں صرف کر دی لیکن مسلمانوں کے صف شکن حملوں کی تاب نہ لا سکے اور ایک خون ریز جنگ کے بعد شکست کھا کر اس بے ترتیبی اور بدحواسی سے پیچھے ہٹے کہ ان کا بڑا حصہ دریائے

[1] ارمنستان اور آذربائیجان کے کچھ حصے خاقان کی حکومت میں تھے' لیکن ان لڑائیوں میں اس نواح کی دوسری قومیں بھی خاقان کے ساتھ ہو گئی تھیں۔

بیلقان میں غرق ہو گیا۔ سعید نے ہشام کو ان کامیابیوں کی اطلاع دی۔ اس نے اس کارگزاری پر اظہار خوشنودی کیا۔

۱۱۳ھ میں ہشام نے سعید کو واپس بلا لیا اور اس کی جگہ اپنے بھائی مسلمہ کا تقرر کیا۔ اس نے خزر کے سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں اور ان سے بڑے پرزور معرکے ہوئے۔ خاقان کا لڑکا مارا گیا اور کوہستان بلنجر کے اس پار کا پورا علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔

خاقان کے لڑکے کے قتل سے سارے خزر میں آگ لگ گئی اور جوش انتقام سے لبریز ہو گئے اور اپنے آس پاس کی کل قوموں کو ساتھ لے کر مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے امنڈ آئے۔ مسلمہ اس وقت بلنجر میں تھا۔ اس میں اس انبوہ عظیم کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے کل خیمہ وخرگاہیں چھوڑ کر باب الابواب لوٹ آیا۔

ہشام کے چچیرے بھائی مروان بن محمد نے جو اس معرکہ میں مسلمہ کے ساتھ تھا' واپس جا کر ہشام سے مسلمہ کی کمزوری کی شکایت کی اور خزر کے مقابلہ کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ ہشام نے منظور کر لیا اور ۱۱۴ھ میں مروان بن محمد کو آرمینیہ بھیجا اور ایک لاکھ بیس ہزار فوج اس کی مدد کے لیے ساتھ کی۔

آرمینیہ آنے کے بعد مروان بن محمد نے لان پر فوج کشی کا ارادہ ظاہر کر کے خزر کو صلح کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کر لیا اور گفتگو کے لیے قاصد بھیجا۔ مروان نے چند دنوں اس کو روکے رکھا اور جنگ کی تیاری مکمل کرنے کے بعد جنگ کا پیغام دے کر قاصد کو واپس کر دیا اور اس کے ساتھ ہی خود روانہ ہو گیا اور بعجلت تمام منزلیں طے کرتا ہوا خزر کے علاقہ میں داخل ہو گیا۔ فرمانروائے خزر نے صلح کی امید میں کوئی تیاری نہ کی تھی۔ اس لیے مقابلہ نہ کر سکا اور دارالسلطنت چھوڑ کر سرحدی علاقہ کی طرف نکل گیا اور مروان بغیر کسی رکاوٹ کے دور تک بڑھتا ہوا چلا گیا اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔

چند دنوں خزر کے علاقہ میں قیام کرنے کے بعد اس نواح کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی طرف بڑھا۔ سریر اور زرگران کے رئیسوں اور لکز' قرمان اور شروان کے باشندوں نے صلح کر لی۔ انہیں مطیع بنانے کے بعد صحیح وسالم اپنے مستقر پر واپس آیا اور کئی سال تک سکون رہا۔ پھر ۱۱۸ھ میں نواح خزر کے ایک رئیس ورنیس پر فوج کشی کی۔ اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے شہر چھوڑ کر خزر کے علاقہ میں نکل گیا۔ مروان نے اس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی درمیان میں کسی غیر معلوم شخص نے ورنیس کو بھاگنے کی حالت میں قتل کر دیا اور اس کا سر قلم کر کے مروان کے پاس بھیج دیا۔ اس کے قتل کے بعد اہل قلعہ نے اطاعت قبول کر لی۔ ایک سال بعد ۱۱۹ھ میں لان ہوتا ہوا خزر کے علاقہ میں داخل ہوا اور بلنجر تک بڑھتا چلا گیا۔ پھر

www.KitaboSunnat.com

۱۲۱ھ میں بحرخزر کے ساحلی علاقہ کی سمت بڑھا اور جزران' شروان' لکز' بیت السریر' خیزج' ارز' بطران' تومان' حمزین' کیران' طبرسران اور فیلان وغیرہ ان تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جوارمنستان سے طبرستان تک پھیلی ہوئی تھیں' مطیع بنایا۔ [1]

ایشیائے کوچک کی فتوحات

ایشیائے کوچک کا محاذ مستقل تھا' قریب قریب ہر سال اس پر فوج کشی ہوئی تھی۔ یہاں بھی متعدد فتوحات حاصل ہوئیں۔ ۱۰۵ھ میں مروان نے قونیہ اور کخ فتح کیے۔ ۱۰۸ھ میں مسلمہ بن عبدالملک نے قیساریہ پر قبضہ کیا۔ ۱۰۹ھ میں ہشام کے لڑکے معاویہ نے قلعہ طیبہ' ۱۱۰ھ میں صملہ اور ۱۱۲ھ میں خرشنہ فتح کیے' ۱۲۰ھ میں مسلمہ بن ہشام نے مطمورہ پر قبضہ کرلیا۔ [2]

سندھ کی مہمات

ادھر عرصہ سے سندھ کی مہموں کا سلسلہ تقریباً رک گیا تھا۔ ہشام کے زمانہ میں پھر شروع ہوا اور یہاں بڑے انقلابات پیش آئے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ ۱۰۷ھ میں سندھ کی حکومت پر جنید بن عبدالرحمٰن کا تقرر ہوا تھا۔ اس نے سندھ آنے کے بعد دریائے سندھ کے کنارے پیش قدمی شروع کی۔ یہ راجہ داہر کے لڑکے جے سنگھ کا علاقہ تھا۔ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں مسلمان ہوگیا تھا اور انہوں نے اس کی حکومت برقرار رکھی' چنانچہ اس نے جنید سے کہلا بھیجا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور مجھ کو تمہارے برگزیدہ خلیفہ نے برقرار رکھا تھا' اس لیے میرے حدود میں تم کو جارحانہ پیش قدمی نہ کرنی چاہیے' مجھ کو تمہاری نقل وحرکت سے خطرہ ہے۔ جنید نے اسے اطمینان دلایا کہ اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور فریقین نے اطمینان کے لیے ایک دوسرے کے پاس یرغمال بھجوا دیئے' لیکن جے سنگھ مطمئن نہ ہوا اور دونوں میں اتنی بدگمانی بڑھی کہ اپنے اپنے آدمی واپس بلا لیے۔ جے سنگھ مرتد ہوگیا اور بحری بیڑہ کے ساتھ جنید کے مقابلہ میں آ گیا۔ دریائے سندھ کے مشرقی کنارہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا' لیکن جے سنگھ کی بدقسمتی سے اس کی کشتی دریا کے پایاب حصہ میں پھنس گئی اور وہ گرفتار ہوگیا۔ جنید نے اسے قتل کرادیا۔ جے سنگھ کے قتل کے بعد چم' جنید کی شکایت کرنے کے لیے عراق روانہ ہوگیا۔ جنید کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے بلاطائف الحیل واپس بلا کر قتل کردیا۔ کیرج کا علاقہ محمد بن قاسم کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا لیکن پھر باغی ہوگیا تھا۔ جے

---

[1] ابن اثیر ج۔۵ ص۔۸۰ و یعقوبی ج۔۳ ص ۳۸۱۔ [2] یہ فتوحات ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں۔

سنگھ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جنید نے کیرج کا محاصرہ کیا اور اس کی سنگین شہر پناہ کو قلعہ شکن آلات سے توڑ کر کیرج پر قبضہ کر لیا۔

کیرج کو فتح کرنے کے بعد مختلف افسروں کو ماڑواڑ' مانڈل' وتج' بھروچ' اجین اور مالوہ وغیرہ مختلف سمتوں میں روانہ کیا۔ ان سب نے اپنی اپنی مہموں کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچایا' خود جنید نے بھیل مان اور گجرات کو زیر نگین کیا۔

۱۰۷ھ سے ۱۱۱ھ تک جنید سندھ میں رہا۔ اس مدت میں فتوحات میں توسیع کے علاوہ اس نے انتظامی حیثیت سے سندھ کی حکومت کو بڑی ترقی دی۔ ❶

۱۱۱ھ میں جنید خراسان کی حکومت پر مقرر ہو کر چلا گیا اور اس کی جگہ تمیم داری آیا۔ یہ بڑا کمزور اور نااہل تھا۔ جنید کے قائم کردہ نظام کو نہ سنبھال سکا۔ اس کے آتے ہی سارے سندھ میں بغاوت پھیل گئی۔ تمیم اس پر قابو حاصل نہ کر سکا اور محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک سندھ میں مسلمانوں نے جو کچھ کیا تھا' سب خاک میں مل گیا۔ یہاں سے اسلامی حکومت قریب قریب اٹھ گئی اور سندھیوں کا زور اتنا بڑھا کہ سندھ کے متوطن مسلمانوں کو سندھ چھوڑ دینا پڑا۔ خود تمیم داری سندھ چھوڑ کر عراق روانہ ہو گیا' لیکن راستہ میں پیام اجل آ پہنچا۔ ❷ اس کے سندھ چھوڑنے کے بعد ایک تجربہ کار افسر حکم بن عوانہ سندھ بھیجا گیا۔ یہ جس وقت سندھ پہنچا' اس وقت یہاں قصبہ کے علاوہ اور کہیں مسلمانوں کے لیے جائے پناہ نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے سب سے پہلے حکم نے دریائے سندھ کے مشرقی سمت ایک شہر ''محفوظ'' آباد کر کے مسلمانوں کا مرکز قائم کیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم کی یادگار عمرو بن محمد بن قاسم کی مدد سے چند دنوں میں باغیوں کو زیر کر کے دوبارہ حکومت قائم کی اور اس کامیابی کی یادگار میں ''منصورہ'' آباد کیا جو آئندہ چل کر سندھ کی حکومت کا مرکز بنا۔ ❸

سندھ کا علاقہ انتظامی حیثیت سے خراسان کے والی کے ماتحت تھا اور وہی سندھ کے حاکم مقرر کرتے تھے' چنانچہ حکم کا تقرر خالد بن عبداللہ قسری والی خراسان نے کیا تھا۔ ۱۲۰ھ میں ہشام نے خالد کو معزول کر کے یوسف بن عمر ثقفی کا تقرر کیا۔ یہ خالد کا مخالف تھا اس لیے اس کے ماتحت عمال کے ساتھ سختی شروع کی۔ حکم کو اس کی جانب سے خطرہ پیدا ہوا۔ اس نے اس کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سندھ کے بعض غیر مفتوحہ علاقوں کو فتح کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں

---

❶ چچ نامہ میں ان فتوحات کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہم نے فتوح البلدان کا مختصر بیان لکھا ہے۔ کتاب مذکور ص۔ ۴۴۷' ۴۴۸۔ ❷ فتوح البلدان ص۔ ۴۴۸' یعقوبی ج۔ ۲' ص ۳۸۰۔

❸ فتوح البلدان ص ۴۴۸۔

ایک معرکہ میں کام آ گیا۔ حکم کے بعد اس کے ماتحت حکام میں دو شخص عمرو بن محمد بن قاسم اور ابن عرار اس کی جانشینی کے امیدوار تھے۔ یوسف نے اس کا فیصلہ ہشام پر چھوڑ دیا۔ اس نے عمرو بن محمد کے حق میں فیصلہ کیا۔ یوسف کی بھی یہی خواہش تھی۔ اس لیے سندھ کی حکومت عمرو بن محمد کو مل گئی۔ اس نے ابن اعرار کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور منصورہ کو مرکز حکومت بنایا۔ حکم کی موت کے بعد عمرو بن محمد بن قاسم اور ابن اعرار کے اختلاف سے ایک ہندو راجہ نے فائدہ اٹھا کر منصورہ کا محاصرہ کر لیا۔ عمرو کے پاس کافی قوت نہ تھی۔ اس نے یوسف کو اطلاع دی۔ اس نے چار ہزار فوج بھیج دی' لیکن فوج آ جانے کے بعد راجہ محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا۔ عمرو نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے فرودگاہ پر شبخون مار کر راجہ کی فوج کا بڑا حصہ برباد کر دیا' لیکن وہ خود بچ کر نکل گیا' عین اس وقت ایک سردار مروان بن یزید باغی ہو گیا' لیکن عمرو نے اس کی جماعت منتشر کر کے اسے قتل کر دیا۔ [1] اس کے بعد بھی سندھ میں مہمات کا سلسلہ جاری رہا' لیکن وہ چنداں لائق ذکر نہیں۔

فرانس کو فتح کرنے کی کوشش

اندلس کے حالات میں عرب مؤرخین عموماً طارق بن زیاد کی فتوحات کے بعد یہاں کے والیوں کے صرف نام گنا کر دوسرا دور عبدالرحمٰن الداخل سے شروع کر دیتے ہیں اور اس مدت میں اندلس میں جو واقعات و حوادث پیش آئے یا یہاں کے والیوں نے دوسری جو مہمات انجام دیں' ان کا ذکر بہت کم یا بہت سرسری کرتے ہیں۔ اسی لیے عربی تاریخوں میں فرانس پر حملہ کے حالات نہایت مختصر ہیں' لیکن انگریزی تاریخوں میں اس کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ فرانس کو فتح کرنے کا خیال اندلس کی فتح کے بعد ہی مسلمانوں کو پیدا ہو گیا تھا اور مختلف والیوں نے اس کی کوشش کی' لیکن سب سے اہم حملہ ہشام کے زمانہ میں ہوا' جس میں مسلمان وسط فرانس تک پہنچ گئے تھے۔

پہلی کوشش

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اندلس کی فتح کے بعد ولید ہی کے زمانہ میں مسلمان جبل البرانس کو پار کر کے سرزمین فرانس میں اربونہ اور حصن لوڈون تک پہنچ گئے تھے' لیکن قارلہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اس کے بعد عرصہ تک کسی والی نے ادھر بڑھنے کا ارادہ نہیں کیا۔

دوسرا حملہ

---

[1] یعقوبی ج۔۲' ص ۳۸۹۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں امیر سمح بن مالک خولانی اندلس کا والی مقرر ہوا۔ یہ بڑا حوصلہ مند اور منتظم امیر تھا۔ اندلس کے اندرونی انتظام کو درست کرنے کے بعد اس نے فرانس کو فتح کرنے کا عزم کیا اور ۱۰۲ھ میں بڑے اہتمام سے اس پر فوج کشی کی۔ جبل البرانس کے پار جنوبی فرانس میں سب سے پہلے نارمن کی ریاست پڑتی تھی۔ امیر سمح نے اس کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ نارمن کے بعد ڈیوک آف ایکی ٹین [1] کی سلطنت کی طرف بڑھا اور اس کے پایہ تخت طلوشہ (ٹولوس) کا محاصرہ کیا۔ ڈیوک اس وقت موجود نہ تھا۔ اہل شہر میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ انہوں نے اطاعت قبول کر لینے کا ارادہ کیا' لیکن اسی دوران میں ڈیوک ایک بڑی فوج لے کر پہنچ گیا اور بڑی شجاعت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ امیر سمح جوش میں آ کر دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد مسلمان شکست کھا گئے۔ ان کی بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی۔ امیر سمح کے بعد مسلمانوں نے امیر عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی کو افسر بنایا۔ یہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ باقی ماندہ مسلمانوں کو دشمنوں کے نرغہ سے بچا کر نکال لائے۔ [2]

تیسرا حملہ

امیر سمح کے بعد اندلس کی ولایت پر امیر عنبسہ بن سحیم کا تقرر ہوا۔ اس نے بھی فرانس کو فتح کرنے کی ہمت کی اور ۱۰۷ھ میں جبل البرانس کو عبور کر کے قرقشونہ (کرکسون) کا محاصرہ کیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ اہل قرقشونہ نے جزیہ اور قرقشونہ کا آدھا علاقہ دے کر صلح کر لی اور ان کے پاس جس قدر مسلمان قیدی تھے' سب کو رہا کر دیا اور وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے دوست اور ان کے دشمن کے دشمن رہیں گے۔ [3] اخبار الاندلس کے بیان کے مطابق قرقشونہ کی فتح کے ساتھ ہی سپٹی مینیا کے پورے علاقہ نے اطاعت قبول کر لی۔ [4]

سپٹی مینیا کے بعد عنبسہ فرانس کے اندرونی حصہ کی طرف بڑھا اور دریائے رہون کی وادی کے پورے علاقہ کو پامال کر کے لیان فتح کیا' پھر یہاں سے برگنڈی کا رخ کیا اور شہر اوٹن کو تباہ کر

---

[1] اس زمانہ میں فرانس میں دو بڑی حکومتیں تھیں۔ جنوب میں گاتھ فرمانروا ڈیوک آف ایکی ٹین کی' اس کا دارالسلطنت ٹولوس تھا۔ دوسری مرکزی حکومت شمال میں میروونجی خاندان کی تھی۔ اس کا بادشاہ برائے نام تھا۔ اصل حکومت چارلس مائل کے ہاتھوں میں تھی۔ [2] اخبار الاندلس ایس پی اسکاٹ ترجمہ اردو جلد اول ص۔ ۲۷۰'۲۷۱۔
[3] ابن اثیر ج۔۵' ص ۵۱۔ [4] اخبار الاندلس ج۔۱' ص ۲۸۵۔

ڈالا۔ اس سے آگے بڑھے تھے کہ عیسائیوں کے بے ضابطہ جتھوں نے اسلامی فوج کے عقبی حصہ پر چھاپے مارنا شروع کر دیے جس سے انہیں کافی پریشانی اٹھانی پڑی۔ ایک مقام پر دہقانوں کے ایک جتھے سے مقابلہ ہو گیا۔ امیر عنبسہ جوش میں آ کر ان کی صفوں میں گھس گئے اور اتنے سخت زخمی ہوئے کہ اس سے جانبر نہ ہو سکے اور اپنے بعد عروہ بن عبداللہ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ [1]

امیر عنبسہ کے بعد کے والیوں کے ناموں میں بڑا اختلاف ہے۔ ابن قوطیہ اور مقری کے بیانات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عنبسہ کے بعد علی الترتیب یحییٰ بن سلامہ کلبی' عثمان بن ابی نعسہ خشمی' حذیفہ بن احوص' قیسی' ہیثم بن عبید کلابی اور محمد بن عبداللہ اشجعی کا تقرر ہوا' لیکن ان سب کا دور بہت مختصر تھا اور ان کے زمانہ میں کوئی اہم اور قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا' البتہ ہیثم بن عبید نے مشرقی اندلس کا علاقہ مقوشہ فتح کیا تھا۔ [2]

چوتھا اہم حملہ اور ناکامی

محمد بن عبداللہ اشجعی کے بعد ۱۱۳ھ میں امیر عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی کا تقرر ہوا۔ یہ بڑا الوالعزم' حوصلہ مند' مدبر اور منتظم تھا۔ اس نے حکومت اندلس کی تمام انتظامی خرابیوں کو دور کر کے بہترین نظم و نسق قائم کیا۔ اس سے فراغت کے بعد فرانس کی مہم کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوا۔ امیر سمح کے ساتھ اس کو ایک مرتبہ ناکامی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس مرتبہ انہوں نے بڑے اعلیٰ پیمانہ پر انتظامات کیے۔ اندلس کے تمام صوبہ داروں کو اپنی اپنی فوجیں لے کر اندلس اور فرانس کی سرحد پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ عام مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی ترغیب دلائی۔ انہوں نے بڑے جوش کے ساتھ اس دعوت پر لبیک کہا اور ہر مسلمان جانی اور مالی ہر طرح کی مدد دینے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ ان انتظامات سے فراغت کے بعد ۱۱۴ھ میں بڑے سروسامان کے ساتھ حدود فرانس کی طرف بڑھا۔

ابھی مسلمان سرحد پر پہنچے تھے کہ امیر عثمان بن ابی نعسہ صوبہ دار سرحد باغی ہو گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ عثمان پہلے پورے ملک اندلس کا والی تھا۔ پھر اسے معزول کر کے فرانس اور اندلس کے درمیانی علاقہ کا والی بنا دیا گیا تھا۔ یہ بربری ہونے کی وجہ سے یوں بھی عربوں کے خلاف تھا' معزول ہونے کے بعد ان کا دشمن ہو گیا اور ان کے خلاف ڈیوک آف ایکی ٹین سے مل گیا۔ ڈیوک اور فرانس کی مرکزی حکومت میں عرصہ سے اختلاف چلا آ رہا تھا اور ان دونوں میں آویزش کا سلسلہ جاری تھا۔ دوسری طرف فرانس کی فوج کشی میں مسلمانوں کے سامنے سب سے پہلے اسی کی حکومت پڑتی تھی اور وہ دوستوں سے

[1] اخبار الاندلس ج۔۱' ص ۲۸۵۔ [2] نفح الطیب ج۔۱' ص ۲۸۵۔

دو دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے عثمان کی مخالفت سے فائدہ اٹھا کر اس کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ عثمان کو بھی ایک مددگار کی ضرورت تھی' اس لیے وہ فوراً اس سے مل گیا۔ ڈیوک نے اس اتحاد کو مضبوط کرنے کے لیے اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دی۔ اس اتحاد کے بعد عثمان علانیہ باغی ہو گیا اور عبدالرحمٰن کی طلبی پر وہ فوجیں لے کر نہیں آیا اور حیلہ کر کے ٹالنے کی کوشش کی۔ امیر عبدالرحمٰن کو اس کا علم ہو گیا۔ اس نے فرانس پر حملہ سے پیشتر اس خطرہ کو دور کرنے کے لیے ایک افسر ابن زیان کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ عثمان کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ وہ پہاڑی علاقہ میں بھاگ گیا۔ ابن زیان نے تعاقب کیا اور پکڑ کر قتل کر دیا۔ [1] عثمان کا خطرہ دور ہونے کے بعد اسلامی فوجیں جبل البرتات کو عبور کر کے فرانس کے میدانی علاقہ میں داخل ہوئیں۔ اس حملہ کے نتائج تنہا ڈیوک آف ایکی ٹین تک محدود نہ تھے' بلکہ مسلمانوں کی کامیابی کی صورت میں اس کا اثر پورے جنوبی فرانس پر پڑتا تھا۔ اس لیے یہاں کے کل امرا ان کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے۔ ڈیوک نے پہاڑ کے دامن میں بڑی شجاعت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا' لیکن اس سیلاب کو نہ روک سکے اور مسلمانوں نے اسے شکست دے کر دریائے گارن کی سرسبز وادیوں کو پامال کرتے ہوئے بورڈیو کے بندرگاہ تک پہنچ گئے۔ یہاں ڈیوک کے پاس ساز و سامان کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لیے اہل شہر نے روکنے کی پوری کوشش کی' لیکن مسلمانوں نے معمولی جنگ کے بعد بورڈیو فتح کر کے کل ذخیرہ پر قبضہ کر لیا۔ بورڈیو کی بعد مسلمان شمال کی طرف بڑھے۔ دریائے ڈاردون پر ڈیوک کی فوج نے پھر روکنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے شکست دے کر پورا دستہ تباہ کر دیا اور دریا کو پار کر کے پاٹی ٹیرس پہنچے اور یہاں سینٹ ہلاری کے مشہور گرجے کی بیکران دولت پر قبضہ کر کے شہر پناہ کی دیوار پر اسلامی جھنڈا نصب کر کے پھر یہاں سے ٹورس کا رخ کیا [2] ڈیوک نے جب دیکھا کہ اس سیلاب کو روکنا اس کے بس سے باہر ہے اور کوئی دم میں اسلامی فوجیں وسط فرانس تک پہنچنا چاہتی ہیں تو اس نے مجبور ہو کر اپنے حریف چالس مائل سے امداد کی درخواست کی۔ ڈیوک کے علاوہ فرانس کے دوسرے امرا نے بھی چارلس کو غیرت دلائی کہ عرب جیسی بے سروسامان قوم فرانسیسی جیسی قوم پر غالب ہوتی جا رہی ہے۔ [3]

شمال میں مسلمانوں کی پیش قدمی خود چارلس کے لیے خطرناک تھی' اس لیے وہ ڈیوک سے مل کر انہیں روکنے کے لیے تیار ہو گیا اور مسلمانوں سے جنگ کو قومی مسئلہ بنا کر ملک کے تمام جنگ آزما امرا کو ان کے مقابلہ کے لیے آمادہ کر لیا' چنانچہ اس کی دعوت پر جرمنی' فرانس اور پرتگال کے امرا اپنی

---

[1] اخبار الاندلس ج۔۱ ص۔۲۸۸ تا ۲۹۲ ملخصاً۔ [2] اخبار الاندلس ج۔۱ ص۔۲۹۲ و ۲۹۳ ملخصاً۔

[3] تمدن عرب ص ۲۸۶۔

اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے اور چارلس ایک جرار فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلا۔ اس وقت اسلامی فوجیں ٹورس کے قریب پہنچ چکی تھیں، یہیں ایک میدان میں دونوں کا سامنا ہوا۔

فرانسیسیوں اور مسلمانوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ ایک طرف یورپ کے دیو پیکر آہن پوش بہادروں کا جرار لشکر تھا۔ دوسری طرف بے سروسامان عربوں کی مختصر فوج تھی اور ملک اجنبی۔ اس کے باوجود ایک ہفتہ تک چارلس کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک ہفتہ انتظار کے بعد امیر عبدالرحمٰن سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے حملہ کر دیا اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ پھر رات کی تاریکی پھیلنے کے بعد دوسرے دن کے لیے ملتوی ہوگئی۔ دوسرے دن پھر معرکہ کارزار گرم ہوا اور سہ پہر تک پوری شدت سے جنگ جاری رہی۔ دونوں کا پلہ برابر تھا کہ ڈیوک آف ایکی ٹین نے ایک تازہ دم فوج کے ساتھ ایک شدید حملہ کیا۔ تھکے ہوئے مسلمان اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کی کمزوری دیکھ کر فرانسیسیوں نے پوری قوت صرف کر دی۔ امیر عبدالرحمٰن مسلمانوں کو سنبھالنے اور ان کا دل بڑھانے کے لیے دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور جسم پر سینکڑوں زخم کھا کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کے پاؤں پہلے ہی اکھڑ چکے تھے۔ امیر عبدالرحمٰن کی شہادت سے ان کی ہمت پست ہوگئی، چنانچہ شام ہونے کے بعد جب دوسرے دن کے لیے جنگ ملتوی ہوئی تو انہوں نے رات کی تاریکی میں میدان خالی کر دیا۔ مسلمانوں کو اس پسپائی کے باوجود چارلس مارٹل پر ان کی بہادری کا اتنا خوف غالب تھا کہ تعاقب کرنے کی ہمت نہ کی۔ [1]

اہل یورپ اور یورپین مؤرخین اس معرکہ کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں اور چارلس کی کامیابی کو اس کا بڑا کارنامہ تصور کرتے ہیں۔ اسی کارنامہ کی بدولت اس کو مارٹل (ہتھوڑا) کا معزز لقب ملا۔ [2] اس میں شبہ نہیں کہ اگر مسلمانوں کا یہ حملہ کامیاب ہو گیا ہوتا تو نہ صرف فرانس بلکہ پورے مغربی یورپ کی تاریخ اور ہوتی۔

آخری حملہ

اس مہم میں ناکامی اور امیر عبدالرحمٰن کی شہادت کی خبر افریقہ پہنچی تو عبداللہ بن حجاب سلولی والی افریقہ نے امیر عبدالملک بن قطن فہری کو اندلس کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس نے شمالی اندلس میں بشکنش (بسکے) پر حملہ کیا [3] اور مسلمانوں کی شکست کا انتقام لینے کے لیے پھر فرانس پر فوج کشی کی، لیکن

[1] اخبار الاندلس ج۔۱ ص ۲۹۹، ۳۰۰۔ [2] تاریخ عرب موسیو سدیو ترجمہ اردو ص ۱۷۱۔
[3] نفح الطیب ج۔۱ ص ۱۱۰۔

ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے موسم کی ناسازگاری کا لحاظ نہیں کیا۔ برسات کا موسم تھا۔ ندی نالے طغیانی پر تھے۔ اس لیے اسلامی فوج کو قدم قدم پر دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائیوں نے الگ چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ اس سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچا اور عبدالملک بمشکل تمام انہیں بچا کر واپس لا سکا۔ اس کی ناعاقبت اندیشی اور ظلم و جور کی بنا پر ابن حجاب نے اسے معزول کر کے ۱۱۶ھ میں عقبہ بن حجاج کو اندلس کا والی بنایا۔ [1]

شمالی افریقہ اور اس کے ماتحت علاقے اندلس وغیرہ کے حالات

امیر عقبہ بن حجاج بڑا صالح، منتظم اور عاقل امیر تھا۔ اس نے حکومت اندلس کی تمام خرابیوں کو دور کر کے نئے سرے سے بہترین نظم و نسق قائم کیا اور ہر لحاظ سے اندلس کو بڑی ترقی دی۔ تمام بددیانت اور ظالم عمال کو ایک ایک کر کے نکال دیا۔ شاہراہوں کے انتظام اور ان کی حفاظت و نگرانی کے لیے سوار پولیس کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ رعایا کی سہولت اور دادرسی کے لیے ہر گاؤں میں عدالتیں قائم کیں۔ ہر فرقہ کے لیے الگ الگ مدارس قائم کیے' جگہ جگہ مسجدیں تعمیر کرائیں اور ان سے متعلق مذہبی مکاتب قائم کیے۔ اس کے حسن انتظام سے چند دنوں میں اندلس کی کایا پلٹ گئی۔ [2]

ان اندرونی انتظامات کے ساتھ بعض غیر مفتوحہ علاقوں کو بھی زیر نگیں کیا' چنانچہ سرحدی صوبہ کے پایہ تخت بلبلونہ اور اس سے ملحق صوبہ البہ (الیویا) اور اندلس کے آخری شمال مغربی صوبے جلیقیہ (غلیسیہ) فتح کیے اور فرانس میں اربونہ تک بڑھ گیا۔ [3]

سوس اقصیٰ اور سوڈان پر قبضہ

امیر عبداللہ بن حجاب والی افریقہ نے اندلس کے ساتھ اپنے تمام ماتحت علاقوں میں نئے انتظامات کیے۔ عرصہ سے جو مہمیں رکی ہوئی تھیں ان کا پھر آغاز کیا۔ طنجہ کی حکومت پر عمر بن عبداللہ مرادی کا تقرر ہوا۔ (ابن اثیر کا بیان ہے کہ طنجہ کا حاکم اپنے لڑکے اسماعیل کو بنایا تھا' عمر بن عبداللہ مرادی کا مشیر تھا) حبیب بن ابی عبیدہ فہری کو مغرب کی مہم پر مامور کیا۔ اس نے سوس اقصیٰ اور سوڈان کی تمام طاقتوں کو زیر کر کے ان پر اسلامی حکومت کی دھاک بٹھائی اور بہت سا سونا مال غنیمت حاصل کیا۔ [4]

---

[1] اخبار الاندلس ج۔۱ ص۔۳۰۳ و فتح الطیب ج۔۱ ص۔۱۱۰۔ [2] اخبار الاندلس ج۔۱ ص۔۳۰۳ و ۳۰۴ ملخصاً۔
[3] مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۲۸۔ [4] کتاب المونس ص۔۳۸ و ۳۹' ابن اثیر ج۔۵ ص۔۷۰۔

سردانیہ پر حملہ

ادھر عرصہ سے بحر روم کی مہمات بھی رکی ہوئی تھیں۔ اب حجاب نے جہاز سازی کے نئے کارخانے قائم کر کے بحری بیڑے کو ترقی دی اور ۱۱۷ھ میں حبیب بن ابی عبیدہ کو جزیرہ سردانیہ کی مہم پر مامور کیا۔ وہ حملہ کر کے کامیاب واپس آیا۔

صقلیہ پر حملہ

اس کے بعد ۱۲۲ھ میں حبیب کو جزیرۂ صقلیہ کی مہم پر بھیجا۔ اسلامی بیڑا صقلیہ کے پایہ تخت سرقوسہ کی سمت جولب ساحل تھا لنگر انداز ہوا۔ خشکی پر اترنے کے ساتھ ہی حبیب کے نامور اور بہادر فرزند عبدالرحمٰن نے رومیوں کو شکست دے کر سرقوسہ کا محاصرہ کیا۔ اہل شہر چند دنوں تک مدافعت کرتے رہے' لیکن پھر مقابلہ کی طاقت نہ پا کر اطاعت قبول کر لی۔ حبیب کا ارادہ تھا کہ وہ پورے جزیرہ کو فتح کرنے کے بعد واپس ہوگا' لیکن اسی دوران میں شمالی افریقہ میں بربریوں نے بڑی سخت بغاوت بپا کر دی۔ یہاں فوجی قوت نہ تھی' اس لیے ابن حجاب نے حبیب کو واپس بلا لیا۔ [1]

افریقہ میں بربر کی بغاوت

اس بغاوت کا سبب یہ ہوا کہ بربر کی وحشت' بربریت اور سرکشی کی وجہ سے ان میں اور عربوں میں قدیم منافرت چلی آتی تھی۔ عرب انہیں وحشی سمجھتے تھے اور بربران سے تعصب رکھتے تھے' لیکن قوت کے مقابلہ میں بے بس تھے۔ چنانچہ جب کبھی انہیں موقع مل جاتا تھا' باغی ہو جاتے تھے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس منافرت کی وجہ سے عمر بن عبداللہ مرادی والی طنجہ کا طرز عمل عام بربر کے ساتھ پسندیدہ نہ تھا۔ اسے نومسلم بربر پر بھی اعتماد نہ تھا' چنانچہ اس نے غیر مسلم بربر کی طرح ان سے بھی خمس وصول کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لیے وہ بھی اس کے خلاف ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ افریقہ کی فوجیں سسلی کی مہم میں تھیں اور طنجہ بالکل خالی تھا' میدان خالی پا کر بربر نے علم بغاوت بلند کر دیا [2] شمالی افریقہ میں خوارج کی بھی بڑی تعداد تھی وہ بھی اموی حکومت کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بربر نے میسرہ نامی ایک خارجی کو اپنا سردار بنا کر طنجہ پر حملہ کر دیا۔ عمر بن عبداللہ نے مقابلہ کیا' لیکن اس کی طاقت کمزور تھی۔ بربر نے اسے قتل کر کے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ [3] اور نہایت بے دردی سے عربوں کا قتل

---

[1] کتاب المونس ص ۳۸' ۳۹۔ ابن اثیر ج ۵' ص ۷۰۔

[2] کتاب المونس ص ۳۸ و ۳۹ و ابن اثیر ج ۵' ص ۷۰۔ [3] مجموعہ فتح اخبار اندلس و ابن اثیر ج ۵' ص ۷۰۔

عام کیا۔ طنجہ میں بغاوت کی خبر سن کر سارے شمالی افریقہ کے بربر باغی ہو گئے اور اپنے یہاں کے عرب حکام کو نکال کر شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت شمالی افریقہ عربی فوج سے خالی تھا۔ اس لیے ابن حجاب نے حبیب بن ابی عبیدہ کو صقلیہ سے واپس بلا کر اس کے لڑکے خالد کو بربر کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ طنجہ کے قریب دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور میسرہ طنجہ لوٹ گیا۔ [1] تھوڑے دنوں کے بعد طنجہ ہی میں پھر دوسرا مقابلہ ہوا۔ عرب کے بڑے عمائد و شرفا حبیب کے ساتھ تھے۔ فریقین بڑی بہادری و پامردی سے لڑے۔ ابھی جنگ جاری تھی کہ بربر کی ایک تازہ دم فوج نے کمین گاہ سے نکل کر حملہ کر دیا۔ عربوں میں اس ناگہانی حملہ کو روکنے کی طاقت نہ تھی' لیکن انہوں نے میدان چھوڑنا عار سمجھا اور بڑے استقلال سے لڑ کر جان دی۔ اس جنگ میں عرب کے بڑے بڑے شرفا اور عمائد کام آئے تھے' اس لیے یہ جنگ' جنگ اشراف کہلاتی ہے۔ [2] اس لیے یہاں کے بربر نے بھی علم بغاوت بلند کر دیا۔ ہشام کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ۱۲۳ھ میں ابن حجاب کو معزول کر کے کلثوم بن عیاض قشری کو تیس ہزار فوج کے ساتھ افریقہ کا والی بنا کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اگر کلثوم قتل ہو جائے تو اس کا بھتیجا بلج بن بشر اس کا جانشین ہوگا۔ یہ بھی کام آئے تو ثعلبہ بن سلامہ عاملی اس کی جگہ لے گا۔ [3] اور شام سے لے کر شمالی افریقہ تک راستہ میں جو جو ملک پڑتے تھے' سب میں فرامین جاری کر دیئے کہ ہر جگہ کے جنگ آزما اس مہم میں کلثوم کا ساتھ دیں' چنانچہ کلثوم مصر وغیرہ کی فوجوں کو ساتھ لیتا ہوا قیروان پہنچا۔ یہاں شمالی افریقہ کی شکست خوردہ فوجیں بھی ساتھ ہو گئیں اور ان سب کی مجموعی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی۔ [4] بربر کو شامی فوج کے آنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے طنجہ میں اپنی قوت جمع کر لی اور کلثوم قیروان سے طنجہ کی طرف بڑھا۔ مقام بقدورہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ شامیوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن بربر کی لاتعداد فوج کے مقابلہ میں ان کا بس نہ چل سکا اور بڑی فاش شکست کھائی۔ ان کی ایک تہائی فوج برباد ہو گئی اور کلثوم بن عیاض' حبیب بن عبیدہ وغیرہ ممتاز اور بڑے افسر مارے گئے۔ ایک بڑی تعداد زندہ گرفتار ہوئی' جو فوج بچ رہی ان میں سے افریقہ کے عربوں نے قیروان کا راستہ لیا اور بلج بن بشر شامی فوج کو لے کر اندلس کے ارادہ سے سبتہ چلا گیا [5] اس دوران میں اندلس کے حالات اور زیادہ نازک ہو گئے۔ بربر شروع میں حکومت کے

---

[1] ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس معرکہ کے بعد میسرہ کا دماغ اتنا خراب ہو گیا کہ اس نے بربر کی تحقیر شروع کر دی۔ اس لیے انہوں نے اسے قتل کر دیا اور ایک اور خارجی خالد بن حمید زناتی کو سردار بنایا' لیکن ابن قوطیہ وغیرہ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر تک بربر کی راہنمائی کرتا رہا۔ بعض دوسرے بیانات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

[2] ابن اثیر ج۔۵' ص۔۷۰ و کتاب المونس ص ۳۹۔ [3] ابن قوطیہ ص ۱۴۔

[4] مجموعہ فتح اخبار الاندلس ص ۳۰ و ۳۱۔ [5] ابن اثیر ج۔۵' ص۔۷۱ و مجموعہ اخبار فتح الاندلس ص ۳۵۔

خلاف اٹھے تھے' لیکن پھر عربوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ خاص اندلس کے باشندے بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اسی سلسلہ میں یمنی اور مصری عربوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور اندلس قتل وخونریزی کی آماج گاہ بن گیا۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ ہشام کو شامی فوج کی بربادی' عربوں کی خونریزی اور اندلس کے انقلاب کی اطلاع ملی تو وہ جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور قسم کھائی کہ وہ اپنی قوت بربر کے استیصال میں صرف کر دے گا اور اگر ضرورت ہوئی تو وہ خود اور اس کی اولاد تک میدان جنگ میں نکلے گی اور حنظلہ بن صفوان کلبی کو تیس ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ افریقہ روانہ کیا اور اس کے چچیرے بھائی ابوالخطاء کو اندلس کی حکومت کا پروانہ عطا کیا۔ ❶

اس وقت افریقہ میں بربر کی شورش بدستور قائم تھی' چنانچہ حنظلہ کے قیروان پہنچتے ہی انہوں نے دو خارجی سرداروں عکاشہ بن ایوب فزاری اور عبدالواحد بن یزید ہواری کی قیادت میں دو مختلف سمتوں سے قیروان پر یورش کی۔ عکاشہ پہلے پہنچ گیا تھا' اس لیے پہلا مقابلہ اسی سے ہوا۔ حنظلہ نے اسے شکست فاش دی اور بے شمار بربر مارے گئے۔ عکاشہ کو شکست دینے کے ساتھ ہی عبدالواحد کے مقابلہ کے لیے چالیس ہزار فوجیں روانہ کر دیں۔ قیروان سے تھوڑے فاصلہ پر ہی دونوں کا سامنا ہوا۔ عبدالواحد کے ساتھ تین لاکھ بربری تھے۔ شامی فوج اس ٹڈی دل سے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکی اور شکست کھا کر لوٹ گئی اور بربر آگے بڑھ کر قیروان سے تین میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوئے۔ ❷

بربر کے اس ہجوم سے قیروان کے عرب بڑے برے خطرہ میں پڑ گئے' لیکن جنگ کے علاوہ ان کے لیے مفر کی کوئی صورت نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے جان پر کھیل کر مقابلہ کے لیے نکل آئے۔ علما جہاد کا وعظ کہہ کر اور مستورات اپنے ناموس اور شکست کے بعد رسوائیوں کا خوف دلا کر ابھار رہی تھیں' اس لیے عرب اس بے جگری سے لڑے کہ ان کی تلواریں ٹوٹ گئیں۔ ان کی اس جانبازی نے بربر کے ٹڈی دل کو آخر میں فاش شکست دی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ عربوں نے دور تک تعاقب کر کے انہیں قتل کیا۔ اس جنگ میں دو لاکھ کے قریب بربری کام آئے اور شمالی افریقہ میں ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ ❸

اندلس کے حالات

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے اس دوران میں اندلس میں بھی انقلاب اور شورش بپا ہو گئی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ افریقہ کے بربر کی بغاوت کی خبر سن کر اندلس کے بربر بھی باغی ہو گئے تھے اور

---

❶ مجموعہ اخبار فتح الاندلس ص ۳۶۔ ❷ ابن اثیر ج۔۵' ص ۷۱۔ ❸ ابن اثیر ج ۵ ص ۷۱۔

یہاں کے والی عقبہ بن حجاج کو نکال کر سابق معزول والی عبدالملک بن قطن کو والی بنالیا تھا۔

عبدالملک گو خود بھی عرب تھا' لیکن اس کو عقبہ بن حجاج سے مخالفت تھی۔ ❶ اس کے علاوہ عبدالملک مصری تھا۔ اس لیے وہ شامیوں سے' جن میں زیادہ تر یمنی عرب تھے' تعصب رکھتا تھا۔ اس مخالفت میں بھی اس نے بربر کی رہنمائی قبول کر لی تھی' لیکن اس کے علاوہ حکومت کی کوئی اور عملی موافقت یا مخالفت نہیں کی ❷ اندلس کے بربر شروع میں حکومت کے خلاف اٹھے تھے' لیکن پھر ان کی مخالفت عربوں تک وسیع ہوگئی اور انہوں نے جلیقیہ اور استرقہ وغیرہ سے جہاں جہاں عرب آباد تھے' ان کو نکال دیا اور ان کا قتل عام کیا اور عرب ہر طرف سے سمٹ کر وسط اندلس میں جمع ہوئے۔ ❸ اس وقت عبدالملک کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اس کا بھی وہی انجام نہ ہو جو طنجہ کے عربوں کا ہو چکا ہے' اس لیے وہ شامیوں سے مدد لینے پر مجبور ہوگیا۔ اوپر گذر چکا ہے کہ کلثوم بن عیاض کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا بلج بن بشر باقی ماندہ شامی فوج کو لے کر اندلس کے ارادہ سے سبتہ چلا گیا' لیکن یہاں آ بنائے جبل الطارق کو عبور کرنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ اس لیے اندلس نہ پہنچ سکا اور بربر کے خوف سے افریقہ بھی واپس نہ جا سکتا تھا۔ ناچار سبتہ میں مقیم ہوگیا اس کے ساتھ دس ہزار فوج تھی' کھانے پینے کا جو سامان ساتھ تھا' کچھ دنوں میں سب ختم ہوگیا۔ اور شامی فوج بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگئی۔ بلج نے مجبور ہو کر عبدالملک سے مدد مانگی کہ وہ اس کے اندلس پہنچنے کا سامان مہیا کرے' لیکن وہ شامیوں کے خلاف اور یمنیوں سے تعصب رکھتا تھا۔ ان کے اندلس میں داخلہ سے اس کو خطرہ تھا۔ اس لیے کوئی مدد نہ کی اور سامان رسد کی قلت کی وجہ سے بلج اور اس کی فوج کو بار برداری کے جانور اور آخر میں گھاس پھوس تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ ❹ ابن قوطیہ کا بیان ہے کہ بلج نے جب دیکھا کہ سبتہ میں ہلاکت کے سوا نجات کی اور کوئی صورت نہیں ہے تو چمڑے کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر اور بعض تجارتی کشتیوں پر زبردستی قبضہ کر کے مع فوج کسی نہ کسی طرح اندلس پہنچ گیا۔ عبدالملک نے اندلس کے ساحل پر روکا لیکن بلج نے شکست دی اور عبدالملک کو گرفتار کر کے سولی پر لٹکا دیا اور اندلس کے دارالحکومت قرطبہ پر قابض ہوگیا۔ عبدالملک کے ایک ماتحت رئیس امیر عبدالرحمٰن بن علقمہ لخمی حاکم باربونہ نے بلج سے انتقام لینے کی کوشش کی۔ بلج نے اس کی دس ہزار فوج برباد کر دی اور اس کی قوت کمزور پڑ گئی۔ عین اس حالت میں بلج عبدالرحمٰن کے تیر کا نشانہ بن گیا۔ اس کے قتل کے بعد شامی فوج نے ثعلبہ بن سلامہ کو اپنا

---

❶ اس مخالفت کا سبب یہ تھا کہ عقبہ سے پہلے عبدالملک پورے صوبہ اندلس کا والی تھا' پھر اس عہدہ سے تنزل کر کے عقبہ کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔ ❷ ابن قوطیہ ص ۱۴۔

❸ مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۸۔ ❹ مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۸۔

سردار بنایا اور اس میں اور اندلس کے بربر اور عرب میں مسلسل جنگ شروع ہوگئی۔ ابھی اس کا سلسلہ قائم تھا کہ ابوالخطاء اندلس پہنچ گیا۔ [1]

لیکن مقری اور مجموعہ اخبار فتح اندلس کا بیان اس سے مختلف ہے۔ ان کے بیان کے مطابق اندلس میں عربوں کے خلاف بربر کی شورش اتنی بڑھی کہ خود عبدالملک کو ان سے خطرہ پیدا ہوگیا' لیکن بربر ہی نے اس کو اندلس کا والی بنایا تھا اور انہی پر اس کی قوت کا مدار تھا۔ اس لیے ان کے مقابلہ کے لیے ناچار شامیوں سے مدد لینے پر مجبور ہوگیا اور اس شرط پر بلج اور اس کی فوج کو ستبتہ سے اندلس بلا لیا کہ ''بربریوں کی بغاوت فرو ہونے کے بعد ٹوٹ جائے گی اور عبدالملک انہیں بحفاظت افریقہ پہنچا دے گا''۔ اور چند شامی معززین کو ضمانت میں بطور یرغمال لے لیا۔ بربر کو عبدالملک کی اس تدبیر کی اطلاع ہوئی تو جلیقیہ' ماروہ' قوریہ اور طلبیرہ وغیرہ کے تمام بربر مقابلہ کے لیے جمع ہوگئے۔ عبدالملک نے شامی فوج کو اپنے لڑکوں قطن اور امیہ کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ طلیطلہ کے قریب دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ بربر نے بڑی فاش شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی اور بہت کم زندہ بچ سکے۔ بربر کو شکست دینے کے بعد شامی فوج سارے اندلس میں پھیل گئی اور ہر جگہ ان کی بغاوت فرو کر کے ان کا پورا استیصال کیا۔ اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد عبدالملک نے معاہدہ کے مطابق شامیوں کو واپس کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تیار ہیں' لیکن سب ایک ساتھ جائیں گے۔ عبدالملک نے عذر کیا کہ ہمارے پاس اتنی کشتیاں نہیں ہیں کہ سب کو ایک ساتھ بھیج سکیں' البتہ ستبتہ تک ایک ساتھ پہنچا سکتے ہیں۔ شامیوں نے انکار کر دیا کہ ہم کو سمندر میں غرق کر دینا بربر کے حوالہ کر دینے سے بہتر ہے۔

عبدالملک کے اس طرز عمل سے شامیوں کو شبہ ہوا کہ وہ ان کے ساتھ فریب کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے انہوں نے قصر حکومت پر قبضہ کر لیا اور عبدالملک کو پکڑ کر بلج کے حوالہ کر دیا اور اس کی جگہ بلج کو اندلس کا والی بنا دیا۔ عبدالملک کی گرفتاری سے پھر شورش بپا ہوگئی۔ اتفاق سے اسی دوران میں یہ ناگوار واقعہ پیش آ گیا کہ عبدالملک کے پاس جو شامی افسر بطور ضمانت تھے ان میں سے ایک افسر منتظمین کی بدسلوکی کی وجہ سے مر گیا۔ اس سے شامی فوج میں' جس میں زیادہ تر یمنی تھے' بڑی برہمی پیدا ہوگئی اور اس نے بلج سے مطالبہ کیا کہ اس کے انتقام میں عبدالملک کو قتل کر دیا جائے۔ اس نے ٹالا۔ اس سے یمنیوں کو بدگمانی پیدا ہوگئی اور انہوں نے بلج پر مضر کی حمایت کا الزام لگایا۔ بلج نے جب دیکھا کہ فوج کے بگڑ جانے کا خوف ہے تو مجبور ہو کر عبدالملک کو اس کے حوالہ کر دیا اور اس نے اسے سولی پر لٹکا دیا۔

[1] ابن قوطیہ ص ۱۶' ۱۷۔

عبدالملک کے قتل کے بعد اس کے لڑکے امیہ اور قطن انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اندلس کے بربر اور عرب مل کر عبدالملک کے بہادر افسر امیر عبدالرحمٰن والی اربونہ کی قیادت میں قرطبہ کی طرف بڑھے۔ قرطبہ سے دو منزل کی مسافت پر شامیوں کا مقابلہ ہوا۔ شامیوں نے ابتدائی حملوں میں عبدالرحمٰن کی فوج کو کمزور کر دیا۔ یہ صورت دیکھ کر عبدالرحمٰن نے بلج پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا' لیکن اس کے ایک ماتحت افسر حصین بن وجین نے فوج پر اس کا کوئی اثر نہ پڑنے دیا اور عبدالرحمٰن کو شکست ہوئی' لیکن بلج زخموں سے جانبر نہ ہو سکا۔ اس کی موت کے بعد شامیوں نے ثعلبہ بن سلامہ کو اپنا افسر بنا لیا۔ اس معرکہ کے بعد اندلس کے عرب اور بربر نے ماردہ کے قریب اجتماع کیا۔ ثعلبہ نے بڑھ کر وہیں ان کا مقابلہ کیا' لیکن پھر عربوں اور بربر کی تعداد کے مقابلہ میں اپنی قوت کمزور دیکھ کر ماردہ میں داخل ہو گیا۔ اسی دوران میں عیدالاضحیٰ آ گئی۔ بربر عید منانے کے لیے منتشر ہو گئے' ثعلبہ کو موقع مل گیا۔ اس نے ماردہ سے نکل کر دفعۃً حملہ کر دیا۔ عرب اور بربر اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی۔ صرف قیدیوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ اندلس کا امن پسند طبقہ اس مسلسل شورش اور بدامنی سے گھبرا گیا تھا۔ چنانچہ یہاں کے معززین نے افریقہ جا کر والی افریقہ سے درخواست کی تھی کہ قتل و خونریزی نے ہم لوگوں کو تباہ کر دیا ہے۔ کوئی ایسا والی بھیجئے جو اس شورش اور اختلاف کو دور کر کے پھر سب کو ایک مرکز پر جمع کر دے [1] یہ وہ زمانہ تھا جب ہشام شمالی افریقہ اور اندلس کے انقلاب کی خبر سن کر ابوالخطاء کو اندلس کی حکومت پر مقرر کر چکا تھا' وہ اسی دوران میں اندلس پہنچ گیا۔ لیکن ابن قوطیہ کا بیان اس سے مختلف ہے۔ اس کے بیان کے مطابق جب بلج کی استمداد پر عبدالملک نے کوئی توجہ نہ کی اور بلج نے دیکھا کہ ستبتہ میں ہلاکت کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے تو چمڑے کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر اور بعض تجارتی کشتیوں پر قبضہ کر کے اندلس پہنچ گیا۔ عبدالملک نے اسے ساحل پر روکا۔ بلج نے شکست دی اور اس کو گرفتار کر کے سولی دے دی اور قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد بیان وہی ہے جو اوپر کی روایت میں گزر چکا ہے۔ [2]

خوارج

ہشامی دور میں بعض نواح میں خارجیوں نے بھی سر اٹھایا' لیکن ان کی شورش زیادہ نہ بڑھنے پائی۔ ۱۱۱ھ میں چند خوارج نے یزید بن غریف ہمدانی والی سیستان کو اس کے گھر پر سرعام نہایت بے باکی سے قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ کئی آدمیوں کو مار کر مارے گئے۔ خالد بن عبداللہ والی عراق نے اصبغ

[1] یہ تمام حالات مجموعہ اخبار فتح اندلس ص۔ ۳۸ تا ۴۵ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔ [2] ابن قوطیہ ص ۱۶ و ۱۷ ملخصاً۔

بن عبداللہ کلبی کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ ان کے استیصال کے لیے بھیجا۔ سیستان کی گھاٹیوں میں ان کا مرکز تھا۔ اس لیے خود خوارج نے گھیر کر کلبی کا پورا دستہ ختم کر دیا۔ ❶ پھر ۱۱۹ھ میں کوفہ کے قریب بہلول خارجی اٹھا۔ خالد بن عبداللہ نے فوجیں بھیج کر موصل میں اس کا خاتمہ کرا دیا۔ ❷

بہلول کے قتل کے بعد اسی سنہ میں عمرو الیشکری اور مختری یکے بعد دیگرے اٹھے' لیکن دونوں مارے گئے۔ ان کے بعد وزیر سختیانی نے جیرہ میں خروج کیا اور بہت سے مسلمانوں کو قتل اور ان کی بستیوں کو جلا ڈالا اور حیرہ کے بیت المال پر قبضہ کر لیا۔ خالد نے فوجیں بھیج کر گرفتار کرا لیا۔ اس نے خالد کو نصیحت کی۔ وہ اس نصیحت سے اتنا متاثر ہوا کہ اسے قتل نہیں کیا اور اپنے پاس ہی قید کر دیا اور رات کو بلا کر اس کی باتیں سنتا۔ کسی نے ہشام سے شکایت کر دی۔ اس نے فوراً حکم بھیج کر قتل کرا دیا اور اسی سنہ میں صحاری بن شبیب ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ اٹھا' لیکن یہ بھی مارا گیا۔ ❸

زید بن علی کا خروج اور قتل

بنی امیہ کے حریف مقابل بنی ہاشم نے بھی خروج کیا۔ محمد بن حنفیہ کی اولاد اور بنی عباس تو اپنی خفیہ دعوت میں عرصہ سے مشغول تھے' لیکن خاص اہل بیت کرام خاموش تھے۔ ان میں سے ایک بزرگ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے زید بن علی کے دل میں البتہ حصول خلافت کا جذبہ موجود تھا جو کبھی کبھی زبان پر بھی آ جاتا تھا۔ ❹ لیکن ایک عرصہ تک انہوں نے اس کے لیے کوئی عملی کوشش نہیں کی۔ ہشام کے زمانہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا کہ عراقیوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر انہیں اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہشام کو ان کے خیالات کا علم تھا۔ اتفاق سے ایک قضیہ کے سلسلہ میں انہیں ہشام کے پاس جانا پڑا۔ اس نے ان سے کہا کہ تم لونڈی زادہ ہو کر خلافت کی خواہش رکھتے ہو۔ زید نے جواب دیا کہ تم لونڈی ہونے کی وجہ سے میری ماں کا درجہ گھٹاتے ہو' حالانکہ حضرت اسحاق علیہ السلام آزاد عورت کے بطن سے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام لونڈی کے بطن سے تھے۔ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نبوت کے لیے منتخب فرمایا اور ان کی نسل سے عرب پھیلے اور انہی کی نسل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ ایسی باتوں کو زبان پر لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا خوف کیا کرو۔ ہشام نے کہا تمہارے جیسا شخص مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتا ہے؟ زید نے کہا نہ کوئی آدمی اتنا چھوٹا ہے کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہ ڈرا سکے اور نہ کوئی اتنا بڑا ہے کہ وہ اس کو نہ سن سکے۔ ❺

---

❶ یعقوبی ج۔۲' ص ۳۸۳۔ ❷ یعقوبی ج۔۲' ص۔ ۳۸۷' ابن اثیر نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔
❸ ابن اثیر ج۔۵' ص ۷۸۔ ❹ الفخری ص ۱۱۸۔ ❺ یعقوبی ج۔۳' ص ۳۹۰۔

اس گفتگو کے بعد ہشام نے انہیں قضیہ کی تحقیقات کے سلسلے میں یوسف بن عمر ووالی عراق کے پاس کوفہ بھجوادیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ ان کو ایک لمحہ کے لیے تنہا نہ چھوڑنا۔ ایسے چرب زبان اور شیریں کلام آدمیوں کی جانب عراقی بہت جلد مائل ہو جاتے ہیں۔ زید جس وقت ہشام کے پاس سے واپس ہوئے' ان کی زبان پر تھا کہ جو شخص زندگی کو محبوب رکھتا ہے' اسے ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے [1] ہشام کا خطرہ صحیح نکلا' زید بن علی جب کوفہ سے مدینہ واپس جانے لگے تو کوفیوں نے ان کے پاس جا کر کہا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ ایک لاکھ تلواریں آپ کی حمایت کے لیے موجود ہیں۔ عراق میں بنی امیہ کی تعداد اتنی مختصر ہے کہ ہمارا ایک قبیلہ ان کے لیے کافی ہے۔ زید نے جواب دیا کہ مجھ کو تم لوگوں پر اعتماد نہیں ہے۔ تم نے میرے دادا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ مجھے معلوم ہے۔ ان لوگوں نے قسم کھا کر یقین دلایا کہ ہم آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ آپ ضرور کامیاب ہوں گے اور انشاء اللہ بنی امیہ کی بربادی کا یہی وقت ہوگا۔ [2] ان کے عہد و پیمان پر یقین کر کے زید نے اپنے چچیرے بھائی ابوجعفر سے مشورہ کیا۔ انہوں نے مخالفت کی اور کہا آپ ہرگز کوفیوں پر اعتماد نہ کیجئے۔ وہ بڑے دھوکہ باز ہیں۔ وہاں آپ کے باپ اور دادا شہید کیے گئے۔ آپ کے بابا پر حملہ ہوا۔ ہمارے اہل بیت پر گالیاں برسائی گئیں' لیکن زید کے دل میں پہلے سے حصول خلافت کا جذبہ موجود تھا۔ کوفیوں کا سہارا پا کر ان کے فریب میں آ گئے اور مدینہ کا سفر ملتوی کر کے کوفہ میں مقیم ہو گئے۔ [3]

چند دنوں میں عراق کے دوسرے شہروں اور خراسان کو چھوڑ کر تنہا کوفہ کے پندرہ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور وہ بنی امیہ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ یوسف بن عمر ووالی کوفہ نے ان کا مقابلہ کیا۔ ایک ہی معرکہ کے بعد کوفیوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور بہت مختصر جماعت زید کے ساتھ رہ گئی' لیکن وہ برابر جمے رہے۔ ایک تیر آ کر پیشانی پر لگا۔ اس کے نکالنے میں روح پرواز کر گئی۔ ان کے ہمراہیوں نے کوفہ ہی میں دفن کر کے یوسف کے خوف سے قبر زمین کے برابر کر دی' لیکن اس نے پتہ چلا لیا اور لاش قبر سے نکلوا کر سولی پر آویزاں کرادی۔ [4] ان کے قتل کے بعد ان کے اتباع کا ایک مستقل فرقہ پیدا ہو گیا جو امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے بعد امام باقر کے بجائے زید کو امام مانتا ہے اور زیدیہ کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ اب بھی یمن اور دوسرے مقامات پر موجود ہے۔

بنی عباس کی دعوت

[1] یعقوبی ج۔۳' ص۳۹۰۔ [2] الفخری ص۱۱۸۔
[3] مروج الذہب مسعودی ج۔۳' ص۲۲۔ [4] الفخری ص۱۸'۱۹۔

بنی عباس کی دعوت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے شروع ہوگئی تھی۔ ہشام کے زمانہ میں اس نے اور زیادہ وسعت و تنظیم اختیار کر لی۔ خلافت کے اصل دعویدار اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے' یا ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیر فاطمی اولاد تھی' لیکن سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں یہ منصب علویوں سے آل عباس میں منتقل ہوگیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعان علی نے آپ کے خلف الصدق حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے منصب امامت پیش کیا تھا' لیکن آپ واقعہ شہادت سے اتنے دل شکستہ تھے کہ سیاسی میدان میں قدم رکھنا پسند نہ فرمایا۔ ان کے انکار پر شیعیان علی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر فاطمی فرزند محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ اس طریقہ سے امامت کا منصب اہل بیت نبوی سے علوی شاخ میں منتقل ہوگیا۔ محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے صاحبزادے ابوہاشم عبداللہ ان کے جانشین ہوئے اور سرزمین عجم میں ان کی خفیہ دعوت ہوتی رہی۔ ۱۰۰ھ میں یہ سلیمان بن عبدالملک سے ملنے کے لیے شام گئے۔ اس نے ان کی بڑی مدارات کی اور ان کی جملہ ضروریات پوری کر کے انہیں عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ ان کی امامت کے خطرہ سے واپسی کے وقت انہیں زہر دلوا دیا۔ یہاں ان کے اہل خاندان میں سے کوئی نہ تھا۔ ایک قریب تر مقام حمیمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن علی بن عباس موجود تھے۔ اس لیے ابوہاشم وہیں چلے گئے اور انتقال سے پہلے انہیں منصب امامت تفویض کر دیا اور اپنے عراقی اور خراسانی اتباع کو ہدایت کر دی کہ ان کے بعد محمد بن علی ان کے جانشین ہوں گے۔ اس لیے وہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں' چنانچہ ابوہاشم کی وفات کے بعد ان لوگوں نے محمد بن علی کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ اس طرح امامت کا منصب علویوں سے بنی عباس میں منتقل ہوگیا۔ [1] منصب امامت ملنے کے بعد محمد بن علی نے بے ضابطہ انفرادی دعوت کے بجائے باضابطہ دعوت کا مکمل نظام قائم کیا۔ اس کے اصول و قواعد بنائے اور تجربہ کار داعیوں کی ایک جماعت منتخب کر کے اسے عراق و خراسان روانہ کیا۔ یہ لوگ مختلف بھیسوں میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھیل گئے اور بڑی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ بنی امیہ کے مظالم اور ان کی برائیوں کی تشہیر کر کے بنی عباس کی دعوت شروع کر دی۔ کبھی کبھی اس دعوت کا پردہ فاش ہو جاتا تھا اور داعی گرفتار کر کے قتل کر دیئے جاتے تھے' لیکن اس سے تبلیغی سرگرمی میں کوئی فرق نہ آنے پاتا تھا۔ ایک مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا' چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے لے کر ہشام کے عہد تک برابر خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا اور ہزاروں

---

[1] ابن اثیر ج۔۵' ص۲۰۔

عراقی اور خراسانی اس میں شریک ہو گئے۔ عوام کے علاوہ بہت سے اشراف وعمائد بھی بیعت میں داخل ہو گئے۔ مشہور عباسی داعی ابو مسلم خراسانی (اس کی شرکت کی تفصیل آئندہ آئے گی) اسی زمانہ میں اس دعوت میں شامل ہوا۔ غرض ہشام کے زمانہ میں عباسی دعاۃ کی کوششوں سے خراسان وعراق کے بڑے حصے میں عباسی دعوت پھیل گئی اور جابجا علانیہ بھی اس کے مظاہر نظر آنے لگے۔ اس وقت ہشام نے ادھر توجہ کی اور ایک نامور اور تجربہ کار شخص امیر نصر بن سیار کو جو خراسان کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا تھا' یہاں کا والی مقرر کر کے عباسی دعوت کے استیصال پر مامور کیا' لیکن اسی دوران میں ہشام کا وقت آخر ہو گیا۔

وفات

ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں اس نے مرض خناق میں انتقال کیا اور اپنے نئے دارالحکومت رصافۃ الشام میں دفن ہوا۔ انتقال کے وقت پچپن سال کی عمر تھی۔ مدت خلاف ۱۹ سال ۹ مہینے۔

ہشامی عہد پر تبصرہ

ہشام تدبیر وسیاست' بیدار مغزی' اولوالعزمی وحوصلہ مندی وغیرہ اوصاف جہانبانی کے اعتبار سے بنی امیہ کے ممتاز خلفا میں تھا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ وہ بڑا دقیق النظر' منتظم' کفایت شعار' امور مملکت میں بیدار مغز اور رعایا کی سیاست میں بڑا با تدبیر تھا۔ سلطنت کے جملہ کام خود انجام دیتا تھا۔ اس کی نگاہ سے کوئی چیز چھپی نہ رہتی تھی۔ [1] ابن طقطقی لکھتا ہے کہ وہ بڑا عاقل' حلیم الطبع اور پاکباز تھا۔ [2] اس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم وتدبر اور عبدالملک کی سیاست واولوالعزمی دونوں ایک ساتھ جمع ہو گئی تھیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ بنی امیہ میں ان تینوں پر سیاست وتدبر کا خاتمہ ہو گیا۔ [3] اس کے کارناموں اور اس کے دور کے واقعات سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے زمانے میں مشرق ومغرب دونوں میں بڑے بڑے انقلابات وحوادث پیش آئے' لیکن حکومت کے کسی نظام اور سلطنت کے کسی حصہ کو جنبش نہ ہونے پائی۔ مشرق میں ترک وتاتار کی اور مغرب میں بربر کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کو اسلامی حدود کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ جہاں جہاں خوارج نے سر اٹھایا فوراً ان کو کچل دیا گیا' اور پھر انہیں شورش بپا کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اسلامی سلطنت کے ہر حصہ میں اہم فتوحات حاصل ہوئیں جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ عباسی دعوت البتہ پھیلی لیکن ایک عرصہ تک اس کا

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۲۲، ۳۲۳۔ [2] آداب السلطانیہ ص ۱۱۷۔

[3] مروج الذہب ج ۳' ص ۲۸۔

سلسلہ اتنا مخفی رہا کہ پتہ نہ چل سکا اور جب اس نے قوت پکڑی اور اس کے مظاہر علانیہ نظر آنے لگے اس وقت ہشام کا وقت آخر ہو گیا۔ ان سیاسی کارناموں کے ساتھ اس کا زمانہ تعمیری اور انتظامی حیثیت سے بھی کامیاب ہے۔

افتادہ زمینوں کی آبادی

افتادہ زمینوں کی آبادی کی طرف اس کی خاص توجہ تھی اور اس کے زمانہ میں ان کا کافی حصہ آباد ہوا۔ [1]

بیت المال کی اصلاح

اموی حکومت کے آغاز سے بیت المال میں بے عنوانیاں چلی آ رہی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح کی تھی' لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ ہشام نے اس کا پورا انسداد کیا اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جب تک شہادتوں سے اس کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ محاصل میں ناجائز آمدنی کا کوئی حصہ شامل نہیں ہے' اس وقت تک اس کو بیت المال میں داخل نہ کیا جائے' چنانچہ چالیس شہادتوں کے بعد آمدنی داخل کی جاتی تھی۔ [2]

دفاتر کی تنظیم

دفاتر کی از سر نو تنظیم ہوئی' چنانچہ کاغذات کی صحت و ترتیب کے اعتبار سے اس کا زمانہ سارے خلفا میں ممتاز تھا۔ [3]

عدالت

شعبہ عدالت کی تفصیل تو نہیں معلوم ہوئی' لیکن بعض واقعات سے ہشام کی عدل پروری کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے ایوان عدالت میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر تھے۔ وابستگان دولت تک کسی پر دست تعدی دراز نہیں کر سکتے۔ ایک مرتبہ ایک نصرانی نے ہشام کے لڑکے محمد کے غلام کو کسی بات پر مارا' وہ زخمی ہو گیا۔ محمد کے خواجہ سرا نے اس کے بدلہ میں نصرانی کو مارا۔ ہشام کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً خواجہ سرا کو طلب کیا' اس نے محمد کے دامن میں پناہ لی' لیکن ہشام کی سزا سے نہ بچ سکا۔ اس نے اسے سزا دی اور اپنے لڑکے کو تنبیہ کی۔ [4]

---

[1] مروج الذہب ج۔۳' ص ۲۱۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۸۔
[3] ابن اثیر ج۔۵' ص ۹۶۔ [4] ابن اثیر ج۔۵' ص ۹۶۔

شعبہ فوج

انتظامی شعبوں کے ساتھ فوجی شعبہ میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ ضرورت کی جگہوں پر مستحکم قلعے تعمیر کرائے۔ انطاکیہ میں جو اسلامی اور رومی حکومت کی نازک سرحد تھی' حصن قطرغاش اور حصن بورہ اور حصن بوفا بنوائے۔ [1] اس کے علاوہ تمام سرحدی علاقوں کو مضبوط و مستحکم کیا اور وہاں ہر طرح کا جنگی سامان بکثرت جمع کیا۔ [2]

بحری بیڑے کی ترقی کے لیے شمالی افریقہ میں جہاز سازی کے مزید نئے کارخانے قائم کیے اور بحر روم میں کامیاب بحری مہمات کا سلسلہ جاری رہا۔ [3]

شہروں کی آبادی

اس زمانے میں متعدد نئے شہر بھی آباد ہوئے۔ شام میں قنسرین کے علاقہ میں رصافہ آباد کیا گیا۔ گرمیوں کے موسم میں ہشام یہیں رہتا تھا۔ اس لیے اسے پایہ تخت کی حیثیت حاصل تھی۔ [4] سندھ میں دو شہر منصورہ اور محفوظہ آباد ہوئے۔ منصورہ سندھ کا اسلامی دارالحکومت تھا۔ [5]

حوض اور تالاب کی تعمیر

حجاج کی آسائش کے لیے مکہ کے راستہ میں حوض اور تالاب بنوائے۔ [6]

ریشمی کپڑوں کی صنعت

ملکی مصنوعات کی ترقی کی جانب بھی توجہ تھی۔ اس سلسلہ میں ریشمی کپڑوں کی صنعت میں بھی بڑی ترقی ہوئی۔ [7]

مذہبی خدمات

ان کارناموں کے ساتھ ہشام نے مذہبی خدمات بھی انجام دیں۔ وہ خود راسخ العقیدہ شخص تھا اور مذہب میں کسی ایسی بدعت کو پسند نہ کرتا تھا' جس سے عقائد میں رخنہ پیدا ہو۔ اور اس قسم کے

---

[1] تاریخ ابن اثیر ج ۵ مختلف سنین۔ [2] مسعودی ج ۳' ص ۲۱۔ [3] کتاب المونس ص ۳۸۔
[4] معجم البلدان ج ۴ ذکر رصافۃ الشام۔ [5] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۸۔
[6] مروج الذہب ج ۲' ص ۲۱۔ [7] مروج الذہب ج ۲' ص ۲۱۔

خیالات کا نہایت سختی سے تدارک کرتا تھا۔ مشہور قدری غیلان بن یونس نے سب سے اول عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں قدر کا عقیدہ ظاہر کیا تھا' لیکن پھر ان کے سمجھانے سے توبہ کر لی تھی۔ ہشام کے زمانہ میں پھر اس کا اعادہ کیا تو اس نے قتل کرا دیا۔ اسی طریقہ سے ایک اور شخص معدبن درہم نے خلق قرآن کا مسئلہ چھیڑا' ہشام نے اسے بھی قتل کرا دیا۔ ❶

اپنے لڑکوں پر نماز کی بڑی تاکید رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک لڑکا جمعہ کی نماز میں نہ پہنچ سکا' تو ہشام نے باز پرس کی۔ اس نے عذر کیا کہ سواری نہ تھی۔ ہشام نے کہا پیادہ نہیں جا سکتے تھے اور سزا کے طور پر ایک سال کے لیے سواری بند کر دی۔ ❷

رعایا کی اخلاقی نگہداشت

وہ طبعاً متین و سنجیدہ تھا۔ اسے لہو ولعب سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ رعایا کو بھی اس قسم کے مشاغل سے روکتا تھا اور اس پر احتساب کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک بوڑھا شخص اس جرم میں پیش کیا گیا کہ وہ گانے والی عورتوں' شراب و کباب اور مزامیر سے دلچسپی رکھتا ہے۔ ہشام نے اسے دیکھ کر کہا کہ ''طنبورہ اس کے سر پر توڑ دو''۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی' وہ رونے لگا' ہشام نے کہا صبر سے کام لو' بوڑھے نے جواب دیا' چوٹ کی وجہ سے نہیں روتا ہوں' بلکہ اس ناقدر شناسی پر روتا ہوں کہ اب بربط کو طنبورہ کہا جاتا ہے۔ ❸

گھوڑوں کی پرورش و پرداخت و ترقی

ہشام کو گھوڑوں اور گھوڑ دوڑ کا بڑا شوق تھا۔ اس شوق کی وجہ سے گھوڑوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی نسل میں بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے پاس گھڑ دوڑ کے چار ہزار منتخب گھوڑے تھے۔ ❹

علمی خدمات

ہشام کو علم و فن سے بھی دلچسپی تھی' چنانچہ اس نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا۔ ❺ غیر قوموں کے علوم میں فارسی کی ایک اہم کتاب کا جو ایرانیوں کے بہت سے علوم و فنون' ان کے فرمانرواؤں کے حالات اور سیاسی واقعات پر مشتمل تھی' ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کتاب مصور تھی اور مسعودی کی نظر سے گزری تھی۔ التنبیہ والاشراف میں اس نے اس کا تفصیلی حال لکھا ہے۔ ❻

---

❶ ابن اثیر ج۔۵' ص۹۶' ۹۷۔ ❷ ابن اثیر ج۔۵' ص۵۶۔ ❸ ابن اثیر ج۔۵' ص۵۶۔
❹ مروج الذہب ج۔۲' ص۲۱۔ ❺ تذکرۃ الحفاظ ج۔۱' ص۹۷۔ ❻ کتاب التنبیہ والاشراف ص۱۰۶۔

اخلاق وسیرت

ہشام کے اوصاف میں دو وصف زیادہ نمایاں تھے۔ حلم اور کفایت شعاری۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم کی طرح اس کا حلم بھی تاریخی مسلمات میں ہے۔ وہ تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اس کو رو در رو سخت الفاظ کہے۔ اس نے صرف اس قدر کہا کہ اپنے امام کو برا کہنا مناسب نہیں۔ [1] ایک مرتبہ خود اس نے ایک معزز شخص کو نا ملائم الفاظ کہے۔ اس نے کہا خلیفۃ اللہ فی الارض ہو کر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ہشام سخت شرمندہ ہوا اور بولا مجھ سے اس کا بدلہ لے لو۔ اس شخص نے کہا' تمہارے جیسا کمینہ میں بھی ہو جاؤں۔ ہشام نے کہا تو اس کا مالی معاوضہ لے لو۔ اس نے کہا یہ بھی نہیں کر سکتا۔ ہشام نے کہا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دو۔ اس نے کہا پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں' پھر تمہارے لیے۔ اس واقعہ سے ہشام نہایت شرمندہ ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ [2] اس کی زبان سے جو سخت سے سخت کلمہ تاریخوں میں ملتا ہے' وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص پر بہت برہم ہوا تو کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم کو ایک کوڑا ماروں گا' لیکن یہ ارادہ قول سے عمل میں نہ آیا۔ [3]

وہ اپنے اور پیشروؤں کے برعکس نہایت کفایت شعار تھا۔ اس کی کفایت شعاری بلکہ بخل کے بہت سے واقعات ملتے ہیں' لیکن ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ البتہ صحیح ہے کہ وہ بڑا کفایت شعار تھا۔ ایک ایک لباس برسوں پہنتا تھا۔ اپنے لڑکوں کو بھی سادگی کا عادی بنایا تھا' اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے بعد بے اندازہ دولت چھوڑ گیا۔



[1] ابن اثیر ج ۵' ص ۹۶۔ [2] ابن اثیر ج۔۵' ص ۹۷۔ [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۸۔

ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک

(۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ مطابق ۷۴۳ء تا ۷۴۴ء)

یزید بن عبدالملک اپنی زندگی میں ہشام کے بعد اپنے لڑکے ولید کو نامزد کر گیا تھا۔ اس لیے ہشام کی وفات کے بعد ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ ولید ہر اعتبار سے خلافت کے لیے نااہل تھا۔ امور مملکت سے غافل، ہر وقت فسق و فجور میں غرق رہتا تھا۔ ہشام نے اپنی زندگی میں اسے سدھارنے کی بڑی کوشش کی تھی۔ زبانی فہمائش کی۔ اس کے بداخلاق ندیموں کو الگ کر دیا۔ امیرالحج بنا کر مکہ بھیجا۔ آخر میں وظیفہ بند کر دیا، لیکن ولید کے مشاغل میں کوئی فرق نہ آیا، بلکہ اس کی ضد اور بڑھتی گئی اور دونوں کے تعلقات اتنے خراب ہو گئے کہ ولید ہشام کی قربت چھوڑ کر اپنی جاگیر پر اردن چلا گیا۔ اس کی اصلاح سے مایوس ہونے کے بعد ہشام نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے اکابر کے مشورہ سے ولید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے مسلمہ کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن ابھی اس کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ اس کا وقت آخر ہو گیا۔ [1] ہشام کی وفات کے وقت ولید اردن میں تھا، یہیں اس کو وفات کی خبر ملی۔ اس نے فوراً عباس بن عبدالملک کو فرمان لکھا کہ رصافہ جا کر ہشام کی کل دولت اور متروکات کو اپنے قبضہ میں لے لو۔ [2] ولید ہشام کے تمام وابستگان دولت خصوصاً ان امر سے بہت برہم تھا، جو ولی عہدی سے اس کے اخراج کی تجویز میں شریک تھے، چنانچہ تخت نشینی کے بعد اس نے سب سے انتقام لیا۔ انہیں یک قلم ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا۔ [3] اور ہشام کے تمام آدمیوں پر اتنی سختیاں کیں کہ اس کے خدام اس کی قبر پر جا کر روتے تھے۔ [4] ہشام کے ماموں ہشام بن اسماعیل کو مکہ کی حکومت سے معزول کر دیا۔ ان کے لڑکوں محمد اور ابراہیم کو کوڑوں سے پٹوا کر انہیں یوسف بن عمر والی عراق کے حوالہ کر دیا۔ اس نے ان کو اتنی ایذائیں دیں کہ اس کے صدمہ سے وہ مر گئے۔ [5] ان مظالم کے ساتھ اس کی حکومت کا آغاز ہوا۔

یحییٰ بن زید کا خروج اور قتل

ولید کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں بعد یحییٰ بن زید خراسان میں اٹھے۔ وہ اپنے والد زید بن علی کے خروج میں ان کے ساتھ تھے۔ ان کے قتل کے بعد خراسان چلے گئے تھے اور بلخ کے ایک محب اہل بیت

---

[1] ابن اثیر ج۔۵ ص۔۹۷، امام زہری کی تحریک کا ذکر تاریخ الخلفاء میں ہے۔ [2] ابن اثیر ج۔۵ ص۹۸۔
[3] یعقوبی ج۔۲ ص۳۹۷۔ [4] ابن اثیر ج۔۵ ص۹۸۔ [5] ابن اثیر ص۱۰۰ و ۱۰۱۔

حریش بن عمر بن داؤد کے یہاں مقیم تھے۔ ولید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حفظ ماتقدم کے خیال سے نصر بن سیار والی خراسان کو لکھا کہ حریش سے فوراً یحییٰ کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کرو۔ اس نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حریش نے لاعلمی ظاہر کی۔ نصر نے سختی سے کام لیا۔ اس کی سختی دیکھ کر حریش کے لڑکے نے بتادیا اور نصر نے یحییٰ کو گرفتار کر کے ولید کو اطلاع دی۔ وہ صرف یحییٰ کو شیعوں کے دام سے الگ کرنا چاہتا تھا اور ان کو نقصان پہنچانا مقصود نہ تھا۔ اس لیے لکھا کہ انہیں وہاں سے ہٹا کر چھوڑ دو۔ نصر نے انہیں دو ہزار درہم دے کر شام جانے کی ہدایت کی۔ لیکن بلخ سے نکلنے کے بعد ان کے پیروؤں نے انہیں یہ کہہ کر پھر ورغلایا کہ ہم لوگ کب تک ذلت برداشت کرتے رہیں گے اس لیے یحییٰ شام جانے کے بجائے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ نیشاپور چلے گئے۔ یہاں کے حاکم عمرو بن زرارہ کو ان کے ارادہ کا علم ہوا تو اس نے سلمہ بن احوز ہلالی کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا اور خود بھی نکلا۔ جوزجان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اس میں یحییٰ بن زید قتل ہوئے اور ان کی پوری جماعت کام آئی۔ [1]

عباسی دعوت

۱۲۶ھ کے آخر میں امام محمد بن علی عباسی کا انتقال ہوگیا اور ان کے لڑکے ابراہیم ان کے جانشین ہوئے اور عباسی دعوت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

ولید کی ناعاقبت اندیشی اور اس کے نتائج

ولید کی فاسقانہ زندگی اور اس کے مظالم کی وجہ سے شروع ہی سے اس کے خلاف عام بددلی پھیل گئی تھی۔ اپنی ناعاقبت اندیشی سے اس نے اپنے خاندان کے ارکان اور ان امرا اور قبائل کو بھی مخالف بنالیا' جن پر بنی امیہ کی سطوت وقوت کا مدار تھا۔ ہشام کے متعلقین سے انتقام کے سلسلہ میں اس نے ایک بڑی غلطی یہ کی کہ اس کے لڑکے سلیمان کو کوڑوں سے پٹوایا اور اس کا سر اور داڑھی منڈوا کر قید کر دیا۔ [2] اس کے اس فعل سے ہشام کی اولاد اس سے برہم ہوگئی۔ مضری یا نزاری اور یمنی قبائل پرانے حریف تھے اور بنی امیہ کی قوت کا دارومدار زیادہ تر یمنی قبائل پر تھا۔ اس لیے اموی خلفا ان کی بڑی مدارات کرتے تھے۔ ولید نے ان کے امرا وعمائد کی بھی تذلیل وتحقیر کی اور ان کے مقابلہ میں بنی نزار کو بڑھانا شروع کیا۔ اس سے ان کی قدیمی رقابت پھر ابھر آئی۔ [3]

خالد بن عبداللہ قسری یمنی قبائل کا بڑا ممتاز اور مقتدر سردار تھا اور ہشام کے زمانہ میں عراق کا والی

---

[1] یعقوبی ج۔۲ ص۳۹۸۔ [2] ابن اثیر ج۔۵ ص۱۰۳۔ [3] کتاب التنبیہ والاشراف ص۳۲۳۔

تھا۔ اس زمانہ میں اس نے عراق کی آمدنی کی ایک خطیر رقم فیاضی میں صرف کر دی تھی جس کا کوئی حساب نہ دے سکا تھا۔ اس جرم میں ہشام نے انتظامی حیثیت سے اسے معزول کر دیا تھا' لیکن اس کے رتبہ کا لحاظ کر کے اور کوئی سزا نہیں دی تھی' بلکہ اس کی درشت باتوں کو سن کر انگیز کرتا تھا۔ ❶ ولید نے اپنے زمانہ میں اس رقم کا مطالبہ کیا اور جب خالد اسے ادا نہ کر سکا تو اسے یوسف نزاری والی عراق کے' جو اس سے تعصب رکھتا تھا' حوالہ کر دیا۔ اس نے اسے طرح طرح کی اذیتیں دے کر مار ڈالا۔ ولید نے اسی پر بس نہیں کی' بلکہ یمن کی اس تحقیر کو فخریہ نظم کیا۔ اس سے قبائل یمن کے جذبات بھڑک اٹھے۔ ❷ اور وہ اس کی مخالفت میں ہشام سے جو اپنے بھائی سلیمان کی تحقیر و تذلیل کی وجہ سے ہشام کے خلاف ہو گیا تھا' مل گئے اور اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔

یزید کی بیعت اور ولید کا قتل

ولید اس وقت حمص اور دمشق کے درمیان قلعہ نجرا میں تھا۔ یزید کے ہاتھوں پر بیعت کے بعد یمنی قبائل اسے لے کر نجرا پہنچے۔ اس وقت ولید کو ہوش آیا۔ اس کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی' لیکن مقابلہ کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا' ناچار اسی مختصر جماعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور شکست کھا کر مارا گیا۔ ❸ یہ واقعہ جمادی الثانی ۱۲۶ھ میں پیش آیا۔ اس وقت اس کی عمر کل بیالیس سال کی تھی۔ مدت خلافت ایک سال دو مہینے۔

بعض قابل ذکر اوصاف

اگرچہ ولید کی پوری زندگی رندی و سرمستی میں غرق تھی' لیکن اس میں بعض قابل ذکر اوصاف بھی تھے۔ اس نے حکومت کی جانب سے محتاجوں کی بھی پرورش اور معذور اپاہجوں کی خدمت کا انتظام کیا۔ ❹ شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتا تھا۔ خود خوش گو شاعر تھا۔ خصوصاً خمریات میں اسے بڑا کمال حاصل تھا۔ ابونواس نے جو عربی زبان کا خیام سمجھا جاتا ہے' اپنے کلام میں ولید کے خمریات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ❺ طبعاً بڑا فیاض اور سیر چشم تھا۔ شعرا کی قدردانی میں اس کی فیاضی اسراف کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔ یزید بن منبہ شاعر نے اس کی تخت نشینی کی تبریک میں پچاس شعر کا ایک قصیدہ پیش کیا تھا۔ ولید نے ہر شعر کے صلہ میں ایک ایک ہزار انعام دیا۔ ❻ موسیقی کا بھی بڑا شائق اور قدردان

---

❶ اخبار الطوال نے اس واقعہ کی بڑی تفصیل لکھی ہے' ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتاب مذکور ص۳۴۴' ۳۴۵۔ ❷ کتاب التنبیہ والاشراف ص۳۲۴۔ ❸ کتاب التنبیہ والاشراف ص۳۲۴۔
❹ ابن اثیر ج۔۵' ص۱۰۲۔ ❺ ابن اثیر ج۔۵' ص۱۰۵۔ ❻ ابن اثیر ج۔۵' ص۱۰۵۔

تھا۔اس کے دربار میں ابن سریج' معبد' عریض' ابن عائشہ' ابن محرز' طویس اور دحمان وغیرہ اس عہد کے بڑے بڑے باکمال مغنی جمع تھے۔ [1]

گھوڑوں کا شوق

ہشام کی طرح اسے بھی گھوڑوں اور گھڑ دوڑ کا بڑا شوق تھا' اس کے پاس اس زمانہ کے بہترین گھوڑے تھے۔ [2]

بعض غلط واقعات کی تنقید

اس کا فسق و فجور اور اس کے مظالم مسلم ہیں' لیکن ان کے ساتھ تاریخوں میں اس کے الحاد و دہریت کے بھی بعض جھوٹے افسانے ملتے ہیں کہ اس نے خانہ کعبہ کی چھت پر شراب پینے کا ارادہ کیا تھا' یا کلام اللہ کی توہین کی' ملحدانہ مضامین کے بعض اشعار بھی اس کی جانب منسوب ہیں' لیکن اس کی حیثیت زیب داستان سے زیادہ نہیں ہے۔ان واقعات کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ ولید اپنے ظلم و فسق کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔ ہر جماعت اس کے خلاف تھی۔اس کے مخالفین نے اس کی جانب سے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے رندی و ہوسنا کی کے واقعات کے ساتھ الحاد و زندقہ کے افسانوں کو بھی شامل کر دیا' لیکن ان کی صداقت اس سے ظاہر ہے کہ اکابر علما و محدثین تک جو دین و عقائد اسلامی کے سب سے بڑے محافظ و پاسبان ہیں' ان واقعات کو غلط سمجھتے ہیں' چنانچہ مہدی عباسی کے عہد کے ایک ممتاز فقیہ ابوعلاثہ کا بیان ہے کہ ان سے ایک عینی شاہد نے جو ولید کی رندانہ صحبتوں میں شریک رہ چکا تھا بیان کیا کہ وہ شراب میں بدمست رہتا تھا لیکن جیسے ہی نماز کا وقت آتا رندی کا لباس اتار کر دوسرا سپید لباس پہنتا اور وضو کر کے نماز پڑھتا۔نماز ادا کرنے کے بعد پھر رندانہ مشاغل میں مصروف ہو جاتا۔فقیہ مذکور اس واقعہ کو بیان کر کے کہتے تھے کہ کیا یہ اس شخص کی زندگی ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ [3]

سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں حافظ ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ولید کی جانب کفر و زندقہ کی نسبت صحیح نہیں ہے۔البتہ وہ مے نوشی اور دوسرے منہیات میں ضرور مبتلا تھا۔ [4] اس کی زندگی کا آخری عمل یہ تھا کہ جب وہ شکست کھا کر قصر میں محصور ہو گیا اور لوگ اسے قتل کرنے کے لیے اندر گھسے تو وہ کلام اللہ کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گیا اور کہا کہ ''جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے مارے گئے' اسی طرح میرا بھی خاتمہ ہو'' [5]

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج۔۳' ص۔۳۱۔ [2] مروج الذہب ج۳' ص۳۶۔ [3] ابن اثیر ج۔۵' ص۱۰۲۔
[4] تاریخ الخلفاء ص۲۵۲۔ [5] ابن اثیر ج۔۵' ص۱۰۶۔

یزید ثالث بن ولید المعروف بہ یزید الناقص

(۱۲۶ھ مطابق ۷۴۴ء)

ولید کے قتل کے بعد رجب ۱۲۶ھ میں یزید بن ولید تخت نشین ہوا۔ اس نے ولید کے دور کی فوج کی تنخواہ کے اضافہ کو گھٹا دیا تھا۔ اس لیے یزید ناقص کہلاتا تھا۔ یہ عابد و زاہد خلیفہ تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے حسب ذیل تقریر کی:

''لوگو! میں اس وقت تک کہیں کوئی نئی عمارت نہ بنواؤں گا اور نہ نئی نہر نکلواؤں گا' جب تک اس مقام کی سرحد کی حفاظت کا انتظام نہ ہو جائے گا اور جب تک وہاں کے باشندوں کی احتیاج و ضروریات پوری نہ ہو جائیں گی اس وقت تک وہاں کی آمدنی کسی دوسرے مقام پر نہ بھیجی جائے گی۔ ہر جگہ کا صرف وہی مال دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا جو مقامی ضروریات سے زائد ہوگا۔ اپنا دروازہ حاجتمندوں کے لیے بند نہ کروں گا۔ سال بسال تمہارے وظیفے اور ماہ بماہ تمہارا راشن ملتا رہے گا۔ حقوق میں دور کے رہنے والے قریب کے رہنے والوں کے برابر ہوں گے' جو کچھ میں نے کہا اگر اسے پورا کروں تو تم پر میری اطاعت اور میری امداد فرض ہے اور اگر پورا نہ کروں تو مجھے معزول کر دو۔ تم لوگ گواہ رہو' میں توبہ کرتا ہوں' اگر کوئی ایسا شخص صالح تمہاری نگاہ میں ہو جو ان باتوں کا وعدہ کرے' جن کا میں نے وعدہ کیا ہے' اور تم اس کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہو تو میں سب سے پہلے اس کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں''۔ [1]

یزید کی مخالفت

اگرچہ ولید کی مخالفت اور اس کے قتل کا سبب اس کی نااہلی اور اس کے اعمال تھے اور اس کے مقابلہ میں یزید صالح خلیفہ تھا' لیکن کسی حکمران کے قتل کے اسباب خواہ کچھ ہی ہوں حکومت کے نظام پر ہمیشہ اس کا برا اثر پڑتا ہے اور لوگوں میں حکمران کے خلاف اٹھنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر ولید کے قتل کے اسباب میں یمنی اور مضری عصبیت بھی شامل تھی۔ اس لیے اس واقعہ سے ایک طرف لوگ خلیفہ وقت کی مخالفت میں جری ہو گئے' دوسری طرف قبائلی عصبیت بھڑک اٹھی۔ جب تک ولید کے قتل

[1] الفخری ص ۱۲۱۔

کا واقعہ نہ پیش آیا تھا ہر طبقہ اس کے خلاف تھا' لیکن یمنیوں کے ہاتھوں اس کا قتل قبائلی سوال بن گیا اور یمن و مضر کی پرانی عصبیت ابھر آئی اور وہ مضری بھی جو ولید کی زندگی میں اس کے خلاف تھے' یمنیوں سے اس کے قتل کا انتقام لینے کے لیے آمادہ ہو گئے اور دونوں قبیلوں میں نہایت سخت مخالفت شروع ہو گئی اور تمام مضری قبائل اور بنی امیہ کے اکثر ارکان یزید کے خلاف ہو گئے اور شام کے مختلف حصوں میں اس کے خلاف بغاوت بپا ہو گئی۔

حمص میں بغاوت

سب سے پہلے حمص کے باشندوں نے یزید کی خلافت ماننے سے انکار کیا۔ مروان بن عبداللہ بن عبدالملک اموی نے بھی ساتھ دیا [1] اور حمص میں بغاوت پھیل گئی۔ یہاں کے باشندوں نے اپنے اپنے حاکم عبداللہ بن سنجرہ کندی [2] اور مروان بن عبدالملک اور اس کے لڑکے کو یزید کی حمایت کے جرم میں قتل کر دیا اور ولید کے قتل میں اعانت کے جرم میں عباس بن ولید اموی کا گھر مسمار کر دیا اور پایہ تخت دمشق پر حملہ کے لیے بڑھے۔ یزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبدالعزیز بن حجاج اور ہشام بن مصاد کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ انہوں نے باغیوں کو شکست دے کر واپس کیا۔ شکست کھانے کے بعد اہل حمص نے مجبور ہو کر یزید کی خلافت تسلیم کر لی۔ [3]

فلسطین اور اردن کی بغاوت

حمص کی بغاوت کے ساتھ ہی فلسطین کے باشندوں نے بھی اپنے حاکم سعید بن عبدالملک کو نکال دیا تھا اور اسی کے بھتیجے یزید بن سلیمان بن عبدالملک کو جو یزید کے خلاف تھا' حاکم بنا لیا۔ اس کی مخالفت سے فلسطین والوں کو بڑی تقویت ہوئی اور انہوں نے بھی یزید کی خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بغاوت کی خبر اردن پہنچی تو یہاں کے باشندوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور شام میں ایک عام خلفشار بپا ہو گیا۔ ان کے مقابلہ کے لیے یزید نے سلیمان بن ہشام کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا اور دوسری خفیہ تدبیر یہ کی کہ فلسطین کے باغیوں کے سردار سعید بن روح اور ضبعان بن روح کو حکومت اور مال کی طمع دلا کر توڑ لیا' چنانچہ وہ فلسطین کو لوٹ کر لے گئے اور اہل اردن تنہا رہ گئے۔ سلیمان بن ہشام نے تھوڑی سی فوج بھیج کر انہیں آسانی کے ساتھ زیر کر لیا اور فلسطین اور اردن دونوں مقاموں میں یزید کی بیعت ہو گئی۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد یزید نے ضبعان کو فلسطین کا اور اپنے بھائی ابراہیم

---

[1] ابن اثیر ج۔۵ ص ۱۰۹۔ [2] یعقوبی ج۔۲ ص ۴۰۱ و ۴۰۲۔ [3] ابن اثیر ج۔۵ ص ۱۰۹۔

کو اردن کا حاکم بنایا۔ [1]

مروان بن محمد کا جزیرہ پر قبضہ

یزید کے آخری زمانہ میں مروان بن محمد اموی نے جزیرہ پر مخالفانہ قبضہ کرلیا۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ ولید کے قتل کی وجہ سے مروان بھی یزید کے خلاف ہوگیا تھا۔ ولید کے قتل کے ہنگامہ میں جزیرہ کا والی عبدہ بن ریاح غسانی جزیرہ سے شام گیا۔ مروان کا لڑکا عبدالملک قریب ہی حران میں تھا۔ میدان خالی پا کر اس نے جزیرہ کو اپنے انتظام میں لے لیا اور اپنے باپ کو آرمینیہ اطلاع دی' وہ فوراً وہاں سے جزیرہ پہنچا۔ اہل جزیرہ نے اس کی کوئی مخالفت نہیں کی' بلکہ بیس ہزار آدمی اس کی حمایت کے لیے تیار ہوگئے۔ ان کا سہارا پا کر اس نے یزید کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ یزید کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جزیرہ' آرمینیہ' موصل اور آذربائیجان کی حکومت دے کر اس کی مخالفت روک دی اور مروان نے اس کی بیعت کرلی۔ [2]

مصر اور یمن میں بھی مخالفت ہوئی' لیکن بڑھنے نہ پائی۔ گو یہ بغاوتیں ختم ہوگئیں' لیکن قبائلی عصبیت کی جو آگ لگی تھی' وہ برابر بھڑکتی رہی تا آنکہ اموی حکومت کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

وفات

کل چھ مہینے حکومت کرنے کے بعد ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں یزید کا انتقال ہوگیا۔ انتقال کے وقت ۴۶ سال کی عمر تھی۔ اسے بہت کم خلافت کا موقع ملا اور یہ مختصر مدت بھی بغاوتوں اور شورشوں میں گزری' اس لیے اس کے عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔



[1] ابن اثیر ج۔۵' ص ۱۰۹۔ [2] ابن اثیر ج۔۵' ص ۱۱۴' ۱۱۵۔

ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

(۱۲۶ھ تا ۱۲۷ھ مطابق ۷۴۴ء تا ۷۴۵ء)

یزید نے اپنے بھائی ابراہیم کو ولی عہد بنایا تھا۔ اس کے بعد ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں وہ تخت نشین ہوا' لیکن وہ برائے نام خلیفہ تھا۔ عام طور پر اس کی خلافت تسلیم نہیں کی گئی اور چند ہی مہینوں میں مروان نے اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

مروان بن محمد کی مخالفت

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ولید کے قتل کی وجہ سے مروان بن محمد یزید کے خلاف تھا اور اسی کے زمانہ میں اس نے جزیرہ پر قبضہ کر لیا اور یزید کے مقابلہ میں اٹھنے والا تھا' لیکن یزید نے سیاست سے کام لیا اور اسے آرمینیہ اور آذربائیجان کی حکومت دے کر خاموش کر دیا تھا۔ ابراہیم یزید کا جانشین تھا اور ولید کے لڑکے حکم اور عثمان اس کی قید میں تھے۔ انہیں وہ رہا نہ کرتا تھا۔ اس لیے مروان کی مخالفت اس کے ساتھ بھی قائم رہی۔ ابراہیم قوت اور سیاست دونوں سے محروم تھا۔ اس لیے اس کی تخت نشینی کے بعد مروان نے شام پر فوج کشی کر دی۔ راستہ میں مسرور بن ولید والی قنسرین اور اس کے بھائی بشر نے روکا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ قبیلہ قیس کا سردار یزید بن عمرو بن ہبیرہ جس پر مسرور کی قوت کا دارومدار تھا' مروان سے مل گیا اور مسرور اور بشر دونوں کو پکڑ کے مروان کے حوالہ کر دیا۔ [1] لیکن یعقوبی کا بیان ہے کہ مروان نے خود شکست دے کر گرفتار کر لیا' بہرحال قنسرین میں مروان کو کامیابی ہوئی۔ [2]

اہل حمص بھی یزید کے مخالفین میں تھے اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے انہوں نے اس کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی' لیکن شکست کی وجہ سے مجبور ہو گئے تھے۔ ابراہیم کی کمزوری کی وجہ سے انہیں بھی موقع مل گیا' چنانچہ انہوں نے اس کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ابراہیم نے عبدالعزیز کو ان سے بہ جبر بیعت لینے پر مامور کیا۔ چنانچہ شام پر مروان کی فوج کشی کے وقت عبدالعزیز بیعت کے لیے اہل حمص کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔

ابراہیم کی شکست

---

[1] ابن اثیر ج۔۵' ص۱۱۹۔ [2] یعقوبی ج۔۲' ص۴۰۳۔

اس لیے قنسرین پر قبضہ کرنے کے بعد مروان حمص پہنچا۔ عبدالعزیز میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے وہ محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا اور اہل حمص نے ابراہیم کی مخالفت میں مروان کی بیعت کر لی۔ مروان نے انہیں ساتھ لے کر پایہ تخت دمشق کا رخ کیا۔ ابراہیم نے سلیمان بن ہشام کو ایک لاکھ فوج دے کر اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ عین الجر میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مروان نے کہلا بھیجا کہ اگر ولید کے دونوں لڑکوں حکم اور عثمان کو رہا کر دیا جائے تو وہ جنگ نہ کرے گا' لیکن سلیمان نے انکار کر دیا اور صفر ۱۲۷ھ میں دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ سلیمان نے بڑی شکست فاش کھائی۔ سلیمان کو شکست دینے کے بعد مروان نے ولید کے لڑکوں حکم اور عثمان کی غائبانہ بیعت لی اور ولید کے قاتلوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ سلیمان کی شکست کے بعد شامی امرا نے جس میں زیادہ تر ولید کے قاتلین اور اس کے مخالفین تھے مشہور کیا کہ جب تک حکم اور عثمان زندہ ہیں' مروان ان کے نام پر لڑتا رہے گا اور انہیں خلیفہ بنانے کی کوشش کرے گا' اگر اس میں اس کو کامیابی ہوگئی تو اس وقت ولید کے قاتلوں کی خیر نہیں' چنانچہ حکم اور عثمان کو قتل کر دیا گیا۔ اسی دوران میں مروان دمشق پہنچ گیا۔ ابراہیم میں کوئی طاقت نہ تھی۔ وہ بھاگ نکلا اور کل تین چار مہینوں کے بعد اس کی خلافت ختم ہوگئی۔



مروان ثانی بن محمد بن مروان الملقب بہ حمار

(۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۵ء تا ۷۴۹ء)

ولید کے دونوں لڑکے جنہیں مروان خلیفہ بنانا چاہتا تھا' قتل ہو چکے تھے۔ اس لیے ابراہیم کے فرار کے بعد مروان کے ہاتھوں پر بیعت ہوئی اور صفر ۱۲۷ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور ابراہیم سے درگذر سے کام لیا۔ مروان سن رسیدہ' تجربہ کار' مستقل مزاج اور بہادر خلیفہ تھا' لیکن اس وقت اموی حکومت کا نظام اتنا بگڑ چکا تھا کہ مروان اس کو نہ سنبھال سکا۔ خود اموی خاندان میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ بنی امیہ کے مرکز حکومت شام میں مختلف پارٹیاں قائم تھیں۔ ان سب سے بڑھ کر نزاری اور یمنی قبائل میں جن پر حکومت کی فوجی قوت کا دارومدار تھا' مستقل خانہ جنگی بپا ہو گئی تھی۔ گو ان قبائل کی مخالفت بہت قدیم تھی اور وقتاً فوقتاً اس کا عملی ظہور ہوتا رہتا تھا' لیکن جب تک خلفا صاحب اقتدار تھے' اس کو اتنا آگے نہ بڑھنے دیتے تھے کہ حکومت کی قوت ختم ہو جائے' لیکن آخری دور میں وہ اپنی امداد و اعانت کے لیے خود ان کے محتاج ہو گئے تھے اور ان پر ان کا قابو نہ رہ گیا تھا' بلکہ وہ اپنے اغراض کے حصول کے لیے ان کے اختلاف کو اور زیادہ بڑھاتے تھے۔ اس لیے مروان کے دور میں ان میں مستقل جنگ قائم ہو گئی۔ اس سے حکومت کی قوت بالکل کمزور پڑ گئی اور بنی امیہ کی قدیم مخالف جماعتوں کے علاوہ ان کی نئی اور خطرناک حریف عباسی تحریک کو طاقت پکڑنے کا موقع مل گیا۔ عرب قبائل قومی خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اس لیے وہ عباسی تحریک کو نہ دبا سکے اور اس نے بڑھ کر اموی حکومت کا خاتمہ کر دیا یہ تمام واقعات چند سال کے عرصہ میں ایک ساتھ پیش آئے۔ ترتیب کے خیال سے ان کو علیحدہ علیحدہ لکھا جاتا ہے۔

شام کی بغاوت اور اس کا خاتمہ

سب سے پہلے شام میں مروان کی مخالفت ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ نزاری قبائل کا حامی تھا اور شام میں ان کے حریف یمنیوں کی آبادی زیادہ تھی۔ اس لیے اس کے مختلف حصوں میں مروان کی مخالفت شروع ہوئی اور حمص' فلسطین اور تدمر کے باشندوں نے اس کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ اہل غوطہ نے دمشق پر حملہ کر دیا اور سارے شام میں خلفشار بپا ہو گیا۔ مروان بڑا بہادر اور مستقل مزاج تھا۔ وہ اس مخالفت سے نہ گھبرایا اور حمص پر فوج کشی کر کے یہاں کے باشندوں کو مطیع بنایا اور اپنے تمام مخالفین کو قتل اور دس ہزار آدمی گرفتار کیے اور حمص کی شہر پناہ توڑ دی اور ابوالورد بن کوثر کو دس ہزار فوج

دے کر اہل غوطہ کے مقابلہ کے لیے دمشق بھیجا۔ اس نے حملہ آوروں کو شکست دے کر یہاں سے ہٹایا۔ انہیں ہٹانے کے بعد ابوالورد فلسطین کے باغیوں کے مقابلہ کے لیے طبریہ پہنچا' لیکن یہاں کے باشندے خود شکست دے کر ان کو ہٹا چکے تھے۔ ابوالورد نے تعاقب کر کے دوبارہ شکست دی اور چند دنوں کے بعد ان کا سرغنہ ثابت بن نعیم گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ ❶

مروان نے حمص میں جو قیدی گرفتار کیے تھے' ان کو فوج میں بھرتی کر لیا تھا۔ یہ سب دل سے مروان کے خلاف تھے' لیکن بے بسی کی وجہ سے مجبور تھے' چنانچہ موقع ملتے ہی اس سے الگ ہو گئے اور خلیفہ ہشام کے لڑکے سلیمان سے مل کر اس کو مروان کے خلاف کھڑا کر دیا۔ اس کے میدان میں آ جانے کے بعد مروان کے تمام مخالف یمنی بھی اس کے ساتھ ہو گئے اور سلیمان ستر ہزار فوج کے ساتھ مروان کے مقابلہ کے لیے شام کی طرف بڑھا۔ مقام خساف میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ سلیمان کو شکست ہوئی۔ اسی زمانہ میں ضحاک خارجی اٹھا تھا' سلیمان کے شکست کھانے کے بعد مروان کی مخالفت میں اس سے مل گیا۔ ❷

عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کا خروج

اسی زمانہ میں ایک ہاشمی بزرگ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن معاویہ کو جو کوفہ میں مقیم تھے' مروان کی مخالفت دیکھ کر شیعیان بنی ہاشم کو میدان میں لے آئے۔ مروان کی دشمنی میں یمن اور ربیعہ کے قبائل بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ کوفہ کے والی عبداللہ بن عمر نے ان کا مقابلہ کیا۔ عین موقع پر ایک شامی سردار نے حسن تدبیر سے ربیعہ کو الگ کر لیا۔ اس لیے عبداللہ کی قوت کمزور ہو گئی۔ ❸ اہل عراق میں تنہا مقابلہ کی ہمت و قوت نہ تھی۔ اس لیے ربیعہ کے الگ ہو جانے کے بعد انہوں نے سپر ڈال دی اور عبداللہ بن عمر سے اپنی اور عبداللہ بن معاویہ کی جان بخشی کرا لی اور عبداللہ کوفہ چھوڑ کر عجم چلے گئے اور یہاں ہمدان' رے اور اصفہان وغیرہ پر قبضہ کر کے کئی سال تک مقیم رہے۔ ابومسلم نے اپنے زمانہ میں ان کو قتل کیا۔ ❹

خوارج

مروانی عہد کی بدنظمی کی وجہ سے خوارج بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ

---

❶ یہ واقعات ابن اثیر ج۔۵' ص۔۱۲۲و۱۲۳ سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔
❷ یعقوبی ج ۲' ص ۴۰۵' ابن اثیر نے اس کی بڑی لمبی تفصیل لکھی ہے۔
❸ ابن اثیر ج ۵' ص ۱۲۳۔ ❹ الفخری ص ۱۲۲۔

عبداللہ بن عمر والی کوفہ مروان کے خلاف اہل یمن کا طرفدار تھا۔ اس لیے مروان نے اسے معزول کر کے نصر بن سعید حرشی کو کوفہ کا والی بنایا۔ ابن عمر نے اس کو حکومت کا جائزہ دینے سے انکار کر دیا اور دونوں میں جنگ ہوگئی۔ ان دونوں کی آویزش کو دیکھ کر ایک خارجی سردار ضحاک بن قیس شیبانی اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ دونوں کا دشمن تھا' اس لیے اس کے مقابلہ میں نصر اور عبداللہ نے صلح کر لی اور عبداللہ نے ضحاک کا مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی' اس کا بھائی مارا گیا۔ اس کے بہت سے آدمی ساتھ چھوڑ کر واسط چلے گئے۔ ناچار عبداللہ نے بھی واسط کا راستہ لیا اور کوفہ پر ضحاک قابض ہوگیا۔ کوفہ پر قبضہ کے بعد یہاں مثنیٰ بن عمران کو چھوڑ کر عبداللہ کے تعاقب میں واسط پہنچا۔ اس مرتبہ نصر اور عبداللہ دونوں نے مل کر اس کا مقابلہ کیا۔ کئی مہینے تک فریقین میں معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ عبداللہ کے ہوا خواہوں نے مشورہ دیا کہ ضحاک سے لڑنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اصلی حریف مروان کی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے تم اس سے صلح کر لو' اگر اس نے مروان کو مغلوب کر لیا تو تمہارا مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور صلح کی وجہ سے تم خود اس کے شر سے محفوظ رہو گے اور اگر شکست کھائی تو تمہارے لیے اس سے جنگ کرنے کا موقع بدستور باقی رہے گا۔ یہ مشورہ معقول تھا۔ عبداللہ نے قبول کر لیا اور اس میں اور ضحاک میں مصالحت ہوگئی۔ [1] اس مصالحت کے بعد ضحاک مروان کے مقابلہ کے لیے بڑھا اور نصیبین میں مروان کے لڑکے عبداللہ کا محاصرہ کر لیا۔ مروان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے نصیبین کا قصد کیا' مگر اس دوران میں ضحاک عبداللہ کو چھوڑ کر مروان کے مقابلہ کے لیے خود جزان پہنچ گیا' لیکن شکست کھا کر مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد خارجیوں نے خیبری کو سردار بنا کر جنگ جاری رکھی۔ یہ بھی شکست کھا کر مقتول ہوا۔ [2] خیبری کے قتل کے بعد شیبان بن عبدالعزیز ابوالدلف یشکری نے اس کی جگہ لی۔ یہ جنگ روک کر خارجیوں کو لے کر موصل چلا گیا۔ مروان بھی اس کے تعاقب میں پہنچا اور خود شیبان کے مقابلہ میں رہا اور عمرو بن ہبیرہ والی قرقیسیا کو اس کے نائب مثنیٰ بن عمران کے مقابلہ کے لیے کوفہ بھیجا۔ اس نے مثنیٰ کو شکست دے کر کوفہ سے نکالا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد خارجیوں نے بصرہ میں اجتماع کیا۔ ابن ہبیرہ نے یہاں بھی ان کے قدم نہ جمنے دیئے اور عراق سے ان کو بالکل نکال دیا۔

عراق کو صاف کرنے کے بعد ابن ہبیرہ نے عامر بن ضبارہ کو سات ہزار فوج کے ساتھ مروان

---

[1] ابن اثیر ج۔۵' ص ۱۲۶۔

[2] یعقوبی ج۔۲' ص۔۴۰۴ و ۴۰۵ و ابن اثیر ج۔۵' ص۔۱۳۰ و ۱۳۱ یعقوبی و ابن اثیر کے بیان میں ضحاک اور خیبری کے قتل کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے۔

کی مدد کے لیے موصل بھیجا۔ شیبان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے جون بن کلاب کو اس کے روکنے کے لیے روانہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر راستہ میں عامر کو شکست دی۔ وہ شکست کھا کر سن میں قلعہ بند ہو گیا۔ مروان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً امداد بھیجی۔ عامر نے اس کی مدد سے جون کو شکست دے کر قتل کرا دیا اور مروان کی مدد کے لیے موصل روانہ ہو گیا۔ شیبان نے دو فوجوں کے درمیان اپنے کو محصور کرنا مناسب نہ سمجھا اور موصل سے چلا گیا۔ مروان نے عامر کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ جیرفت میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ شیبان کو شکست ہوئی اور وہ سیستان کی طرف نکل گیا۔ اسی زمانہ میں ایک اور خارجی سردار ابوحمزہ بلیج بن عقبہ ازدی نے حج کے موقعہ پر منیٰ میں خروج کیا۔ عبدالواحد بن سلیمان اموی والی مکہ نے اس سے لکھ کر آنے کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ ہم حج کے لیے آئے ہیں اور فریقین میں طے ہوا کہ وہ حج کے اختتام پر مکہ میں بدامنی پیدا کرنے سے گریز کریں۔ عبدالواحد میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے حج ختم ہونے کے بعد وہ مدینہ چلا گیا اور ابوحمزہ فاتحانہ مکہ میں داخل ہو گیا۔

عبدالواحد کو یقین تھا کہ ابوحمزہ مکہ کے بعد ضرور مدینہ آئے گا۔ اس لیے مدینہ آنے کے بعد اس نے عبدالعزیز بن عبداللہ کو اہل مدینہ کے ساتھ ابوحمزہ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ مدینہ سے کچھ دور چل کر اہل مدینہ کو ابوحمزہ کا یہ پیام ملا کہ ''ہم تم لوگوں سے لڑنا نہیں چاہتے' ہم کو ہمارے دشمن سے نپٹ لینے دو''۔ لیکن اہل مدینہ نے پیش قدمی جاری رکھی۔ خوارج مکہ سے چل چکے تھے۔ مقام قدید میں ان کا اور اہل مدینہ کا سامنا ہوا۔ خوارج کے مقابلہ میں یہ لوگ جنگ سے بالکل ناواقف تھے۔ اس لیے بڑی فاش شکست کھائی اور ان کے اتنے آدمی مارے گئے کہ سارا مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔ انہیں شکست دینے کے بعد ابوحمزہ مدینہ پہنچا۔ عبدالواحد میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اس نے شام کا راستہ لیا اور صفر ۱۳۰ھ میں ابوحمزہ مدینہ میں داخل ہو گیا اور یہاں چند مہینے ٹھہرنے کے بعد مروان کے مقابلہ کے لیے شام کا رخ کیا۔ مروان نے عبدالملک بن محمد کو چار ہزار فوج کے ساتھ اس کو روکنے کے لیے بھیجا۔ وادی القریٰ میں جنگ ہوئی۔ ابوحمزہ کو بڑی فاش شکست ہوئی اور خارجیوں کی بڑی تعداد کام آئی' جو بچ رہے وہ مدینہ لوٹ گئے۔ عبدالملک نے مدینہ پہنچ کر باقی خوارج کو تہہ تیغ کیا اور ابوحمزہ بھی مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد خارجیوں کی شورش ختم ہو گئی۔ [1]

مذکورہ بالا مخالف جماعتوں میں سے کوئی نئی نہ تھی۔ امویوں کا ہمیشہ ان سے سابقہ رہا' اس لیے

---

[1] یہ تمام حالات ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

صرف ان سے اموی حکومت کو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا' لیکن بنی امیہ کی بدقسمتی سے مضر' یمن اور ربیعہ کے اختلاف نے مستقل جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس سے بنوامیہ کی اصل حریف عباسی تحریک کو پھیلنے اور طاقت پکڑنے کا موقع مل گیا اور ابومسلم خراسانی نے سارے خراسان میں اس کو پھیلا دیا۔

عباسی تحریک

ہشام کے دور تک عباسی تحریک کی رفتار کے مختصر حالات اوپر گذر چکے ہیں۔ ۱۲۶ھ میں امام محمد بن علی کا انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے ابراہیم ان کے جانشین ہوئے۔ انہوں نے از سر نو اس تحریک کی تنظیم کی۔ اس کے اصول و قواعد بنائے اور ایک تجربہ کار داعی بکیر بن ماہان کو ان قواعد کے اجراء کے لیے خراسان بھیجا۔ اس نے تمام عباسی داعیوں کو جمع کر کے امام کے احکام و نصائح سنائے۔ ان سے ان کی بیعت لی اور نذرانہ عقیدت لے کر امام کی خدمت میں حمیمہ واپس آیا۔ [1] ابراہیم کے دور میں عباسی تحریک کو بڑا فروغ ہوا' تاریخوں میں اس کی بڑی لمبی تفصیل ہے۔

ابومسلم خراسانی

لیکن جس مبلغِ اعظم نے عباسی تحریک کا غلغلہ سارے خراسان میں بلند کر دیا اور ہاشمی خلافت کے تخیل کو تاریخ میں واقعہ کی شکل دی وہ ابومسلم خراسانی ہے۔ اس کے نسب اور عباسی تحریک میں اس کی شرکت کے زمانہ میں مختلف روایات ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجمی النسل اور پارسی نژاد نومسلم تھا۔ بعض اسے آزاد اور بعض اسے غلام بتاتے ہیں۔ اصفہان میں پیدا ہوا اور کوفہ میں عباسی داعیوں کے دامن میں اس کی نشوونما ہوئی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی داعی عیسیٰ بن موسیٰ سراج نے اس کی تربیت کی اور اسی کے وسیلہ سے وہ عباسی تحریک میں شامل ہوا اور بعض روایتوں میں ہے کہ عیسیٰ بن ادریس اور معقل بن ادریس کا غلام تھا۔ یہ دونوں عباسی تحریک کی تبلیغ کے جرم میں قید کر دیئے گئے تھے۔ ابومسلم جیل میں ان کی خدمت کرتا تھا۔ عیسیٰ اور معقل کے بعض خواجہ تاش ان سے خفیہ جیل میں ملنے آئے اور ابومسلم کے بشرہ پر ذہانت و ہوشمندی کے آثار دیکھ کر واپسی پر امام محمد بن علی سے اس کے اوصاف بیان کیے۔ انہیں اپنی تحریک کے لیے ایسے ہونہار آدمیوں کی ضرورت تھی۔ اس لیے انہوں نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ ابومسلم بڑا ہونہار اور دانشمند تھا۔ اس نے بہت جلد محمد بن علی کے مزاج میں رسوخ حاصل کر لیا اور ان کا معتمد علیہ اور رازدار بن گیا اور دوسرے داعیوں کے پاس ان کے خفیہ پیغام لے

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۳۵۳۔

جانے لگا۔ ایک روایت یہ ہے کہ بکیر بن ماہان نے اسے اس کے آقاؤں سے خرید کر امام ابراہیم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ بعض اور روایتیں بھی ہیں۔ [1] بہر حال اتنا بیان مشترک ہے کہ وہ پارسی نژاد اور بڑا عالی دماغ تھا اور اس کے جوہر امام ابراہیم کے زمانہ میں چمکے۔ اس نے اپنی کارگزاریوں اور حسن خدمت سے اتنا رسوخ و اعتماد حاصل کر لیا کہ ابراہیم نے ۱۲۷ھ میں اس کو رئیس الدعاۃ بنا کر خراسان بھیجا۔ [2] اور خود اپنے ہاتھ سے ''عباسی نشان'' جس کا نام ''سحاب'' رکھا تھا' بنا کر روانہ کیا۔ خراسان میں اس نے جس ہوشیاری سے عباسی تحریک کو پھیلایا اور اس سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے ان کی تفصیل بہت طویل ہے اور اس کا نقل کرنا بیکار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس نے بڑی دانشمندی اور سرگرمی سے کام کیا اور خراسان بھر میں دعاۃ بھیج کر اس کے چپہ چپہ میں عباسی دعوت پھیلا دی اور چند ہی دنوں میں اس تحریک نے اتنی طاقت پکڑ لی اور اتنے خراسانی اس میں شامل ہو گئے کہ وہ علانیہ بنی امیہ کے مقابلہ میں اٹھنے کے قابل ہو گئے۔ اس وقت ابومسلم نے اپنے پیروؤں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور اس کے انتظام کے لیے ہر مقام پر ایک ایک امیر مقرر کیا۔ [3] ابومسلم کی خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں مضر' یمن اور ربیعہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس نے ابومسلم کے لیے راستہ صاف کر دیا اور اس نے حکمت عملی سے اس خانہ جنگی کو زیادہ بھڑکا دیا اور عربوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش کر دی۔

ابومسلم عجمی نژاد تھا' عجمیوں کے دل سے ان کی حکومت کے زوال کا داغ نہ مٹا تھا اور ان کے دماغ میں ہمیشہ عربوں سے انتقام کے خیالات پرورش پاتے رہے' لیکن ان کے مقابلہ میں علانیہ اٹھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس لیے خفیہ سازشیں کیا کرتے تھے اور عربی حکومت کو نقصان پہنچانے والی جو تحریک شروع ہوتی تھی' اس میں شریک ہو جاتے تھے اور اس کے مبلغ بن جاتے تھے' چنانچہ اس قسم کی اکثر تحریکیں سرزمین عجم ہی سے اٹھیں یا کم از کم انہیں فروغ یہیں حاصل ہوا۔ خلافت کے بارے میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کے مسئلہ کو بھی سب سے زیادہ عجمیوں ہی نے بڑھایا اور اسی سرزمین میں وہ پروان چڑھا' چنانچہ اہل بیت کے شیعہ زیادہ تر عجمی تھے۔ عجمی یوں تو پوری قوم عرب کے خلاف تھے' لیکن بنی امیہ سے ان کو دوہرا عناد تھا' کیونکہ اولاً وہ عرب تھے' پھر ان کی حکومت خالص عربی تھی' جس میں عجمیوں کو بار نہ تھا۔ اس لیے وہ اس کے ساتھ بڑا عناد رکھتے تھے۔ عربوں کی خانہ جنگی سے' جب ان کے اتحاد کا شیرازہ بکھرا اور اموی حکومت کمزور پڑی' اس وقت ابومسلم اور اہل عجم کو ان سے انتقام لینے کا

---

[1] یہ تمام روایتیں ابن اثیر ج۔۵' ص۔۹۳ و ۹۴ و اخبار الطوال ص۔۳۳۹ و ۳۴۰ میں ہیں۔

[2] ابن اثیر حوالہ مذکور۔ [3] اخبار الطوال ص ۳۴۴۔

موقع مل گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی تحریک سب سے زیادہ عجم ہی میں پھیلی۔

عربوں کی خانہ جنگی

مضر' یمن اور ربیعہ کی خانہ جنگی' ابومسلم کی کارگذاریوں' عباسی تحریک کی اشاعت اور اموی حکومت کے خاتمہ کے واقعات کی ترتیب وتفصیل میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں۔ ان سب کی تفصیل طویل بھی ہے اور بیکار بھی۔ اس لیے غیر ضروری تطویل اور اختلافی روایات کو چھوڑ کر صرف مشترک اور ضروری واقعات لکھے جاتے ہیں۔ مروان سے پہلے مضر' یمن اور ربیعہ کے تعصب واختلاف کے سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے ان کا جستہ جستہ ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ مروان کے زمانہ میں اس اختلاف نے مستقل جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ مروان خود مضر کا طرفدار اور یمنیوں کے خلاف تھا۔ اس لیے اس کے عمال کی بھی یہی پالیسی تھی' چنانچہ امیر نصر بن سیار والی خراسان جو خود مضری تھا یمن کے قبائل سے بڑا تعصب رکھتا تھا' ان سے کوئی کام نہ لیتا تھا' بلکہ اس کے حریف قبیلہ ربیعہ کا بھی مخالف تھا۔ اس طرز عمل سے اس میں اور قبیلہ ربیعہ کے سردار امیر جدیع بن علی کرمانی میں مخالفت ہوگئی۔ جدیع نے ابن سیار کو اس روش سے روکنے کی کوشش کی' لیکن وہ باز نہ آیا۔ اس لیے جدیع اس کے خلاف ہو گیا اور اس کی مخالفت میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اس وقت امیر نصر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی' مگر اب وہ نہ رکا۔ کرمانی مقتدر اور بااثر امیر تھا۔ اس کی مخالفت سے خراسان میں بدنظمی پھیلنے اور عباسی تحریک کو تقویت پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے نصر نے مصلحتاً کرمانی کو قید کر دیا' لیکن اس کے آدمی اس کو جیل سے نکال لے گئے اور ربیعہ اور یمن کا قبیلہ اس کی حمایت کیلئے جمع ہو گیا۔ انہیں دیکھ کر مضری نصر کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ [1]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس وقت یہ معاملہ آگے نہ بڑھنے پایا اور دونوں میں مصالحت ہوگئی۔ [2] لیکن دونوں کے دل صاف نہ تھے۔ اس لیے صلح پائیدار نہ ثابت ہوئی اور چند دنوں کے بعد پھر جنگ شروع ہوگئی۔ [3] دینوری کا بیان ہے کہ کرمانی کے قید سے نکلنے کے بعد امیر نصر نے اس سے معذرت کی اور اسے منانے کی کوشش کی مگر اس نے بڑی سختی سے انکار کیا اور نہایت سخت اور توہین آمیز جواب دیا اور ربیعہ اور یمن کے درمیان زمانہ جاہلیت میں جو معاہدہ ہوا تھا نصر سے انتقام لینے کے لیے دوبارہ اس کی تجدید کر کے اعلان جنگ کر دیا۔ نصر کو بھی چاروناچار مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا۔ اس طرح دونوں میں جنگ کا آغاز ہو گیا۔ [4]

---

[1] ابن اثیر ج۔۵' ص۔۱۱۲' ۱۱۳ واخبار الطوال ص ۳۵۱۔
[2] ابن اثیر ج۔۵' ص ۱۱۳۔
[3] ابن اثیر ج۔۵' ص ۱۳۵ و ۱۳۶۔
[4] اخبار الطوال۔ ص ۳۵۲' ۳۵۳۔

ابو مسلم خاموشی کے ساتھ اس خانہ جنگی کا تماشا دیکھتا رہا۔ اس وقت اس کی قوت کافی بڑھ چکی تھی۔ وہ جس کے ساتھ ہو جاتا اس کا پلہ بھاری ہو جاتا۔ اس لیے کرمانی اور نصر دونوں کو اس کی ہمدردی یا غیر جانبداری کی ضرورت تھی۔ ابو مسلم نے اس کا اندازہ کر لیا تھا' چنانچہ وہ اس خانہ جنگی کو قائم رکھنے کے لیے فریقین کو الگ الگ اپنی حمایت و ہمدردی کا یقین دلاتا تھا۔ اس لیے دونوں اس کے شر سے غافل ہو گئے۔ [1] اور وہ چپکے چپکے اس آگ کو سلگاتا اور عربوں کی تباہی کی دعائیں کرتا رہا [2] ایک دور اندیش عرب سردار عقیل بن معقل نے اس صورت حال کا اندازہ کر کے ان دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کی۔ نصر آمادہ ہو گیا اور عقیل نے جا کر کرمانی سے گفتگو کی۔ اس نے یہ شرط پیش کی کہ نصر اپنے عہدہ سے الگ ہو جائے اور اس کی جگہ قبیلہ ربیعہ کا کوئی شخص امیر مقرر کیا جائے۔ یہ شرط ایسی تھی کہ اسے نصر منظور نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے عقیل کی کوشش ناکام رہی۔ [3]

ابو مسلم کی مداخلت

ابو مسلم ساری عرب قوم کا دشمن تھا' لیکن اموی حکومت میں چونکہ مضر کا عروج تھا اس لیے اس وقت اس کے اصل حریف وہی تھے۔ چند دنوں تک تو خاموشی سے وہ عربوں کی خانہ جنگی کا تماشا دیکھتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب ربیعہ اور یمن سے مل کر مضر کی قوت توڑ دینے کا وقت آ گیا ہے تو وہ علانیہ اس کے ساتھ ہو گیا۔ اس کے مل جانے سے نصر کو بڑا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس نے پھر کرمانی کے پاس کہلا بھیجا کہ ابو مسلم کی باتوں میں آ کر اس کے خطرہ سے غافل نہ ہو جاؤ' مجھ کو ڈر ہے کہ وہ تمہیں بھی دھوکا دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے اختلاف کو بھلا کر صلح کر لیں۔ نصر کا یہ پیام کرمانی کی بھی سمجھ میں آ گیا اور وہ ابو مسلم کا ساتھ چھوڑ کر ایک مختصر جماعت کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے نصر کے پاس روانہ ہو گیا۔ نصر نے موقع پا کر راستہ ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس نے یہ سمجھ کر قتل کرایا تھا کہ کرمانی کے بعد اس کی مخالفت ختم ہو جائے گی' لیکن یہ مقصد حاصل نہ ہوا اور کرمانی کا لڑکا علی اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے ابو مسلم سے مل گیا۔ [4]

دینوری کے بیان کے مطابق کرمانی کے قتل کا واقعہ بہت بعد میں پیش آیا تھا' لیکن آئندہ جو واقعات پیش آئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی زمانہ میں ہوا۔ بہر حال ابو مسلم کے ساتھ ربیعہ اور یمن کا اتحاد حکومت کے لیے بہت مہلک تھا اور نصر تنہا ان تینوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس

---

[1] ابن اثیر ج۔۵ ص ۱۳۶۔ [2] یعقوبی ج۔۲ ص ۴۰۸۔
[3] اخبار الطوال ص ۳۵۵۔ [4] ابن اثیر ج۔۵ ص ۱۳۶۔

نے مروان کو ابو مسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت کا حال دیکھ کر یہ تاریخی اشعار لکھ بھیجے:

ارى بين الرماد و ميض نار واخشى ان يكون بها ضرار
مجھے خاکستر میں چنگاریاں نظر آتی ہیں اور ڈر ہے کہ وہ بھڑک نہ اٹھیں

فان النار بالعودين يزكى و ان الحرب مبدء ها كلام
آگ دو لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے اور لڑائی کا آغاز باتوں سے ہوتا ہے

فقلت من التعجب ليت شعرى ايقاظ بنى امية ام ينام
میں نے تعجب سے کہا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ بنی امیہ جاگتے ہیں یا سو رہے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اب بنی امیہ کا نصیبہ سو چکا تھا اور ایسا سویا کہ پھر جاگنا نصیب نہ ہوا۔ یہ وقت تھا کہ مروان کی ساری قوت خوارج کے مقابلہ میں مشغول تھی۔ اس لیے وہ کوئی مدد نہ کر سکا۔ [1] چند دنوں کے بعد نصر نے دوبارہ یاد دہانی کی۔ مروان نے یزید بن ہبیرہ والی عراق کو بارہ ہزار فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ اس نے لکھا کہ اولاً بارہ ہزار فوج موجود نہیں ہے۔ دوسرے عراقیوں کے دل میں خلیفہ کی خیر خواہی نہیں بلکہ کھوٹ ہے اور وہ اعتماد کے لائق نہیں۔ [2] مسعودی کا بیان ہے کہ یزید بھی خوارج کے مقابلہ کی وجہ سے مدد نہ کر سکا۔ [3] صرف ایک یعقوبی نے لکھا ہے کہ پہلے ابن ہبیرہ نے ٹالنے کی کوشش کی، مگر پھر مروان کی مسلسل تاکید پر امدادی فوجیں بھیجیں، لیکن صحیح یہی ہے کہ نصر کو کوئی مدد نہ مل سکی۔

امام ابراہیم کی گرفتاری اور قتل

اتفاق سے اسی زمانہ میں ابو مسلم کا ایک قاصد جو ابراہیم کے پاس جا رہا تھا، پکڑا گیا اور مروان کے سامنے پیش ہوا۔ مروان نے اس کو دس ہزار روپے دیئے کہ وہ ابراہیم کے پاس جائے اور وہ ابو مسلم کے خط کا جو جواب دیں، اسے لے آئے، چنانچہ اس نے جواب لا کر مروان کے حوالہ کر دیا۔ اس میں دشمنوں کے استیصال کی بڑی تاکید کی تھی۔ [4] اور ابو مسلم کی برہمی کا اظہار تھا کہ اس نے کیوں اب تک نصر اور کرمانی کو چھوڑ رکھا ہے اور خراسان میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ چھوڑا جائے۔ [5] اس خط کو حاصل کرنے کے بعد مروان نے ابراہیم کو جو حمیمہ میں مقیم تھے، گرفتار کرا لیا اور ان سے عباسی تحریک کے متعلق استفسار کیا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، مروان نے ان کا خط پیش کر دیا اور قاصد سے

---

[1] ابن اثیر ج۔۵، ص۔۱۳۶ و مسعودی ص ۶۵۔ [2] اخبار الطوال ص ۳۶۱۔
[3] مسعودی ج۔۳، ص ۶۷۔ [4] یعقوبی ج۔۲، ص ۳۰۴۔ [5] مسعودی ج۔۳، ص ۶۹۔

شہادت دلوائی۔ اس وقت ابراہیم کوئی جواب نہ دے سکے اور مروان نے ان کو قید کر دیا۔ [1] بعض روایتوں میں ہے کہ قید کے بعد فوراً ان کا کام تمام کر دیا گیا اور بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد مارے گئے۔

امام ابوالعباس بن عبداللہ کی جانشینی اور عباسیوں کا خروج

ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ان کے دونوں بھائی ابوجعفر عبداللہ بن علی اور ابوعباس عبداللہ بن علی حمیمہ سے کوفہ چلے آئے اور ایک عباسی داعی ابومسلمہ خلال کے یہاں ٹھہرے۔ ابومسلم کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ خراسان سے کوفہ چلا آیا اور ابوالعباس کے ہاتھوں پر بیعت کر کے انہیں ابراہیم کا جانشین بنایا۔ یہ اپنے بھائی کے قتل سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ خراسان میں جو عرب ان کی دعوت قبول نہ کریں' انہیں بے دریغ قتل کر دیا جائے۔ یہ حکم لے کر ابومسلم خراسان واپس گیا اور پورے خراسان کا دورہ کر کے ایک تاریخ مقرر کر دی کہ اس تاریخ کو بیک وقت پورے خراسان کے تمام عباسی اٹھ کھڑے ہوں اور امام ابراہیم کے غم میں سیاہ لباس عباسیوں کا نشان قرار دیا' چنانچہ مقررہ تاریخ کو ہرات بوشنج' مروالروذ' طالقان' مرو' نساء' ابیورد' طوس' نیشاپور' بلخ' صغانیان' طخارستان' ختلان' کش اور نسف وغیرہ کے سیاہ پوش عباسی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے ڈنڈے تھے۔ جن کا نام ''کافر کوبات'' رکھا تھا اور ایک لاکھ سے زیادہ انسان ابومسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ یہ طوفان دیکھ کر نصر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے دیکھا کہ اگر اس وقت ربیعہ اور یمن اس کے ساتھ ہو گئے تو پھر اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ اس لیے ایک مرتبہ پھر اس نے ان کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا اور ان کو لکھ بھیجا:

ابلغ ربیعة فی مرو واخوتها ان یغضبوا قبل ان لا ینفع الغضب

ربیعہ اور ان کے ساتھی یمن کو مرو میں یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ وقت آنے سے پہلے جب کہ غصہ کوئی فائدہ نہ دے گا ان کو غصہ آئے۔

مابالکم یلحقون الحرب بینکم کان اهل الحجی عن فعلکم غیب

تم کو کیا ہو گیا ہے کہ آپس میں جنگ کرتے ہو گویا کوئی عاقل اور ذی ہوش تم میں موجود نہیں ہے۔

و تترکون عدوا قدا ظلکم ممن تاشب لا دین ولا حسب

اور اس دشمن کو تم نے چھوڑ دیا ہے جو تم پر چھا گیا ہے اور جس کا کوئی دین اور نسب نہیں ہے۔

---

[1] مروج الذہب ج۔۳' ص۔۷۰۔

لیسوا لی عرب منافنعر فهم ولا صمیم الموالی ان هم نسبوا
نہ تو وہ لوگ عرب ہیں جن کو ہم جانتے ہوں اور نہ وہ اپنی نسبت میں خالص موالی ہی ہیں۔

قوما یدینون دینا ما سمعت به عن الرسول ولا جاء ت به الکتب
ان کا دین ایسا ہے کہ نہ وہ رسول سے سنا گیا ہے اور نہ اس کو کوئی کتاب الٰہی لائی ہے۔

فمن یکن سائلی عن اصل دینهم فان دینهم ان تهلک العرب
اگر کوئی ان کے دین کی اصل حقیقت کے متعلق سوال کرے تو ان کا دین صرف یہ ہے کہ عرب برباد ہو جائیں۔

عربوں میں مصالحت اور ابومسلم کی چالاکی سے دوبارہ اختلاف

عربوں کے قتل کے بارے میں امام ابراہیم کے حکم کے بعد عباسی تحریک کی روح اور اس کی عرب دشمنی آشکارا ہو چکی تھی۔ اس نظم نے اس کی پوری تشریح کر دی۔ اس وقت بعض عاقبت اندیش عربوں کو اس کا احساس ہوا' چنانچہ ایک عرب سردار یحییٰ بن نعیم بن ہبیرہ شیبانی کی کوشش سے ابومسلم کے مقابلہ کے لیے مضر بن ربیعہ اور یمن میں ایک سال کے لیے عارضی صلح ہو گئی۔ [1]

ابومسلم نے جب دیکھا کہ اس کا بنا بنایا کھیل بگڑا جاتا ہے تو اس نے عربوں کو زیادہ موقع نہ دیا اور فوراً ان کے مقابلہ میں آ گیا۔ عرب بھی ان کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ عین میدان جنگ میں ایک عباسی داعی سلیمان بن کثیر نے جو کرمانی کے لڑکے علی کے مقابلہ میں تھا اس کو ابومسلم کی جانب سے یہ پیام دیا کہ تمہاری غیرت نے یہ کیسے گوارہ کیا کہ جس نے کل تمہارے باپ کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا' آج تم نے اس سے صلح کر لی۔ سلیمان کا یہ فسوں کارگر ہو گیا۔ علی بن کرمانی کی رگ جہالت پھڑک اٹھی اور اس نے نصر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کا ساتھ چھوڑتے ہی عربوں کا اتحاد ختم ہو گیا۔ اس طرح علی کی جہالت سے عرب کا خواب پریشان ہو گیا۔ اس اتحاد کے ٹوٹنے کے بعد پھر دونوں ابومسلم کے سہارے کے لیے محتاج ہو گئے' چنانچہ دونوں نے اس سے ملنے کی کوشش کی۔ ابومسلم کے اصل حریف مضر تھے۔ اس لیے اس نے ربیعہ اور یمن کی درخواست قبول کر لی اور مضر کا وفد ناکام واپس گیا۔ اس کامیابی کے بعد ابومسلم کو عربوں کی جانب سے پورا اطمینان ہو گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ اب آئندہ عرب ہمارے خلاف متحد نہیں ہو سکتے۔ [2]

---

[1] ابن اثیر ج۔۵' ص ۱۳۷۔ [2] ابن اثیر ج۔۴' ص ۱۴۱۔

خراسان پر ابومسلم کا قبضہ

ربیعہ اور یمن کے ابومسلم سے ملنے کے بعد نصر ان کے مقابلہ میں کمزور پڑ گیا اور ابومسلم کے لیے خراسان پر قبضہ کرنا بہت آسان ہو گیا' چنانچہ اس نے علی بن کرمانی اور شبل بن طہمان کو مرو پر فوج کشی کا حکم دے دیا۔ انہوں نے حملہ کر دیا۔ نصر کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی۔ تاہم اس کے آدمیوں نے روکنے کی کوشش کی' لیکن تین متحدہ طاقتوں کا مقابلہ ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لیے شکست کھائی۔ ابومسلم نے مرو پر قبضہ کر کے عباسی حکومت کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔

مرو پر قبضہ کے بعد ابومسلم نے نصر کو عباسی دعوت میں شامل ہونے کا پیام دیا۔ وہ اب بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ اس لیے انکار نہ کر سکا اور زبانی وعدہ کر لیا۔ ابومسلم نے دوبارہ اس کے پاس لاہظ بن قریظ کو بھیجا۔ گو یہ ابومسلم کا آدمی تھا' لیکن عرب تھا' اس لیے نصر کی بے بسی دیکھ کر اسے رحم آ گیا۔ اس نے اس کو مرو سے نکل جانے کا اشارہ کر دیا' چنانچہ رات کی تاریکی میں اس نے مرو چھوڑ دیا۔ ابومسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً نصر کے تمام معتمد علیہ اور ممتاز ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور نصر کے تعاقب میں آدمی دوڑائے' لیکن وہ نہ ملا۔ اس سے مایوس ہونے کے بعد اس نے اس کے تمام قیدی ساتھیوں کو قتل کر دیا اور لاہظ بن قریظ کو بھی نصر کے بھگانے کے جرم میں زندہ نہ چھوڑا۔ [1]

علی بن کرمانی اور اس کے بھائی عثمان کا قتل

ابومسلم خراسانی مضر' یمن اور ربیعہ تینوں کا یکساں دشمن تھا' لیکن چونکہ قبیلہ مضر اور ربیعہ و یمن میں اختلاف تھا اس لیے اس اختلاف سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہ عارضی طور سے ربیعہ اور یمن سے مل گیا تھا۔ نصر کی شکست اور مرو پر قبضہ کے بعد جب وہ ربیعہ اور یمن سے بے نیاز ہو گیا' اس وقت اس نے ان کانٹوں کو باقی رکھنا مصلحت نہ سمجھا' چنانچہ کرمانی کے دونوں بیٹوں علی اور عثمان کو قتل کرا دیا۔ [2] نصر کے فرار کے بعد چند مقامات کے علاوہ سارے خراسان پر ابومسلم کا قبضہ ہو گیا اور نصر کے اکثر ساتھی اس سے مل گئے۔ صرف ایک مختصر جماعت طوس چلی گئی۔ ابومسلم نے مفتوحہ علاقوں کا از سر نو انتظام کیا اور زنباع بن نعمان ازدی کو سمرقند کا' خالد بن ابراہیم کو طخارستان کا اور محمد بن اشعث کو طبسین کا حاکم بنایا اور قحطبہ بن شبیب کو طوس اور سوذقان بھیجا۔ قحطبہ نے طوس پہنچ کر یہاں سے نصر کے آدمیوں کو نکالا۔ اس کے بعد نصر کے لڑکے تمیم کے مقابلہ کے لیے سوذقان پہنچا اور اسے شکست دے کر قتل کیا۔ نصر اس وقت نیشاپور میں تھا'

---

[1] ابن اثیر ج۔۴' ص ۱۴۲۔ [2] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۴۳۔

اسے تمیم کے قتل کی خبر ہوئی تو وہ نیشاپور چھوڑ کر جرجان چلا گیا اور نیشاپور بھی ابو مسلم کے قبضہ میں آ گیا۔ [1] یہاں سے قحطبہ جرجان پہنچا اور بنانہ بن حنظلہ والی جرجان کو قتل کر کے جرجان پر قبضہ کر لیا۔ [2]

عراق عجم پر قبضہ

خراسان پر قبضہ کے بعد قحطبہ نے عراق عجم کا رخ کیا۔ بنی امیہ کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ اس لیے ہر جگہ اس کو کامیابی ہوئی اور رے' اصفہان' نہاوند وغیرہ پر بھی معمولی لڑائیوں کے بعد قبضہ ہو گیا اور قحطبہ عراق کے ارادہ سے حلوان پہنچا۔ [3] اور ابوعون عبدالملک کو عثمان بن سفیان کے مقابلہ کے لیے شہرزور بھیجا۔ اس نے عثمان کو شکست دے کر شہرزور پر قبضہ کر لیا۔ [4]

مروان اس انقلاب سے غافل و بے خبر نہ تھا۔ اس کے سامنے سب سے بڑا یہی مسئلہ تھا۔ اس فکر و تردد میں اس نے اپنا سارا عیش و آرام چھوڑ دیا تھا۔ [5] لیکن اس کے پایہ تخت جزیرہ میں خوارج کی شورش ایسی بپا تھی کہ اس کو ابو مسلم کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔ قحطبہ کے حلوان پہنچنے کے بعد جب یہ سیلاب مروان کے سر پر پہنچ گیا اور اس کو اس درمیان میں خوارج سے فرصت بھی مل گئی' اس وقت وہ شام اور جزیرہ کی ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر قحطبہ کے مقابلہ کے لیے بڑھا اور دریائے زاب کے ساحل پر آ کر خیمہ زن ہوا۔ [6]

دینوری کا بیان ہے کہ قحطبہ نے ابو مسلم کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے لکھا کہ ابوعون کو تیس ہزار فوج دے کر مروان کے مقابلہ کے لیے بھیج دو اور تم خود ابن ہبیرہ والی عراق کے مقابلہ میں رہو تا کہ وہ مروان کی مدد نہ کر سکے۔ اس ہدایت کے مطابق قحطبہ نے ابوعون کو مروان کے مقابلہ کے لیے بھیج دیا۔ شہرزور میں دونوں کا مقابلہ ہوا' مروان کو شکست ہوئی۔ [7] لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ پہلے قحطبہ اور ابن ہبیرہ میں جنگ ہوئی اور اس نے عراق پر قبضہ کیا۔ مروان کا مقابلہ بالکل آخری معرکہ تھا۔

عراق پر قبضہ

عراق کی جانب قحطبہ کا رخ دیکھ کر ابن ہبیرہ والی عراق پہلے سے اس کے مقابلہ کے لیے تیار

---

[1] ابن اثیر ج ۵۔ ص ۱۴۴ و اخبار الطوال ص ۳۶۲۔ [2] ابن اثیر ج ۵' ص ۱۵۰۔
[3] اخبار الطوال ص ۳۶۳' اور ابن اثیر نے ان فتوحات کی تفصیل بہت طویل لکھی ہے۔
[4] ابن اثیر ج ۵' ص ۱۵۰۔ [5] مروج الذہب مسعودی ج ۳' ص ۶۵۔
[6] ابن اثیر ج ۵' ص ۱۵۰۔ [7] اخبار الطوال ص ۳۶۳۔

ہو چکا تھا اور اس کے حلوان کے قیام کے زمانہ میں وہ ابن حوثرہ باہلی کے ساتھ' جسے مروان نے اس کی مدد کے لیے بھیجا تھا' قحطبہ کے مقابلے کے لیے نکل چکا تھا۔ قحطبہ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بھی کوفہ کی طرف چلا گیا۔ ابن ہبیرہ نے امیر حوثرہ اور محمد بن بنانہ کو اسے روکنے کے لیے آگے روانہ کر دیا۔ جباریہ کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا۔ حوثرہ اور ابن بنانہ کو شکست ہوئی اور وہ دونوں ابن ہبیرہ کے پاس لوٹ گئے۔ ان کی شکست سے ابن ہبیرہ کی ہمت ایسی چھوٹی کہ وہ راستہ ہی سے لوٹ گیا۔ [1] یعقوبی کا بیان ہے کہ خود ابن ہبیرہ اور قحطبہ میں جنگ ہوئی تھی۔ [2] یہ عجیب واقعہ ہے کہ شکست دینے کے بعد خود قحطبہ لاپتہ ہو گیا۔ اس کی گمشدگی کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ وہ جنگ کے ہنگامہ میں نامعلوم طریقہ سے دریا میں ڈوب گیا اور بعد میں اس کی لاش ملی۔

مروان کو قحطبہ کے ڈوبنے اور ابن ہبیرہ کی پسپائی کی اطلاع ہوئی تو اس کی زبان سے نکلا کہ ''یہ ادبار کی آخری حد ہے کہ زندہ مردہ کے مقابلہ میں پسپا ہو گیا'' [3]

امیر خالد بن عبداللہ قسری یمنی کالڑکا جو اپنے والد کے قتل کی وجہ سے مضر اور بنی امیہ کا دشمن تھا' کوفہ میں مقیم تھا۔ ابن ہبیرہ کی شکست اور عراق میں بنی امیہ کی قوت کمزور دیکھ کر عباسی داعی بن گیا اور کوفہ سے اموی حاکم زیاد بن صالح کو نکال کر حسن بن قحطبہ سے اس کی حکومت کا پروانہ حاصل کر لیا۔ [4]

ابوالعباس عبداللہ بن علی کی بیعت

امام ابراہیم کے قتل کے بعد ان کے دونوں بھائی ابوالعباس عبداللہ بن علی اور ابوجعفر عبداللہ بن علی کوفہ چلے آئے تھے۔ اس وقت سے وہ عباسی داعی ابوسلمہ خلال کے ہاں مقیم تھے۔ کوفہ پر محمد بن خالد کے قبضہ کے بعد عباسی دعاۃ نے ربیع الاول ۱۳۲ھ میں ابوالعباس عبداللہ بن علی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے ان کو خلیفہ بنا دیا اور انہوں نے بحیثیت خلیفہ کے جامع کوفہ میں پہلا خطبہ دیا۔ [5]

مروان کی شکست اور اس کا قتل

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے مروان اس وقت دریائے زاب کے کنارے ایک لاکھ بیس ہزار فوج لیے ہوئے پڑا تھا۔ بیعت کے بعد ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو اس کے مقابلہ کے لیے

---

[1] ابن اثیر ج۔۵' ص ۱۵۰ و ۱۵۱۔ [2] یعقوبی ج۔۲' ص ۴۱۱۔ [3] یعقوبی ج۔۲' ص ۴۱۲۔

[4] کوفہ پر محمد بن خالد کے قبضہ کی تفصیلات میں مختلف روایتیں ہیں۔ ہم نے ان سب کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ دینوری نے اس کو مروان کی شکست کے بعد لکھا ہے' لیکن اور مؤرخین بالاتفاق کوفہ کے قبضہ کو مروان کے مقابلہ سے پہلے لکھتے ہیں۔

[5] معارف ابن قتیبہ ص۔۱۶۲ و یعقوبی ج ۲' ص ۴۱۳' ابن اثیر نے پورا خطبہ نقل کیا ہے۔

بھیجا۔ جمادی الثانی ۱۳۲ھ میں دریائے زاب کے ساحل پر معرکہ آرائی ہوئی۔ مروان کے پاس فوج' ہمت اور بہادری کسی چیز کی کمی نہ تھی اور اس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن ایک طرف عباسیوں کے بڑھتے ہوئے اور فاتحانہ ولولے تھے' دوسری طرف ایک زوال پذیر حکومت کا مخالف طاقتوں میں گھرا ہوا اور تھکا ہوا فرمانروا تھا' اس لیے اس کو بڑی فاش شکست ہوئی اور دریائے زاب کے کنارے بنی امیہ کی قسمت کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہوگیا۔ اموی فوج اس بدحواسی اور بے ترتیبی سے پیچھے ہٹی کہ اس کا بڑا حصہ دریا میں ڈوب گیا۔ تنہا اموی خاندان کے تین سو آدمی غرق ہوئے۔ [1]

اس شکست نے مروان کی قوت بالکل توڑ دی اور وہ موصل لوٹ گیا۔ عبداللہ بن علی بھی تعاقب میں پہنچا۔ اس لیے مروان موصل میں نہ ٹھہر سکا اور حران ہوتا ہوا شام چلا گیا۔ عبداللہ نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور موصل اور حران پر قبضہ کرتا ہوا شام پہنچا۔ ایسے نازک وقت میں اہل شام نے بھی مروان سے بے وفائی کی اور اسے شکستہ حال دیکھ کر اہل حمص نے لوٹنے کی کوشش کی۔ اس لیے اسے شام کو بھی خیرباد کہنا پڑا اور وہ حمص' دمشق اور فلسطین ہوتا ہوا مصر کی طرف نکل گیا۔ شام پہنچنے کے بعد عبداللہ بن علی نے حمص اور فلسطین پر آسانی کے ساتھ قبضہ کرلیا۔ دمشق میں معاویہ بن ولید نے مزاحمت کی' لیکن عبداللہ نے محاصرہ کر کے اسے بھی فتح کرلیا اور یہاں سے مروان کے تعاقب میں مصر کا رخ کیا۔ پھر کچھ دور جا کر اپنے بھائی صالح اور ابوعون کو مروان کے تعاقب میں بھیج کر خود لوٹ آیا۔ مصر کے حدود میں داخل ہونے کے بعد مروان مقام بوصیر ٹھہرا تھا کہ ابوعون اور صالح پہنچ گئے۔ مروان نے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ ان کا آخری مقابلہ کیا اور شکست کھا کر گر گیا۔ [2]

دینوری کا بیان ہے کہ اس جنگ میں نہیں مارا گیا' بلکہ نیل کو عبور کر کے مغرب کی جانب نکل جانا چاہا۔ ایک مقام پر دم لینے کے لیے رکا تھا کہ ابوعون کا ایک آدمی پہنچ گیا۔ مروان پر سفر کی تھکان سے غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ اس لیے اس آدمی نے حملہ کر کے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں اموی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا۔ [3] قتل کے وقت مروان کی عمر ۶۲ سال تھی۔ مدت خلافت پانچ سال دس مہینے' مروان کا پورا زمانہ شورش وانقلاب اور جنگ وجدال میں گزرا۔ اس لیے اس دور میں بنی امیہ کے زوال اور خاتمہ کی روداد کے علاوہ اور کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔

---

[1] یعقوبی ج۔۲ ص۔۴۱۵ و ۴۱۶' مروج الذہب ج۔۳ ص ۱۷۔

[2] یہ واقعات مسعودی' یعقوبی اور ابن اثیر کے بیان کا خلاصہ ہیں۔

[3] اخبار الطوال ص۔۳۶۴ و ۳۶۵۔

بنی عباس کا انتقام اور بنی امیہ کا قتل عام

مروان کے قتل اور اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی بنی عباس کے جذبہ انتقام کو تسکین نہ ہوئی اور انہوں نے عوام کے دلوں پر اپنا رعب اور دبدبہ بٹھانے کے لیے نہایت بے دردی سے اموی خاندان کا نام ونشان مٹایا۔ جو اموی جنگ میں مارے گئے' ان کے علاوہ نوے زندہ گرفتار ہوئے تھے۔ ایک دن یہ سب عبداللہ بن علی کے ساتھ کھانے کے لیے دسترخوان پر آئے تھے کہ ایک شخص شبل بن عبداللہ نے بنی امیہ پر اشتعال دلانے والے چند اشعار پڑھ دیئے۔ عبداللہ نے اسی وقت کل امویوں کو ڈنڈوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور ان کی نیم بسمل لاشوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا۔ اس کے نیچے سے جانکنی کی سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ زندوں کے بعد مردوں کی باری آئی اور اموی خلفا کی قبریں کھدوا کر ان کی خاک برباد کی۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش سالم نکلی' اس کو سولی پر لٹکا کر جلا دیا۔ [1] غرض اموی خاندان میں صغیر السن بچوں' عورتوں یا ان لوگوں کے علاوہ جو اندلس بھاگ گئے یا روپوش تھے' کوئی زندہ نہ بچا۔ اسی میں ایک عبدالرحمٰن الداخل تھا' جس نے اندلس پہنچ کر وہاں اموی حکومت قائم کی۔

اموی حکومت کے زوال کے اسباب

اموی حکومت کا زوال اس کے قیام کے تقریباً ایک صدی بعد ہوا' لیکن اس کے عناصر اس کی تعمیر ہی کے وقت سے اس میں مضمر تھے اور بعد کے خلفا کی سیاست اور ان کے عمال کی بے عنوانیوں نے اس میں اور اضافہ کیا۔

① اس کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ اسلامی خلافت کے بجائے موروثی اور شخصی بادشاہت تھی۔ اس لیے اس میں رفتہ رفتہ شخصی حکومت کی تمام برائیاں پیدا ہوتی گئیں گو اس حکومت کے بانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے' لیکن وہ صحابی تھے اور رسالت کا مقدس دور دیکھے ہوئے تھے۔ اس لیے شخصی حکومت کے قیام کی بدعت کے باوجود انہوں نے اور دوسری حیثیتوں سے اس کو جادۂ شریعت پر قائم رکھنے کی کوشش کی' لیکن ان کے جانشین اس روش کو قائم نہ رکھ سکے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ہی اموی حکومت اسلامی روح سے خالی ہوگئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں اس کی اصلاح وتجدید کی' لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانا غیر شرعی اور استبدادی نظام جاری ہوگیا۔ مسلمان

---

[1] ابن اثیر ج ۵' ص ۱۶۱۔

اس نظام کے عادی نہ تھے۔ ان کے سامنے صرف خلافت راشدہ کا نمونہ تھا۔ اس سے اموی حکومت' خواص امت کے دلوں میں جگہ نہ پیدا کر سکی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ اسلام کے اساطین وعمائد خصوصاً بنی ہاشم اور اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جوان کے حریف مقابل تھے' راضی رکھنے کی کوشش کی اور اپنے حسن سلوک' تحمل اور رواداری سے ان کو خوش یا کم از کم خاموش رکھا اور کوئی ایسی غلطی نہ ہونے پائی' جس سے عام مسلمانوں میں برہمی پیدا ہوتی۔ اس لیے ان سے اختلاف کے باوجود عام مسلمانوں میں ان کے خلاف کوئی انقلابی تحریک نہیں پیدا ہوئی' لیکن ان کے جانشین ان کی سیاست کو نہ نباہ سکے اور ان کے لڑکے یزید ہی کے زمانہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حرمین کی بے حرمتی جیسے اہم واقعات پیش آ گئے جس کا اثر عام مسلمانوں پر نہایت برا پڑا اور یہ سلسلہ یزید پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ اس کے بعد بھی ناپسندیدہ واقعات پیش آتے رہے۔

شیعہ اور خارجی پہلے سے بنی امیہ کے خلاف تھے۔ گو ان کا مسلک جداگانہ تھا' لیکن بنی امیہ کی مخالفت دونوں میں مشترک تھی۔ یہ دونوں جماعتیں ہر زمانہ میں ان کے خلاف اٹھتی رہیں اور عراق میں انہوں نے کبھی مستقل امن قائم نہ ہونے دیا۔ پھر بعد کے زمانہ میں جس قدر بے عنوانیاں بڑھتی گئیں' بنی امیہ کی مخالفت کا جذبہ ترقی کرتا گیا اور شیعہ اور خوارج کے علاوہ اور مخالف جماعتیں بھی پیدا ہو گئیں۔

اموی عمال کے جبر واستبداد کی بنا پر بہت سے خواص امت بھی حکومت کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ان کی مخالفت کی اور بنی امیہ کی مخالف تحریکوں میں حصہ لیا' چنانچہ ابن اشعث کی بغاوت میں سو علما وحفاظ نے بنی امیہ کے خلاف ابن اشعث کا ساتھ دیا۔

ان مخالف جماعتوں میں شیعیان علی سے خاص طور سے ان کو نقصان پہنچا۔ یہ بنی امیہ کے پرانے دشمن تھے۔ ان کی بے عنوانیوں خصوصاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت نے شیعوں کے لیے مخالفت کا سامان فراہم کر دیا اور انہوں نے بنی امیہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ واقعہ شہادت سے چونکہ مسلمان بھی متاثر تھے' اس لیے شیعوں کو بڑی کامیابی ہوئی اور عام مسلمانوں میں بھی بنی امیہ کے خلاف جذبات پیدا ہو گئے۔ عجمیوں کی عرب دشمنی کی بنا پر سرزمین عجم میں خاص طور سے شیعی تحریک کو زیادہ فروغ حاصل ہوا' جس نے بعد میں عباسی دعوت کی شکل اختیار کر لی۔ اموی عمال نے ان مخالف تحریکوں کو سیاست اور حسن تدبیر کے بجائے جبر وقوت سے دبانا چاہا' جب تک ان میں قوت رہی' اس وقت تک انہوں نے ان کو طاقت نہ پکڑنے دی' لیکن جب خود ان کی قوت کمزور پڑ گئی'

اس وقت یہ آگ دفعۃً بھڑک اٹھی۔

② دوسرا سبب ولی عہدی کا نظام تھا' خصوصاً ایک وقت میں یکے بعد دیگرے ایک سے زیادہ ولی عہدوں کی نامزدگی نے بڑی خرابی پیدا کی' کیونکہ عموماً پہلا ولی عہد تخت نشینی کے بعد اپنے بعد کے ولی عہد کو جو بیشتر اس کا بھائی یا اور کوئی قریبی عزیز ہوتا تھا' محروم کر کے اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اس سے ایک طرف خود خاندان میں پھوٹ پڑتی تھی اور دوسری طرف عمالان سلطنت میں جماعت بندی ہو جاتی تھی' کیونکہ انہیں بہر حال اس تجویز کی مخالفت یا حمایت کرنا پڑتی تھی۔ اس لیے بعد میں ہونے والا خلیفہ اپنے مخالف امرا سے انتقام لیتا تھا۔ اس سے ان میں بددلی پیدا ہوتی تھی اور اموی حکومت ان کی ہمدردی اور حمایت سے محروم ہو جاتی تھی۔ اس بری رسم کا آغاز سب سے پہلے مروان نے کیا۔ معاویہ بن یزید کی دستبرداری کے بعد اس کا وارث اور جانشین اس کا بھائی خالد تھا' لیکن اس کی کم سنی کی وجہ سے انتخاب خلیفہ کے بارے میں ارکان سلطنت میں اختلاف تھا۔ اس لیے اس شرط پر مروان کو خلیفہ بنایا گیا تھا کہ اس کے بعد علی الترتیب خالد اور عمرو بن سعید خلیفہ ہوں گے' لیکن تخت نشینی کے بعد مروان اس معاہدہ پر قائم نہ رہا اور دونوں کو ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے لڑکوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو ولی عہد بنا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مروان کے بعد عمرو بن سعید نے عبدالملک کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور عبدالملک نے اسے قتل کرا دیا۔ باپ کا نمونہ دیکھ کر عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی۔ اتفاق سے عبدالعزیز کا انتقال عبدالملک کی زندگی ہی میں ہو گیا' اس لیے ولید اور سلیمان کے لیے خود راستہ صاف ہو گیا۔ پھر ولید نے سلیمان کے ساتھ یہی معاملہ کیا اور اس کی بجائے اپنے لڑکے عبدالعزیز کو ولی عہد بنانا چاہا۔ ارکین سلطنت میں حجاج اور قتیبہ بن مسلم وغیرہ نے اس کی تائید کی' لیکن ولید کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولید کے بعد جب سلیمان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے مخالف امرا سے انتقام لینا شروع کیا۔ حجاج ولید کی زندگی میں مر گیا تھا' اس لیے سلیمان نے اس کے خاندان سے انتقام لیا' چنانچہ محمد بن قاسم فاتح سندھ اسی انتقام کا شکار ہوا۔ قتیبہ بن مسلم فاتح چین کے قتل میں گو خود اس کی غلطی کو بھی دخل تھا' لیکن اس کی یہ غلطی بھی سلیمان ہی کے انتقام کا نتیجہ تھی جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

③ تیسرا سبب ان امرا اور ارکین سلطنت کی ناقدردانی اور ان کے ساتھ خلفا کی بدسلوکی تھی' جن کی قوت کے بل پر اموی حکومت قائم تھی۔ موسیٰ بن نصیر جیسا اولوالعزم فاتح سلیمان کے عتاب کا شکار

ہوا۔ یزید بن عبدالملک نے آل مہلب کا' جن کی اموی حکومت میں بڑی خدمات تھیں' خاتمہ کیا۔ اس کے کچھ اسباب بھی رہے ہوں' لیکن اس سے امرا میں بددلی پھیلتی تھی اور ان میں حکومت کے ساتھ وفاداری اور جاں نثاری کا جذبہ باقی نہ رہتا تھا۔

④ چوتھا اور سب سے آخری سبب جس نے اموی حکومت کا خاتمہ کیا' عدنانی اور قحطانی یا مضری اور یمنی قبائل کا باہمی تعصب اور ان کی خانہ جنگی تھی۔ یہ دونوں زمانہ جاہلیت کے پرانے حریف تھے۔ اسلام نے ان کو متحد کر دیا' پھر جس قدر اسلامی روح کمزور پڑتی گئی' یہ تعصب ابھرتا گیا۔ تاہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو حسن تدبیر سے دبائے رکھا۔ ان کے بعد بھی جب تک خلفا صاحب اقتدار رہے' اسے حد سے آگے نہ بڑھنے دیا' لیکن آخری زمانہ میں ایسے حالات پیش آئے کہ خود خلفا نے اس کو اپنے اغراض کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ اس لیے یہ تعصب برابر بڑھتا گیا۔

بنی امیہ کی حکومت کا دارومدار زیادہ تر یمنی قبائل پر تھا۔ اس لیے ابتدائی دور میں ان کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ ان میں ایک مہلب بن ابی صفرہ والی خراسان کا گھرانا تھا۔ یہ بڑا نامور قحطانی سردار اور بڑے دبدبے اور شکوہ کا امیر تھا۔ خوارج اور ترکوں کے مقابلہ میں اس کے بڑے کارنامے تھے۔ اس کے لڑکے بھی بڑے نامور تھے۔ اس لیے اس خاندان کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ یہ گھرانا تدبر و شجاعت کے ساتھ علم دوست اور شرفا نواز بھی تھا اور اس کا آستانہ ادبا اور شعرا کا مرجع بن گیا تھا۔

سوئے اتفاق سے یزید بن مہلب اور یزید بن عبدالملک کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ ابن مہلب نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے عراق اور خراسان پر قبضہ کر لیا' لیکن آخر میں اس کو شکست ہوئی اور یزید نے پورے گھرانے کو نہایت بے دردی کے ساتھ مٹا دیا۔ گو یہ واقعہ قبائلی تعصب کا نتیجہ نہ تھا' لیکن چونکہ اموی خلفا مضری تھے اور آل مہلب یمنی' اس لیے وہ قدرۃً قبائلی سوال بن گیا اور دونوں کی عصبیت ابھر آئی۔ اس وقت یزید نے بہ تقاضائے سیاست یمن کے اقتدار کو گھٹانے کے لیے اپنے بھائی مسلمہ کو اور اس کے بعد عمرو بن ہبیرہ کو خراسان کا والی بنایا' لیکن یزید کے بعد ہشام نے یہ پالیسی بدل دی اور پھر یمن کو بڑھانا شروع کیا' چنانچہ اس نے یمنی سردار امیر خالد بن عبداللہ قسری کو عراق اور اس کے بھائی اسد کو خراسان کا حاکم بنایا اور یمن کا زائل شدہ اقتدار پھر عود کر آیا۔ اس وقت انہوں نے مضر سے بدلہ لینا شروع کیا۔ لیکن پھر ہشام ہی کے زمانہ میں ایسے حالات پیش آ گئے کہ یہ صورت قائم نہ رہ سکی۔ ۱۲۰ھ میں اسد بن عبداللہ قسری والی خراسان کا انتقال ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خراسان میں عباسی تحریک پھیل رہی تھی۔ امیر نصر بن سیار

مضری بڑا مدبر اور تجربہ کار امیر تھا۔ اس لیے ہشام نے عباسی تحریک کے استیصال کے لیے اسے خراسان کا والی بنایا۔ سوئے اتفاق سے اسی سال اسد کا بھائی امیر خالد بن عبداللہ بھی شاہی محاصل کے بے جا سرف کے جرم میں عراق کی ولایت سے محروم کر دیا گیا' اور اس کی جگہ بھی ایک مضری سردار امیر یوسف بن عمر ثقفی کا تقرر ہوا۔ اس لیے پھر خراسان سے یمنی اثر واقتدار کا خاتمہ ہو گیا' لیکن ہشام نے یمن کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔

ہشام کے بعد ولید نے جو یمن سے تعصب رکھتا تھا اس کی علانیہ تحقیر وتذلیل اور مضر کی حمایت شروع کر دی۔ اسی زمانہ میں امیر نصر بن سیار اور امیر جدیع کرمانی کے درمیان اختلافات پیش آ گئے اور یمن ومضر کا تعصب نہایت شدت سے ابھر آیا اور دونوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس خانہ جنگی کے جو نتائج نکلے اور جس طرح ابو مسلم نے اس سے فائدہ اٹھا کر اموی حکومت کا خاتمہ کیا اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

اموی دور کی علمی حالت

بنی امیہ کے سیاسی کارناموں کے تفصیلی' تمدن کے اجمالی اور علم وفن کے جستہ جستہ حالات اوپر گذر چکے ہیں۔ اموی دور کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ علم وفن سے خالی تھا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ کتاب کے آخر میں اس دور کی علمی حالت پر اجمالی تبصرہ کر دیا جائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی اصلی علمی تاریخ عباسی عہد سے شروع ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں علوم کی کتابی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم کی جانب توجہ کی' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اموی عہد علم وفن سے محض بیگانہ تھا۔ درحقیقت دینی علوم کی بنیاد اس سے بھی پہلے عہد رسالت ہی میں پڑ گئی تھی اور اس کی حامل جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اسی زمانہ میں اور اس کے بعد خلافت راشدہ میں رہی۔ اس کے بعد اموی دور میں یہ امانت ان سے تابعین اور تبع تابعین میں منتقل ہوئی جنہوں نے اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیا اور اس کی تدوین کی' چنانچہ بڑے بڑے ائمہ تابعین اسی دور میں تھے۔ البتہ غیر قوموں کے علوم کی جانب عباسی دور میں توجہ ہوئی۔ اس کے مختلف اسباب تھے۔

سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں میں اسلام کی اصلی روح باقی تھی ان کے سارے افکار وتصورات کا مرکز دین رہا اور انہوں نے غیر دینی امور کی جانب توجہ نہیں کی۔ دوسرے حامل علم قوموں سے اختلاط' ان کے علوم وفنون سے واقفیت اور ان کے خیالات وافکار سے اثر پذیری کا موقع انہیں ایک عرصہ تک نہ مل سکا' اگرچہ ایرانیوں اور رومیوں سے خلافت راشدہ ہی میں ان کا سابقہ

شروع ہو گیا تھا' لیکن اولاً اس زمانہ میں ان کی توجہ تمام تر دین اور سیاست کی جانب تھی۔ دوسرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی اور بنی امیہ کو عربوں کی خصوصیات کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ اس لیے انہوں نے ان کو غیر قوموں سے خلط ملط نہ ہونے دیا۔ اس لیے ان کو ان کے علوم سے واقفیت کا بھی موقع نہ مل سکا۔

تیسرے بنی امیہ نے مفتوح اقوام کو حکومت سے بھی علیحدہ کر رکھا تھا۔ اس لیے مسلمان ان کے اثرات سے محفوظ رہے' بلکہ عبدالملک نے عربی کو سرکاری زبان بنا کر خود غیر قوموں کو اس کے سیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس لیے اس زمانہ میں وہ عربوں سے زیادہ متاثر ہوئیں۔ ان کے مقابلہ میں عباسی دور میں یہ ساری قیدیں ٹوٹ گئیں اور عباسی خلافت چونکہ عجمیوں کے بل پر قائم ہوئی تھی' اس لیے وہ ابتدا سے اس میں دخیل ہو گئے اور جتنا زمانہ گزرتا گیا ان کا غلبہ و اقتدار بڑھتا گیا۔ ان کے اقتدار کے ساتھ ان کا تمدن بھی مسلمانوں میں پھیل گیا اور ان کے علوم و فنون کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع ملا' لیکن جہاں تک دینی علوم کا تعلق ہے اس کا آغاز خلافت راشدہ ہی سے ہو گیا تھا اور اموی دور میں اس میں برگ و بار پیدا ہونے لگے' چنانچہ اکثر بڑے بڑے ائمہ تابعین اسی دور میں تھے اور ساری دنیائے اسلام میں ان کے حلقہ ہائے درس قائم ہو گئے تھے اور دینی علوم کی ابتدائی تدوین بھی اسی زمانہ میں شروع ہو گئی تھی۔

عہد جاہلیت کے علوم

اس کی تفصیل سے پہلے زمانہ جاہلیت سے لے کر خلفائے راشدین کے زمانہ تک کی علمی حالت کا اجمالی نقشہ سمجھ لینا چاہیے تاکہ اموی دور کی علمی ترقی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

شاعری

گو عرب مجموعی حیثیت سے علم و فن سے بیگانہ تھے' لیکن بعض فطری اور بعض کسبی علوم سے وہ واقفیت رکھتے تھے۔ شاعری اور خطابت کا ان میں فطری ملکہ تھا۔ انساب و اخبار عرب کے عالم اور طب' نجوم اور بعض دوسرے فنون میں درک رکھتے تھے' لیکن ان کا اصل فن شاعری تھا۔ اس میں دنیا کی کوئی قوم ان کی ہمسری نہیں کر سکتی تھی اور وہ اپنی زبان آوری کے مقابلہ میں ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اور اپنے کو عرب یعنی فصیح اللسان اور دوسری قوموں کو عجم یعنی ژولیدہ بیان کہتے تھے۔ شاعر اپنے قبیلہ کے لیے سرمایہ فخر و ناز ہوتا تھا۔ جس قبیلہ میں کوئی بڑا شاعر پیدا ہو جاتا تھا' اس کا نام ہمیشہ کے لیے بلند ہو

جاتا تھا۔ شاعری کے بڑے بڑے دنگل ہوتے تھے' جس میں زبان آور اپنی تیغ زبان کے جوہر دکھاتے تھے۔ ان کا کوئی اجتماع شعر وسخن کے ذکر سے خالی نہ ہوتا تھا۔ شاعری ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ عرب کی اصل شاعری جاہلیت ہی کے دور کی تھی اور وہی زمانہ میں شعر وسخن کا معیار مانی گئی۔ اس دور کی شاعری تصنع' تکلف اور آورد سے پاک فطری اور سادگی کے باوجود نہایت پر جوش تھی۔ جاہلیت کا کلام فطرت کی صحیح تصویر ہوتا تھا۔ زبان خالص اور بے آمیز تھی' لیکن ان محاسن کے ساتھ کسی ضابطہ اخلاق کی پابند نہ تھی۔ بڑے بڑے شعرا اپنی بے حیائی کی داستانیں فخریہ بیان کرتے تھے اور عفیفہ عورتوں سے تعشق کو مزے لے کر علانیہ سناتے تھے۔ جاہلی شعرا کی تعداد بے شمار ہے۔ ان میں سے بعض فحول شعرا کے نام یہ ہیں:

امراء القیس' زہیر بن ابی سلمیٰ' نابغہ ذبیانی' اعشیٰ' لبید بن ربیعہ' عمرو بن کلثوم' حارث بن حلزہ' طرفہ بن العبد' عنترہ عبسی' مہلہل بن ربیعہ' امیہ ابن ابی الصلت' قس بن ساعدہ اور عورتوں میں خنساء' خرنق' لیلیٰ اور اجلیلہ۔

خطابت

شاعری کی طرح فصاحت و بلاغت اور زبان آوری بھی عربوں میں فطری تھی اور وہ اپنے بچوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ [1] ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں بہت سے مشہور خطیبوں کے نام اور ان کے نمونے نقل کیے ہیں: بعض نام یہ ہیں۔ قس بن صاعدہ سحبان بن وائل' درید بن زید' زبیر بن خباب' مرثد الخیل' حارث بن کعب مذحجی' قیس بن زہیر عبسی' ذی الاصبح عدوانی' اکثم بن صیفی اور عمرو بن کلثوم وغیرہ۔

انساب

عربوں کو نسب کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ حتیٰ کہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھتے تھے۔ اس لیے نسابی یعنی نسب دانی مستقل فن کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہر قبیلہ میں نساب ہوتے تھے' جو مختلف قبائل اور ان کی شاخوں کے نسب کے عالم ہوتے تھے اور نسب کی تحقیق میں ان کی جانب رجوع کیا جاتا تھا۔ بعض مشہور نسابوں کے نام یہ ہیں: دغفل السدوسی' ابو ضمضم عمیرہ' ابن لسان' زید بن الکیس' نمار بن الاوس' صعصعہ بن صوحان' عبداللہ بن الجر وغیرہ۔ [2] نسابی کا فن اسلام کے بعد بھی قائم رہا اور اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے بڑے نساب شمار

---

[1] کتاب البیان والتبیین جلد اول' ص ۵۸۔ ۹۸۔ [2] بلوغ الادب ج ۳' ص ۱۹۶۔

کیے جاتے تھے۔

تاریخ یا اخبار عرب

گو عربوں میں موجودہ اصطلاحی فن تاریخ نہ تھا' لیکن وہ عرب کی قدیم تاریخی داستانوں کو حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے اور ان کو مجمعوں میں سناتے تھے' مثلاً ایام عرب' ذی نواس کی حکومت' حبشہ پر یمن کے تسلط' مکہ پر اصحاب فیل کی چڑھائی' ذی یزن حمیری کی جنگ' یمن میں ایرانیوں کے حالات' عمرو بن لحی کا واقعہ' جرہم کا قصہ' زمزم کے پٹنے اور قصی تک کعبہ تولیت کی تاریخ' حلف فضول' زمزم کی صفائی' حرب فجار' کعبہ کی دوسری تعمیر اور عرب کی قدیم اقوام اور حکومتوں کے حالات وغیرہ' ان کے حافظ اخباری کہلاتے تھے' چنانچہ موجودہ تاریخوں کے بہت سے قبل از اسلام کے حالات ان کے بیانات سے ماخوذ ہیں۔

طب

طب ایسا ضروری فن ہے کہ جس سے کوئی قوم بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ اس لیے یہ فن عربوں میں قدیم زمانہ سے تھا اور اس کو انہوں نے مختلف قوموں سے سیکھا تھا اور اپنے تجربات بھی اس میں اضافہ کیے تھے اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق ان میں دو طرح کے اطبا اور طریقہ علاج رائج تھے۔ ایک عطائی طبیب جو ٹونے ٹوٹکے اور جھاڑ پھونک سے' دوسرے فن طب کے واقف کار' جو جڑی بوٹیوں وغیرہ سے علاج کرتے تھے۔ زخموں اور درد کا علاج داغ کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ "آخر علاج الکی" مشہور عربی مقولہ ہے۔ عربی لغات میں دواؤں اور مختلف انسانی اعضاء کے نام اور ان کے خواص کا ذکر طب سے عربوں کی قدیم واقفیت کا ثبوت ہیں۔ عرب میں ہر زمانہ میں اطبا موجود تھے' قدیم طبیبوں میں ابن حزیم اور اسلام سے کچھ پہلے نضر بن حارث بن کلدہ عرب کے مشہور طبیب تھے۔ حارث نے جند لیسابور کی مشہور طبی درسگاہ میں جو اسلام کے بعد بھی موجود تھی' تعلیم حاصل کی تھی۔ جراحی میں ابن ابی رویہ نے شہرت حاصل کی تھی۔ عربوں کی بڑی دولت مویشی تھے' اس لیے وہ علاج الحیوان سے بھی واقف تھے اور اس کا مستقل فن تھا جو بیطاری کہلاتا تھا۔ بیطار اونٹ اور گھوڑے وغیرہ کی بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ جاہلیت کے بیطاروں میں عاص بن وائل مشہور بیطار تھا۔

نجوم

فن نجوم میں بھی ان کو درک تھا۔ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق تو عرب کواکب اور ان کے طلوع وغروب سے سب قوموں سے زیادہ واقف تھے۔ [1] لیکن یہ بیان مبالغہ آمیز ہے' مگر اس میں

[1] البیرونی ص ۲۳۸۔

شبہ نہیں کہ اس فن میں ان کو پورا درک تھا۔ قزوینی کا بیان ہے کہ وہ سیاروں' برجوں اور بہت سے ثوابت کا علم اور نجوم سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ [1] اس کا ثبوت یہ ہے کہ قدیم عربی میں تمام کواکب کے نام موجود ہیں اور برجوں کے نام بھی عربی ہیں۔ اس کو انہوں نے کلدانیوں سے سیکھا تھا' لیکن بعض مسائل نجوم میں وہ دوسری قوموں سے مختلف اپنی مستقل رائے رکھتے تھے۔ مثلاً ہندوستانیوں کے نزدیک ماہتاب کے دورے کی ۲۷ منزلیں ہیں اور عربوں کے نزدیک اٹھائیس تھیں۔ ان کا سال قمری ہوتا تھا' لیکن کبیسہ کے ذریعہ شمسی بنانے کا طریقہ بھی رائج تھا' جس کی اسلام نے ممانعت کر دی۔ ان کے علاوہ ہواؤں کی خصوصیات' موسموں کے تغیر اور پچھتروں سے بھی واقفیت رکھتے تھے اور ان کو کواکب کی تاثیر کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ [2]

قیافہ شناسی

عربوں کو اس میں خاص ملکہ تھا۔ وہ نشان قدم سے عورت' مرد اور جوان اور بوڑھے کی تمیز کرتے تھے اور بشرہ اور اعضاء کی مشابہت سے ابوت و بنوت کا تعلق بتا دیتے تھے۔ اسی طریقہ سے کھر کے نشان سے حیوانات کا پتہ چلاتے تھے۔ قیافہ شناسی ان میں بہت رائج تھی اور قائف کی بات کا بڑا اعتبار کیا جاتا تھا۔

مختلف فنون

چونکہ وہ عموماً بے آب و گیاہ بیابانوں اور ریگستانوں میں زندگی بسر کرتے تھے اور پانی کی ان کو ہمیشہ تلاش و جستجو رہتی تھی اس لیے آبی زمین کے پتہ چلانے کا ان میں ملکہ پیدا ہو گیا تھا اور زمین کی مٹی اور نباتات کی خوشبو سے پنیالی زمین کا پتہ چلاتے تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا اور تجارت کے سلسلہ میں دور دراز ممالک کا سفر کرتے تھے۔ اس لیے ان کو بحری سفر کے لوازم اور ملاحی سے بھی واقفیت ہو گئی تھی۔ ان کے علاوہ اور جو علوم مثلاً کہانت وغیرہ رائج تھے' ان کی حیثیت خرافات سے زیادہ نہ تھی' لیکن رسمی علوم سے وہ تقریباً بیگانہ اور معمولی نوشت و خواند سے بھی ناآشنا تھے۔ چنانچہ قریش میں جو سب سے زیادہ معزز اور محترم قبیلہ تھا۔ ظہور اسلام کے وقت کل سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ [3]

عہد رسالت

مگر ظہور اسلام کے بعد یہ حالت بدل گئی۔ اسلام علم و عمل کا مجموعہ ہے اور دین کے علم کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے قرآن مجید میں بہ تکرار اس کی تحصیل کی ترغیب دلائی گئی ہے اور

---

[1] قزوینی بر حاشیہ وسیری ج۔ ۱' ص ۱۵۰۔ [2] آثار الباقیہ بیرونی ص ۳۳۹۔ [3] فتوح البلدان بلاذری۔

حدیثوں میں تو اس کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے ظہور اسلام کے بعد ہی تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات میں گو علم کا مرجع آپ ﷺ ہی کی ذات تھی، لیکن آپ ﷺ کی زندگی بلکہ اسلام کے ابتدائی دور میں آپ ﷺ کے فیض یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعلیم کی خدمت انجام دینے لگے تھے، چنانچہ ہجرت سے قبل آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کو اہل مدینہ کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا۔ [1] اور مدینہ آنے کے بعد تو تعلیم کا پورا نظام قائم ہو گیا تھا۔ اصحاب صفہ کی مستقل درسگاہ تھی جس میں دین کی تعلیم ہوتی تھی اور کبھی آنحضرت ﷺ بھی اس میں شرکت فرماتے تھے۔ [2] باہر کے نومسلم اشخاص اور قبائل مدینہ آ کر تعلیم حاصل کرتے تھے اور ضروری تعلیم کے بعد اپنے وطن لوٹ جاتے تھے۔ [3] حدیث و سیر کی کتابوں میں وفود کے ذکر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ بیرونی اشخاص و قبائل کی درخواست پر ان کی تعلیم کے لیے مدینہ سے بھی معلمین بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بیرونی وفد کی درخواست پر آپ ﷺ نے ستر قراء یعنی معلمین قرآن روانہ فرمائے تھے، جنہیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا تھا۔ [4] ہر جگہ کے صاحب علم عمال کے متعلق یہاں کے باشندوں کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ کتابت اور تحریر کو بھی ترقی ہوئی۔ کتابت وحی، صلح اور جنگ کے معاہدوں، دعوت اسلام کے خطوط اور دوسرے معاملات و احکام کی کتابت کے لیے تحریر ناگزیر تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے دینی تعلیم کے ساتھ اس کی جانب بھی توجہ فرمائی، چنانچہ جنگ بدر کے ان قیدیوں کا فدیہ جو اس کو نقد ادا نہ کر سکتے تھے اور لکھنا جانتے تھے یہ مقرر فرمایا کہ وہ دس دس مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں [5] یہودیوں سے اکثر معاملات رہتے تھے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان سے خط و کتابت کے لیے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے چند دنوں میں اتنی مہارت پیدا کر لی کہ بے تکلف عبرانی میں خط و کتابت کرنے لگے۔ [6] وہ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبان بھی جانتے تھے۔ [7] غرض مذہبی و ملکی ضرورت، آنحضرت ﷺ کے حکم اور ذاتی ذوق و شوق کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چند دنوں میں معمولی نوشت و خواند کے بقدر تعلیم حاصل کر لی، چنانچہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ سے جو حدیثیں سنتے تھے، ان کو قلم بند کرتے تھے۔ ان میں جو تحریر میں زیادہ مہارت رکھتے تھے، وہ وحی، مراسلات و مکاتبات نبوی ﷺ اور معاہدے وغیرہ لکھنے

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج۔۴، ص۲۹۱۔ [2] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی التعلم۔

[3] بخاری باب رحمۃ البہائم وتفسیر ابن جریر ج۔۱۱، ص۱۵۰۔ [4] مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید۔

[5] ابن سعد ج۔۲ ق۔ اول، ص۔۴ و مسند احمد بن حنبل ج۔۱، ص۲۴۷۔

[6] بخاری۔ [7] کتاب التنبیہ والاشراف ص۲۸۳۔

کی خدمت انجام دیتے تھے۔ غرض عہد نبوی ﷺ میں اشاعت تعلیم کے بکثرت واقعات ہیں' جن کی تفصیل مقصود نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ عہد جاہلیت کے ان فنون کو جو اسلام کے منافی نہ تھے' قائم رکھا اور جو اس کے منافی تھے' ان کی ممانعت کر دی اور جن کی اصلاح ممکن تھی ان کی اصلاح کی' چنانچہ نجوم اور کہانت وغیرہ ممنوع قرار پائے۔ شاعری کے مخرب اخلاق حصے فخاری' ہجو نگاری اور فحاشی کی ممانعت کر دی گئی' لیکن اخلاقی اور حکیمانہ شاعری کو برقرار رکھا گیا' بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی گئی' چنانچہ زمانہ جاہلیت کے مشہور حکیم شاعر امیہ بن ابی الصلت کے کلام کی آنحضرت ﷺ نے تحسین فرمائی ہے۔ خود صحابہ رضی اللہ عنہم میں متعدد بزرگ شاعر تھے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تو دربار نبوی کے شاعر ہونے کا فخر حاصل تھا' جو آپ ﷺ کی جانب سے کفار کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔ ((اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ)) کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو ان کے مشہور مدحیہ قصیدہ کے صلہ میں ردائے مبارک عطا فرمائی۔

خلافت راشدہ

خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان فنون اور تعلیم کا دائرہ اور وسیع ہوا۔ خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما شعر و سخن کے بڑے نقاد تھے اور اس میں بڑا بلند پایہ رکھتے تھے۔ دونوں کی جانب کچھ اشعار بھی منسوب ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب تو پورا دیوان منسوب ہے' جو چھپ بھی گیا ہے' گو یہ انتساب صحیح نہیں ہے' لیکن آپ کا ذوق شعری مسلم ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو تلقین کرتے کہ وہ اپنے بچوں کو اچھے اشعار یاد کرائیں۔ [1]

اس دور میں کلام مجید کے بعض الفاظ کی تحقیق کے لیے بھی کلام عرب کی جانب توجہ کی گئی۔ کلام مجید عربی میں ہے اور سب سے مستند عرب جاہلی کا کلام ہے۔ اس لیے مفسر قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کو جن الفاظ کے معنی میں شبہ ہوتا تھا' اس کی تحقیق عرب جاہلی کے کلام سے کرتے تھے۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب کلام اللہ میں کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو اس کو اشعار عرب میں تلاش کرو۔ [2] اس لیے شاعری کا مذاق اس عہد میں بھی قائم رہا' البتہ اس کے مفاسد کی اصلاح ہو گئی۔ عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تبلیغ اسلام' اجتماعی معاملات اور جنگ و صلح کے سلسلہ میں خطابت کو بہت ترقی ہوئی اور اس کا درجہ شاعری سے بڑھ گیا۔ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ' خلفائے راشدین اور دوسرے بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے

[1] کتاب البیان والتبیین جاحظ ج۔۱ ص ۲۱۳۔ [2] کتاب العمدۃ ج۔۱ ص ۱۱۔

خطبات موجود ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب تو ایک پورا مجموعہ ''نہج البلاغہ'' منسوب ہے' اکثر خطبے الحاقی ہیں' لیکن بعض صحیح بھی ہیں۔ ان سے اس دور کی خطابت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ مذہبی علوم میں تفسیر' حدیث اور فقہ کو بڑی ترقی ہوئی اور سیر و مغازی کی بنیاد پڑی۔ ان علوم کی اصلی حامل جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اسی دور میں تھی۔ کلام مجید جیسا کہ خود اس کا بیان ہے ایک نہایت صاف اور واضح کتاب ہے۔ جس کے مطالب میں کوئی پیچیدگی و ابہام نہیں ہے۔ پھر بھی اس میں بعض آیات متشابہات ہیں۔ بعض الفاظ کے پرانے مفہوموں کو اسلام نے بدل دیا تھا۔ بعض اشارات تصریح طلب ہیں' جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار پر بیان فرمایا۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری طرح مستفیض اور اسلامی روح کے عارف تھے' اپنی دینی بصیرت سے بعض آیات کی تشریح کرتے تھے۔ یہ تمام تفسیریں حدیثوں کی طرح نقل ہوئیں جنہوں نے آگے چل کر فن تفسیر کی حیثیت اختیار کر لی۔ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم تفسیر میں خاص درک رکھتے تھے۔ ان میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ زیادہ ممتاز تھے' بیشتر تفسیری روایات انہی سے مروی ہیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تبلیغ و امر و نہی اور مختلف معاملات و مسائل کے سلسلہ میں ہزاروں باتیں ارشاد فرمائیں' یا سوالات کے جوابات دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قانون کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم انہیں بڑی احتیاط سے محفوظ رکھتے تھے اور بعض انہیں قلمبند بھی کرتے تھے جس سے فن حدیث پیدا ہوا' پھر حدیث کی صحت کی جانچ کے سلسلہ میں متعدد فنون پیدا ہوئے۔ فقہ یعنی کلام مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نئے اور غیر منصوص مسائل کے استنباط کا فن بھی خلفائے راشدین کے دور میں پیدا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نئی پیش آمدہ صورتوں اور مسائل کے بارے میں یا وحی نازل ہوتی تھی یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دینی بصیرت سے ان کا فیصلہ فرماتے تھے۔ اس لیے اس زمانہ میں فقہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کے دو سرچشمے تھے' کلام مجید اور احادیث نبوی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم انہی سے نئے مسائل کا استنباط کرتے تھے اور آخری درجہ میں عقل سے کام لیتے تھے جس کی فقہی اصطلاح قیاس ہے۔ فقہ میں صحابۂ کرام میں حضرت علی' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم خاص امتیاز رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حکومت اسلام اور ملکی نظام کی وسعت کے ساتھ بکثرت نئے مسائل پیش آئے' جن میں آپ نے کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں اپنے اجتہاد اور فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے فیصلہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کی تعداد

کئی ہزار ہے' جن میں ایک ہزار مسائل نہایت اہم ہیں اور ان کی تقلید بڑے بڑے مجتہدین اور ائمہ نے کی ہے۔ ❶

فقہ و اجتہاد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاص ملکہ تھا اور آپ نے اپنے تفقہ و اجتہاد سے آئندہ آنے والوں کے لیے فقہ کی راہ کھول دی۔ فقہ کے تمام بڑے بڑے سلسلوں کا مرجع آپ ہی کی ذات تھی۔ فقہائے صحابہ میں حضرت زید بن ثابت' ابوموسیٰ اشعری' ابودرداء انصاری' معاذ بن جبل' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم' جو فقہ کے اساطین ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے فیض یافتہ خصوصاً آخر الذکر تینوں بزرگ تو تمام تر آپ کے ساختہ و پرداختہ تھے۔ سب سے اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے مسائل کی تفریع و استنباط یعنی اصول فقہ کی بنیاد ڈالی جس سے آئندہ چل کر مستقل فن پیدا ہوا۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کون سے اقوال و افعال منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے اور کون سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اول الذکر میں تو کسی چون و چرا کی گنجائش نہیں' لیکن آخر الذکر میں حالات اور مصالح کے اقتضا کے مطابق رائے و قیاس و اجتہاد کا حق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دینی علوم کی اشاعت و تعلیم کا بھی بڑا وسیع نظام قائم کیا تھا۔ تمام ممالک محروسہ میں قرآن مجید کا درس جاری کیا اور ان کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر کیے۔ ❷ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن کی تعلیم کے لیے مختلف ملکوں میں بھیجا۔ حضرت معاذ بن جبل' ابودرداء انصاری اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کو شام کے مختلف شہروں میں روانہ کیا۔ ❸ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے حلقہ درس کے طالب علموں کی تعداد سولہ سو تک پہنچ جاتی تھی' اس لیے انہوں نے اس کو دس دس طالب علموں کی جماعت میں تقسیم کر دیا تھا اور خود ان کی نگرانی کرتے تھے۔ ❹ سورۂ بقرہ' نساء' مائدہ' حج اور نور کا' جن میں احکام ہیں' ہر مسلمان کے لیے سیکھنا ضروری قرار دیا۔ ❺ بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم جبری قرار دی اور ایک شخص ابوسفیان کو چند آدمیوں کے ساتھ مقرر کیا کہ وہ قبائل میں دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ بھی یاد نہ ہو اس کو سزا دیں۔ ❻ قرآن مجید کے طلبہ کے وظائف مقرر کیے۔ ❼

قرآن مجید کی صحیح قرأت اور اعراب کی غلطیوں سے بچنے کے لیے ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی اور عام حکم جاری کر دیا کہ جو شخص لغت کا عالم نہ ہو وہ قرآن نہ پڑھائے۔ ❽ مختلف

---

❶ ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۸۴۔ ❷ تفصیل کے لیے دیکھو اسد الغابہ تذکرہ عبادہ بن صامت۔ ❶ سیرۃ العمرین ابن جوزی۔ ❸ طبقات القراء ذہبی۔ ❹ کنز العمال ج۔۱ ص ۲۲۴۔ ❺ اصابہ تذکرہ اوس بن خالد۔ ❻ کنز العمال ج۔۱ ص ۲۱۷۔ ❼ کنز العمال ج۔۱ ص ۲۲۸۔

اسباب کی بنا پر حدیثوں کی بھی تلاش و تحقیق اور اس کی اشاعت ہوئی۔ آپ کے زمانہ میں بکثرت نئے مسائل پیش آئے۔ جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تھا جس کے بارے میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ معلوم ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے تھے کہ ان کو اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کا علم ہے؟ اس طریقہ سے سینکڑوں حدیثوں کا پتہ چلتا۔ آپ خود احکام و مسائل سے متعلق احادیث نبوی اضلاع کے حکام کے پاس لکھ کر بھیجتے تھے۔ اس سے حدیثوں کی اشاعت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے علمائے صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً عبداللہ بن مسعود، معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل، عمران بن حصین، عبادہ بن صامت، ابودرداء اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کو مختلف شہروں اور ملکوں میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ [1] لیکن اسی کے ساتھ احادیث کی صحت کی تحقیق اور روایات کی اشاعت کے انسداد کی تدبیریں بھی کیں، جس کے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نئے حالات و مسائل کی وجہ سے فقہ میں بڑی ترقی ہوئی۔ انہوں نے اس کی تعلیم کا بھی انتظام کیا، چنانچہ مختلف ملکوں میں فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فقہ کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ کوفہ میں دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت بھیجی جس میں سے ایک عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ تھے۔ [2] بصرہ میں بھی ایک جماعت بھیجی جس میں ایک عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تھے۔ [3] عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کو شام بھیجا۔ [4] ان کے علاوہ عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابودرداء انصاری رضی اللہ عنہم جن کو تعلیم قرآن کے لیے شام بھیجا تھا۔ فقہ کی تعلیم بھی ان کے متعلق تھی۔ حبان بن ابی جبلہ کو مصر میں اس خدمت پر مامور کیا۔ [5] فقہ کی اشاعت کی اور مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

فرائض یعنی میت کے ترکہ کی تقسیم مستقل فن ہے۔ حضرت زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اس کے بڑے عالم تھے اور غیر منصوص مسائل میراث میں زیادہ تر انہی دونوں بزرگوں کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ میراث کی تقسیم کے لیے ریاضی کی واقفیت ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریاضی دان رومی کے ذریعہ اس فن کے اصولوں کو مرتب کرایا۔ [6]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نحو کا فن ایجاد ہوا۔ عربی عربوں کی مادری زبان تھی۔ وہ اس کو بغیر قواعد کے صحیح پڑھ لیتے تھے، لیکن جب عجمی قومیں مسلمان ہوئیں تو وہ غلطی کرتی تھیں، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایت سے ان کے ایک شاگرد ابوالاسود دوئلی نے نحو کے چند ابتدائی قاعدے

---

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۸۶۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مغفل۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج۔ ۱ ص ۴۴۔ [5] حسن المحاضرۃ ج۔ ۱ ص ۸۱۔ [6] معجم البلدان۔

بنائے جس نے آگے چل کر فن نحو کی صورت اختیار کر لی۔ [1]

علم الانساب جو عربوں کا پرانا علم تھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے بہت بڑے عالم اور اپنے زمانہ کے مشہور نساب تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں وظائف کے تقرر کے سلسلہ میں قبائل عرب کا نقشہ مرتب کرایا' جس سے گویا اس کی تحریری تدوین کا آغاز ہوا۔

اموی دور کی علمی ترقی

اموی دور میں ان علوم میں زیادہ وسعت و ترقی ہوئی۔ علمائے تابعین جنہوں نے دینی علوم کو پھیلایا اسی عہد میں تھے۔ ان کے مستقل حلقہ درس قائم تھے جن سے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے۔ اسی دور میں دینی علوم کی تدوین کا آغاز ہوا۔ بعض نئے علوم پیدا ہوئے اور غیر قوموں کے بعض علوم سے بھی مسلمان روشناس ہوئے۔

شاعری

خلفائے راشدین کے زمانہ میں گو شاعری کا مذاق قائم رہا تھا' لیکن اخلاقی پابندی کی وجہ سے اس کا پرانا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور کلام مجید کے اعجاز کے سامنے بھی اس کا زور گھٹ گیا تھا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں خلفائے راشدین کے عہد کی قید و بند ختم ہو گئی اور خود اموی خلفا سخن سنج اور شاعری کے قدردان تھے۔ ان کی قدردانی کی وجہ سے شاعری کا بازار پھر گرم ہو گیا اور اس میں کمیت اور کیفیت دونوں حیثیتوں سے ترقی ہوئی اور بڑے بڑے شعرا پیدا ہوئے' چنانچہ اخطل' جریر' فرزدق' اعشیٰ' نابغہ' کمیت وغیرہ فحول شعرا جنہوں نے اسلامی دور کی شاعری کو چمکایا' سب اسی زمانہ میں تھے۔

شاعری کی ترقی میں اس زمانہ کے سیاسی حالات سے بھی مدد ملی۔ اموی عہد میں قبائل سیاسی اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے علوی' شیعی' عثمانی' خارجی مختلف مذہبی و سیاسی جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں' جو باہم حریف تھیں۔ عرب میں پروپیگنڈہ کا بڑا ذریعہ شاعری تھا۔ شعرا کی تیغ زبان کی کاٹ شمشیر آبدار سے کم نہ تھی۔ اس لیے اس زمانہ میں جماعتی شعرا کی بڑی تعداد پیدا ہو گئی تھی۔ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ' یزید بن ربیعہ المعروف بہ ابن مقرغ' ایمن بن حزیم وغیرہ علویوں کے حامی تھے۔ مسکین دارمی' عبداللہ بن خارجہ المعروف بہ اعشیٰ اموی تھے اور طرماح بن عدی' حکیم عبدی' عمران بن حطان' عبداللہ بن حجاج ذیبانی خارجیوں اور آل زبیر کے حمایتی تھے۔ ان کے علاوہ ان شعرا کی بھی بڑی تعداد ہے جو کسی پارٹی سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ مثلاً جمیل بن معمر۔ عمران بن ابی ربیعہ' عبد بن قیس

---

[1] الفہرست ص ۶۲۔

الرقیات' کثیر عزہ' ابن عبادہ' احوص' ذی الرمہ' سعید دارمی' عبید بن حصین' عبداللہ بن خارجہ اور لیلیٰ الاخیلیہ وغیرہ۔

کیفیت کے اعتبار سے بھی شاعری کا رنگ بہت نکھرا۔ بنی امیہ کو عربوں کی خصوصیات کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ اس لیے انہوں نے عربوں کو دوسری قوموں میں ضم نہیں ہونے دیا اور عربی زبان آمیزش سے محفوظ رہی' لیکن اس کے تمدنی اثرات سے وہ نہ بچ سکے۔ اس لیے عربی شاعری بھی اس سے متاثر ہوئی اور عراق وشام کے تمدن اور ان کے باغات وسبزہ زاروں نے عربی شاعری کا رنگ بدل دیا اور اس میں عربوں کے سادہ بدویانہ جذبات اور بے آب وگیاہ صحرا کے خشک اور محدود مضامین کے بجائے بڑا تنوع اور رنگینی پیدا ہوگئی اور اس دور کی شاعری خیالات کی لطافت ورنگینی کے لحاظ سے عرب جاہلی کی شاعری سے بہت بڑھ گئی۔ قصائد' تغزل اور تشبیب میں اس کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔

خطابت

اس دور کی جماعت بندی سے خطابت کو بھی ترقی ہوئی۔ اس سے زیادہ تر سیاسی معرکوں اور لڑائیوں میں کام لیا جاتا تھا' چنانچہ اس دور میں متعدد نامور خطیب پیدا ہوئے۔ حجاج بن یوسف ثقفی اور طارق بن زیاد فاتح اندلس اس دور کے بڑے ممتاز خطیب تھے۔ حجاج کا وہ خطبہ جو حکومت پر تقرر کے وقت دیا تھا اور طارق کا اندلس کی فوج کشی کا خطبہ عربی زبان کے بہترین خطبوں میں ہیں۔

کتابت وانشاء

اموی حکومت کا دفتری کاروبار بہت وسیع ہوگیا تھا اور عبدالملک نے عربی کو سرکاری زبان قرار دیا اس لیے غیر قوموں کے لیے بھی اس کا سیکھنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس لیے ان کے اسلوب انشاء کی آمیزش بھی عربی میں ہوئی۔ ان اسباب کی بنا پر عربی انشاء میں بڑی ترقی ہوئی۔ اس زمانہ میں حکومت سے لے کر امرا تک کاتب (میر منشی) رکھتے تھے۔ ان کے لیے انشاء میں مہارت ضروری تھی' بلکہ انشاء ہی ان کا سب سے بڑا وصف وکمال تھا۔ اس لیے اس زمانہ میں انشاء نے مستقل فن کی حیثیت حاصل کرلی اور متعدد نامور کاتب پیدا ہوئے۔ ان میں عبدالملک کے کاتب سالم اور عبدالحمید کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ عبدالحمید کے کمال فن پر یہ مقولہ شاہد ہے کہ ''کتابت عبدالحمید سے شروع ہوئی' اور ابن العمید (عباسی دور کا ایک نامور کاتب) پر اس کا خاتمہ ہوا۔''

تفسیر

تفسیر قرآن کی ابتدا نزول قرآن کے ساتھ ہوگئی تھی۔ پھر اس میں برابر وسعت ہوتی گئی اور اموی دور میں اس کے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے' جن کے ذریعہ بڑا تفسیری ذخیرہ جمع ہوگیا۔ اس دور کے مفسرین میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید عکرمہ' قتادہ بن دعامہ سدوسی' مجاہد بن جبیر' سعید بن جبیر اور حسن بصری زیادہ نامور تھے۔ تفسیری روایات کا دارومدار زیادہ تر انہی بزرگوں کی روایات پر ہے۔ ان میں سے مجاہد' حسن بصری' سعید بن جبیر' امام باقر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک رفیق ابوحمزہ نے تفسیریں بھی لکھی تھیں۔ [1] آج یہ تفسیریں ناپید ہیں۔ اس لیے ان کی تفسیری حیثیت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا' لیکن قیاس یہ ہے کہ یہ آج کل کی تفسیروں کی طرح پورے قرآن کی مرتب تفسیریں نہ رہی ہوں گی' بلکہ ان میں متفرق آیات کی تفسیری روایتیں یکجا کر دی گئی ہوں گی۔

قرأت

کلام مجید کی قرأت بھی ایک علم ہے۔ ہر زبان کی طرح کلام مجید کے بعض لفظوں کا تلفظ مختلف طریقوں سے کیا جاتا تھا۔ جس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ بعض الفاظ ایک ہی قبیلہ میں دو طرح بولے جاتے یا مختلف قبیلوں میں ان کا تلفظ جدا تھا۔ جیسے مالک یا ملک' یا اسکیت اور اسکیت یا مستہزؤن و مستہزیون ان قرأتوں کے واقف کار قراء کہلاتے تھے۔ قرآن مجید کے مشہور قرائے سبعہ یعنی سات قاری بنی امیہ ہی کے دور میں تھے۔

حدیث

سب سے زیادہ ترقی حدیث میں ہوئی۔ اس زمانہ میں اس کا عام ذوق پیدا ہوگیا تھا۔ دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں درس حدیث کے حلقے قائم تھے۔ شائقین ایک ایک حدیث کے سماع کے لیے دور دراز کا سفر کرتے اور ہر خرمن سے خوشہ چینی کرتے تھے۔ اس کا سب سے بڑا مرکز مدینہ تھا۔ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ احادیث کی تلاش میں مدینہ کی گلی گلی کا چکر لگاتے تھے اور یہاں کے مردوں' عورتوں اور بوڑھوں اور جوانوں ہر فرد سے استفادہ کرتے تھے۔ [2] ابوقلابہ حرمی ایک ایک حدیث کے سننے کے لیے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے۔ [3] مکحول نے حدیث کی تلاش میں ساری دنیائے اسلام کی خاک چھانی تھی۔ تابعین میں بکثرت ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے

---

[1] ابن ندیم ص ۸۰۔ [2] تہذیب الاسماء نووی ج ۱' ص ۹۱۔ [3] مسند دارمی ص ۷۴۔

محدثین سے استفادہ کیا تھا۔ جس کی تفصیل طبقات و رجال کی کتابوں میں موجود ہے۔ احتیاط یہ تھی کہ پوری تحقیق اور چھان بین کے بغیر حدیث قبول نہ کرتے تھے۔ عامر بن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تھا کہ حدیث اسی سے حاصل کرنا چاہئے' جو عقل و دانش اور دین و تقویٰ دونوں کا جامع ہو۔ دونوں میں سے ایک وصف رکھنے والا علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ ❶ محمد بن سیرین فرماتے تھے کہ علم حدیث دین ہے۔ اس لیے اس کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب پرکھ لینا چاہیے جس سے حاصل کرنا ہے۔ ❷ ابوالعالیہ ریاحی رحمۃ اللہ علیہ جب تک اصل راوی سے تصدیق نہ کرتے تھے اس وقت تک اعتماد نہ کرتے تھے' چنانچہ جو حدیثیں وہ بصرہ میں سنتے تھے' مدینہ جا کر خود راوی اول کی زبان سے اس کی تصدیق کرتے تھے۔ ❸ اس حزم و احتیاط اور تلاش و جستجو سے ان بزرگوں نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا اور اس کو پچھلوں تک پہنچایا' اگر ان کی کوششیں نہ ہوتیں تو حدیث نبوی کا بڑا ذخیرہ برباد ہو جاتا۔ یوں تو ہر تابعی اپنے علم و استعداد کے بقدر علم حدیث میں دخل رکھتا تھا' لیکن اس میں سعید بن جبیر' سعید بن مسیب' سالم بن عبداللہ بن عمر' طاؤس بن کسان' امام شعبی' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' عطا بن ابی رباح' عکرمہ' نافع' مولیٰ ابن عمر' علقمہ ابن قیس' قتادہ بن دعامہ' سدوسی' مجاہد بن جبیر' محمد بن سیرین' محمد بن مسلم' زہری' محمد بن منکدر' مکحول شامی بڑے محدث تھے۔ ان کی روایات پر کتب احادیث کا مدار ہے۔ ان بزرگوں نے جس احتیاط سے احادیث کو حاصل کیا۔ اسی احتیاط سے دوسروں تک پہنچایا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ ایک زمانہ میں اشاعت حدیث کے خیال سے بے تکلف روایت کرتے تھے' لیکن پھر زمانہ کا رنگ دیکھ کر کہنا پڑا کہ گذشتہ صلحا کثرت روایت کو برا سمجھتے تھے' جو حقیقت مجھ پر بعد میں کھلی' اگر پہلے منکشف ہوئی ہوتی تو میں صرف متفقہ حدیثیں بیان کرتا۔ ❹ عبداللہ بن عدی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرنے سے اس قدر گھبراتے تھے کہ اس کے خوف سے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ ❺ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نسبت نہ کرتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا' کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے' جواب دیا کیوں نہیں' لیکن عمر' عبداللہ' علقمہ اور اسود رضی اللہ عنہم سے روایت کرنا میرے لیے زیادہ آسان ہے۔ ❻ مسعر بن کدام جو بڑے پایہ کے محدث تھے۔ روایت حدیث کی ذمہ داری سے گھبرا کر کہا کرتے تھے۔ ''کاش حدیثیں میرے سر پر شیشہ کا بار ہوتیں کہ گر کر چور ہو جاتیں' یعنی حافظہ سے محو ہو جاتیں۔ ❼ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ آخری زمانہ میں روایت کرنے میں اتنے محتاط ہو گئے تھے کہ ایک شخص نے آپ سے سنت کی

---

❶ تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص ۷۳۔ ❷ ابن سعد ج۔۷ ق۔۱ ص ۱۱۴۔ ❸ ابن سعد ج۔۷ ق۔۱ ص ۸۳۔
❹ تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص ۷۲۔ ❺ ابن سعد ج۔۷ ق۔۲ ص ۲۵۔ ❻ ابن سعد ج۔۶ ص ۱۹۰۔
❼ تذکرہ الحفاظ ج ص ۷۰۔

تعلیم کی خواہش کی تو آپ نے جواب دیا کہ تم چاہتے ہو کہ میری پیٹھ روندی جائے۔ [1] لیکن اگر اس احتیاط کی بنا پر روایت اور تعلیم حدیث کا دروازہ بالکل بند کر دیا جاتا' تو احادیث نبوی ﷺ جن پر دین کا مدار ہے اور جن کی تبلیغ کا حکم ہے' ضائع ہو جاتیں۔ اس لیے تابعین نے پوری حزم و احتیاط کے ساتھ ان کی حفاظت و اشاعت کا بھی انتظام کیا۔ درس و تعلیم کے ذریعہ اس کو پھیلایا۔ بعضوں نے درس و روایت کے ساتھ انہیں قلمبند بھی کیا اور اس کے مجموعے مرتب کیے' جن کا ذکر جا بجا حدیث و رجال کی کتابوں میں ملتا ہے۔ بعض جامعین حدیث کے نام یہ ہیں۔ خالد بن معدان' ان کے پاس حدیثوں کا ایک صحیفہ تھا۔ [2] عطاء بن ابی رباح نے تمام مسموعہ حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ [3] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے عبدالرحمٰن کے پاس ان کی احادیث کا صحیفہ تھا۔ [4] سلیمان بن قیس یشکری نے حضرت جابر صحابی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ نقل کیا تھا۔ [5] سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے پاس حدیثوں کا ایک مجموعہ تھا۔ [6] وہب بن منبہ کے پاس حدیث کی بیاضیں تھیں۔ [7] خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا۔ [8] ان کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے حدیثوں کے مجموعے مرتب کیے تھے' جن کا ذکر رجال کی کتابوں میں ہے۔

حدیث کی تدوین اور اشاعت میں سب سے بڑا کارنامہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ نے علما سے حدیثوں کے مجموعے مرتب کرائے اور ان کی نقلیں تمام ممالک محروسہ میں شائع کیں۔ [9] اس طرح اس زمانہ میں حدیثوں کی تدوین کا آغاز ہوا۔ گو یہ تمام مجموعے دنیا سے ناپید ہو گئے' لیکن اس حیثیت سے ان کا افادہ باقی رہا کہ ان کی احادیث بعد کے مجموعوں میں شامل ہو گئیں۔ حدیث کے حلقہ ہائے درس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

فقہ

اس زمانہ میں بیشتر ایک ہی ذات مختلف علوم کی جامع ہوتی تھی۔ مثلاً اکثر فضلائے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین بہ یک وقت مفسر بھی تھے' محدث بھی اور فقیہ بھی۔ یہی انداز تابعین کے زمانہ میں تھا۔ اس لیے عموماً جو بزرگ محدث تھے اور جنہوں نے حدیث کی خدمت انجام دی وہی فقیہ بھی تھے اور

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۶۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۱۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۳' ص ۳۲۹۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۶' ص ۲۱۳۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۴' ص ۲۱۵۔
[6] تہذیب التہذیب ج ۴' ص ۲۱۵۔ [7] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۶۶۔
[8] تذکرۃ الحفاظ ج ۱' ص ۹۷۔ [9] جامع بیان العلم و فضلہ ص ۳۸۔

انہی کے ذریعہ فقہ کی خدمت انجام پائی۔ تاہم ان میں سے جو لوگ حدیث کے مقابلہ میں فقہ کا زیادہ ذوق رکھتے۔ یا ان میں ان کا زیادہ ملکہ ہوتا وہ فقیہ کہلاتے تھے۔ مثلاً عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود' عروہ بن زبیر بن عوام' قاسم بن محمد بن ابی بکر' سعید بن مسیب' سلیمان بن یسار' ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور خارجہ بن زید' گو ان بزرگوں کو حدیث میں درک تھا' لیکن فقہ کی استعداد اور اس کا ملکہ زیادہ رکھتے تھے اور فقہ میں ان کی ذات مرجع تھی۔ اسی سے وہ فقہائے سبعہ کے لقب سے مشہور تھے اور زیادہ تر انہی بزرگوں کے ذریعہ فقہ کی اشاعت ہوئی۔ [1] ان کے علاوہ ربیعہ بن فروخ رائی' ابراہیم نخعی' امام شعبی' امام جعفر صادق' عبدالرحمٰن بن ابی سلمٰی اور قاضی شریح وغیرہ بھی اس دور کے نامور فقیہ تھے۔ جن سے فقہ کا سلسلہ پھیلا۔ ان میں سے بعض نے فقہ پر کتابیں بھی لکھیں' چنانچہ عروہ بن زبیر نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔ پھر احتیاط کی بنا پر جلا ڈالیں۔ جن کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ [2] مکحول نے دو کتابیں کتاب السنن اور کتاب المسائل لکھی تھیں۔ [3] نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول الذکر غالباً حدیث میں تھی اور دوسری فقہ میں۔ امام زہری کے فتاویٰ تین ضخیم جلدوں میں جمع کیے گئے تھے۔ [4]

مغازی وسیرت

اسی دور میں تاریخ کا آغاز ہوا اور اس کی ابتدا مغازی اور سیرت سے ہوئی۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ انہی دونوں سے عبارت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین دونوں میں ان کے علما تھے۔ تابعین میں عروہ بن زبیر' شرحبیل بن سعد' وہب بن منبہ' عکرمہ مولی ابن عباس' عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری' امام زہری' موسیٰ بن عقبہ' معمر بن راشد اس فن کے ائمہ تھے۔ کتب مغازی کا ماخذ انہی کی روایات ہیں۔ بعضوں نے ان فنون پر کتابیں بھی لکھیں۔ کشف الظنون کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغازی اور سیرت پر سب سے پہلی کتاب عروہ بن زبیر نے لکھی تھی۔ [5] لیکن امام سہیلی کے بیان کے مطابق اس فن پر پہلی تصنیف امام زہری کی ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جس نے اس فن کو سب سے زیادہ ترقی دی۔ وہ محمد بن اسحاق ہیں۔ انہوں نے اگرچہ بنی عباس کے ابتدائی دور ۱۵۱ھ میں وفات پائی' لیکن ان کا نشو ونما اموی دور میں ہوا۔ خطیب کا بیان ہے کہ انہوں نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ پھر اس پر کوئی اضافہ نہ کر سکا۔ انہوں نے سلاطین اور امرا کی توجہ لایعنی قصوں اور حکایتوں سے ہٹا کر تاریخ کی

---

[1] ابوالفداء جلد اول' ص ۲۰۲۔ [2] ابن سعد ج۔۵' ص۔۱۳۳ و تہذیب التہذیب ج۔۷' ص ۱۸۳۔
[3] فہرست ابن ندیم ص ۳۱۸۔ [4] اعلام الموقعین ج۔۱' ص ۲۶۔
[5] کشف الظنون ج۔۳' ص ۴۷۰۔

جانب پھیر دی۔ اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحاق کی کوئی اور فضیلت نہ ہوتی کہ انہوں نے سلاطین کا مذاق بدل دیا اور ان کی توجہ بے نتیجہ کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ ﷺ کے مغازی اور آپ ﷺ کی سیرت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی' تو تنہا یہی کارنامہ اور اولیت کا یہ فخر ان کی فضیلت کے لیے کافی تھا۔ ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں' لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا۔ [1]

انہوں نے تاریخ و سیرت اور مغازی پر کتاب السیرۃ والمبتداء والمغازی اور کتاب الخلفاء لکھیں۔ [2] لیکن یہ سب کتابیں ناپید ہوگئیں۔ البتہ سیرت میں ابن ہشام کی سیرت کی شکل میں جو زیادہ تر ابن اسحاق ہی کی روایات پر مشتمل ہے اب تک موجود ہے اور چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور سیرت کا نہایت معتبر اور قدیم ماخذ ہے۔ اسی دور کے ایک اور عالم معمر بن راشد المتوفی ۱۵۳ھ نے کتاب المغازی لکھی۔ [3] وہب بن منبہ المتوفی ۱۱۰ھ نے جو مغازی اور سیرت کے ساتھ' عرب کی تاریخ کے بھی عالم تھے سلاطین حمیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی۔ [4] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تاریخ سے خاص ذوق تھا۔ وہ روزانہ عرب کی لڑائیوں' ان کی قدیم تاریخ سلاطین عجم کے حالات اور ان کے طرز حکمرانی' ان کی لڑائیوں' رعایا کے ساتھ ان کی سیاست اور مختلف قدیم اقوام کے عروج و زوال کے حالات سنا کرتے تھے۔ [5] اور اس زمانہ کے ایک مشہور یمنی عالم عبید بن شریہ نے جو ان کو سلاطین عرب و عجم کے حالات' زبانوں کی پیدائش اور مختلف ملکوں میں آبادی کی تاریخ سنایا کرتے تھے، ان کے حکم سے کتاب الامثال اور کتاب الملوک واخبار الماضین تالیف کیں۔ [6] اسی دور کے ایک اور مؤرخ عوانہ بن حکم کلبی المتوفی ۱۴۷ھ نے کتاب التاریخ اور سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ لکھی۔ [7] ہشام کو علوم وفنون سے دلچسپی تھی۔ اس نے فارسی کی ایک اہم کتاب جو ایرانیوں کے مختلف علوم' ان کے فرمانرواؤں کے حالات و سیاسی واقعات پر مشتمل تھی ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کتاب مصور تھی اور مسعودی کی نظر سے گزری تھی۔ تنبیہ والاشراف میں اس کا ذکر کیا ہے۔ [8] اسی دور میں ایک اور مشہور شیعی عالم ابومخنف المتوفی ۱۵۷ھ تاریخ کے بڑے حافظ تھے اور انہوں نے تاریخ کی بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان کی روایتیں

---

[1] تاریخ خطیب ج۔۱ ص ۲۱۹۔ [2] فہرست ابن ندیم ص۔ ۱۳۶۔
[3] فہرست ابن ندیم ص۔ ۱۳۸۔ [4] شذرات الذہب ج۔۱ ص۔ ۱۵۰۔
[5] مروج الذہب ج۔۲ ص۔ ۴۲۵ بر حاشیہ نفع الطیب۔
[6] فہرست ص ۱۳۲۔ [7] فہرست ص ۱۴۷۔
[8] کتاب التنبیہ والاشراف ص۔ ۱۰۶۔

طبری نے بھی تاریخ میں نقل کی ہیں' لیکن ان کی بیشتر تصانیف ابتدائی عباسی دور کی ہیں۔

انساب

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے انساب عربوں کا پرانا علم تھا جو ہر زمانہ میں قائم رہا اور چونکہ بنی امیہ کو عربیت کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا اور ان کی حکومت کے استحکام میں قبائلی عصبیت کو بڑا دخل تھا اس لیے انہوں نے انساب کی جانب خاص توجہ دی۔ ان کے دور میں تین بڑے نساب تھے۔ ابن سیرین' سعید بن مسیب اور محمد بن سائب کلبی' خصوصاً کلبی کا علم نہایت وسیع تھا اور آئندہ علم الانساب نے جو ترقی کی اس کا بڑا ماخذ انہی کی روایات تھیں۔

لغت

اگرچہ فن لغت کی بنیاد خلفائے راشدین ہی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی' لیکن اس کی علمی تدوین اموی دور میں شروع ہوئی اور اس کا آغاز کلام مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں ہوا۔ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کلام مجید کے الفاظ کی تحقیق میں کلام عرب کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلمین قرآن کے لیے عالم لغت ہونا ضروری قرار دیا تھا۔ اس لیے تابعین نے بھی اس کو بڑی اہمیت دی۔ مجاہد کا قول ہے کہ لغات عرب کے علم کے بغیر مسلمان کے لیے کتاب اللہ کے بارے میں گفتگو کرنا جائز نہیں ہے۔ [1] امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو غیر عالم لغت کے بغیر کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہے اس کو اللہ اس کے لیے وبال جان بنا دیتا ہے۔ [2] اس لیے مفسرین قرآن کی توجہ ابتدا سے لغات کی جانب رہی۔ اس کے علاوہ خود اموی خلفا کو عربی زبان کی تحقیق سے خاص ذوق تھا اور ان کے دربار میں لغوی مباحثے ہوا کرتے تھے۔ عبدالملک کو عربی زبان کی ترقی و اشاعت سے خاص دلچسپی تھی۔ اس نے عربی کو دفتری زبان بنایا تھا۔ اس لیے وہ ادیبوں سے ادبی مباحثہ کرتا تھا اور ان میں خود شریک ہوتا تھا۔ اس کے واقعات ادب و محاضرات کی کتابوں میں ہیں۔ اس لیے اس زمانہ میں عربی زبان کی تحصیل و تحقیق کا عام مذاق پیدا ہو گیا تھا اور زبان و لغت کے جو شائقین عربی میں کمال حاصل کرنا چاہتے تھے وہ اس کی تحصیل و تحقیق کے لیے عرب کی بادیہ پیمائی کرتے تھے۔ اس دور کے دو بڑے امام لغت تھے۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی المتوفی ۱۱۷ھ اور ابوعمرو بن العلماء المتوفی ۱۵۴ھ' ابوعمرو نے زبان و لغت کی تحصیل کے لیے برسوں صحرائے عرب کی خاک چھانی تھی اور اس کے متعلق بڑا تحریری ذخیرہ فراہم کیا۔ [3] گو یہ ذخیرہ کتابی شکل

---

[1] اتقان سیوطی [2] اتقان سیوطی۔

[3] تفصیل کے لیے دیکھو ابن خلکان تذکرہ ابوعمرو بن العلماء و معجم الادباء ج ۴' ص ۲۱۷۔

میں موجود نہیں' لیکن وہ عباسی عہد کی تدوین لغت میں کام آیا۔ اشعار وانساب ولغت عرب' تینوں میں قتادہ کا علم نہایت وسیع تھا۔ اموی خلفا ان فنون کی تحقیق میں انہی کی جانب رجوع کرتے تھے۔ ❶

نحو

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایت سے ان کے ایک شاگرد ابوالاسود نے نحو کے چند اصولی قواعد مرتب کیے تھے' لیکن پھر ان کے بعد ان کے تلامذہ یحییٰ بن یعمر' عنبسہ بن معدان اور میمون بن اقران نے جو اموی عہد میں تھے' اس فن کو ترقی دی اور عیسیٰ بن عمر ثقفی المتوفی ۱۴۷ھ نے اس فن پر کتاب الجامع اور کتاب المکمل لکھی۔ ❷ اسی سلسلہ میں قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔ عربی خط ابتدا میں معرّیٰ تھا۔ اس میں نقطے اور اعراب نہ تھے' مگر اہل زبان عرب آسانی کے ساتھ ان کو پڑھ لیتے تھے' لیکن جب عجمی قومیں مسلمان ہوئیں تو پڑھنے میں غلطی کرتی تھیں۔ اس لیے حجاج بن یوسف ثقفی نے کلام مجید پر اعراب اور نقطے لگوائے۔ ❸

عربی اور دینی علوم کے علاوہ غیر قوموں کے علوم کے ترجمے اور ان میں تالیف کا بھی اس عہد میں آغاز ہوا اور اس کی ابتدا شاہی خاندان کے ایک رکن یزید بن معاویہ کے لڑکے خالد نے کی۔ وہ بڑا ذی علم تھا۔ اسے عقلی علوم سے زیادہ دلچسپی تھی اور فلسفہ اور کیمیا کا خاص ذوق رکھتا تھا۔ اس نے کیمیا پر کئی کتابیں لکھی تھیں۔ ان میں سے کتاب الحرارۃ' کتاب الصحیفۃ الکبیر' کتاب الصحیفۃ الصغیرہ خود ابن ندیم کی نگاہ سے گزری تھیں۔ ❹

ہشام بن عبدالملک کے کاتب سالم نے ارسطو کے بعض خطوط کا جو اس نے اسکندر کے نام لکھے تھے' ترجمہ کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک اسرائیلی طبیب ماسرجویہ نے اہرن القس کی قرابادین کا عربی میں ترجمہ کیا' لیکن ابن جلجل اندلسی کا بیان ہے کہ اس کا ترجمہ مروان کے زمانہ میں ہوا تھا اور وہ شاہی کتب خانہ میں محفوظ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عام فائدہ کے لیے اس کو شائع کیا۔ ❺

نظام تعلیم

اسلام کی تاریخ میں اگرچہ موجودہ اصطلاحی معنوں میں ایک عرصہ تک مدارس نہیں تھے' اور اس

---

❶ معجم الادباء ج۔۶' ص ۲۰۲۔ ❷ فہرست ص ۶۲۔
❸ تفصیل کے لیے دیکھو فہرست ابن ندیم ص۔ ۶۱ ومابعد۔
❹ فہرست ص ۴۴۷۔ ❺ اخبار الحکماء قفطی ص ۱۳۔

کی ابتدا سلجوقیوں کے دور میں ہوئی' لیکن ابتدائی مکاتب اور حلقہ ہائے درس شروع ہی میں قائم ہو گئے تھے۔ مکاتب میں معلمین بچوں کو ابتدائی تعلیم دیتے تھے جن کا تذکرہ جابجا تراجم کی کتابوں میں ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک خادم علقمہ ایک مکتب میں عربی زبان کی تعلیم دیتے تھے۔ [1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں قرآن کے مکاتب قائم کیے' جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ ابن خلکان نے ابومسلم خراسانی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ سن شعور کو پہنچا تو مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ [2]

اس زمانہ میں مدارس کے بجائے علما کے بڑے بڑے حلقہ ہائے درس تھے۔ دنیائے اسلام کے جن جن حصوں میں اصحاب علم صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین موجود تھے وہاں ان کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا جس میں ہر فن کی تعلیم ہوتی تھی۔ ابوصالح تابعی کا بیان ہے کہ اگر سارا قریش ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حلقہ درس پر فخر کرے تو بجا ہے۔ اس میں اتنا اژدہام ہوتا تھا کہ آمد و رفت مشکل ہو جاتی تھی اور اس میں قرآن و حدیث' حلال و حرام' فقہ و فرائض' عربی زبان' شاعری اور ادب و انشاء جملہ علوم کی تعلیم ہوتی تھی اور ان سے متعلق جملہ سوالات کے جوابات دیئے جاتے تھے۔ مستدرک حاکم میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے۔ [3] اور یہ درس و افاضہ کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص نہ تھا' بلکہ ہر صحابی' تابعی کے علم و استعداد کے بقدر اس کے حلقہ درس بھی تھے' اور تمام بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان کا فیض جاری تھا جس میں اس دور کے تمام علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ مدینۃ العلم مدینہ طیبہ میں کئی حلقہ درس تھے۔ ان میں ربیعہ رائی کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا۔ اس میں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا اور مدینہ کے علما اور عمائد و اشراف سب اس میں شریک ہوتے تھے۔ [4] امام مالک اور امام اوزاعی' یحییٰ بن سعید انصاری اور شعبہ وغیرہ جیسے علما اسی حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ ایک وقت میں چالیس چالیس فقہا اس میں شریک ہوتے تھے۔ [5] ان میں امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ بھی تھے۔ ایک مرتبہ نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا۔ آپ اپنی خاندانی مجلس چھوڑ کر ابن خطاب کے غلام کے حلقہ درس میں شریک ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔۔۔ انسان وہیں جاتا ہے جہاں اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ [6]

---

[1] معارف ابن قتیبہ ص ۱۵۸۔ [2] ابن خلکان ترجمہ ابومسلم خراسانی۔
[3] تفصیل کے لیے دیکھو مستدرک حاکم ج ۳' ص ۵۸۳۔
[4] تاریخ خطیب ج ۸ ترجمہ ربیعہ رائی۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۳' ص ۳۵۶۔
[6] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۵۶۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم کا کوئی مستقل حلقہ بھی تھا۔

عبداللہ بن ذکوان کا حلقہ درس اپنی شان وشوکت میں بادشاہوں کے درباروں کو شرماتا تھا۔ اس میں مختلف قسم کے علوم وفنون کے سینکڑوں طلبہ شریک ہوتے تھے۔ عبد بن ربہ کا بیان ہے کہ میں نے ابوالزناد کو اس شان سے مسجد نبوی میں دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ اتنا ہجوم تھا کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں۔ اس میں فرائض، حساب وشعر، حدیث اور مختلف علوم ومشکل مسائل کے طلبہ اور سائلین ہوتے تھے۔ [1] لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابوالزناد کے پیچھے بیک وقت مختلف علوم کے تین تین سو طالب علم ہوتے تھے۔ [2]

محمد بن عجلان کا حلقہ درس مسجد نبوی میں تھا جس میں بڑے بڑے تابعین شریک ہوتے تھے۔ [3] قاسم بن محمد ابی بکر کا الگ ایک حلقہ تھا۔ اس میں وہ طلوع آفتاب کے بعد بیٹھتے تھے۔ [4]

حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق، خصوصاً کوفہ تھا۔ یہاں بڑے بڑے علما اور ان کے متعدد حلقہ درس تھے۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا حلقہ درس نہایت ممتاز تھا۔ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم تک شریک ہوتے تھے اور سماع حدیث کرتے تھے۔ [5] امام شعبی کا حلقہ درس بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں قائم ہوگیا تھا۔ [6] مسعر بن کدام کا بھی حلقہ تھا، جس میں وہ صبح کے معمولات عبادت کے بعد بیٹھتے تھے اور شائقین حلقہ باندھ کر ان سے استفادہ کرتے تھے۔ [7] سرزمین شام میں حمص میں خالد بن معدان کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا، لیکن جب وہ بڑھ گیا تو انہوں نے بند کر دیا۔ [8]

یہ چند حلقہ ہائے درس مثالاً لکھے گئے، ورنہ اس قسم کے حلقے دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں تھے۔ جس سرزمین میں کسی صاحب علم کا قدم پہنچ گیا تھا وہاں اس کا چشمہ فیض جاری ہوگیا تھا جس سے دنیائے اسلام کا کوئی گوشہ خالی نہ تھا۔ طبقات ورجال کی کتابوں اور علمائے محدثین کے تراجم میں جابجا ان کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے گو اس زمانہ میں کوئی مرتب نظام تعلیم اور اصلاحی درس گاہیں نہ تھیں، لیکن ہر صاحب علم بجائے خود ایک مستقل درسگاہ تھا جس سے شائقین علم فیض یاب ہوتے تھے۔ اسی طرح تعلیم کا سلسلہ نہایت وسیع ہوگیا تھا اور ساری دنیائے اسلام میں علمی لہر رواں دواں تھیں۔

کتب خانے

---

[1] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۲ ص ۲۲۳۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص ۹۴۔
[3] تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص ۱۴۹۔ [4] ابن سعد ج۔۵ ص ۱۴۱۔ [5] تہذیب التہذیب ج۔۶ ص ۳۶۰۔
[6] تذکرۃ الحفاظ ج۔۱ ص ۷۱۔ [7] ابن سعد ج۔۶ ص ۲۵۳۔ [8] تذکرہ الحفاظ ج۔۱ ص ۸۱۔

اسی طریقہ سے اگرچہ بنی امیہ کے زمانہ میں باضابطہ کتب خانے نہ تھے' لیکن کتابوں کے کافی ذخیرے مہیا ہو گئے تھے' چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا' جس کو انہوں نے اپنی وفات کے وقت آگ میں جلوا دیا تھا۔ [1] ابوقلابہ جرمی کے پاس ایک بارشتر کتابیں تھیں جن کو انہوں نے اپنے مرض الموت میں ایک صاحب علم تابعی ابوایوب سختیانی کو دے دینے کی وصیت کی تھی۔ [2] امام ابن شہاب کے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ ان کا علمی شغف وانہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جب وہ گھر میں بیٹھتے تھے تو ان کے گرد کتابیں ڈھیر رہتی تھیں اور وہ ان کے مطالعہ میں دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ان کی بیوی کہا کرتی تھیں کہ ان کتابوں کا جلاپا تین سوتوں سے بڑھ کر ہے۔ [3] بنی امیہ کے شاہی خزانۃ الکتب کا ذکر بھی جا بجا ملتا ہے۔ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری سے حدیثوں کا جو مجموعہ مرتب کرایا تھا اس کو اپنے خزانۃ الکتب میں داخل کر دیا تھا۔ اسی طریقہ سے وہ قرابادین جو عمر بن عبدالعزیز نے شائع کی تھی ایک روایت کے مطابق مروان کے زمانہ سے خزانۃ الکتب میں محفوظ چلی آتی تھی۔ اس تفصیل سے اموی دور کی علمی وتعلیمی حالت کا اجمالی اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اس دور کی خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس زمانہ میں تعلیم وعلما دونوں حکومت کے اثر سے آزاد رہے۔ یہی وجہ ہے کہ امویوں کے استبداد کے باوجود علما کی حق گوئی اور حق پرستی کی جتنی مثالیں ان کے پاس سے ملتی ہیں' اتنی بعد کے کسی زمانہ میں نہیں ملتی اور گو ہر زمانہ میں کم وبیش علمائے حق موجود تھے' جن کی حق پرستی خلفا وسلاطین کے مقابلہ میں قائم رہی' لیکن بعد کے زمانہ میں جب علم خلفا کی سرپرستی میں آ گیا تو ان کی تعداد کم ہو گئی' چنانچہ عباسی عہد گو علمائے حق سے خالی نہ تھا' لیکن بہت سے علما ان کے مصاحب اور ان کی چشم وآبرو کے اشارے کے پابند تھے' اس کے برعکس اموی عہد میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور یہ نتیجہ تھا حکومت کی سرپرستی سے علم کی آزادی کا۔



[1] ابن سعد ج ۷ ق۔ اول' ص ۱۲۷۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج۔ ۱' ص ۸۲۔ [3] ابن خلکان جلد اول' ص ۴۵۱۔

تاریخ اسلام